اقبال اور احمدیت
جناب جسٹس
ڈاکٹر جاوید اقبال کی کتاب زندہ رود
پر
تبصرہ
شیخ عبدالماجد
زندہ رود
علامہ اقبال
جاوید اقبال

اقبال اور احمدیت
جناب جسٹس
ڈاکٹر جاوید اقبال کی کتاب زندہ رود
ENTERED
09 JAN 2014

پر
تبصرہ
شیخ عبدالماجد
زندہ رود
جاوید اقبال

ناشر

جناب ارشاد احمد ورک
ایڈووکیٹ - سپریم کورٹ آف پاکستان لاہور

مصنف	:	شیخ عبدالماجد
ناشر	:	چوہدری ارشاد احمد ورک ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان لاہور
طبع اول	:	ایک ہزار
تاریخ اشاعت	:	اپریل ۱۹۹۱ء
کمپوزنگ	:	سلور لنک کمپوزنگ سنٹر رائل پارک لاہور فون: ۸۶۹۸۸۷
مطبع	:	لاہور آرٹ پریس - انار کلی لاہور
قیمت	:	-/۱۲۵ روپے رجسٹرڈ بک پوسٹ ۱۵/ روپے

شیخ عبدالماجد
الحسنین منزل - حسن مارکیٹ - نیو سمن آباد - لاہور

انتساب

قائد اعظم کے معتمد رفیق - پاکستان کے پہلے
وزیر خارجہ ' عالم اسلام کے مخلص خادم -
امم متحدہ کی مجلس عام کے صدر - عالمی
عدالت کے پہلے ایشائی اور پہلے احمدی صدر
چوہدری محمد ظفراللہ خاں
کے نام

ملنے کا پتہ

لاہور	:	شیخ عبدالماجد - الحسنین منزل - حسن مارکیٹ - نیو سمن آباد - لاہور
لاہور	:	ناصر محمود - 1 - دیال سنگھ مینشن - شاہراہ قائداعظم
"	"	محمد محمود - ۴۳ - شاہراہ قائداعظم المحمود فوٹوز نزد دیال سنگھ مینشن
لاہور	:	احمدیہ ——— دارالذکر - سمن آباد - وحدت کالونی - ماڈل ٹاؤن (بروز جمعہ)
مختلف شہر	:	احمدیہ بیت الذکر - کراچی، حیدر آباد، رحیم یار خاں، ملتان، راولپنڈی،
"	"	اسلام آباد، لاہور، شیخوپورہ، اوکاڑہ، فیصل آباد
ربوہ	:	افضل برادرز گولبازار ربوہ -
لندن	:	Mr. Hashim Saeed‘37 Crow Throne Close
"	"	South Field‘ London قیمت: پانچ پونڈ
کینیڈا	:	Ahmad Traders and Marketing
"	"	1616‘Gerrard Str‘ East
"	"	Toronto (ONT) M4L-2A5 Canada
کراچی	:	مکرم لطیف احمد شاد صاحب، احمدیہ ہال میگزین لین - صدر - کراچی
بھارت (قادیان)	:	ملک صلاح الدین صاحب ایم اے، رکن صدر انجمن احمدیہ

نیز اپنے ہاکر یا بک سٹال سے طلب فرمائیں

قیمت ۴۵ روپے   رجسٹرڈ بک پوسٹ =/۵ روپے

فہرست

عکس دستخط مرحوم سر محمد اقبال۔

عکس تحریر علامہ اقبال

(ملاحظہ کیجئے صفحہ ۵۱۳)

(نوٹ) کتاب کے ۲۰ ابواب ہیں۔ "حواشی" ہر باب کے اختتام پر درج کئے گئے ہیں۔ ان حواشی میں بھی مفید حوالے موجود ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

راجہ غالب احمد

دیباچہ

مشرقی علوم میں اقبالیات کو ایک مستقل فکری نظام کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ علامہ اقبال کی شخصیت اور ان کی فکر جن ارتقائی منازل کو طے کرتی رہی ہے، مشرق و مغرب کے دانشکدوں میں اس موضوع پر بھی اکثر بحث ہوتی رہتی ہے۔ وفات اقبال کے بعد گذشتہ باون برس میں بلامبالغہ سینکڑوں تصانیف اور ہزاروں مقالات اقبال کی شخصیت اور فکر و فن پر سپرد قلم کئے گئے ہیں۔ ان موضوعات میں سے ایک اختلاف افروز موضوع "اقبال اور احمدیت" ہے۔ اس موضوع پر بہت سی نگارشات ذخیرۂ اقبالیات کا مستقل سرمایہ بن چکی ہیں۔ احمدیہ عقائد اور اقبال کے فکری ارتقا کے بارے میں حال ہی میں علامہ کے فرزند ارجمند جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنی تحقیقی تصنیف "زندہ رود" میں بھی خاصی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحقیق کی رو سے اپنی تصنیف میں کئی مقامات پر علامہ اقبال کے سوانحی خاکے میں بعض ناگزیر واقعات کے ضمن میں اقبال کے سلسلہ احمدیہ کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب سے حسن عقیدت اور جماعت احمدیہ کی تعریف اور تحسین میں بیان کئے گئے اقوال کے بارے میں کچھ ایسی باتیں شامل کی ہیں جنہیں تحقیقی تسامحات سمجھا جائے گا۔ اور ان کے

بارے میں تاریخی حقائق اور واقعات کی روشنی میں زیر نظر اس کتاب میں **شیخ عبدالماجد**
صاحب نے عرق ریزی سے وہ تمام تحقیقی مواد اور حوالہ جات اقبالیات کے طالب علم کے
لئے یکجا کر دیئے ہیں ۔ جن سے ان تسامحات کی تصحیح اور حقائق کی دریافت اور احوال واقعی تک
پہنچنا آسان ہو جاتا ہے ۔ یہ کتاب " زندہ رود " کے مباحث پر ایک جامع ' ناقدانہ ' اور سیر
حاصل بحث کا نہ صرف آغاز کرتی ہے ۔ بلکہ اقبالیات کے حوالے سے اس موضوع پر اپنا علیحدہ
ایک تشخص قائم کرتی ہے ۔ جسے کوئی سنجیدہ نقاد نظرانداز نہیں کر سکتا ۔ یہ کتاب اس پس منظر
میں تحریر کی گئی ہے کہ تاریخ اقبال کسی سطح پر بھی مسخ شدہ صورت میں اگر پیش کی جائے تو اس
کی تصحیح کے لئے فوری طور پر اقدام کئے جائیں ۔ شیخ عبدالماجد صاحب نے اپنی اس تصنیف میں
اس کام کو خوش اسلوبی سے کماحقہ ادا کیا ہے ۔

اب ان تاریخی شواہد سے انکار کرنا ممکن نہیں کہ خاندان اقبال کو بانی سلسلہ احمدیہ اور
احمدیہ جماعت سے گہری وابستگی رہی ہے ۔ پہلے طویل دور میں علامہ اقبال ' احمدیت کو اسلام
کی تشکیل نو میں اسلامی سیرت کا ایک " ٹھیٹھ نمونہ " قرار دیتے ہیں ۔ اپنے بڑے
صاحبزادے آفتاب اقبال کو قادیان میں دینی تعلیم و تربیت کے لئے داخل کراتے ہیں پھر فقہی
استفسارات سے لے کر یہ دور ۱۹۳۲ء تک چلتا ہے بلکہ مصنف " زندہ رود " کے مطابق ۱۹۳۵ء
سے قبل ' اقبال احمدیوں کو قطع نظر ان کے عقائد کے مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ سمجھتے تھے
۔ لیکن دوسرے مختصر سے دور میں (۱۹۳۵ء تا وفات ۱۹۳۸ء) مختلف سیاسی واقعات اور ان سے
وابستہ اختلافات کے پس منظر میں علامہ اقبال نے سلسلہ احمدیہ کے بارے میں کڑی تنقید کی
اور اپنے انگریزی اور اردو مقالات میں خاصی تفصیل سے اس کا ذکر کیا ۔ ان حالات میں
اقبالیات کا ایک سنجیدہ قاری یہ سمجھنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ ۱۹۳۵ء میں وہ کیا اسباب
تھے جن سے فکر اقبال میں یکدم یہ تبدیلی آئی ؟ فکری ' سماجی ' سیاسی اور انفرادی پہلوؤں سے یہ
مطالعہ ازبس ضروری تھا ۔ اس ضمن میں شیخ صاحب نے زیر نظر تحقیق میں نہایت عمدہ اور
مبسوط مطالعہ علمی انداز میں پیش کیا ہے ۔ اور ہر ممکن کوشش کی ہے کہ تاریخی شواہد اور
حوالوں کے علاوہ اپنے ذاتی نقطہ نظر کو کم سے کم پیش کیا جائے ۔ یہ اس کتاب کی نمایاں خوبی
ہے ۔ اس کے مصنف اگرچہ اقبال شناسوں کی صف میں باقاعدہ شمار نہیں ہوتے مگر ان کی یہ
کاوش ہر لحاظ سے ایک منفرد تحقیقی مقام کا درجہ رکھتی ہے ۔ مصنف نے اقبالیات کے بارے

میں بعض اشکال کا جواب پیش کیا ہے ۔ اور یہ اہتمام کیا ہے کہ دونوں طرف کے بیانات کو اس
طرح " روبرو " پیش کیا جائے کہ قاری ازخود اس علمی قضیے کو سمجھنے میں آسانی محسوس کرے
۔ احمدیت اور اقبال کے سلسلہ میں جو مسائل " زندہ رود " میں اٹھائے گئے ہیں ۔ ان کا جواب
واضح طور پر اس تصنیف میں موجود ہے ۔ اور اس طرح شیخ صاحب نے نہایت محنت اور کاوش
سے بہت سی ایسی توضیحات اور تصریحات اور ان سے وابستہ بہت سے ہم عصر حالات اور
واقعات اپنی تصنیف میں جمع کر دیئے ہیں ۔ جن سے اس کتاب میں ایک مستقل موضوع اور
تصنیف کا مزاج پیدا ہو گیا ہے ۔ تاریخ احمدیت اور سوانح اقبال کے حوالے سے بہت سے
معلومات افزاء نئے حواشی ہمارے سامنے آئے ہیں ۔ اور یہ قابل ستائش امر ہے ۔

• شیخ عبدالماجد صاحب کی اس تحقیقی تصنیف کو پڑھنے کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا ہے ' کہ
ذخیرۂ اقبالیات میں از سر نو پھر ایک علمی اور تحقیقی بحث کا آغاز ہوا ہے ۔ جس سے برصغیر میں
اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے نئی جہتوں پر سوچنے اور کام کرنے کے لئے آگاہی
حاصل ہو گی ۔ اور یہی شیخ صاحب کے اس علمی کام کا احسن صلہ ہے ۔ میں انہیں مبارکباد
پیش کرتا ہوں ۔

غالب احمد

سابق چیئرمین پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور

۱۹۹۱-۱-۳

جناب قمر اجنالوی صاحب ایڈیٹر روزنامہ "مغربی پاکستان" کا تبصرہ
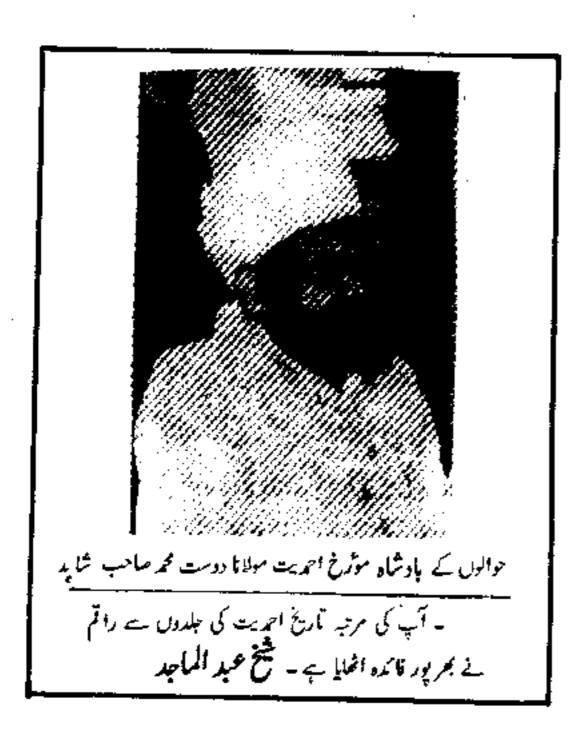
جناب شیخ عبدالماجد صاحب!

آپ نے مسٹر جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال کی کتاب "زندہ رود" پر "اقبال اور احمدیت" کے حوالے سے جو تبصرہ لکھا ہے میں نے اس کا مسودہ پوری توجہ اور گہری دلچسپی سے پڑھا ہے۔ میں آپ کی تحقیقی کاوش سے بڑا متاثر ہوا ہوں۔ آپ نے پاکستان کی ایک اہم شخصیت جنہیں قانون و انصاف کے حلقوں، دانشوروں اور معاشرے میں مقام عزت حاصل ہے کی تحریر کے جواب میں جو لب و لہجہ اختیار کیا ہے اور علامہ اقبال کے متعلق بھی جس پیرائے میں گفتگو کی ہے۔ وہ آپ کی عالمانہ بصیرت کا مظہر ہے۔

علامہ اقبال کے لائق فرزند مسٹر جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال نے "اقبال اور احمدیت" کے موضوع پر جس حد تک بھی قلم اٹھایا ہے وہ انہیں بہرطور ایک دن اٹھانا تھا۔ کیوں کہ یہ بات ایک نسل سے دوسری نسل تک زیر بحث چلی آتی ہے کہ علامہ اقبال کا احمدیت اور قادیان سے کبھی کوئی گہرا تعلق رہا ہے یا نہیں؟ ڈاکٹر جاوید اقبال نے گہرے تعلق سے انکار کیا ہے جب کہ آپ نے ان کے خیال کی نفی کی اور واقعات و دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ معاملے کی صورت کچھ اور ہے۔ بات کسی دلیل، سلیقے اور دردمندی کے ساتھ لکھی جائے تو دل میں اترتی چلی جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ قاری کی دلچسپی بھی بڑھتی جاتی ہے۔ جس سے بالآخر وہ ایک نتیجہ اخذ کرلیتا ہے۔ آپ نے زیر بحث موضوع پر پوری چھان پھٹک کی ہے۔ ماضی کے اخبارات و جرائد اور کتابوں سے بڑے نادر حوالے نکال کر پیش کئے ہیں۔ اور ایک سیر حاصل بحث کے بعد دراصل آپ نے جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال کو ایک بہت بڑی ذمہ داری سونپ دی ہے۔ کہ وہ اپنی کتاب کے "اقبال اور احمدیت" سے متعلقہ حصوں پر نظر ثانی کریں یا پھر آپ کی تحریر کا جواب لکھیں۔ کیوں کہ آپ کی یہ "تحقیقی کتاب" چھپ جانے کے بعد معاملے کی جو نئی صورت سامنے آئے گی۔ اس کی وضاحت کرنا

ڈاکٹر صاحب کی ذمہ داری میں شامل ہے۔

قمر اجنالوی

۳۱ جنوری ۱۹۹۰ء

ایڈیٹر روزنامہ "مغربی پاکستان"

(لاہور، بہاول پور، سکھر)

حوالوں کے بادشاہ مؤرخ احمدیت مولانا دوست محمد صاحب شاہد

۔ آپ کی مرتبہ تاریخ احمدیت کی جلدوں سے راقم نے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ شیخ عبدالماجد

عرض حال

زندہ رود کا تعارف

جناب جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنے والد بزرگوار شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کے سوانح حیات " زندہ رود " کے نام سے تین جلدوں میں شائع کئے ہیں ۔ پہلی جلد ۱۹۷۹ء دوسری ۱۹۸۲ء اور تیسری ۱۹۸۴ء میں منظر عام پر آئی ۔ جلد اول ۱۹۰۸ء تک کے حالات پر مشتمل ہے ۔ جلد دوم ۱۹۰۸ء سے ۱۹۲۵ء تک کے حالات سے متعلق ہے اور جلد سوئم جو ۴۳۸ صفحات پر مشتمل ہے ۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۸ء کے دور کا احاطہ کرتی ہے ۔ یہ جلدیں یکجائی صورت میں بھی شائع ہو چکی ہیں اور اقبال اکیڈمی پاکستان کی جانب سے ان جلدوں کا فارسی ترجمہ بھی زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے ۔

شیخ اعجاز احمد صاحب کا نوٹ

جب تیسری یعنی آخری جلد کا مسودہ تیار ہو رہا تھا تو علامہ اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد صاحب کے فرزند اکبر شیخ اعجاز احمد صاحب ۱ ۔ نے جسٹس جاوید اقبال کو لکھا کہ اس جلد میں چونکہ اس دور کا ذکر بھی آئے گا جس میں علامہ نے احمدیت کی مخالفت کی تھی ۔ یہ مخالفت زیادہ تر ۳۶-۱۹۳۵ء کے دور سے تعلق رکھتی ہے ۔ جس وقت آپ کی عمر ۱۰-۱۲ سال کے قریب تھی اس لئے آپ کو ذاتی طور پر تو علامہ کی طرف سے جماعت احمدیہ کے خلاف محاذ آرائی کی تفاصیل اور مخالفت کے وجوہ کا علم نہیں ہو سکتا ۔ ادھر جماعت کے خلاف چاروں طرف تعصب کی فضا چھائی ہوئی ہے اس لئے تاریخ کے اس مرحلے کو ضبط تحریر میں لاتے وقت خاص احتیاط کی ضرورت ہے ۔ جسٹس جاوید اقبال صاحب نے جواباً لکھا کہ میں تو ایک غیر جانبدار مؤرخ کی حیثیت سے علامہ کے سوانح لکھنا چاہتا ہوں ۔ اس لئے اگر آپ اپنے نقطہ نظر سے " علامہ اقبال اور احمدیت " کے موضوع پر کوئی نوٹ مجھے بھجوا سکیں تو میں اسے آپ ہی کے الفاظ میں شامل کتاب کر لوں گا ۔ اس پر شیخ اعجاز احمد صاحب نے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے مخلص احمدی ہیں ایک مفصل نوٹ انہیں بھجوا دیا ۔ جاوید اقبال صاحب یقیناً شکریہ کے

مستحق ہیں کہ انہوں نے اس نوٹ کا قریباً ۹۵ فی صد حصہ من و عن اپنی کتاب میں شائع کر دیا ۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ مصنف نے شیخ صاحب کے اخذ کردہ نتائج سے اتفاق نہیں کیا اور اپنے اختلاف کی مفصل وجوہ بیان کی ہیں اور یہی وجوہ " تبصرہ " کے نام سے ہماری کتاب کا موضوع ہے ۔

جناب جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال کی کتاب " زندہ رود " میں درج شدہ اعتراضات یا نکتہ چینیوں کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں ۔

ا ۔ شیخ اعجاز احمد صاحب کے ارسال کردہ نوٹ کے دلائل کا رد کرتے ہوئے ان سے اختلاف رائے کا اظہار کیا گیا ہے ۔

ب ۔ علامہ کے ۳۶-۱۹۳۵ء والے مضامین میں پیش کردہ اعتراضات ۔ خدشات یا بیانات کو دہرایا گیا ہے ۔

ج ۔ اپنی طرف سے بعض نئے اعتراضات شامل کئے گئے ہیں ۔

" مظلوم اقبال "

جب " زندہ رود " کی یہ جلد ۱۹۸۴ء میں منظر عام پر آئی تو شیخ اعجاز احمد صاحب بھی ایک کتاب کا مسودہ " مظلوم اقبال " کے نام سے شائع کرنے کا ارادہ رکھتے تھے ۔ خاکسار نے ان کی خدمت میں اپنے نوٹ کو اپنی کتاب (مظلوم اقبال) میں شامل کر لینے کی درخواست کی نیز لکھا کہ اگر ممکن ہو تو اس نوٹ پر جناب جسٹس جاوید اقبال صاحب کے اختلافی موقف کا جواب بھی شائع کر دیا جائے ۔۔۔۔ شروع میں تو محترم شیخ صاحب اس نوٹ کو بھی " مظلوم اقبال " میں شائع کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے ۔ دراصل ان کا مسودہ بہت پہلے کا رقم فرمودہ تھا اور اس کا تعلق زیادہ تر علامہ اقبال کی ذات کے اجنبی گوشوں اور ان کی شخصیت کی غیر معروف گہرائیوں اور علامہ کے ۱۰۰ کے قریب گھریلو نوعیت کے خطوط سے تھا اور وہ اپنی کتاب کو اسی موضوع تک محدود رکھنا چاہتے تھے ۔ جہاں تک اختلافی موقف کے جواب کا تعلق ہے ۔ محترم شیخ صاحب (پیدائش ۱۸۹۹ء) نے مجھے جواب دیا کہ میں بوڑھا آدمی ہوں ۔ مجھ میں اب تحقیق کی سکت نہیں ۔۲۔ کسی اور دوست کو اس طرف توجہ کرنی چاہئے ۔ شیخ صاحب محترم کی یہ بات اپنی جگہ بالکل درست تھی ۔

بعد میں آپ نے اپنا نوٹ اپنی کتاب میں شامل کر لیا ۔ اور اس کے ساتھ ایک اور نوٹ کا بھی اضافہ کر دیا جس کا تعلق زیادہ تر آپ کے دادا ' آپ کے والد اور آپ کے چچا (علامہ اقبال) اور آپ کی اپنی بیعت کے متعلق بعض تفصیلات سے تھا ۔ مگر " زندہ رود " میں درج شدہ اعتراضات ' بیانات یا خدشات اکثر و بیشتر تشنۂ جواب ہی رہے ۔

بہرحال جسٹس جاوید اقبال صاحب کی کتاب " زندہ رود " ۱۹۸۴ء میں اور جناب شیخ اعجاز احمد صاحب کی تصنیف " مظلوم اقبال " ۱۹۸۵ء کے اواخر میں شائع ہو گئی ۔

مستند سوانح عمری

متعدد اقبال شناسوں نے " زندہ رود " کو اقبال کی مستند ترین سوانح عمری قرار دیا ہے ۔ بعض محققین نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ علامہ کے سوانح حیات پر یہ کتاب حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے ۔ زندہ رود کی خوبی یہ ہے کہ اس میں حیات اقبال کے اکثر و بیشتر گوشے بغیر جانبداری کے بلا کم و کاست پیش کر دیئے گئے ہیں ۔ ایک بیٹے کی طرف سے باپ کی سوانح عمری میں یہ انداز کافی سراہا گیا ہے ۔ کتاب کی زبان عام فہم ہے اور دو ایک مقامات کو مستثنیٰ کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ تنگ نظر ملاؤں کا طرز نگارش اختیار نہیں کیا گیا مگر بعض مقامات پر احمدیت کے بارے میں جانبدارانہ رنگ آمیزی سے کام لیا گیا ہے ۔ بعض جگہ بغیر حوالہ دیئے نکتہ چینی کی گئی ہے ۔ کہیں امر واقعہ کے ساتھ مبالغہ کی آمیزش موجود ہے ۔ کہیں حقائق پر پردہ ڈالنے کی خاطر ' بات گول مول انداز میں پیش کی گئی ہے ۔

تحقیقی تسامح

۳۶-۱۹۳۵ء میں جب علامہ اقبال نے بعض مضامین لکھ کر احمدیت کے خلاف احرار اور اخبار زمیندار کی جاری شدہ مہم میں شرکت کی تو سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر میں آپ کی نکتہ چینیوں کا کافی و شافی جواب دیا گیا ۔ مصنف زندہ رود چاہتے تو ان جوابات کو ملحوظ رکھ کر بات کو آگے بڑھاتے مگر آپ نے علامہ کے مضامین میں درج شدہ نکات کو جو ایک حد تک اخبار " زمیندار " کا ہی چربہ ہیں ۔ دہرا دیا ہے ۔۔۔۔ ظاہر ہے یہ انداز تحقیق قابل رشک نہیں ۔

راقم کا انداز مطالعہ

اس تحقیقی مقالہ میں راقم نے " زندہ رود " کے مندرجات میں سے صرف " اقبال اور

احمدیت " کے موضوع سے واسطہ رکھا ہے ۔ اور متعلقہ حصوں پر آزاد ذہن کے ساتھ " تبصرہ " کیا ہے ۔ اور صاف اور سیدھی راہ اختیار کرنے کی کوشش کی ہے ۔

راقم کو خود زندہ رود کے مختلف مقامات سے ایسا مواد مل گیا ہے جسے مصنف کی بعض غلط فہمیوں اور نکتہ چینیوں کے ازالہ کے لئے پیش کیا جا سکتا ہے ۔

زندہ رود کا متعلقہ حصہ

تبصرہ کے لئے زیادہ تر زندہ رود جلد سوم کے باب ۲۰ کے ۵۰ صفحات (ص ۔ ۵۵۱ تا ص ۔ ۶۰۰) ۔ اور باب ۱۷ کے تین صفحات (ص ۳۹۸ تا ۴۰۰) راقم کے پیش نظر ہیں ۔

(نوٹ) اس " تبصرہ " کو راقم کی ذاتی رائے کا درجہ دیا جائے اور ہر جزو میں اسے جماعت احمدیہ کی ترجمانی نہ سمجھا جائے ۔

خاکسار

شیخ عبدالماجد

۹۱-۳-۱

ماہرین اقبالیات سے درخواست ہے کہ وہ اصلاح طلب امور کی طرف توجہ دلا کر ممنون فرمادیں ۔ تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اصلاح کر دی جائے ۔

- حواشی -

ا۔ بقول علامہ اقبال "شیخ اعجاز احمد" ۔ نہایت صالح آدمی ہیں اور بقول مصنف زندہ رود :-
" ۔ اقبال کے خاندان میں صرف شیخ اعجاز احمد ہی کو اپنے دادا شیخ نور محمد کی صفات ورثہ میں ملی ہیں - وہ ان کی طرح اصول کے پکے - عالی ظرف - بردبار - مخالفوں یا ناحق ایذا پہنچانے والوں کو معاف کرنے والے - سادہ ، نیک ، شفیق ، حلیم اور صلح کن طبیعت کے مالک ہیں - " (زندہ رود ص ۱۵۷)

۲۔ گذشتہ ایک " یوم اقبال " کے موقعہ پر قارئین نے ملاحظہ کیا ہو گا کہ ٹی وی والوں نے شیخ صاحب کی ضعیف العمری اور نقاہت کی وجہ سے ان کا انٹرویو ان کے ڈرائینگ روم میں ہی ریکارڈ کیا تھا -

چوہدری بشیر احمد صاحب - مسٹر ایوب صاحب - چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب -
قاضی عیسیٰ صاحب - علامہ اقبال کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد صاحب (مصنف " مظلوم اقبال ")

باب نمبر۱ فصل نمبر۱

اقبال کا خاندانی پس منظر اور احمدیت

علامہ اقبال کے والد کا نام شیخ نور محمد تھا اور عرف نتھو۔ ان کا سن پیدائش اندازاً ۱۸۳۷ء ہے ۔ ان کی وفات ۱۷ ر اگست ۱۹۳۰ء کو ہوئی ۔ گھر میں اور محلے برادری میں سب انہیں " میاں جی " کہتے تھے ۔ میاں جی کو اہل اللہ سے عقیدت تھی ۔ وفات کے وقت شمسی حساب سے ان کی عمر ۹۳ سال تھی - ۱۔ میاں جی " ابتدا " احمدیہ جماعت میں شامل ہو گئے تھے - ۲۔

علامہ کی والدہ کا نام " امام بی بی " تھا اور محلے برادری میں سب انہیں " بے جی " کہتے تھے ۔ قرائن سے پتہ لگتا ہے کہ شیخ نور محمد سے آپ کی شادی ۱۸۵۷ء سے کچھ قبل ہوئی ہو گی ۔ " امام بی بی " کو بھی تحریک احمدیہ کے بانی سے عقیدت تھی ۳۔

علامہ کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کا سن پیدائش ۱۸۵۹ء ہے ۔ بقول اقبال وہ " قامت میں صورت سرو بلند " تھے ۔ دونوں بھائیوں میں مثالی محبت تھی ۔
آپ کا شمار بھی ابتدائی احمدیوں میں کیا جاتا ہے ۔ ۴۔

شیخ نور محمد کے صاحبزادے علامہ اقبال ۹ ر نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے ۔ احمدیت قبول کرنے کے بارے میں آپ کے متعلق دو مختلف آراء ہیں ۔ ایک طبقہ کا کہنا ہے کہ آپ نے ۱۸۹۷ء میں قادیان جا کر بیعت کی تھی جبکہ بعض لوگ اس واقعہ کو نادرست قرار دیتے ہیں ۔

علامہ کے بڑے بھائی کے صاحبزادے شیخ اعجاز احمد (مصنف مظلوم اقبال) ۱۸۹۹ء کے شروع میں پیدا ہوئے ۔ علامہ نے ان کا نام " اعجاز احمد " رکھا ۔ آپ ۱۹۳۱ء کے لگ بھگ بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے ۵۔

اقبال کی ارادت مندی

۱۸۸۹ء میں جماعت احمدیہ کا قیام عمل میں آیا - لدھیانہ کے مقام پر بیعت اولی ہوئی -
فروری ۱۸۹۲ء میں بانی سلسلہ احمدیہ پھر سیالکوٹ تشریف لے گئے - ان دنوں شیخ عطا محمد اور ڈاکٹر
اقبال اپنے والد صاحب کی بیعت کی وجہ سے اپنے آپ کو جماعت احمدیہ میں شمار کرتے تھے اور
حضرت اقدس سے ارادتمندانہ تعلق رکھتے تھے - چنانچہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کا بیان ہے کہ
(حضرت صاحب کے) سفر سیالکوٹ کے موقعہ پر اقبال جو مسجد کی ڈیوڑھی کی چھت پر چڑھے
بیٹھے تھے مجھے دیکھ کر کہنے لگے -

دیکھو شمع پر کس طرح پروانے گر رہے ہیں ۶ -

اقبال کے خاندان کے افراد کی بیعت

مصنف " زندہ رود " کے مطابق '
" - اس بات میں کوئی صداقت نہیں کہ - اقبال نے اپنی زندگی کے کسی مرحلہ پر مرزا
غلام احمد کی بیعت کی یا احمدیت کے ساتھ ان کا گہرا تعلق رہا - اس طرح یہ کہنا بھی درست
نہیں کہ ان کے والد شیخ نور محمد احمدی تھے - البتہ ان کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد نے اپنی زندگی
کے ایک حصہ میں احمدی مسلک قبول کیا اور کچھ مدت تک جماعت احمدیہ میں شامل رہے مگر
بقول ان کے فرزند..... و دختر... بعد ازاں احمدیت کو ترک کر کے جماعت سے رشتہ توڑ دیا -
شیخ عطا محمد ' اقبال کی وفات کے تقریباً دو سال بعد ۲۲ ر دسمبر ۱۹۴۰ء کو سیالکوٹ میں فوت ہوئے
اور انہیں امام صاحب کے معروف قبرستان میں دفنایا گیا - ان کے جنازے میں راقم بھی شریک
تھا - نماز جنازہ شہر کے ایک سنی امام مولوی سکندر خاں نے پڑھائی - البتہ شیخ اعجاز احمد اور ان
کے چند احمدی احباب نے غالباً شیخ عطا محمد کے گذشتہ یا مفروضہ عقیدے کے پیش نظر علیحدہ نماز
جنازہ پڑھی ۷ -

اقبال کا احمدیت کے ساتھ گہرا تعلق

اقبال کے خاندان کے افراد کی بیعت کی تفصیلات کا مطالعہ کرنے سے پیشتر راقم عرض کرتا
ہے کہ جہاں تک مصنف زندہ رود کے اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ اقبال کا احمدیت سے گہرا تعلق
نہیں رہا یا آپ احمدیت سے متاثر نہیں رہے - یہ بات محل نظر ہے -
واضح رہے کہ برصغیر کے متعدد مسلم مشاہیر ایسے ہیں - جنہوں نے بانی سلسلہ احمدیہ یا

احمدیت کی مخالفت نہیں کی یا تعریف کی ہے - ان میں مولانا شبلی نعمانی - مولانا حالی - مولانا اکبر
الٰہ آبادی ' مولانا عبدالحلیم شرر ' علامہ کے استاد مولانا سید میر حسن ' خواجہ حسن نظامی ' مولانا
غلام رسول مہر ' مولانا ابو الکلام آزاد ' مولانا محمد علی جوہر - مولانا عبدالماجد دریا بادی وغیرہ شامل
تھے ---- لیکن ان میں سے کسی کا بھی احمدیت کے ساتھ ایسا گہرا تعلق نہیں رہا کہ اس نے
اپنے لخت جگر کو دینی تعلیم کے حصول کے لئے سالہا سال تک قادیان بھجوائے رکھا ہو - بانی
سلسلہ احمدیہ کو ہندی مسلمانوں میں غالباً سب سے بڑے " دینی مفکر " کے طور پر پیش کیا ہو -
آپ کی جماعت کو " اسلامی سیرت کے ٹھیٹھ نمونہ کی حامل جماعت " قرار دیا ہو - پھر کسی
کا بھی اتنا گہرا تعلق نہیں رہا کہ اس نے اپنے ذاتی یا رفیقۂ حیات کے معاملات کے سلسلہ میں
شرعی فتوے قادیان سے منگوائے ہوں - وفات مسیح کا اقرار کیا ہو اور امت میں نئے مسیحا (
New Christ) کی ضرورت کو تسلیم کیا ہو۸ - احمدیت کے خلاف محاذ آرائی کے دور میں
بھی " صالح آدمی " قرار دیتے ہوئے اپنے اس عزیز کو اپنے نابالغ بچوں کے اولیاء میں شامل
کیا ہو جو کچھ عرصہ پیشتر تحریک احمدیہ میں شامل ہو چکا ہو -

اقبال کے والد شیخ نور محمد کی بیعت

اقبال کے والد شیخ نور محمد کی بیعت کے بارہ میں شیخ اعجاز احمد لکھتے ہیں کہ '
" - میں نے خاندان کی بزرگ خواتین یعنی بے جی (علامہ کی والدہ صاحبہ) بھابی جی (
میری والدہ صاحبہ) اور دونوں پھوپھیوں خصوصاً پھوپھی کریم بی سے سنا ہوا ہے کہ انیسویں
صدی کی آخری دہائی میں سلسلہ احمدیہ سے ہمارے خاندان کے گہرے تعلقات تھے - ابا جان تو
سلسلہ میں شامل ہونے والے ابتدائی حضرات میں سے تھے اور میاں جی (علامہ کے والد
صاحب) بھی جماعت میں شامل ہو گئے تھے - میاں جی کے بانی سلسلہ کے پہلے جانشین حضرت
مولانا حکیم نور الدین (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو) کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے - یہاں تک
کہ ایک مرتبہ جب ان کی اہلیہ محترمہ بھی ان کے ساتھ سیالکوٹ تشریف لائیں تو وہ ہمارے گھر
" بے جی " کے پاس ٹھہریں - حضرت مولانا حکیم نور الدین نے بے جی کے درد گردہ کا کامیاب
علاج بھی کیا تھا - ۱۹۰۲ء میں جب ہماری منجھلی پھوپھی طالع بی کا انتقال ہوا تو سیالکوٹ کے احمدی
حضرات ان کے جنازہ میں شامل نہ ہوئے - اس پر " میاں جی " نے حضرت میر حامد شاہ جو

مولانا میر حسن کے رشتہ دار اور سیالکوٹ کے احمدیوں کے سرکردہ بزرگ تھے کی زبانی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو پیغام بھیجا کہ ۔ " میں عمر رسیدہ ہوں ۔ آپ کے ساتھ اس قدر تیز نہیں چل سکتا " برادری میں ان کے وسیع تعلقات تھے ۔ انہوں نے محسوس کیا ہو گا کہ وہ غیر احمدیوں کا جنازہ نہ پڑھنے والے قاعدہ کی پابندی نہ کر سکیں گے ۔ ممکن ہے انہیں اس مسئلہ پر شرح صدر بھی نہ ہو ۔ اس لئے جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی ۔ ان کے متعلق صرف یہی کہنا کہ وہ احمدی نہ تھے ۔ نامکمل بات ہو گی ۔ ہاں یہ کہنا درست ہو گا کہ وہ ابتدا میں جماعت میں شامل ہو گئے تھے لیکن ۱۹۰۲ء میں جماعت سے الگ ہو گئے ۔ " ۹ ۔

" اقبال اور قادیانی " کے مصنف نعیم آسی صاحب کی تحقیق بھی یہی ہے کہ '

" حضرت علامہ کے گردوپیش حتیٰ کہ ان کے والد شیخ نور محمد ..... مرزا غلام احمد سے متاثر تھے بلکہ شیخ نور محمد صاحب نے تو مرزا صاحب کی بیعت بھی کی ہوئی تھی ۔ " ۱۰ ۔

اقبال کی والدہ صاحبہ کی عقیدت

شیخ اعجاز احمد ہی کا فرمانا ہے '

" ...... پھر یہ بھی ہمارے خاندان کی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ سے عقیدت کا ہی اثر تھا کہ " بے جی " جنہیں ابا جان کے ہاں اولاد نرینہ کی بڑی خواہش تھی ' نے ابا جان سے حضرت صاحب کو دعا کے لئے خط لکھوایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اولاد نرینہ عطا کرے اور جب ۱۸۹۹ء کے شروع میں راقم الحروف (شیخ اعجاز احمد) پیدا ہوا ۔ تو چچا جان (علامہ اقبال) نے نومولود کا نام " اعجاز احمد " رکھا ۔ ۱۱

ظاہر ہے علامہ نومولود کو " احمد " کی دعاؤں کا اعجاز سمجھتے تھے ۔

شیخ اعجاز احمد صاحب کی ایک تحریر کے مطابق (جو راقم کے پاس محفوظ ہے) اکتوبر ۱۹۰۴ء میں جب حضور سیالکوٹ تشریف لائے اور سید حامد شاہ صاحب کے ہاں فروکش ہوئے تو باوجود اس کے کہ میاں جی ' جماعت سے علیحدگی اختیار کر چکے تھے ۔ بے جی مجھے دعا کی غرض سے حضرت صاحب کے پاس لے گئیں ۔ (خلاصہ)

علامہ کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کی بیعت

مصنف زندہ رود نے علامہ کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد (۱۸۵۸ء ۔ ۱۹۴۰ء) کے متعلق جو کچھ

ضرورۃ الامام

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ بعض اوقات اپنے مخلص مریدوں کو اپنی تصنیفات اپنے دستخطوں سے مزین کر کے بھجوایا کرتے تھے ۔ علامہ کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کے نام آپ نے اپنی کتاب " ضرورت الامام " دستخط ثبت فرما کر ارسال کی ۔ یہ کتاب ۱۸۹۸ء میں شائع ہوئی تھی ۔

شیخ عطا محمد صاحب کی بیٹی کے لئے ایک جگہ سے رشتہ آیا ۔ رشتے کی خبر نکلی تو محلے کے ایک نوجوان نے علامہ اقبال کو خط لکھا ۔ کہ لڑکا کٹر مرزائی ہے ۔ یہاں رشتہ نہ کیا جائے ۔ علامہ نے یہ خط شیخ عطا محمد صاحب کو بھیج دیا ۔ ان دنوں آپ کے بیٹے شیخ اعجاز احمد جھنگ مگھیانہ میں سب جج تھے ۔ آپ نے اپنے بیٹے کو لکھا کہ میں نے " اقبال کو لکھ دیا ہے کہ میں خود بھی تو مرزائی ہوں " محلے کے اس مخالف احمدیت نوجوان کے متعلق لکھا " بد فطرت لوگ اپنی دلی قدورت اکثر اس موقعہ پر یوں نکالا کرتے ہیں ۔ "

شیخ عطا محمد سیالکوٹ ۔ ۵ ر اکتوبر ۱۹۲۹ء کے پوسٹ کارڈ کا فوٹو کاپی

لکھا ہے وہ مندرجہ ذیل شہادتوں کی بنا پر نظر ثانی کے لائق ہے۔

۱۔ مولانا عبدالمجید سالک فرماتے ہیں '

"۔ شیخ عطا محمد نے بیاسی سال کی عمر پائی ۱۹۴۰ء میں انتقال فرمایا ... شیخ صاحب احمدی عقائد رکھتے تھے۔ "۱۲۔

۲۔ "ملفوظات اقبال" کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ عطا محمد ' عمر کے آخری دور میں بھی علامہ کو احمدیت میں شامل ہونے کی تحریک کیا کرتے۔ حدیث نبوی ہے

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا ۱۳۔

(یعنی اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر اس امت کے لئے مجدد مبعوث کیا کرے گا جو اس کے دین کی تجدید کیا کرے گا)۔ ۳۶-۱۹۳۵ء میں شیخ عطا محمد صاحب کی طرف سے مرزا صاحب کی صداقت کے حق میں اس حدیث کا پیش کرنا اور علامہ اقبال کی طرف سے اس پر جرح کے لئے دیکھئے ص ۶۵

۳۔ شیخ اعجاز احمد صاحب (اپنے بھائی اور بہن شیخ عطا محمد صاحب کے فرزند اور دختر جنہوں نے احمدیت قبول نہیں کی۔ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) لکھتے ہیں۔

"اس روایت (کہ ابا جان نے بعد ازاں احمدیت کو ترک کر کے جماعت سے رشتہ توڑ دیا) کے راوی کوئی بھی ہوں اور یہ روایت بیان کرنے کی وجہ ان کی واقعات سے لاعلمی یا ان کی معاشرتی مجبوریاں اور مصلحتیں کچھ بھی ہوں۔ یہ روایت درست نہیں اور دستاویزی شہادت کے خلاف ہے۔ ابا جان جماعت احمدیہ میں ابتدائی شامل ہونے والوں میں تھے۔ وہ ان ۳۱۳ دوستوں میں سے ہیں جن کے نام بانی سلسلہ نے اپنی کتاب "ضمیمہ انجام آتھم" میں درج کئے ہیں ..... ان کے کیش بکس سے حضور کا دستخطی ۲۱ دسمبر ۱۹۰۱ء کا ایک مکتوب بھی حفاظت سے رکھا ہوا ملا اور حضور کی شبیہ مبارک تو وفات تک ان کے کمرے کی زینت رہی۔"

شیخ اعجاز احمد مزید لکھتے ہیں کہ ان کے پاس ان کے والد صاحب کا ۲۹ء کا خط بھی موجود ہے کہ "۔ میں خود بھی تو مرزائی ہوں۔ لیکن مجھ میں ان میں صرف جنازہ کے سوال کا فرق ہے۔

"

آپ فرماتے ہیں۔

"میرے عزیزوں میں سے جو چاہے یہ خط ——— دیکھ سکتا ہے۔"

خاکسار عرض کرتا ہے کہ ۱۹۳۱ء کے لگ بھگ شیخ اعجاز احمد صاحب نے بھی بیعت کر لی۔ چودھری ظفر اللہ خاں صاحب نے جب اس بیعت کے بارے میں شیخ عطا محمد صاحب سے ذکر کیا تو آپ بہت خوش ہوئے اور چودھری صاحب سے فرمایا '

چودھری صاحب! اوتے میرے پچھے ای آناں سی۔ (یعنی جو مسلک میں نے قبول کیا ہے اس نے بھی وہی مسلک قبول کرنا تھا۔) ۱۴ ؎

شیخ عطا محمد صاحب کی بیعت کے بارے میں الفضل کی خبر کا متن

شیخ عطا محمد صاحب نے خود بیان کیا کہ انہوں نے بانی سلسلہ احمدیہ کے ہاتھ پر ابتدائی زمانہ میں بیعت کی تھی۔ پھر بیعت خلافت بھی کر لی۔ یہ خبر ——— روزنامہ الفضل کی ۱۰ر اپریل ۱۹۳۴ء کی اشاعت میں شائع شدہ ہے۔

خبر کا متن یہ ہے۔

"احباب جماعت یہ سن کر خوش ہوں گے کہ تھوڑا ہی عرصہ ہوا۔ جناب ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے بھتیجے جناب شیخ اعجاز احمد صاحب بی اے سب جج نے حضرت امام احمدیہ کی بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اب ان کے والد جناب شیخ عطا محمد صاحب گورنمنٹ پنشنر سیالکوٹ نے بیعت کا حسب ذیل خط تحریر فرمایا ہے '

(سیدنا حضرت امام جماعت احمدیہ) جناب والا۔ کمترین حضرت بانی سلسلہ کے ابتدائی زمانہ کا بیعت شدہ ہے۔ خدا کے فضل اور حضرت بانی سلسلہ کی دعاؤں کی برکت سے بیعت پر ثابت قدم ہے۔ بلکہ بعض نشانات نے میرے ایمان کو زیادہ محکم کر دیا ہے۔ چودھری ظفر اللہ خاں صاحب نے مجھے بتلایا کہ خلافت کی بیعت بھی ضروری ہے۔ بوجہ پیرانہ سالی و نقاہت ' حاضری سے مجبور ہو کر یہ عریضہ خدمت اقدس میں ارسال ہے۔ براہ نوازش قدیمانہ مجھے اپنی بیعت کے سلسلہ میں لے لیویں۔ میں صدق دل سے آپ کی بیعت خلافت کرتا ہوں۔

نیاز مند

شیخ عطا محمد

ظاہر ہے کہ شیخ عطا محمد صاحب تو از خود اقرار فرما رہے ہیں کہ میں ابتدائی زمانے سے لے

کر اب (۱۹۳۴ء) تک احمدیت پر نہ صرف ثابت قدم ہوں بلکہ بعض نشانات کی وجہ سے میرا ایمان پہلے سے زیادہ مستحکم ہوگیا ہے۔ مگر مصنف زندہ رود یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ۔ "کچھ مدت تک جماعت میں شامل رہنے کے بعد شیخ صاحب نے احمدیت کو ترک کر کے جماعت سے رشتہ توڑ دیا

شیخ عطا محمد صاحب کی نماز جنازہ

"۔ شیخ عطا محمد صاحب کی نماز جنازہ ایک سنی امام نے پڑھائی"۔۔

زندہ رود کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ اعجاز احمد نے حقیقت حال کی یوں وضاحت کی ہے'

"۔ یہ درست ہے کہ ابا جان کے جنازہ کے ساتھ ہماری برادری کے کئی اشخاص اور ابا جان کے کئی ذاتی دوست تھے۔ جاوید کا اس وقت لڑکپن ۱۵ ،رتھا۔ اس لئے انہوں نے یہ بات نوٹ نہ کی ہو یا انہیں یاد نہ رہی ہو کہ میرے چھوٹے بھائی امتیاز مرحوم نے مجھے کہا کہ یہ لوگ ابا جان کا جنازہ پڑھنا چاہتے ہیں۔ لیکن اپنے امام کے پیچھے۔ کیا اس میں آپ کو کوئی اعتراض ہے۔ میرے نزدیک یہ کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی اور میں نے بہ خوشی اجازت دے دی بلکہ کہا کہ وہ لوگ پہلے جنازہ پڑھ لیں بعد میں ہم پڑھ لیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔"

شیخ صاحب مزید لکھتے ہیں'

"۔ یہاں یہ غلط فہمی بھی دور کردوں کہ احمدیوں میں جنازہ کسی کے "گذشتہ یا مفروضہ عقیدے" کے پیش نظر نہیں پڑھا جاتا" ۱۶ ؎

مورخ احمدیت

علامہ اقبال کی بیعت

اقبال نے بانی سلسلہ احمدیہ کے ہاتھ پر قادیان جا کر بیعت کی تھی یا نہیں؟ کوئی عقائد کا مسئلہ نہیں ہے۔ اس واقعہ کے بارہ میں دو آراء بھی ہو سکتی ہیں بلکہ ہیں۔ جس طبقہ کے نزدیک اقبال نے بیعت کی تھی۔ اس کی طرف سے عام طور پر درج ذیل شواہد پیش کئے جاتے ہیں۔

ا۔ مؤرخ احمدیت مولانا شیخ عبدالقادر (سابق سوداگر مل) مربی مرحوم اپنی تصنیف "لاہور تاریخ احمدیت" مطبوعہ ۱۹۶۶ء میں بانی سلسلہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے لاہور کے

ایک بزرگ بابو غلام محمد صاحب (وفات ۱۹۴۶ء) کی ایک روایت درج کرتے ہیں کہ بابو صاحب نے بیان کیا۔

ا۔ مارچ ۱۸۹۷ء میں ہم لاہور کے کافی نوجوانوں نے جو سارے کے سارے تعلیم یافتہ تھے ... ارادہ کیا کہ حضرت مرزا صاحب کو قادیان جا کر دیکھنا چاہئے کیونکہ باہر تو انسان تصنع سے بھی بعض کام کر سکتا ہے لیکن اگر گھر میں جا کر اسے دیکھا جائے تو اصل حقیقت سامنے آجاتی ہے۔ خیر ہم حضرت اقدس کے دعویٰ کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے عازم قادیان ہو گئے۔ ہم میں سے ہر شخص نے الگ الگ اعتراضات سوچ لئے تھے جو وہ کرنا چاہتا تھا۔ مولوی محمد علی صاحب، خواجہ کمال الدین صاحب، ڈاکٹر محمد اقبال صاحب، مولوی غلام محی الدین صاحب قصوری، چوہدری شہاب الدین صاحب، مولوی سعد الدین صاحب بی اے ایل ایل بی وغیرہ بھی اس قافلہ میں شامل تھے (خواجہ کمال الدین صاحب ۱۸۹۴ء میں بیعت کر کے سلسلہ عالیہ میں داخل ہو چکے تھے) .... جب ہم قادیان پہنچے تو گول کمرہ میں ہمارے لئے ملاقات کا انتظام کیا گیا۔ حضور جب تشریف لائے۔ تو آتے ہی ایک تقریر کے رنگ میں ہمارے ایک ایک اعتراض کو لے کر اس کا جواب دینا شروع کیا حتیٰ کہ ہم سب کے اعتراضات کا مکمل جواب آگیا۔ تب ہم ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر تعجب کرنے لگے کہ یہ کیسے ہوا؟ جب باہر نکلے تو بعض نے کہا کہ یہ سچ مچ مامور من اللہ ہے اور بعض نے کہا۔ یہ جادوگر ہے۔ چودھری شہاب الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب وغیرہ نے کہا کہ یہ ضرور سچا ہے۔ ہم تو بیعت کرتے ہیں۔ چنانچہ مولوی محمد علی صاحب، چودھری سر شہاب الدین صاحب، ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب اور مولوی غلام محی الدین صاحب قصوری اور خاکسار نے بیعت کرلی۔ بعض اور لوگوں نے بھی بیعت کی تھی مگر ان کے نام مجھے یاد نہیں رہے۔ ...... چودھری سر شہاب الدین صاحب اب بڑے آدمی ہیں مگر میرے ساتھ اسی طرح بے تکلفی سے باتیں کرتے ہیں۔ مجھے جب بھی ان سے ملنے کا موقعہ ملتا ہے۔ یہی کہتے ہیں کہ .. میں حضرت صاحب کو اب بھی نبی مانتا ہوں گو اپنے اعمال کی وجہ سے نظام سلسلہ میں داخل نہیں۔ ۱۷ ؎

ب۔ اقبالیات کے عظیم سکالر جناب بشیر احمد ڈار صاحب لکھتے ہیں'

"ایک روایت کے بموجب اقبال نے ...... مرزا غلام احمد کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔" ۱۸ ؎

ج ۔ خواجہ نذیر احمد صاحب چیئرمین سول اینڈ ملٹری بورڈ آف ڈائریکٹرز نے ۵۴-۱۹۵۳ کی تحقیقاتی عدالت (میز انکوائری) کے سامنے شہادت دیتے ہوئے بتایا کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر مرزا بشیر الدین محمود احمد تھے اور علامہ اقبال ' کمیٹی کے ممبروں میں شامل تھے ۔ جب ان دونوں کے درمیان باہمی اختلاف پیدا ہوئے تو میرے والد خواجہ کمال الدین ' اقبال سے ملنے ان کی رہائش گاہ پر گئے ۔ اس ملاقات میں میں بھی ہمراہ تھا ۔ والد صاحب نے علامہ سے (دوستانہ بے تکلفی میں ۔ ناقل) کہا '

اوئے یار ! تیری بیعت دا کی ہویا

علامہ نے جواباً کہا '

او ویلا ہور سی ۔ اے ویلا ہور اے ۔ ۱۹؎

یعنی علامہ نے بیعت کے واقعہ سے انکار نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے ۔ جب میں نے بیعت کی تھی وہ اور وقت تھا ۔ اب حالات بدل چکے ہیں ۔

یہ واقعہ ۱۹۳۳ء کا ہے ۔

د ۔ قادیان جا کر بیعت کرنے والے گروہ کے ایک رکن مولوی غلام محی الدین صاحب (لاہور کے ممتاز ایڈووکیٹ) تھے ۔ جو خواجہ نذیر احمد صاحب کے دوستوں میں تھے ۔ ۱۹۵۳ء کی اینٹی احمدیہ تحقیقاتی عدالت میں ہی خواجہ صاحب نے اپنی شہادت کے دوران اپنے دوست غلام محی الدین صاحب قصوری کے حوالے سے بیان کیا کہ اقبال نے قصوری صاحب کے ہمراہ ۱۸۹۳ء میں قادیان جا کر بانی سلسلہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ۔ (یہ علامہ کے لڑکپن کا دور تھا) ۔۔۔۔ عدالت میں بیان دینے کے بعد جب خواجہ صاحب کی بار میں قصوری صاحب سے ملاقات ہوئی تو قصوری صاحب نے بیعت کے سن کی تصحیح فرما دی اور بتایا کہ علامہ نے میرے ہمراہ ۱۸۹۳ء میں نہیں بلکہ ۱۸۹۷ء میں قادیان جا کر بیعت کی تھی ۔ اس پر خواجہ صاحب نے اگلے دن نہایت صفائی اور راستبازی سے کام لیتے ہوئے عدالت کے ریکارڈ میں درخواست دے کر سن کی تصحیح کرا دی ۔ ۲۰؎

مصنف زندہ رود نے اس شہادت پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ '

" گواہ نے پہلے تو کہا کہ یہ بیعت ۱۸۹۳ء میں ہوئی تھی ۔ پھر کہا کہ ۱۸۹۷ء میں ہوئی تھی

مصنف کے نزدیک گواہ کی تضاد بیانی کی وجہ سے اس کی شہادت قابل اعتماد نہیں ۔ لیکن مندرجہ بالا وضاحت کے بعد مصنف کی طرف سے دیا گیا تاثر وزنی دکھائی نہیں دیتا ۔

مصنف زندہ رود نے گواہ کی شہادت پر تنقید کرتے ہوئے مزید لکھا ہے ۔

" بعد ازاں گواہ نے اپنی شہادت کے کسی اور حصہ میں بتایا کہ اقبال ۱۹۳۰ء تک مرزا غلام احمد کو مجدد مانتے رہے ۔ پھر کہا کہ اس نے اپنے بیان میں یہ کہیں بھی نہیں کہا کہ اقبال احمدی تھے ۔ ۲۱؎

اس ضمن میں گواہ نے کیا بیان دیا ؟ آیئے اس دور کے اخبارات پر ایک نظر ڈالتے ہیں ۔

کیا اقبال ۱۹۳۱ء تک قادیانی رہے ؟

گواہ (خواجہ نذیر احمد صاحب) نے ازخود اپنی اگلی پیشی میں تحقیقاتی عدالت کو بتایا کہ ان کے بعض سابقہ بیانات کی اخبارات میں رپورٹنگ غلط شائع ہوئی ہے ۔ عدالتی کاروائی میں اس کی تصحیح کر دی جائے ۔ مثلاً ملاحظہ ہو " اقبال کے ۱۹۳۱ء تک احمدی ہونے کے بارہ میں " خواجہ صاحب کا بیان '

" آج چیف جسٹس محمد منیر اور مسٹر جسٹس ایم ۔ آر ۔ کیانی کے روبرو جرح شروع ہوتے ہی گواہ نے ۴ / نومبر ۱۹۵۳ء کے پاکستان ٹائمز لاہور میں شائع شدہ عدالتی کاروائی کی طرف اشارہ کیا ۔ جس کا عنوان تھا ۔ " اقبال ۱۹۳۱ء تک قادیانی تھے " ۔ گواہ نے کہا کہ میری گواہی کو غلط پیش کیا گیا ہے کیونکہ میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ علامہ اقبال قادیانی تھے ۔ میں نے یہ کہا تھا کہ علامہ اقبال نے بیعت کی تھی ۔ ۲۲؎

اس ضمن میں مصنف نے بجائے اخبارات کی غلط رپورٹنگ پر تنقید کرنے اور خواجہ صاحب کی جانب سے عدالت میں اس کی شکایت کا اظہار کرنے کے ' یہ تاثر دیا ہے کہ گویا گواہ اپنے سابقہ بیانات سے منحرف ہوتا رہا ۔ ۲۳؎

لڑکپن کی بیعت

راقم عرض کرتا ہے ۔ لڑکپن کی بیعت تھی ۔ نہ بعد میں قصوری صاحب نے نبھائی نہ علامہ نے ۔ البتہ اقبال نے ۱۸۹۷ء سے ۱۹۳۲ء تک کے ۳۵ سال جماعت احمدیہ سے سلسلہ موانست و مواخات قائم کئے رکھا ۔

لڑکپن میں بیعت کرنا اور پھر عمر بھر اس بیعت کو نبھانا دراصل دو الگ الگ امور ہیں۔ جنہیں اقبال کے معاملہ میں یکجا کر دینے سے غلط فہمی پیدا کر دی گئی ہے۔

سوال یہ ہے کہ علامہ اقبال کی بیعت کے متعلق اس زبردست اور ملک گیر چونکا دینے والے عدالتی بیان پر مصنف زندہ رود یا حلقۂ اقبال کے کسی سرکردہ رکن کی طرف سے قصوری صاحب پر جرح کر کے ان کے بیان کو غلط ثابت کیا گیا؟ جواب نفی میں ہے ۔۔۔ کیا مختلف مکاتیب فکر کے متعدد علماء اور دانشوروں نے جو عدالت میں پیش ہوتے رہے' یہ گواہی غلط ثابت کر دکھائی؟ جواب ہے۔ نہیں

راقم کی نظر میں قصوری صاحب کا بیان بہت وزن رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ ۱۸۹۷ء میں بیعت کر لینے کے بعد خود علامہ کی طرح احمدیت سے وابستہ نہیں رہے تھے۔ ان کو حقیقت کے خلاف بیان دینے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

اقبال نے بیعت نہیں کی

اس کے مقابل مصنف زندہ رود کا موقف یہ ہے کہ اس بات میں کوئی صداقت نہیں کہ "اقبال نے اپنی زندگی کے کسی مرحلہ پر مرزا غلام احمد کی بیعت کی۔" ۲۴؎

اپنے موقف کی تائید میں مصنف فرماتے ہیں کہ مرزا غلام احمد کے ایک مخلص مرید سید حامد شاہ نے ۱۹۰۲ء میں اقبال کو مرزا غلام احمد کی بیعت کے لئے لکھا جس کا جواب اقبال نے ایک نظم کے ذریعے دیا۔ علامہ فرماتے ہیں

تنکے چن چن کے باغ الفت کے — آشیانہ بنا رہا ہوں میں
ایک دانہ پہ ہے نظر تیری — اور خرمن کو دیکھتا ہوں میں
تو جدائی پہ جان دیتا ہے — وصل کی راہ سوچتا ہوں میں

مصنف لکھتے ہیں'

اس نظم کے مطالعہ سے عیاں ہے کہ وہ احمدیت کو ملت اسلامیہ میں ایک علیحدگی پسند تحریک سمجھ کر "ناپسندیدگی" کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔" ۲۵

راقم عرض کرتا ہے کہ علامہ کے لڑکپن کی بیعت کا واقعہ ۱۸۹۷ء کا ہے اور بیعت کا پیغام پانچ سال بعد ۱۹۰۲ء کا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پیغام بھجوانے والے کو یہ احساس ہو کہ چونکہ علامہ

نے عملی رنگ میں جماعت کے ساتھ روابط نہیں رکھے اور اب لڑکپن کا دور بھی نہیں رہا۔ اب آپ کا ذہنی شعور پختہ ہو چکا ہے۔ اب آپ کے والد صاحب کے جماعت سے روابط میں بھی سرد مہری آ رہی ہے۔ اس صورت حال میں علامہ کو نئے سرے سے بیعت کا پیغام بھجوانا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ راقم کا خیال ہے کہ اگر غلام محی الدین قصوری صاحب کو بھی اس دور میں جب وہ برصغیر کے ممتاز ایڈوو کیٹس میں شمار ہونے لگے تھے۔ بیعت کا پیغام بھیجا جاتا تو وہ بھی بیعت کرنے پر آمادگی کا اظہار نہ کرتے لیکن اس سے ان کے ۱۸۹۷ء والے بیعت کے واقعہ کو تو کالعدم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

بہرحال ۱۹۰۲ء میں حالات بہت کچھ بدل چکے تھے۔ علامہ ایم اے کر چکے تھے۔ اورینٹل کالج میں استاد مقرر ہو چکے تھے۔ کچھ عرصہ پیشتر ملکہ وکٹوریہ کی وفات پر غائت درجہ پُردرد و پُراثر مرثیہ لکھ کر انگریزوں سے زبردست خراج تحسین حاصل کر کے شہرت پا چکے تھے۔ آپ کے والد صاحب کی احمدیت سے وابستگی کا گراف بھی نیچے گر چکا تھا۔ ۲۶؎

۔ وجہ کچھ بھی ہو ایک بات طے ہے کہ علامہ کا جماعت کو علیحدگی پسند تحریک سمجھنا کسی وقتی اور عارضی جذبے کے تحت تھا کیونکہ بعد کے ۳۰ سالہ واقعات یا علامہ کے بیانات ظاہر کرتے ہیں کہ علامہ کی تمام غلط فہمیاں دور ہو چکی تھیں۔ اور آپ صرف اسی تحریک کو ایک "پسندیدہ" یا "اسلامی تحریک" سمجھنے لگے تھے۔ علماء کی شدید مخالفتوں کے باوجود آپ کا رجحان "قادیان" کی طرف تھا۔

- ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک علامہ کا قیام انگلستان میں رہا۔ ۲۷؎
- ۱۹۰۹ء میں علامہ ہمیں جماعت احمدیہ لاہور کے جلسہ سیرت النبیؐ کے مقرروں میں نظر آتے ہیں۔ ۲۸؎
- ۱۹۱۰ء میں علی گڑھ میں علی الاعلان جماعت احمدیہ کو "مسلم کردار کا طاقتور مظہر" قرار دیتے ہیں ۲۹؎
- ۱۹۱۱ء میں اپنے لخت جگر کو دینی تعلیم و تربیت کے لئے قادیان بھجواتے ہیں۔ ۳۰؎

جس طبقہ کو اقبال کی بیعت کے واقعہ سے اتفاق نہیں۔ اس کی جانب سے اقبال کا یہ شعر بھی پیش کیا جاتا ہے۔۔

مینار دل پہ اپنے خدا کا نزول
یہ انتظار مہدی و عیسیٰ بھی چھوڑ دے

اور کہا جاتا ہے کہ علامہ تو کسی مسیح یا مہدی کے آنے کے قائل ہی نہ تھے۔ اس ضمن میں ہمیں یہ بات پیش نظر رکھنا ہوگی کہ علامہ کی بیعت کا سن ۱۸۹۷ء بتایا جاتا ہے اور یہ غزل ۱۹۰۵ء یعنی سات سال بعد کی ہے۔ ۱۸۹۷ء میں اقبال کے لڑکپن کا دور تھا۔ اس عمر میں مذہبی مسائل کی باریکیوں پر گہری نظر نہیں ہوتی۔ اس لئے ۱۸۹۷ء کے حالات کا ۱۹۰۵ء یا اس کے بعد کے حالات پر اطلاق کرنا چنداں مناسب نظر نہیں آتا۔ ۳۱ے

اقبال کی بیعت یا عدم بیعت کے بارے میں قارئین کے سامنے دونوں پہلو آگئے ہیں۔ خود فیصلہ کر لیجئے۔ کونسا پہلو زیادہ وزنی ہے۔

احمدیہ لٹریچر اور افراد خاندان کی بیعت

مصنف زندہ رود نے اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ اقبال یا اقبال کے خاندان کے افراد کی بیعت کے متعلق

۔احمدیہ جماعت کے نقادوں نے۔ "اقبال کی زندگی میں یہ باتیں نہ کہی تھیں"۔ ۳۲ے

۔راقم دریافت کرتا ہے کہ کیا شیخ عطا محمد صاحب کی زندگی میں غیر احمدی نقادوں میں سے کسی نے یہ بیان دیا کہ آپ نے کچھ مدت جماعت میں رہنے کے بعد احمدیت سے اپنا رشتہ توڑ لیا ؟جواب ہے نہیں

اسی طرح اقبال کی بیعت کا مسئلہ تو زیادہ تر اس وقت زیر بحث آیا جب اینٹی احمدیہ تحقیقاتی عدالت (۱۹۵۳ء) میں خواجہ نذیر احمد صاحب نے اپنا بیان ریکارڈ کروایا کہ علامہ نے ۱۸۹۷ء میں مولوی غلام محی الدین قصوری کے ہمراہ قادیان جا کر بانی سلسلہ احمدیہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ باقی افراد خاندان کی بیعت کا ذکر نہ صرف اقبال کی زندگی میں کیا گیا بلکہ اقبال کو مخاطب کر کے کیا گیا۔ چنانچہ جب ۱۹۳۵ء میں علامہ نے احمدیت کے خلاف مضامین لکھے تو حضرت امام جماعت احمدیہ نے اپنے خطبات میں اصولی طور پر ان کا نہایت معقول جواب دیا۔ پھر یہ خطبات الفضل اخبار میں اشاعت پذیر ہوئے۔ حضور نے اپنے خطبہ میں علامہ کے ایک الزام کے رد میں فرمایا '

"اگر یہ الزام کوئی ایسا شخص لگاتا جسے احمدیوں سے واسطہ نہ پڑا ہوتا تو میں اسے معذور

سمجھ لیتا لیکن سر محمد اقبال معذور نہیں کہلا سکتے۔ ان کے والد صاحب مرحوم احمدی تھے۔ ۳۳ے ان کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد صاحب احمدی ہیں۔ ان کے اکلوتے بھتیجے شیخ اعجاز احمد صاحب سب جج احمدی ہیں ..... ان کے بڑے بھائی صاحب حال ہی میں کئی ماہ ان کے پاس رہے ہیں بلکہ جس وقت انہوں نے یہ اعلان شائع کیا ہے اس وقت بھی سر محمد اقبال صاحب کی کوٹھی وہ تعمیر کرا رہے تھے۔ کیا سر محمد اقبال صاحب نے ان کی رہائش کے ایام میں انہیں منافق پایا تھا یا خود اپنی زندگی سے زیادہ پاک زندگی ان میں پائی جاتی تھی۔ ان کے سگے بھتیجے شیخ اعجاز احمد ایسے نیک نوجوان ہیں کہ اگر سر محمد اقبال غور کریں تو یقیناً انہیں ماننا پڑے گا کہ ان کی اپنی جوانی 'اس نوجوان کی زندگی سے سینکڑوں سبق لے سکتی ہے۔ پھر ان شواہد کی موجودگی میں ان کا کہنا کہ احمدی منافق ہیں اور وہ ظاہر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اظہار کرتے ہیں لیکن دل سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔ ۳۴ے

علامہ اس دور میں احمدیت کے خلاف لمبے چوڑے بیانات دے رہے تھے۔ مگر چونکہ اپنے والد محترم اور اپنے بڑے بھائی کی بیعت کا انکار نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے اس ضمن میں خاموشی ہی کو مصلحت جانا۔ اور پھر زندگی بھر اس معاملہ میں زبان نہ کھولی۔

ANTI-QA

(Continued from page 1)
contained the heading "Iqbal was a Qadiani up to 1931, says Kh. Nazir."

The witness pointed out that this was a misrepresentation of his evidence in Court because he never stated that Allama Iqbal was a Qadiani. What he stated was that Allama Iqbal had taken the *be'at*.

Khwaja Nazir Ahmad also corrected his previous statement by stating that Allama Iqbal did not, as previously stated by the witness, take the *be'at* in 1893 or 1894 but in 1897 and that the witness had been reminded of this fact by Maulvi Ghulam Mohyuddin Qasuri in the Bar Room when he had a talk with the witness on this subject.

THE PAKISTAN TIMES,
NOVEMBER 11, 1953-

باب نمبر۱ فصل نمبر۲

شیخ عطا محمد صاحب اور مسز ڈورس احمد

علامہ کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد صاحب (پیدائش ۱۸۵۹ء) اور آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ اعجاز احمد صاحب (پیدائش ۱۸۹۹ء) کے بارے میں کچھ امور جرمن عیسائی خاتون محترمہ ڈورس صاحبہ کے انگریزی کتابچے "Iqbal As I Knew him" ۔ اقبال جیسا میں انہیں جانتی تھی" ۔ میں بھی بیان ہوئے ہیں ۔ جن کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا ۔

علامہ اپنے خط بنام سر راس مسعود محررہ ۸ ر جون ۱۹۳۷ء میں اپنے نابالغ بچوں کی نگہداشت کے لئے ایک جرمن خاتون کو بلوانے کے انتظام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں '

"۔ جاوید کی عمر اس وقت تقریباً ۱۳ سال ہے اور منیرہ کی قریباً سات سال ۔ ماں کی موت سے ان کی تربیت میں بہت نقص رہ گئے ہیں ۔ اس واسطے میں نے مذکورہ انتظام کیا ہے ۔" ۳۵ ۔ ۳۶ ہے

یہ محترمہ جولائی ۱۹۳۷ء (اقبال کی وفات سے قریباً ۹ ماہ قبل) علی گڑھ سے اقبال کے گھرانے میں تشریف لائیں اور پھر اسی گھرانے میں رچ بس گئیں ۔ اقبال کی وفات کے بعد قریباً ۲۵ سال تک جاوید منزل میں مقیم رہیں ۔

پروفیسر محمد منور صاحب سابق ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی ' محترمہ کے مذکورہ انگریزی کتابچے کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کتابچہ میں شامل مواد کئی کتب پر بھاری ہے ۔ آپ مزید لکھتے ہیں کہ میں نے اقبال کی گھریلو زندگی کے بارے میں یہ کتابچہ رقم فرمانے پر اقبال اکیڈمی کی طرف سے دس ہزار روپیہ انعام پیش کرتے ہوئے محترمہ سے کہا '

"۔ آپ جاوید اقبال اور منیرہ بانو ہی کی امی نہیں ۔ ہم سب کی امی ہیں ۔ آپ نے ہمارے پیرو مرشد کو کئی تفکرات سے چھٹکارا دلایا ۔ خصوصاً بچوں کی تربیت کے باب میں ــــ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید حضرت علامہ "ضرب کلیم" ، "پس چہ کرد اے اقوام شرق" ـــ اور "ارمغان حجاز" مکمل نہ کر پاتے ..... اس اعتبار سے اے محترمہ ڈورس صاحبہ ! آپ کا احسان

فقط ہم پاکستانی مسلمانوں پر ہی نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ پر ہے (اس وقت محترمہ کی عمر اسی بچاسی برس کی ہوگی ۔" ۳۷ ہے

محترمہ ڈورس صاحبہ ' شیخ عطا محمد صاحب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں '

"۔ شیخ عطا محمد ہی نے علامہ کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے یورپ بھجوایا ۔ آپ ہمیشہ شلوار قمیص ۔ ترکی ٹوپی اور پگڑی میں ملبوس رہتے ۔ آپ سیالکوٹ میں رہائش پذیر تھے اور عام طور پر ہر مہینہ میں ایک مرتبہ علامہ کے پاس لاہور آیا کرتے تھے ۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اپنے چھوٹے بھائی کے بچوں کی دیکھ بھال کے لئے ایک میم صاحبہ کے وجود کو ناپسند کرتے تھے اور گھر میں میری موجودگی سے متنفر تھے ۔ آپ بہت کٹر قسم کے مسلمان تھے اور خیال کرتے تھے کہ جاوید اور بانو (علامہ کے بچوں ۔ ناقل) کی نگہداشت کے لئے کسی مسلمان خاتون کا تقرر ہونا چاہئے تھا ۔ جب کبھی ان کا آنا ہوتا یا علی بخش (خادم علامہ اقبال ۔ ناقل) ان کی آمد کی اطلاع دیتا ' میں ادھر ادھر ہو جاتی اور حتی الامکان ' علامہ کے کمرے میں داخل ہونے سے گریز کرتی ۔" ۳۸ ہے

شیخ اعجاز احمد کا مقام

علامہ اپنے مکتوب بنام سر راس مسعود میں اپنے بھتیجے شیخ اعجاز احمد صاحب کو "نہایت صالح آدمی" قرار دیتے ہیں ۔ "۳۹ ہے علامہ کی اس رائے کی تصدیق محترمہ ڈورس صاحبہ کے کتابچہ کے مندرجات سے بھی ہوتی ہے ۔ آپ لکھتی ہیں '

"۔ شیخ اعجاز احمد ' شیخ عطا محمد کے بڑے صاحبزادے تھے ۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے ۔ ایسا لگتا تھا جیسے ڈاکٹر صاحب (علامہ ۔ ناقل) اِن کے بارے میں نہایت اعلیٰ رائے رکھتے تھے ۔ کیونکہ اپنے چھوٹے بچوں کا گارڈین مقرر کرنے کے سلسلہ میں علامہ نے ان کو ان کے والد پر بھی ترجیح دی تھی ۔ ۴۰ ہے

عام طور پر یہ تاثر ۴۱ ۔ دیا جاتا ہے کہ شیخ اعجاز احمد کے قادیانی ہو جانے کی وجہ سے علامہ ان سے متنفر ہو گئے تھے اور آپ ان کی جگہ کسی اور کو گارڈین مقرر کرنا چاہتے تھے مگر حقائق اس تاثر کی تائید نہیں کرتے ۔ مثلاً یہی کہ

"۔ شیخ اعجاز احمد صاحب نے اپنے گارڈین مقرر ہونے کے بعد احمدیت اختیار نہیں کی تھی

بلکہ ان کے احمدی ہو جانے کے بعد علامہ نے ان کو اپنے بچوں کا گارڈین مقرر کیا تھا۔"

اپنے بچوں کا گارڈین مقرر کرنے کے معاملہ میں علامہ، ہمیں بہت لبرل (Librel) نظر آتے ہیں۔ مسز ڈورس اپنے کتابچہ میں بتاتی ہیں کہ

"۔ وفات سے کچھ عرصہ پیشتر علامہ نے مجھے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میاں امیرالدین اور تمہیں اپنے بچوں کا گارڈین مقرر کروں۔" ۴۴ سے

ظاہر ہے گارڈین کے تقرر کے معاملہ میں علامہ ایک غیر کلمہ گو عیسائی خاتون کو بھی موزوں سمجھتے ہیں۔ پھر اپنے حقیقی بھتیجے، نہایت صالح آدمی۔ کلمہ گو وجود سے نفرت اور محض احمدی ہونے کی وجہ سے اسے اس اعزاز سے برطرف کرنے کی خواہش، علامہ کی خواہش معلوم نہیں ہوتی۔

گارڈین کے انتخاب میں تبدیلی کا خیال

سالہا سال تک احمدیت کا مداح رہنے کے بعد علامہ اقبال کا احمدیت کے خلاف پہلا مضمون، مئی ۳۵ء میں شائع ہوا۔ اس سے قریباً ۵ ماہ بعد علامہ نے اپنے بھتیجے شیخ اعجاز احمد کو جو کچھ عرصہ قبل بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ سے داخل ہو چکے تھے۔ ایک وصیت نامہ کے ذریعہ اپنے بچوں کے اولیاء (گارڈین) میں شامل کر لیا۔۔ قریباً دو سال کے تجربہ سے علامہ کو احساس ہوا کہ اعجاز احمد تو خود بہت عیال دار ہیں نیز اکثر بہ سلسلہ ملازمت لاہور سے باہر رہتے ہیں۔ ان کی جگہ کسی اور کو گارڈین مقرر کرنا چاہئے۔ شاید یہ خیال بھی ہو کہ نیا گارڈین صاحب ثروت ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ بہرحال آپ نے ۱۰ر جون ۳۷ کو سرراس مسعود (بھوپال) کو لکھا،

"۔ شیخ اعجاز احمد میرا بڑا بھتیجا ہے۔ نہایت صالح آدمی ہے لیکن وہ خود بہت عیال دار ہے اور عام طور پر لاہور سے باہر رہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی جگہ تم کو گارڈین مقرر کر دوں۔" ۴۳ سے

سرراس مسعود نے جواباً لکھا کہ میں تو خود لاہور سے دور رہتا ہوں۔ اس بنا پر انہوں نے معذوری ظاہر کر دی اس پر علامہ نے شیخ اعجاز احمد کی ولایت برقرار رکھی۔

پروفیسر شیخ عطاء اللہ مؤلف اقبال نامہ (مطبوعہ ۱۹۴۵ء) نے علامہ کا ۱۰ر جون ۳۷ والا خط سرراس مسعود کی وفات کے بعد اقبال کے ان کے نام دیگر خطوط کے ہمراہ براہ راست لیڈی

سرراس مسعود سے حاصل کر کے شریک اشاعت کیا تھا ۴۵-۴۴ سے

اب چالیس سال بعد بھوپال (بھارت) سے "اخلاق اثر" نامی کسی شخص نے علامہ کے مکاتیب کا ایک مجموعہ شائع کیا ہے۔ اس میں ۱۰ر جون ۳۷ والا یہ خط بھی شامل ہے۔ اس خط میں تبدیلئی ولی کے لئے شیخ اعجاز احمد کے عیال دار ہونے اور لاہور سے باہر رہنے کے علاوہ ایک تیسری وجہ۔ "ان کا قادیانی ہونا" بھی بیان کی گئی ہے۔ اس میں علامہ کی طرف منسوب عبارت ملاحظہ ہو۔

اقبال کا بھوپال سے شائع کردہ خط

"۳۔ شیخ اعجاز احمد میرا بھتیجا ہے نہایت صالح آدمی ہے۔ مگر افسوس کہ دینی عقائد کی رو سے قادیانی ہے۔ تم کو معلوم ہے آیا ایسا عقیدہ رکھنے والا آدمی، مسلمان بچوں کا گارڈین ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس کے علاوہ وہ خود بہت عیال دار ہے اور عام طور پر لاہور سے باہر رہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی جگہ تم کو گارڈین مقرر کروں۔ مجھے امید ہے کہ تمہیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہو گا۔" ۴۶ سے

پروفیسر شیخ عطاء اللہ نے تو یہ خط براہ راست لیڈی سر مسعود سے حاصل کر کے اسے ۱۹۴۵ء میں اقبال نامہ میں شائع کر دیا تھا۔ اس میں شیخ اعجاز احمد کے قادیانی ہونے اور اس پر اظہار افسوس کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ اب چالیس سال گزرنے کے بعد بھارت کے "اخلاق اثر" صاحب کو اعجاز احمد کے قادیانی ہونے والے زائد فقرات والا خط کہاں سے دستیاب ہوا ہے "مصنف زندہ رود نے اس خط کا اصل متن یا اصل کا فوٹو کاپی حاصل کئے بغیر اسے کیونکہ معتبر و مستند سمجھ لیا؟ ہم اس کے متعلق کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔

"مظلوم اقبال" کے مصنف شیخ اعجاز احمد صاحب نے بذات خود بھوپال سے اصل خط یا اصل کا فوٹو کاپی حاصل کرنے کے لئے بہت کاوش کی ہے۔ مگر انہیں اس میں کامیابی نہیں ہو سکی۔ ۴۷ سے

اغلب ہے کہ شیخ اعجاز احمد کے قادیانی ہونے اور اس پر اظہار افسوس والے فقرات الحاقی

ہیں اور یہ علامہ کی سوچ نہیں۔

اگر اصل خط میں شیخ اعجاز احمد کے قادیانی ہونے کا ذکر ہوتا تو سر راس مسعود اپنے جوابی خط میں اس نکتہ پر کچھ نہ کچھ اظہار رائے ضرور فرماتے مگر ان کا خط اس ضمن میں بالکل خاموش ہے۔

علامہ کے بچوں کے گارڈین ز' میں چودھری محمد حسین اور شیخ اعجاز احمد (احمدی) دونوں شامل تھے۔ چودھری صاحب احمدیت کے شدید مخالف تھے۔ جس وقت ۱۹۴۵ء میں "اقبال نامہ" چھپا۔ چودھری صاحب پریس برانچ کے سپرنٹنڈنٹ اور پیپر کنٹرولر (Paper Controller) تھے۔ کتاب کے پبلشر شیخ محمد اشرف صاحب تاجر کتب کشمیری بازار لاہور تھے۔ شیخ محمد اشرف اور سید نذیر نیازی صاحبان کے بیانات کے مطابق چودھری محمد حسین صاحب نے مکاتیب کے بعض مقامات پر جو انہیں ناپسند تھے قطع و برید سے کام لیا۔ خاص طور پر ۱۰/ جولائی ۱۹۳۷ء والا خط شائع شدہ کتب سے حذف کروا دیا گیا۔ کیونکہ شیخ اعجاز احمد کا "نہایت صالح آدمی" ہونا چودھری صاحب کی سیاست کو گوارا نہیں تھا لیکن اس اقدام کے وقت چند کتب فروخت بھی ہو چکی تھیں۔ چنانچہ بعض لائبریریوں میں فروخت شدہ نسخہ موجود ہے ۔۔۔ ۴۸ مثلاً دیکھئے لاہور کی پنجاب پبلک لائبریری۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری۔ قائداعظم لائبریری وغیرہ۔۔

اب یہ امر قرین قیاس نہیں ہے کہ شیخ اعجاز احمد کے قادیانی ہونے اور علامہ کے اس بات پر اظہار افسوس والے فقرات اصل خط میں موجود ہوں اور چودھری صاحب انہیں حذف کرا دیں۔ یہ فقرے تو ان کے مطلب کے فقرے تھے۔

پھر مصنف "زندہ رود" ہمیں بتاتے ہیں کہ ۔۔۔ "اقبال میں قوت برداشت کی انتہا تھی۔ مگر جب ایک مرتبہ کسی سے ناراض ہو جاتے تو پھر ساری عمر اس کا چہرہ دیکھنے کے روادار نہ ہوتے۔ ۴۹"

کیا علامہ نے شیخ اعجاز احمد کے قادیانی ہونے کو ناپسند کیا؟ اظہار افسوس کیا؟ ناراض ہوئے؟ ان کا چہرہ دیکھنے سے نفرت کا اظہار کیا؟ ۔۔ جواب ہے ہرگز نہیں بلکہ علامہ' وفات کے قریب تک اپنے بھتیجے کے عادات و خصائل پر اپنی خوشنودی کا اظہار فرماتے رہے۔ ۵۰

جہاں تک بڑے بھائی کا تعلق ہے۔ ان کے اس اعلان (اخبار الفضل ۱۰/ اپریل ۱۹۳۴ء)

) کے بعد کہ میں قدیمی بیعت شدہ ہوں اور اس بیعت پر ثابت قدم ہوں۔ علامہ نے پہلے سے بڑھ کر اپنے اعتماد اور قربت سے نوازتے ہوئے اپنی کوٹھی کی تعمیر کی نگرانی کا کام ان کے سپرد کر دیا اور چھ ماہ تک اپنے پاس ٹھہرایا۔ بے شک ۱۹۳۵-۳۶ء میں علامہ نے پبلک پلیٹ فارم پر احمدیت کی بعض ذاتی و سیاسی وجوہ سے مخالفت کی مگر آپ کے طرز عمل سے ظاہر ہے کہ اندر خانے احمدیوں کی صالحیت کا آپ کی طبیعت پر جو گہرا اثر تھا اسے کوئی ترشی زائل نہ کر سکی۔

علامہ اقبال کی والدہ گرامی (وفات: ۹ نومبر ۱۹۱۴ء)

ر و مرشد علامہ اقبال، شیخ نور محمد صاحب

مسز ڈورس احمد

آفتاب اقبال فرزند اکبر حضرت علامہ و محترمہ کریم بی بی (۱۹۱۳ء میں)

باب نمبر۱ فصل نمبر۳

کیا اقبال پر
احمدیت قبول کرنے کے لئے ڈورے ڈالے گئے؟

مصنف زندہ رود لکھتے ہیں'

" ۔ اقبال کے مخالفین کا تیسرا گروہ احمدی عقیدہ رکھنے والوں کا تھا .... اقبال نے ۱۹۱۰ء میں
اپنے ایک انگریزی خطبہ بہ عنوان "مسلم کیونٹی" ایک معاشرتی مطالعہ" ۔ میں جو علی گڑھ میں
دیا گیا ایک مقام پر قادیانی فرقہ کو پنجاب میں ---- " **خالصتاً مسلم کردار کا طاقت ور مظہر**
۔ " بیان کیا .... احمدیوں نے شروع ہی سے کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح اقبال جیسی غیر
معمولی قابلیت کی حامل شخصیت کو احمدی مذہب قبول کر لینے کے لئے رضامند کیا جائے ....
احمدیوں کے ایک اخبار نے خبر وضع کر کے شائع کر دی کہ اقبال نے احمدی عقیدہ رکھنے والے
کسی خاندان کی لڑکی سے شادی کر لی ہے ۔ اس پر اقبال نے اس خبر کی تردید میں ایک بیان دیا
کہ انہوں نے ایسی کوئی شادی نہیں کی بلکہ جس کسی نے یہ شادی کی ہے وہ کوئی اور ڈاکٹر اقبال
ہوں گے ... جب احمدیوں کو اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی تو انہوں نے اقبال کو ناپسندیدگی
نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا ۔ ۵۱ ؂

راقم عرض کرتا ہے کہ وفات یافتہ بزرگوں کی سوانح عمریوں میں خیر و خوبی کے پہلووں
اجاگر کرنا اور جوانی کی رنگ رلیوں کے بیان سے گریز کرنا بہتر ہوتا ہے مگر مصنف زندہ رود
اس قابل احترام اصل کو پوری طرح پیش نظر نہیں رکھا ۔ ہمیں علامہ کی جوانی کے ایام
تصویر کے دو ایک نقوش مصنف کے حوالے سے بہ امر مجبوری دکھانے پڑے ہیں ۔ مصنف
کہتا ہے کہ راگ رنگ اقبال کا دین اور ایمان تھا ۔ رفتہ رفتہ آپ شہر کے باذوق روسا کی ر
و سرود کی محفلوں میں شریک ہونے لگے ۔ امیر بیگم جس کا تعلق طوائفوں کے گھرانے سے
۔ کے متعلق اقبال نے اپنے ایک دوست کو لکھا'

" ۔ امیر کہاں ہے ۔ خدا کے لئے وہاں ضرور جایا کرو ۔ مجھے بہت اضطراب ہے ۔
جانے اس میں کیا راز ہے ۔ جتنا دور ہو رہا ہوں ۔ اتنا ہی اس سے قریب ہو رہا ہوں ۔ ۵۲

مصنف " زندہ رود " ہمیں مزید بتاتے ہیں کہ لندن میں پروفیسر آرنلڈ نے اقبال کا ایک بزرگ
مولوی صاحب سے تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ انہیں لندن کے قابل دید مقامات کی سیر کرا دو
۔ اقبال آخر میں اس بزرگ کو قہوہ خانے میں لے گئے ۔ جہاں چند ستم پیشہ لڑکیاں موجود تھیں
۔ وہاں اقبال کے اشارے سے یا اپنی جولانئ طبع سے لڑکیوں نے اس بزرگ سے بہت ناروا
حرکات کیں ۔ کسی نے ان کی نورانی داڑھی کو چھوا اور ایک نے تو ان کے رخساروں پر عقیدت
کی چند مہریں بھی جڑ دیں ---- مولوی صاحب غصہ سے بھرے آرنلڈ کے پاس پہنچے اور سخت
شکایت کی اس پر آرنلڈ' اقبال کی اس حرکت پر سخت نادم ہوا اور خفگی کے لہجے میں کہنے لگا کہ
ایسے بزرگ کو قہوہ خانے میں لے جاتے ہوئے تمہیں شرم نہ آئی ۔ " ۵۴ ؂

اس صورت حال میں اقبال کے احمدی دوستوں کی تڑپ تھی کہ یہ " غیر معمولی قابلیت کا حامل
نوجوان " تلمیذ الرحمٰن بنے اور اپنے تئیں **خدمت قرآن** کے لئے وقف کر دے ۔ چنانچہ
جماعت کے پہلے خلیفہ (اللہ آپ سے راضی ہو) کے دور میں (دسمبر ۱۹۱۱ء میں) آل انڈیا
محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے ' اقبال کی موجودگی میں ان کے احمدی دوست
خواجہ کمال الدین صاحب نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا'

کہاں ہے تو ڈاکٹر اقبال! خدا تعالیٰ تجھے دین و دنیا میں بااقبال کرے ۔ تیرے نادر قوائے
ذہنی ابھی دنیا کی نظر سے چھپے ہوئے ہیں ۔ تجھ میں وہ ذہنی قابلیتیں اور استعدادیں ہیں کہ ان کا
ٹھیک استعمال بقائے دوام کا تاج تیرے سر پر رکھ سکتا ہے لیکن یہ خاص الخاص قویٰ تجھے اس
لئے عطا نہیں ہوئے کہ تو فی کل واد یھیمون کے مصداق بن کر ایک بے ثمر باغ میں جس کا نام
مشاعرہ ہے ' گلگشت کرے ۔ اب وقت ہے اٹھ اور حقیقی تلمیذ الرحمٰن بن! عالم سفلی کو چھوڑ
اور طائر قدس ہو جا! تجھے اگر مغربی حکمت و فلسفہ انہوں نے سکھا کر ڈاکٹر کا خطاب دیا تو یہ قرضہ
' ترانوں اور نغموں سے ادا نہیں ہو سکتا ۔ اس کا معاوضہ یہ ہے کہ تو قرآن کو کھولے اور اس
کے دریائے حقیقت میں غوطہ لگائے ..... دیکھ یورپ کیا اور اس کا فلسفہ کیا ہے ۔ او! بیرسٹر
اقبال ' آ! میرے ساتھ وکالت میں شامل ہو اور ہم بحیثیت منصبی ' اس مال کو اپنے گھر کا مال
مسروقہ ثابت کریں ۔ تجھے خدا تعالیٰ نے بینظیر قابلیتیں اس لئے نہیں دیں کہ تو لفظی موشگافی
میں پڑے اور اپنے شعروں سے ہمیں خوش کرے ۔ تیرے گانے کا یہ وقت نہیں ۔ یہ عملی کام
کا وقت ہے ۔ وہ ہار جو قوم ترے گلے میں عملاً ڈال رہی ہے اور تو اس کا حقیقی طور پر مستحق

ہے وہ ان گل ہائے فردوس بریں کے مقابل کیا حقیقت رکھتے ہیں جو خدمت قرآن تیرے لئے وقف کر سکتی ہے۔ قوم تجھے ملک الشعراء بنانا چاہتی ہے اور وہ ایسا کرنے میں غلطی پر ہے اور تو پست ہمت ہو گا اگر اس پر قانع ہوا۔ میں تجھ میں **رازی اور غزالی** کا بروز دیکھنا چاہتا ہوں" ۵۵

علامہ کو خود بھی احساس تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اعلیٰ قوائے ذہنی عطا کیے ہیں جنہیں اگر خدمت دین میں صرف کیا جاتا تو بہت بہتر تھا۔ خواجہ صاحب کی نصیحت کے ۸ سال بعد علامہ نے اپنی پھوپھی صاحبہ کو ایک مکتوب میں لکھا'

"۔ میں جو اپنی گذشتہ زندگی پر نظر ڈالتا ہوں۔ تو مجھے افسوس ہوتا ہے کہ میں نے اپنی عمر یورپ میں فلسفہ پڑھنے میں گنوائی۔ خدا تعالیٰ نے مجھ کو قوائے دماغی بہت اچھے عطا فرمائے تھے اگر یہ قواء دینی علوم کے پڑھنے میں صرف ہوتے تو آج خدا کے رسول کی میں کوئی خدمت کر سکتا۔" ۵۶

بہرحال اقبال کے ہاں جو اسلامی رنگ جھلکتا ہے۔ اس میں کچھ حصہ اس قسم کے مخلص احمدی دوستوں کا بھی تسلیم کرنا پڑے گا جو اقبال کو رازی اور غزالی کا بروز بننے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔

اقبال کے نزدیک جماعت احمدیہ "خالصتاً مسلم کردار کی طاقتور مظہر" جماعت تھی۔ راقم عرض کرتا ہے کہ اگر احمدیوں کی یہ تمنا تھی کہ غیر معمولی قابلیت کا حامل یہ نوجوان اس جماعت کی آغوش میں پرورش پائے۔ تو بتایئے یہ امر کس پہلو سے قابل اعتراض ہے۔

باقی رہی۔ شادی والی خبر تو اس کی وضاحت خود اقبال کے اعلان میں موجود ہے کہ الحکم اخبار (قادیان) میں جس اقبال کے نکاح کی خبر چھپی ہے وہ کوئی اور اقبال ہوں گے۔ خبر میں میرا ذکر نہیں۔

مصنف نے زندہ رود کی دوسری جلد کے بعد تیسری جلد میں بھی اس امر کو دہرایا ہے کہ احمدیوں کی طرف سے شادی کی خبر شائع کر کے اقبال پر احمدیت قبول کرنے کے لئے ڈورے ڈالے گئے۔

مصنف فرماتے ہیں'

اقبال کی انگلستان سے واپسی کے چند برس بعد الحکم قادیان مورخہ ۲۸ر اگست ۱۹۱۰ء میں

ایک خبر شائع ہوئی کہ شیخ یعقوب علی تراب کی نواسی کا نکاح بعد از نماز مغرب پانچ صد روپیہ حق مہر پر ڈاکٹر محمد اقبال سے ہوا۔ اقبال کے احباب واعزہ کو تعجب ہوا کہ انہوں نے قادیان جا کر احمدیوں سے رشتہ ناطہ جوڑ لیا۔ جن کے عقائد کے وہ خلاف تھے۔ اقبال کو اس بے سروپا خبر کی تردید چھپوانی پڑی۔ جو پیسہ اخبار لاہور مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی۔ فرمایا'

"۔ اس عبارت سے میرے اکثر احباب کو غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے مجھ سے زبانی اور بذریعہ خطوط استفسار کیا ہے۔ سب حضرات کی آگاہی کے لئے بذریعہ آپ کے اخبار کے اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ مجھے اس معاملہ سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ جن ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کا ذکر ایڈیٹر صاحب الحکم نے کیا ہے وہ کوئی اور صاحب ہوں گے۔" ۵۷

گذشتہ سطور میں ان خبروں پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ یہاں راقم دو غلطیوں کی نشاندہی کرنا چاہتا ہے۔ ایک یہ کہ مصنف زندہ رود کا دلہن (محترمہ امتہ الرحمٰن صاحبہ) کو شیخ یعقوب علی تراب کی نواسی لکھنا درست نہیں۔ یہ محترمہ خود حضرت ——— مولوی حکیم نور الدین (اللہ ان سے راضی ہو) کی نواسی تھیں یعنی آپ کے داماد مفتی فضل الرحمٰن صاحب کی صاحبزادی۔ دوسرے یہ کہ دولہا کا نام ڈاکٹر اقبال علی غنی تھا۔ اخبار کے کاتب کی غلطی سے ڈاکٹر محمد اقبال لکھا گیا۔ اپنی نواسی کا یہ نکاح حضرت امام جماعت احمدیہ ——— نے خود پڑھایا تھا۔

راقم نے خلیفہ اول کے اگست ۱۹۱۰ء کے خطبہ نکاح کا مطالعہ کیا ہے۔ یہ خطبہ نہایت درجہ پر معارف اور روحانیت کا گہرا رنگ لئے ہوئے ہے۔ خواب میں آپ کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ خطبہ میں اس مقدس واقعہ کا بھی ذکر ہے۔ ایسے خطبہ کے متعلق یہ تاثر دینا کہ امام جماعت نے اقبال پر ڈورے ڈالنے کے لئے یہ اقدام کیا تھا۔ افسوسناک ہے۔ علامہ نے اپنے اعلان میں یہ کہیں بھی نہیں کہا کہ مجھ پر احمدیت قبول کرنے کے لئے ڈورے ڈالے جا رہے ہیں نہ علامہ نے اسے ہتھکنڈا سمجھتے ہوئے احمدیت سے بے زاری کا اظہار کیا ہے۔ علامہ پر تو اس خبر کی اشاعت کے بعد احمدیوں کی سیرت اور امام جماعت احمدیہ کے تقویٰ و طہارت کا نہایت گہرا اثر نظر آ رہا ہے۔ "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر" والا لیکچر جس میں جماعت احمدیہ کو علیحدگی پسند تحریک کی جگہ "اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ" قرار دیا گیا ہے۔ اسی خطبہ نکاح کے چند ماہ بعد (دسمبر ۱۹۱۰) کا ہے اگلے سال آپ نے اپنے بڑے

صاحبزادہ کو قادیان بھجوا دیا۔

نکاح کی خبر کے ضمن میں مصنف مزید لکھتے ہیں'

جب احمدیوں کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہوئی تو انہوں نے اقبال کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا۔ ۵۸؎

راقم عرض کرتا ہے "ناپسندیدگی" والا قصہ بھی واقعات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ واضح رہے کہ نکاح کی خبر (۱۹۱۰ء) اقبال کی انگلستان سے واپسی کے بعد کے دور سے تعلق رکھتی ہے۔ اول تو خود خواجہ کمال الدین صاحب کی ۱۹۱۱ء کی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس والی تقریر جس میں اقبال کو رازی و غزالی کا بروز بننے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس قصے کو جھٹلا رہی ہے۔ جس نوجوان کو "ناپسندیدہ" نگاہوں سے دیکھا جائے اس کے لئے اتنی دردمندی اور دلسوزی کا اظہار کہاں کیا جاتا ہے!

پھر "روایات اقبال" میں علامہ کے قدیمی مخلص دوست مرزا جلال الدین بیرسٹر کی یہ روایت قابل توجہ ہے' فرماتے ہیں:'

"۔ اقبال انگلستان سے تشریف لائے تو ان کی عظمت زیادہ تر ان کی بلند شاعری کی وجہ سے تھی۔ لوگ ان کے تبحر علمی اور ژرف نگاہی سے واقف نہ تھے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد احمدیہ جماعت کی طرف سے کیلیاں والی سٹریٹ (آجکل برانڈرتھ روڈ یا نشتر روڈ۔ ناقل) پر ایک جلسہ منعقد ہوا۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے ایک پر مغز مقالہ پڑھا.... یہ پہلا موقعہ تھا کہ لوگوں کے دلوں میں علامہ کی بالغ نظری۔ عالمانہ استعداد اور فلسفیانہ لیاقت کا نہایت گہرا اثر ہوا اور وہ آئندہ کے لئے ایک جلیل القدر شاعر ہونے کے علاوہ ایک رفیع المرتبت عالم بھی سمجھے جانے لگے۔" ۵۹؎

گویا اس دور کے مسلم معاشرہ میں اقبال کے ارفع علمی مقام کی شناسائی' احمدیہ سٹیج سے ہوئی تھی۔ اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ احمدی' اقبال کو کس درجہ "پسندیدگی" کی نظر سے دیکھتے تھے!

اسی دور کا ذکر کرتے ہوئے علامہ کے ایک اور قدیمی رفیق مولانا عبدالمجید سالک فرماتے ہیں'

"۔ اس وقت تک سر محمد شفیع' مسلمانوں کے لیڈر تھے اور عام جلسوں کی صدارت وہی

کرتے تھے۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب' ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب' مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب (جماعت احمدیہ لاہور کے چوٹی کے ممبران۔ ناقل) علامہ اقبال کے دوست اور مداح تھے اور ان کو مسلمانوں کی قیادت کا حقدار سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے علامہ کا نام ایک جلسے کی صدارت کے لئے تجویز کیا۔ ۶۰؎

غرض ——— نکاح کی خبر کے بعد کے واقعات سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ احمدیوں نے اقبال کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھنا شروع کر دیا تھا بلکہ اقبال اور احمدیوں ہر دو کے طرز عمل سے معاملہ برعکس نظر آتا ہے۔

خط منظوم 'پیغام بیعت کے جواب میں

مصنف زندہ رود لکھتے ہیں کہ

سید حامد شاہ صاحب' مولانا سید میر حسن کے عزیزوں میں تھے۔ اور اقبال کے دوست اور ہم محلّہ تھے۔ شاید انہوں نے اس قرب کی وجہ سے اقبال کو مرزا غلام احمد کی بیعت کے لئے لکھا ہو جس کا جواب اقبال نے ایک نظم کے ذریعہ دیا۔

مصنف کے نزدیک یہ نظم جو "مخزن" بابت مئی ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی' خصوصی توجہ کی مستحق ہے۔ اس نظم کو احمدی ہفت روزہ "الحکم" قادیان نے بھی اپنی ۱۰-۱۷ اور ۲۴ جنوری ۱۹۰۲ء کی اشاعت میں نقل کیا اور ساتھ ہی سید حامد شاہ کی طرف سے اس کا "منظوم جواب" بھی شائع کیا۔ ۶۱؎

راقم عرض کرتا ہے۔ حضرت سید حامد شاہ صاحب' مولانا سید میر حسن شاہ صاحب کے بھتیجے تھے۔ مولانا میر حسن کی نظروں میں اپنے بھتیجے کا روحانی مقام کیا تھا؟ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب حامد شاہ صاحب کی وفات ہوئی تو مولانا میر حسن نے فرمایا'

"۔ آج ہمارے خاندان سے تقویٰ اور پرہیزگاری رخصت ہو گئی۔ حامد شاہ میرے بھتیجے تھے۔ ان کی ساری زندگی میرے سامنے ہے اور اس میں ایک بات بھی ایسی نہیں نکل سکتی جس پر انگلی رکھی جا سکے۔ ۶۲؎

حامد شاہ صاحب کا منظوم جواب

آیئے! سید حامد شاہ صاحب کے "منظوم جواب" کا مطالعہ کرتے ہیں جو انہوں نے اقبال

کی نظم کے جواب میں بانی سلسلہ احمدیہ کی زبان حق ترجمان بن کر شائع کروایا۔ یہ ایک طویل نظم ہے مگر ہم اختصار سے کام لیتے ہوئے چند اشعار نقل کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں۔

نظم سے قبل کی تمہید میں شاہ صاحب نے لکھا،

"میں نے اصول اسلام کو مدنظر رکھ کر کچھ اشعار لکھے ہیں اور اپنے اس تعلق خاطر سے جو شیخ صاحب (مراد اقبال۔ ناقل) سے مجھ کو ہے۔ محض نیک نیتی کی بنا پر سچی نیکی اور اصلی خوشی اور حقیقی تسلی کی راہ پر انہیں لانا چاہا ہے۔ یہ میرے آئینہ دل کا عکس ہے جو میں شیخ صاحب پر ڈالنا چاہتا ہوں۔ میں ان کو جانتا ہوں۔ وہ مجھے جانتے ہیں۔ دل ہی دل کا معاملہ ہے۔۔ مجھے امید ہے شیخ صاحب میرے اس جواب کو اس کے سچے محل پر رکھ کر حق سے توفیق مانگیں جس کی میں ان کے لئے دعا مانگتا ہوں۔ بہتر ہوتا کہ وہ اس راہ میں اس انداز سے قدم رکھتے ہوئے خدا کا خوف کرتے۔ طبع آزمائی کے لئے جہان میں اور میدان تھوڑے ہیں۔ اپنی مشغلہ پسند طبیعت کو اس طرف مصروف رکھتے۔ آگے کی خدا جانے مگر اب تک جو اس آسمانی مرد کے مقابل میں آیا ہے۔ اس کا نتیجہ آخر کار ایک افسوسناک حالت پر مبنی ہوا ہے۔ ہر رنگ میں خدا نے غلبہ اپنے بندے کو بخشا ہے۔ بہتر ہے شیخ صاحب اپنے قلم کو روک لیں اور اپنے زور طبیعت کے لئے اور میدان پسند کریں۔"۶۳

اب نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں،

سید حامد شاہ صاحب

اقبال

تنکے چن چن کے باغ الفت کے ۔۔۔ آشیانہ بنا رہا ہوں، میں

حامد

باغ الفت کا وہ شجر میں ہوں ۔۔۔ آشیانہ بنا کھڑا ہوں، میں

اقبال

ایک دانہ پہ ہے نظر تیری ۔۔۔ اور خرمن کو دیکھتا ہوں، میں

حامد

ہے مرے پاس دانہ ایماں ۔۔۔ کتنے خرمن بنا رہا ہوں میں

اقبال

جام ٹوٹا ہوا ہوں میں، لیکن ۔۔۔ مئے حق سے بھرا ہوا ہوں، میں

حامد

آب انگور میں جو ڈوبے ہیں ۔۔۔ ان کو ہر وقت تاڑتا ہوں میں

ٹوٹ جائیں خدا کرے یہ جام ۔۔۔ یہ دعا حق سے مانگتا ہوں میں

حوض کوثر پہ ہوں مئے حق کی ۔۔۔ جام بھر بھر پلا رہا ہوں میں

اقبال

تو جدائی پہ جان دیتا ہے ۔۔۔ وصل کی راہ سوچتا ہوں میں

حامد

یار ہے وصل جس سے ہو جائے ۔۔۔ راہ سیدھی نکالتا ہوں، میں

میں نہ ہوں، غیر سے جدا کیو نر ۔۔۔ یار کا وصل چاہتا ہوں، میں

اقبال

بھائیوں میں بگاڑ ہو جس سے ۔۔۔ اس عبادت کو کیا سرا ہوں میں

حامد

جس عبادت میں ہووے، شرکت غیر ۔۔۔ اس عبادت کو کیا سرا ہوں، میں

میں تو ہوں کل زمانہ کا مصلح ۔۔۔ اللہ اللہ! بگاڑ چاہوں، میں

اقبال

مرگ اغیار پر خوشی ہے تجھے — اور آنسو بہا رہا ہوں' میں
میرے رونے پہ ہنس رہا ہے تو — تیرے ہنسے پہ رو رہا ہوں' میں

حامد

مرگ اغیار' یار کے ہے لئے — یار چاہے تو کیوں نہ چاہوں میں
تجھ سے جاتی رہی ہے غیرت دیں — تجھ پہ آنسو بہا رہا ہوں' میں
کفر کی موت پہ ہے قلق تجھے — العجب! اس پہ ہنس رہا ہوں میں

راقم عرض کرتا ہے۔ اس کے بعد علامہ نے اپنے قلم کو روک لیا اور خدا خوفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تحریک احمدیہ کی مخالفت کرنے یا ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنے کی بجائے اسے قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ چنانچہ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ آپ نے اپنے ایک لیکچر "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر" میں احمدیہ جماعت کو "اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ" قرار دیا۔ پھر آپ نے ۱۹۱۱ء میں اپنے بڑے بیٹے آفتاب اقبال کو تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں تعلیم و تربیت کی خاطر چار پانچ سال تک داخل کئے رکھا۔ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کی دوکان کے روزنامچہ میں'

آفتاب اقبال کے ادھار کی یادداشت موجود ہے ا۔ نیز الفضل اخبار میں مرقوم ہے

"ڈاکٹر محمد اقبال صاحب' پی ایچ ڈی (P.H.D) مشہور شاعر کے نوجوان فرزند آفتاب اقبال نے (جو یہاں ہائی سکول میں تعلیم پاتا ہے) حضرت مسیح موعود کی ایک نظم پڑھی۔ پھر اپنا مضمون سنایا جس میں احمدی جماعت ہی کو خدا تعالیٰ کی پاک جماعت مان کر پھر مرکز سے قطع تعلق کرنے والوں پر اظہار افسوس تھا ۶۴ ؎

پھر ۱۹۱۳ء کا واقعہ بھی اس امر پر شاہد ہے کہ علامہ نے اس مرد آسمانی کے مقابل نہ صرف یہ کہ اپنے قلم کو روک لیا بلکہ مخالفین احمدیت کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنا رخ قادیان کی طرف پھیر لیا تھا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ

علامہ نے لاہور کے ایک کشمیری خاندان میں نکاح کیا لیکن کسی شرپسند نے اس خاتون کے متعلق گمنام خطوط بھیج کر آپ کو شکوک میں مبتلا کر دیا لیکن بعد تحقیق' خاتون پاک دامن معلوم

ہوئیں۔ اس بارہ میں محترم سالک صاحب رقم فرماتے ہیں۔

"۔ انہیں (یعنی اقبال کو۔ ناقل) شبہ تھا کہ وہ چونکہ طلاق دینے کا ارادہ کر چکے تھے۔ اس لئے مبادا شرعاً طلاق ہی ہو چکی ہو۔ انہوں نے مرزا جلال الدین کو مولوی حکیم نور الدین کے پاس قادیان بھیجا کہ "مسئلہ پوچھ آؤ" مولوی صاحب نے کہا کہ شرعاً طلاق نہیں ہوئی لیکن اگر آپ کے دل میں کوئی شبہ اور وسوسہ ہو تو دوبارہ نکاح کر لیجئے۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب کو طلب کر کے علامہ اقبال کا نکاح اس خاتون سے دوبارہ پڑھوایا گیا۔ ۶۵ ؎

لاہور۔ امرتسر۔ لدھیانہ۔ دہلی۔ دیوبند۔ سہارن پور وغیرہ مقامات کے مستند اور اعلیٰ پایہ کے علماء کی طرف رجوع کرنے کی بجائے علامہ اپنے دوست کو جو بیرسٹر تھے ۱۹۱۳ء میں قادیان جیسی گمنام بستی کی طرف بھجوانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ جہاں پہنچنے کے لئے گیارہ میل کچی سڑک پر ہچکولے کھانے اور گرد پھانکنے پڑیں۔ اس وقت آپ کے والد ماجد بھی زندہ تھے اور انہوں نے اس بارہ میں استخارہ بھی کیا تھا — گویا وہ روک نہ بنے کہ کیوں قادیان سے استفسار کیا۔ یا یہ کہ ان کی ناپسندیدگی کا خطرہ نہ تھا۔ ۶۶ ؎

پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ علامہ کی ۱۸۹۳ء میں شادی ہوئی تھی۔ معراج بیگم صاحبہ ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئیں اور آفتاب اقبال ۱۸۹۸ء میں —— گویا ۱۹۱۰ء میں جب نکاح والی خبر "الحکم" میں شائع ہوئی اقبال کی اپنی بچی ۱۴ سال کی تھی۔ اغلب ہے کہ قادیان ایسے دور دراز قصبہ میں مفتی فضل الرحمٰن صاحب کو تو اقبال سے کوئی شناسائی بھی نہ ہو گی۔ ان کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ اپنی صاحبزادی کے اصلی سرتاج کا نام عمداً بدل کر اسے کسی ایسے شادی شدہ' غیر احمدی شخص سے منسوب کر دیں جس کی اپنی بچی قابل شادی ہو' اور پھر اخبار میں بھی اس کا ڈھنڈورا پٹوائیں اور مقصد اس ہیرا پھیری کا یہ ہو کہ یہ شخص احمدیت قبول کر لے۔

کیا مفتی فضل الرحمٰن صاحب نے والد ہونے کے ناطہ سے یہ بھی نہ سوچا کہ ان کی اپنی بچی اور دولہا اور دولہا کے عزیز و اقارب اور ساری جماعت احمدیہ اس بے غیرتی کے اظہار پر کتنا برا اثر لیں گے۔

غرض کسی پہلو سے دیکھا جائے مصنف زندہ رود نے "الحکم" کے کاتب کی معمولی غلطی کو بنیاد بنا کر رائی کا پہاڑ بنانے کی کوشش کی ہے۔

۔ حواشی ۔

۱۔ " مظلوم اقبال " مصنفہ شیخ اعجاز احمد ص ۲۲ ' مطبوعہ ۱۹۸۵ء

۲۔ ص ۱۸۵ ۔

۳۔ ص ۱۸۶ ۔

۴۔ ص ۱۸۷ ۔

۵۔ ص ۱۸۸ ۔۔۔ شیخ اعجاز احمد صاحب علامہ اقبال کے بھتیجے ہیں جنہیں علامہ نے اپنے بچوں کے اولیاء (گارڈین ز) میں شامل کیا تھا ۔

۶۔ مجدد اعظم جلد اول ص ۳۳۳ از ڈاکٹر بشارت احمد ۔ ۱۸۹۱ء میں نویں جماعت میں اقبال کے ہم جماعت (اقبال کی ابتدائی زندگی ص ۱۸۸)

۷۔ زندہ رود ص ۵۷۰

۸۔ علامہ کا خط محررہ ۲۴ جنوری ۱۹۲۱ء بنام ڈاکٹر نکلسن (جس نے اسرار خودی کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا) ۔

نیز " Thoughts and Reflections of Iqbal " P.93 to 102. (1973)

اقبال نامہ حصہ اول مرتبہ شیخ عطاء اللہ ص ۴۵۷ تا ۴۷۴ (۱۹۴۵ء) " اقبال نامہ " میں New کا لفظ حذف کر کے " نئے مسیحا " کی جگہ " مسیحا " ترجمہ کیا گیا ہے ۔

۹۔ مظلوم اقبال ص ۱۸۵ ۔

۱۰۔ ایضاً ۵۷

۱۱۔ " مظلوم اقبال ص ۱۸۵ مطبوعہ ۱۹۸۵ء

۱۲۔ ذکر اقبال ص ۹ ' ۱۰

۱۳۔ ابو داؤد جلد نمبر ۲ کتاب الفتن ۔

۱۴۔ اقبال نے اپنے بڑے بھائی کے لئے یوسف ثانی ۔ شمع محفل عشق اور اخوت قرار جاں کے الفاظ استعمال کئے ہیں ۔ شیخ عطا محمد کی محبت نے من و تو کے دفتر جلا کر اقبال کی تربیت کی اور انہیں جواں کیا تھا (اقبال کی ابتدائی زندگی از ڈاکٹر سید محمود حسین)

۱۵۔ شیخ اعجاز احمد اس وقت ۳۱ برس کے تھے ۔

۱۶۔ مظلوم اقبال ص ۱۸۹

۱۷۔ " لاہور تاریخ احمدیت " ص ۲۰۸ (مصنفہ مولانا شیخ عبدالقادر صاحب (سابق سوداگر مل)

۱۸۔ اقبال اور احمدیت ص ۲۳ ۔

۱۹۔ پاکستان ٹائمز لاہور ' ۱۵ر نومبر ۱۹۵۳ء

۲۰۔ زندہ رود ص ۵۷۰

۲۱۔ زندہ رود ص ۵۷۰

۲۲۔ روزنامہ آفاق لاہور ۱۵ نومبر ۵۳ صفحہ اول ' پاکستان ٹائمز ۱۴ر نومبر

۲۳۔ زندہ رود ص ۵۷۰، ۵۶۹

۲۔The witness pointed out that this was a misrepre-sentaion of his evidence in Court because he never stated that Allama Iqbal was a Qadiani. What he stated was that Allama Iqbal had taken the beat(بیعت) (Pakistan Times Lahore Nov:14'1953).

۲۴۔ زندہ رود صفحہ ۵۷۰

۲۵۔ ص ۵۷۲

۲۶۔ مظلوم اقبال ص ۱۸۵

۲۷۔ مظلوم اقبال ص ۲۳۴

۲۸۔ پیسہ اخبار ۷ر اپریل ۱۹۰۹

۲۹۔ ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر

۳۰۔ زندہ رود ص ۵۷۶

۳۱۔ بعد میں ' خاص طور پر عمر کے آخری حصہ میں علامہ نے اپنے عقیدے کا اظہار کرتے ہوئے

اپنے مکتوب بنام چوہدری محمد احسن لکھا (خط محررہ ۷ ر اپریل ۳۲) " ـــ کہ مہدی کی آمد ـ مسیح کے دوبارہ ظہور اور مہدویت کے متعلق جو احادیث ہیں وہ ایرانی اور عجمی تخیلات کا نتیجہ ہیں ـ اور قرآن کریم کی صحیح سپرٹ سے ان کا سروکار نہیں ـ (اقبال نامہ حصہ دوم ص ۲۳۰ ـ ۲۳۱)

۳۲ ـ زندہ رود ص ۵۷۰

۳۳ ـ یہاں یہ مراد نہیں کہ وہ عمر بھر احمدی رہے

۳۴ ـ الفضل ۱۸ جولائی ۱۹۳۵ء

۳۵ ـ اقبال نامہ حصہ اول ص ۳۸۴

۳۶ ـ ضمناً عرض ہے کہ " ضرب کلیم " جولائی ۳۶ء میں " پس چہ کرد اے اقوام شرق " ستمبر ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی تھی اور محترمہ ڈورس صاحبہ قریباً سال بھر بعد یعنی جولائی ۳۷ء میں لاہور وارد ہوئی تھیں ـ اقبال اکیڈمی کے ڈائریکٹر صاحب نے غالباً سہواً لکھ دیا ہے کہ یہ کتب محترمہ کی آمد کی وجہ سے اشاعت پذیر ہو سکیں ـ " ارمغان حجاز " کو علامہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں مرتب کی لیکن اس کی اشاعت علامہ کے انتقال کے بعد نومبر ۳۸ء میں ہوئی تھی ـ

۳۷ ـ نوائے وقت اقبال نمبر ۲۱ ر اپریل ۸۶

۳۸ ـ کتابچہ Iqbal - As I Knew Him ص ۳۷ ـ

۳۹ ـ اقبال نامہ مرتبہ شیخ عطاء اللہ خط محررہ ۱۰ ر جون ۳۷ء

۴۰ ـ کتابچہ ص ۴۳

۴۱ ـ مثلاً دیکھئے مضمون پروفیسر محمد منور سابق ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی ـ نوائے وقت ۲۱ ر اپریل ۱۹۸۶ء

۴۲ ـ کتابچہ ص ۴۸

۴۳ ـ اقبال نامہ مطبوعہ ۱۹۴۵ء ص ۳۸۶

۴۴ ـ دیکھئے دیباچہ اقبال نامہ

۴۵ ـ

۴۶ ـ زندہ رود ص ۵۷۰

۴۷ ـ تفصیل کے لئے دیکھئے مظلوم اقبال ص ۳۳۳ تا ۳۳۹

۴۸ ـ ایضاً ص ۳۳۴

۴۹ ـ زندہ رود ص ۴۳۱

۵۰ ـ دیکھئے علامہ کے خطوط مظلوم اقبال ص ۳۷۴، ۳۷۷

۵۱ ـ زندہ رود جلد نمبر ۲ ص ۱۷۰ و جلد نمبر ۳ ص ۵۷۳

۵۲ ـ لیکن وہ اب تائب ہو چکی تھی ـ ص ۱۷۵

۵۳ ـ ایضاً جلد نمبر ۲ ص ۱۷۵ ـ اقبال کا یہ شعر بھی شاید اسی " امیر " کے بارے میں ہے ـ

ـ عجیب شے ہے صنم خانہ امیر اقبال ـ میں بت پرست ہوں رکھ دی کہیں جبیں میں نے ـ

(مخزن ـ ۱۹۰۳ء)

۵۴ ـ ایضاً جلد نمبر ۲ ص ۱۷۵

۵۵ ـ زندہ رود حصہ دوم ص ۱۵۲

۵۶ ـ مکتوب ۸ ر دسمبر ۱۹۱۹ء بحوالہ مظلوم اقبال صفحہ ۲۸۱

۵۷ ـ زندہ رود جلد نمبر ۳ صفحہ ۲۸۹

۵۸ ـ زندہ رود صفحہ ۱۷۰

۵۹ ـ ص ۱۰۸ مرتبہ ڈاکٹر محمد عبداللہ قریشی بہ موقع صد سالہ تقریبات ولادت علامہ اقبال مطبوعہ نومبر ۱۹۷۷ء

۶۰ ـ ذکر اقبال شائع کردہ بزم اقبال (۱۹۵۵ء) ص ۶۷

۶۱ ـ زندہ رود صفحہ ۵۷۱ ـ ۵۷۲

۶۲ ـ ذکر اقبال از مولانا عبدالمجید سالک ص ۲۸۷

۶۳ ـ الحکم ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء

۶۴ ـ بحوالہ " رفقاء احمد " سوانح حضرت چوہدری نصراللہ خاں صاحب (مولفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم اے ـ قادیان بحوالہ الفضل ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء)

۶۵ ـ ذکر اقبال ص ۷۰

۶۶ ـ ایضاً ص ۶۴

باب نمبر۲ فصل نمبرا

برصغیر کی مذہبی صورت حال کا جائزہ

تاریخ مذاہب میں ۱۹ ویں صدی کا نصف آخر اور ۲۰ صدی عیسوی کا آغاز خصوصی اہمیت رکھتا ہے ۔ یہ وہ دور ہے جب کہ تمام روئے زمین پر ایک طرف تو بڑے بڑے مذاہب کے درمیان گہری سنجیدگی اور انہماک کے ساتھ نظریاتی جنگ لڑی جا رہی تھی اور دوسری طرف احیائے علوم اور تہذیب نو کے نتیجہ میں مذہبی اور غیرمذہبی نظریات باہم دگر بڑی شدت کے ساتھ برسرپیکار تھے ۔

اول الذکر مقابلہ میں عیسائیت ' اسلام اور ہندومت کا مجاولہ خاص طور پر قابل ذکر ہے ۔ ان تینوں مذاہب کی باہمی جنگوں کے لئے ہندوستان ہی بہترین اکھاڑا ثابت ہو سکتا تھا ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ اور ۱۸ ویں صدی کے نصف آخر میں سرزمین ہند میں ان تینوں مذاہب کے درمیان وسیع پیمانے پر تاریخی اہمیت کی نظریاتی جنگیں لڑی گئیں اور یہ سلسلہ کسی نہ کسی رنگ میں اب تک جاری ہے ۔

سرزمین ہند میں ان تینوں مذاہب کے مابین مذہبی جنگوں کے بکثرت محرکات تھے ۔ مثلاً

ا ۔ احیائے علوم اور تہذیب نو نے عموماً مذہب اور خصوصاً عیسائیت کو جو چیلنج دیا ۔ اس کے نتیجہ میں عیسائی پادریوں میں مقابلے اور مدافعت کا ایک نیا جوش پیدا ہونے کے علاوہ انہیں عیسائیت کے لئے نئی منڈیوں کی بھی تلاش تھی اور نوآبادیات سے بہتر انہیں کوئی اور جگہ اس غرض پورا کرنے کے لئے نظر نہ آئی تھی ۔ انگریزی حکومت کا سورج ' نصف النہار پر تھا اور حکومت کے مذہب کو جو نفسیاتی برتری حاصل ہوتی رہی ہے وہ پوری شان کے ساتھ عیسائیت کو ہندوستان میں حاصل تھی ۔ نیز اس مذہب کے اختیار کرنے کے نتیجہ میں جو اقتصادی اقتداری فوائد حاصل ہو سکتے تھے ۔ ان کی تصویر بہت دلربا تھی ـــــ لہذا زمین ہندوستان عیسائیت کے پھیلاؤ کے لئے خاص کشش کا موجب بنی ۔

۲ ۔ انگریزی حکومت کے مفادات بھی اسی امر سے وابستہ تھے کہ ہندوستانی ذہن جلد از جلد زیادہ سے زیادہ عیسائی نظریات کے تابع ہو کر حکومت برطانیہ کے استحکام میں ممد و معاون

ہو ۔

۳ ۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے تین صد سالہ سیاسی اقتدار کا خاتمہ ہندومت کے لئے خوش آیند خوابوں کا تحفہ لے کر آیا تھا ۔

ا ۔ ازسرنو ہندو مہاراشٹر کے قیام کا تصور ذہنوں میں جنم لینے لگا تھا اور اس کے طبعی نتیجہ کے طور پر غیر قوموں کو شدھی کے ذریعہ ہندومت میں جذب کرنے کا تصور بھی پیدا ہو رہا تھا

ب ۔ ہندو تہذیب و تمدن کے احیاء کے منصوبے بن رہے تھے ۔ پس یہ ضروری تھا کہ سابق آقاؤں یعنی مسلمان حکمرانوں کے تہذیب و تمدن کے نقوش کو مسمار کر کے انہی مقامات پر ہندو تہذیب کی نئی عمارتیں بلند کریں ۔

مسلمانوں کی حالت

غیر منظم اور منتشر ہونے کے باوجود ' مسلمان عوام میں اپنے مذہب کے ساتھ بے پناہ وابستگی اور عقیدت پائی جاتی تھی ـــــ

جہاں تک مسلمان علماء کا تعلق تھا وہ اگرچہ اپنی بساط کے مطابق اسلام کے دفاع میں کوشاں تھے ۔ لیکن عیسائیت ' ہندومت ۔ اور تہذیب نو کی سہ طرفہ یلغار کا کماحقہ ' مقابلہ کرنا دراصل ان کے بس کی بات نہیں تھی ۔

ان کی کمزوری کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اسلامی مدارس کا نظام تعلیم اپنے زمانہ سے صدیوں پیچھے رہ چکا تھا اور نئے علوم اور سائنسی انکشافات کی ہوا تک بھی ان مدارس کو نہیں پہنچی تھی ۔

جہاں تک مذہبی تعلیم کا تعلق ہے ۔ یہ مدارس اسلام کے سوا ' کسی مذہب کی تعلیم سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے ۔ جس کے نتیجہ میں ایسے علماء تیار ہوتے تھے جن کو شنیدہ علم کے سوا ' غیرمذاہب کی تعلیمات اور کتب مقدسہ سے کوئی ٹھوس واقفیت نہیں تھی ۔ ظاہر ہے ۔ ایسی صورت میں جارحانہ جنگ تو الگ رہی ' مدافعانہ جنگ کے لئے بھی ضروری ہتھیار مہیا نہ تھے ۔

علماء کا دوسرا بے نیاز طبقہ جو اس کے علاوہ تھا اور اکثریت میں تھا ۔ جسے اس جنگ سے

کوئی بھی سروکار نہ تھا۔ وہ اندرونی فرقہ وارانہ جھگڑوں ہی کو باعث نجات سمجھ بیٹھا تھا۔
قصہ وہابی غیروہابی کا۔ اور۔ جھگڑا شیعہ سنی کا۔ ان کی تمام تر توجہات اور جوش و خروش
ہیجانات کا محور بنا ہوا تھا۔ کہیں تو نظریاتی جنگیں تھیں اور کہیں نور و بشر کے طوفان خیز جھگڑے
تھے۔ ان کے نزدیک اسلام ہی کی چاردیواری میں اندرونی لہروں کے باہم دگر ٹکرا ٹکرا
جھاگ جھاگ ہوتے رہنے کا نام جہاد تھا۔

ردعمل

مذکورہ بالا حالات کے ردعمل کے طور پر کئی قسم کے خیالات اور تحریکات کی رو
مسلمانوں کے درمیان، چلنے لگیں۔

شدت اور وسعت میں سب سے بڑا ردعمل جس نے علماء اور عوام کی بھاری اکثریت کو
اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ان پیشگوئیوں میں پناہ ڈھونڈنے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ جو
حضرت بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے، مسلمانوں پر آنے والے ادبار کی خبر کے
ساتھ ساتھ ایک ایسے نجات دہندہ کی بعثت کی خبر بھی دی گئی تھی جو اس آڑے وقت
مسلمانوں کے تنزل کو ترقی اور ان کی شکست کو عظیم الشان عالمگیر غلبہ میں تبدیل کردے گا۔

اصل پیشگوئیاں کیا تھیں اور ان کا حقیقی مفہوم کیا تھا؟ —— یہ ایک علیحدہ بحث ہے۔
اس وقت ہم مختصراً ان پیشگوئیوں کے اس مفہوم کا ذکر کرتے ہیں جو مسلمان علماء کی طرف سے
بکثرت مسلمان عوام میں پھیلا دیا گیا تھا —— یہ تصور حضرت بانی اسلام نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کی ان پیشگوئیوں سے ماخوذ تھا۔ جن میں ایک طرف تو ایک خوفناک آفت کے ظہور
کی خبر دی گئی جس کا نام دجال بتایا گیا تھا اور دوسری طرف ایک نجات دہندہ مسیح و مہدی
کی بشارت دی گئی تھی۔

خروج دجال

مذکورہ بالا پیشگوئیوں کے نتیجہ میں مسلمان عوام، اپنے تنزل اور ادبار کے ایام میں
ایسے دجال کے خروج کے منتظر تھے۔ جس نے ایک دیو ہیکل یک چشمی انسان کی صورت میں
ایک طویل و عریض گدھے پر سوار ہو کر دنیا میں خروج کرنا تھا۔ اور ہر طرف قتل و غارت کا
بازار گرم کر دینا تھا۔ اس دجال کی زد میں دیگر اقوام کی طرح، مسلمانوں نے بھی

متاثر ہونا تھا یہاں تک کہ ایک معمولی تعداد کے سوا اکثر و بیشتر مسلمانوں نے دجال کے غلبہ سے
کلیتہً مغلوب ہو جانا تھا —— لیکن عین اس وقت جب کہ مسلمان صفحہ ہستی سے مٹتے ہوئے
نظر آتے، آسمان سے مسلمانوں کے نجات دہندہ مسیح ناصری نے نازل ہو کر دجال کو اپنی تلوار
سے قتل کر دینا تھا اور یوں بظاہر سر پر منڈلاتی ہوئی ایک ذلت آمیز شکست کو ایک عظیم الشان
فتح اور غلبہ میں بدل دینا تھا —— اس تصور کے مطابق قتل دجال سے فارغ ہو کر مسیح موعود کے
فرائض میں مندرجہ ذیل امور شامل تھے۔

اول۔ دنیا بھر کی صلیبوں کو، خواہ وہ لکڑی کی ہوں یا لوہے کی۔ پیتل تانبے کی ہوں یا سونے
چاندی کی 'توڑ دینا' یہاں تک کہ روئے زمین پر کوئی صلیب دیکھنے کو بھی نظر نہ آئے۔

دوئم۔ تمام دنیا کے سوروں کا قتل عام اور سطح ارض کو اس خبیث جانور کے وجود سے پاک کرنا
۔

اسلام کے غلبہ نو کا یہی وہ تصور ہے جو حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت
پاکیزہ اور لطیف پر استعارہ کلام کو نہ سمجھنے کے نتیجہ میں مسلمان علماء نے پیشگوئیوں کے ظاہری
الفاظ کو دیکھ کر باندھا اور مسلمان عوام میں خوب خوب اس کا چرچا کیا۔

مذہبی جنگوں کے جس دور کا ہم جائزہ لے رہے ہیں۔ اس دور میں یہ علماء زیادہ تر ایسی ہی
خوابوں میں زندگی بسر کر رہے تھے اور حملہ آور قوموں کے خلاف نظریاتی جہاد کرنے کی بجائے
اسی یک چشمی دجال اور اس کے گدھے کی راہ دیکھ رہے تھے کہ ادھر وہ ظاہر ہو اور ادھر مسیح
ناصری چوتھے آسمان کی بلندیوں سے اتر کر شاہین کی طرح جھپٹ پڑیں اور اس کام سے فارغ
ہونے کے بعد دنیا بھر کے ممالک کا دورہ کر کے تمام صلیبیں توڑ ڈالیں پھر اس کے فوراً بعد
سوروں کی طرف اپنی توجہ منعطف فرمائیں اور ان کی بیخ کنی کی عالمگیر مہم شروع کر دیں۔
یہاں تک کہ یہ پلید جانور دنیا سے ناپید ہو جائے اور چہار دانگ عالم میں مسلمانوں کا بول بالا ہو
جائے۔

ادھر عیسائی اور ہندو عملاً اپنے اپنے مذاہب کو غالب کرنے کیلئے ٹھوس اقدام کر رہے تھے
۔ یہ خوابوں کی دنیا میں بس رہے تھے تو وہ عمل کے میدان میں قدم مار رہے تھے۔

عیسائیت کی یلغار

ہندوستان میں عیسائیت کو جو کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔ اس کی ایک ادنیٰ سی جھلک

پنجاب کے گورنر چارلس ایچی سن کی ایک تقریر میں پائی جاتی ہے۔ جو انہوں نے ۱۸۸۸ء میں کی
تھی۔ انہوں نے کہا۔

" بعض ایسے لوگوں کو جنہیں اس طرف توجہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ یہ سن کر تعجب ہو
کہ جس رفتار سے ہندوستان کی معمولی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے اس سے چار پانچ گنا زیادہ
رفتار سے عیسائیت اس ملک میں پھیل رہی ہے اور اس وقت ہندوستانی عیسائیوں کی تعداد د
لاکھ کے قریب پہنچ چکی ہے ..... میں اور آپ اس کا حقیقی سبب جانتے ہیں۔ وہ یہ ہے ک
خداوند کی روح حرکت میں ہے۔ پہلے کی طرح اب بھی خداوند اپنے نام کو عظمت دے رہا
..... انجیل کے پیغام کی قدیم طاقت ابھی تک موجود ہے۔ " ۱

ہندوؤں کے منصوبے

خود ہندو مورخین کی رائے میں آریہ سماج کے قیام کا واحد مقصد ہندوستان سے اسلام
ملیا میٹ کرنا اور مکمل ہندو راج کا قیام تھا۔ چنانچہ لالہ دھنپ رائے بی۔ ایل۔ ٹی لکھتے ہیں
" ۔ ہندوستان میں سوائے ہندو راج کے دوسرا راج ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتا۔ ایک
آئے گا کہ ہندوستان کے سب مسلمان 'شدھی آوی' اندولن کی وجہ سے آریہ سماجی ہو جا
گے۔ یہ بھی ہندو بھائی ہیں۔ آخر صرف ہندو رہ جائیں گے۔ یہ ہمارا آدرش (نصب الع
ہے۔ یہ ہماری آشا (تمنا) ہے۔ سوامی جی مہاراج نے آریہ سماج کی بنیاد اسی اصول ک
کر ڈالی تھی " ۲

سیالکوٹ اور عیسائی مشنری ادارے

سیالکوٹ مشن

پنجاب کو صلیب کے جھنڈے تلے جمع کرنے کے لئے عیسائیت کا مرکزی مشن ابتدا
لدھیانہ میں قائم ہوا۔ لیکن سیالکوٹ مشن کو بڑی خصوصیت حاصل تھی کیونکہ یہ مشن (جو
اسکاچ مشن تھا) ملک کی ایک خاص دفاعی سکیم کے تحت جاری ہوا تھا۔ تاریخ بشارت السند
پاکستان کے مطابق '
۱۸۵۶ء میں فوجی افسروں کی درخواست پر سکاچ مشن نے پنجاب کا رخ کیا۔ جہاں دس
سال کے اندر سیالکوٹ کو مرکز بنا کر گردونواح کے پچاس میل دائرہ کے شہروں اور قصبوں میں
سکول' یتیم خانے اور ڈسپنسریاں قائم کر دیں اور گردوپیش کے گاؤں میں تبلیغ کی جانے لگی" (ص
۲۳۱)

سیالکوٹ گزیٹیئر

اس علاقہ کے باشندے چرچ مشنوں کے سب سے زیادہ شکار ہوئے۔ امپریل گزیٹر آف
انڈیا جلد نمبر ۲ کے مطابق Sialkot has the largest number of native Christians یعنی " سیالکوٹ کے مقامی باشندے باقی علاقوں کی نسبت سب سے
زیادہ عیسائیت میں داخل ہوئے۔ "۳
گزیٹر میں درج شدہ تفاصیل کے مطابق
American United Presbyterian Mission جو ۱۸۵۵ء میں سیالکوٹ میں
قائم ہوا۔ ایک Theological seminary ---- ایک کرسچن ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ
ایک زنانہ ہسپتال اور ایک اینگلو ورنیکلر ہائی سکول کی امداد کرتا ہے۔

چرچ آف سکاٹ لینڈ' سیالکوٹ میں دو یورپین مشنز چلا رہا ہے (قائم شدہ ۱۸۵۷) یہی
مشن ڈسکہ میں بھی کام کر رہا ہے۔ زنانہ مشن اس کے علاوہ ہے۔ چرچ آف انگلینڈ (نارووال
) ۱۸۵۹ء میں قائم ہوا اور اس جگہ زنانہ مشن کا قیام ۱۸۸۴ء میں عمل میں آیا تھا۔ رومن

کیتھولکس جو تین مقامات پر قائم ہے ۔ ۱۸۸۹ء میں اس میدان میں داخل ہوا ۔ ۴ ۔

حضرت مرزا صاحب کی سیالکوٹ میں ملازمت

تاریخ بشارت الہند کے حوالے سے ظاہر ہے کہ ۱۸۵۶ء سے ۱۰ سال یعنی ۱۸۶۶ء تک عیسائی مشنز سیالکوٹ میں اپنی جڑیں مضبوط کر چکے تھے ۔

حضرت مرزا صاحب کے والد بزرگوار کو اس بات کا بخوبی علم ہو چکا تھا کہ آپ کے صاحبزادے ملازمت کو ناپسند کرتے ہیں ۔ اس کے باوجود وہ اپنے بیٹے کے ذریعہ معاش کے متعلق فکرمند تھے ۔ انہوں نے آپ کو سیالکوٹ (کچہری) میں ملازم کروا دیا ۔ آپ کے والد حضرت مرزا غلام مرتضٰی صاحب کا یہ فیصلہ بے وجہ نہیں تھا ۔ بلکہ خدا تعالٰی کی عمیق در عمیق حکمتوں کا کرشمہ تھا ۔ کیونکہ خدا تعالٰی چاہتا تھا کہ آپ اصلاح خلق کے لئے عدالتی جھمیلوں اور مقدمہ بازی کے مختلف انسانی شعبدوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد دنیاداری کے اس گندے ماحول کو بھی دیکھ لیں ۔ جو نوکری پیشہ لوگوں کا ماحول ہے ۔ اور آپ کو ہر ایک قسم کے انسانوں کا تجربہ حاصل ہو ۔۔۔ علاوہ ازیں آپ جس معرکے کی تیاری میں معروف تھے ۔ اس کی پہلی مہم آپ کو سیالکوٹ میں سر کرنا تھی ۔ یعنی نصرانیت کے حملوں کے دفاع کے لئے جدوجہد کا آغاز ۔۔۔ اسی طرح اپنے گاؤں کی چار دیواری سے نکل کر ایک شہری آبادی میں اقامت گزیں ہونے سے بعض مسلم و غیر مسلم مشاہیر آپ کے پاکیزہ شباب ۔ ہمدردی خلق اور عشق قرآن کے شاہد ہو گئے ۔ سیالکوٹ میں بانی سلسلہ احمدیہ کا قیام ۱۸۶۴ء تا ۱۸۶۸ء رہا ۔ ۵ ۔

اقبال کے والد صاحب اور اقبال کی "بانی تحریک احمدیہ" سے شناسائی

مصنف زندہ رود لکھتے ہیں '

"۔ اقبال کی ولادت سے پیشتر ' مرزا غلام احمد ' سرکاری ملازمت کے سلسلہ میں چار یا پانچ سال سیالکوٹ میں مقیم رہے ۔ اس زمانہ میں وہ عیسائی مشنریوں اور آریہ سماجیوں کے اسلام پر پے در پے حملوں کا جواب دیتے اور ان سے مناظرہ کیا کرتے تھے ۔ اس سبب سے ایک عالم دین کی حیثیت سے سیالکوٹ کے لوگ ان کی تعظیم کرتے تھے اور وہاں کے دیگر علماء فضلاء مثلاً مولوی غلام حسن اور مولانا سید میر حسن وغیرہ کے ساتھ ان کے دوستانہ مراسم تھے ۔۔۔ جہاں تک اقبال کے والد شیخ نور محمد کا تعلق ہے وہ چونکہ مولانا غلام حسن اور مولانا سید میر حسن کے

خاص دوستوں اور ہم نشینوں میں تھے اس لئے مرزا غلام احمد کو جانتے تھے ۔۔۔ سیالکوٹ میں مرزا غلام احمد کا قیام اقبال کے گھر کے قریب تھا (یہ ۱۸۹۲ء کا ذکر ہے جب حضور دوبارہ سیالکوٹ تشریف لے گئے ۔ ناقل) اس لئے اقبال انہیں گلیوں میں آتے جاتے دیکھتے تھے ۔ "
۶ ۔

شمس العلماء مولانا سید میر حسن کے اوصاف حمیدہ

مصنف زندہ رود ' مولانا سید میر حسن سیالکوٹی کے اوصاف حمیدہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں '

"۔ اقبال کے والد شیخ نور محمد خود بڑے دین دار اور پارسا مسلمان تھے (لیکن آپ) ہر دنیوی یا دینی معاملہ میں مولانا سید میر حسن سے رجوع کیا کرتے تھے ۔ اور اقبال انہیں اپنا استاد اور مرشد تسلیم کرتے ہوئے ان کی بے حد عزت کرتے تھے "۔ ۷ ۔

"۔ سید میر حسن ایک منور الفکر اہل علم تھے ۔ وہ نہ صرف علوم اسلامی اور عرفان و تصوف سے آگاہ تھے بلکہ علوم جدیدہ ۔ ادبیات ۔ لسانیات اور ریاضیات کے بھی ماہر تھے ۔۔۔ وہ ایک راسخ الاعتقاد اور عبادت گزار مسلمان تھے ۔ حافظ قرآن تھے اور قرآن مجید سے بے حد شغف رکھتے تھے ۔ " ۸

"سید میر حسن کی وفات پر اقبال نے مادہ تاریخ نکالا ۔

وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین ۹ ۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا بلند روحانی مقام
شمس العلماء مولانا میر حسن کی شہادتیں

شمس العلماء مولانا سید میر حسن (۱۸۴۴ء ۔ ۱۹۲۹ء) سیالکوٹ کے رہنے والے تھے ۔ آپ سیالکوٹ ہی نہیں ہندوستان بھر میں ایک ممتاز شخصیت تسلیم کئے جاتے تھے ۔ حضور کے سیالکوٹ قیام کے دوران مولانا صاحب موصوف کو بھی حضور سے ملاقات کا موقعہ ملتا تھا ۔ آپ کے دل میں حضور کی بزرگی ۔ تقویٰ کا جو غیر معمولی اثر تھا ۔ اس کا اندازہ آپ کی شہادتوں سے اخذ کردہ درج ذیل اقتباسات سے ہو سکتا ہے ۔

(۱) "۔ حضرت مرزا صاحب ۱۸۶۴ء میں بتقریب ملازمت شہر سیالکوٹ میں تشریف لائے ۔ اور

قیام فرمایا۔ چونکہ آپ عزلت پسند اور پارسا اور فضول، لغو سے مجتنب اور محترز تھے۔ اس لئے عام لوگوں کی ملاقات جو اکثر تضیع اوقات کا باعث ہوتی ہے۔ آپ پسند نہیں فرماتے تھے۔

"۔ مرزا صاحب کو اس زمانہ میں مذہبی مباحثہ کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ پادری صاحبان سے اکثر مباحثہ رہتا تھا..... پادری بٹلر صاحب ایم اے سے جو بڑے فاضل اور محقق تھے۔ مرزا صاحب کا مباحثہ بہت دفعہ ہوا۔

" چونکہ مرزا صاحب ملازمت کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ اس واسطے آپ نے مختاری کے امتحان کی تیاری شروع کر دی اور قانونی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔ پر امتحان میں کامیاب نہ ہوئے اور کیونکر ہوتے وہ دنیوی اشغال کے لئے بنائے (ہی) نہیں گئے تھے۔ سچ ہے

ہر کسے را بہر کارے ساختند۔"

"۔ حضرت مرزا صاحب پہلے محلہ کشمیریاں میں جو اس عاصی پر معاصی کے غریب خانہ کے بہت قریب ہے۔ عمرا نامی کشمیری کے مکان پر کرایہ پر رہا کرتے تھے۔ کچہری سے جب تشریف لاتے تھے تو قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہوتے تھے۔ بیٹھ کر، کھڑے ہو کر، ٹہلتے ہوئے، تلاوت کرتے تھے اور زار زار رویا کرتے تھے۔ ایسی خشوع اور خضوع سے تلاوت کرتے تھے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔" [۱۰]

حضرت عرفانی صاحب کی ملاقات

ایک دفعہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی، سیالکوٹ میں مولانا سید میر حسن صاحب سے ملے۔ تو انہوں نے چشم پر آب ہو کر فرمایا۔ "افسوس ہم نے ان کی قدر نہ کی۔ ان کے کمالات روحانی کو بیان نہیں کر سکتا۔ ان کی زندگی معمولی انسان کی زندگی نہ تھی بلکہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو خدا تعالیٰ کے خاص بندے ہوتے ہیں اور دنیا میں کبھی کبھی آتے ہیں
" [۱۱]

احمدیت کا مختصر تعارف

"۔ اسلام کے لئے فکروں، رنجوں اور پریشانیوں کا یہ وہ زمانہ تھا جس میں احمدیت کا نور طلوع ہوا۔ احمدیہ تحریک کے بانی حضرت مرزا غلام احمد ۱۸۳۵ء میں قادیان کی ایک گمنام بستی میں پیدا ہوئے۔ جو مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور میں بٹالہ سے بارہ میل مشرق میں واقع ہے۔

بچپن سے بانی سلسلہ احمدیہ کو اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بے پناہ خداداد عشق تھا۔ اور عبادت الٰہی کا ذوق دل میں جاگزیں تھا۔ عبادت الٰہی کے ذوق کے علاوہ بنی نوع انسان کی گہری ہمدردی بھی بچپن ہی سے آپ کے کردار کا نمایاں حصہ تھی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"۔ میں دو ہی مسئلے لے کر آیا ہوں۔ اول خدا کی توحید اختیار کرو۔
دوسرے آپس میں محبت اور ہمدردی ظاہر کرو۔" [۱۲]

آغاز جوانی ہی میں آپ نے شدت سے یہ محسوس کیا کہ اسلام چاروں طرف سے دشمن کے نرغے میں گھرا ہوا ہے اور اس کے دفاع کے لئے کوئی موثر کوشش اہل اسلام کی طرف سے نہیں کی جا رہی۔ اس احساس کے نتیجہ میں دو قوی ردعمل آپ کے دل میں پیدا ہوئے۔

اول یہ کہ آپ پہلے سے بھی زیادہ انہماک اور دردمندی اور احیائے نو کے لئے گریہ و زاری کرنے لگے ---- دوسرا ردعمل یہ تھا کہ قرآن کریم کے گہرے اور پر فکر مطالعہ کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب عالم کا بھی گہری نظر سے مطالعہ فرمانے لگے اور ان کی طرف سے اسلام پر وارد ہونے والے اعتراضات کا جائزہ لینے لگے۔ اس لمبے اور دقیق موازنہ اور مطالعہ نے آپ کو پہلے سے بھی زیادہ اس یقین پر قائم کر دیا۔ کہ تمام مذاہب عالم میں صرف اسلام ہی ایک زندہ مذہب ہے۔ جو پیروی کے لائق اور جامع کمالات حسنہ ہے اور کل عالم اور تمام زمانوں کے لئے ہدایت کا سامان رکھتا ہے۔ جب کہ دیگر مذاہب بھی اگرچہ ابتدا خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے۔ مگر وہ محدود زمانوں کے لئے،

ہندی مسلمانوں میں غالباً سب سے
بڑے دینی مفکر (اقبال - ۱۹۰۰ء)

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

مخصوص اقوام کی ہدایت کے لئے نازل کئے گئے تھے۔ اور اپنا مقصد وجود پورا کرنے کے بعد اب وہ بے ضرورت اور بے فیض ہو چکے ہیں۔ ان کی کتابیں محرف و مبدل ہو گئیں۔ ان کی تعلیمات بگڑ گئیں۔ ان کا زمانہ عمل ختم ہوا اور ان کی مثال بچپن کے ایسے بوسیدہ اور ناقابل استعمال کپڑوں کی طرح ہے جو بالغ انسان کی ضروریات کسی طرح پوری نہیں کر سکتے۔

اسلام کی تائید میں لٹریچر

اسلام کی تائید میں جو عظیم لٹریچر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے پیدا کیا۔ اس کی تعداد ۸۰ ضخیم کتب و رسائل سے تجاوز کر گئی۔ دیگر سینکڑوں اشتہارات اور مضامین اس کے علاوہ ہیں۔ لیکن اس ضمن میں آپ کی سب سے پہلی اور بنیادی حقائق پر مشتمل، تصنیف "براہین احمدیہ" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ معرکۃ الارا اور انقلاب انگیز تصنیف تھی۔ جس نے یکسر میدان جہاد کا نقشہ پلٹ کر رکھ دیا۔ اور مذاہب کے درمیان لڑی جانے والی قلمی جنگ میں ایک نئے علم کلام کا اضافہ ہوا۔۔ اس تصنیف کا غیر معمولی اثر اپنوں اور غیروں پر پڑا۔ جہاں دشمن سخت ہراساں اور پریشان ہوا۔ وہاں دوستوں کے دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگے۔ مسلمانوں کے بجھتے ہوئے دلوں میں امید کی نئی شمعیں روشن ہونے لگیں ۔۔۔ ملک کے طول و عرض میں براہین احمدیہ کے محاسن اور کمالات پر زوردار تبصرے لکھے گئے مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ جلد نمبر ۷ نمبر ۶-۱۱ میں لکھا،

"ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں اور موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے۔ جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی۔ اور آئندہ کی خبر نہیں۔ **لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا** اور اس کا مولف بھی اسلام کی مالی، جانی و علمی و لسانی، حالی، قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی جاتی ہے۔ ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتا دے جس میں جملہ فرقہ ہائے مخالفین اسلام خصوصاً آریہ دھرم سماج سے ایسے زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو۔

تقویٰ شعار صحافی اور مشہور مسلم اخبار "منشور محمدی" بنگلور کے مدیر شہیر مولوی محمد شریف صاحب بنگلوری نے "**جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا**" کے

عنوان سے اپنے مبسوط اور پرزور تبصرے میں لکھا:

"۔ منافقوں اور دشمنوں کے سارے حملے دین اسلام پر ہو رہے ہیں ۔ ادھر دہریہ پن کا زور ' ادھر لامذہبی کا شور ۔ کہیں برہمو سماج اپنے مذہب کو فیلسوفانہ تقریروں سے دین اسلام پر غالب کیا چاہتے ہیں ۔ ہمارے عیسائی بھائیوں کی پوری ہمت تو اسلام کے استیصال پر مصروف ہے ۔ اور ان کو اس بات پر یقین ہے کہ جب تک آفتاب اسلام اپنی پرتاب شعاعیں دنیا پر ڈالتا رہے گا ۔ تب تک عیسوی دین کی ساری کوششیں بیکار اور تثلیث تین تیرہ رہے گی ۔ غرض سارے مذہب اور تمامی دین والے یہی چاہتے ہیں کہ کسی طرح دین اسلام کا چراغ گل ہو

—— مدت سے ہماری آرزو تھی کہ علمائے اسلام سے کوئی حضرت جن کو خدا نے دین کی تائیدانہ حمایت کی توفیق دی ہے ۔ کوئی کتاب ایسی تصنیف یا تالیف کریں جو زمانہ موجودہ کی حالت کے موافق ہو اور جس میں دلائل عقلیہ اور براہین نقلیہ ' قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ثبوت نبوت پر قائم ہوں ۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ آرزو بھی بر آئی —— یہ وہی کتاب ہے جس کی تالیف یا تصنیف کی مدت سے ہم کو آرزو تھی ۔" [۱۳]

وفات مسیح علیہ السلام

حضرت مرزا صاحب نے قرآن کریم کی تیس آیات سے ' نیز بیشتر احادیث نبویہ ' سے نہایت قوی استدلال کے ساتھ یہ ثابت فرما دیا ہے کہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی رو سے حضرت عیسیٰ کا نہ صرف یہ کہ آسمان پر جانا ثابت نہیں بلکہ اس کے برعکس قطعی وفات ثابت ہوتی ہے ۔ آپ نے صرف اسی دعویٰ پر اکتفا نہ فرمائی کہ حضرت مسیح آسمان کی طرف نہیں اٹھائے گئے بلکہ ان کا زیر زمین (سری نگر ۔ کشمیر ۔ ناقل) مدفون ہونا بھی ثابت فرما دیا ۔

خروج دجال کا مفہوم:

اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر آپ کی پیش کردہ وضاحت کے مطابق وہ دجال جس نے مسیح ابن مریم کے نزول سے قبل خروج کرنا تھا ۔ کوئی ایسا مافوق الفطرت دیو نہیں تھا جیسے ہم بڑی بوڑھی عورتوں کے قصے کہانیوں میں سنتے ہیں ۔ بلکہ اس سے مراد ایک ایسی قوم تھی جو اپنے انتہائی دجل اور دھوکہ آمیز سیاست کے ذریعہ دنیا میں بڑا فتنہ پیدا کرنے والی تھی ۔ پس اسی تمثیلی

انسان کو دیوہیکل دکھانا اس فتنہ کی شدت اور ہیبت کو ظاہر کرنے کے لئے تھا اور یہ جتانا مقصود تھا کہ اس قوم کی طاقت کے سامنے دیگر قومیں پستہ قد بونوں کی طرح بے زور اور بے حیثیت ہو کر رہ جائیں گی ۔ تمثیلی زبان میں اس عظیم پیشگوئی کی سب کڑیاں نہایت معنی خیز ہیں

—— مثلاً پیشگوئی کی رو سے دائیں آنکھ کا بصارت سے محروم دکھایا جانا اور بائیں آنکھ کا بہت بڑی اور روشن دکھانا اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے تھا کہ یہ قوم روحانیت سے بالکل عاری ہو گی لیکن دنیا کے معاملات میں بڑی تیز اور باریک نظر رکھنے والی ہو گی اور مادی قوانین کے مطالعہ سے غیر معمولی استفادہ کرے گی —— مغرب کی عیسائی اقوام نے جو سواریاں ایجاد کی ہیں ' دجال کے گدھے کی تصویر بعینہٖ ان پر صادق آتی ہے ۔ مثلاً خوراک کے طور پر آگ اور پانی کا استعمال ' انتہائی تیز رفتار ہونا ۔ وسیع و عریض ہونا ۔ سواریوں کا پیٹھ پر بیٹھنے کی بجائے پیٹ میں یعنی اندرونی سیٹوں پر سفر کرنا ' روانگی سے قبل بلند آواز نکال کر مسافروں کو متنبہ کر دینا —— یہ تمام علامتیں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں دجال کے گدھے کی بیان کی گئی تھیں ۔ بتمام تفصیل مغرب کی عیسائی قوموں کی ایجاد کردہ سواریوں پر صادق آتی ہیں ۔ ریل ہو یا سمندری جہاز ' دونوں کی خوراک آگ اور پانی ' دونوں کی رفتار غیر معمولی ' دونوں کے مسافر پیٹ کے اندر ۔ دونوں کا حجم عظیم ۔ پھر مزید لطف یہ کہ جیسا کہ احادیث نبویہ میں بیان کیا گیا تھا ۔ دونوں اپنے سفر پر روانہ ہونے سے قبل ایک خاص بلند آواز کے ذریعہ یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم روانہ ہونے والے ہیں ۔

پس حضرت مرزا صاحب نے اللہ تعالیٰ سے علم پا کر ان آسمانی معموں کو حل فرمایا اور دنیا کو بتا دیا کہ کیا دجال کی پیشگوئی اور کیا اس کو ہلاک کرنے والے مسیح کی آمد کی پیشگوئی —— یہ سب استعارہ کی زبان تھی ۔

پس کوئی منصف مزاج طالب حق یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مسیح موعود کے نزول اور دجال کے خروج سے متعلق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کی تشریح فرما کر حضرت مرزا صاحب نے اسلام کی ایک نہایت عظیم الشان خدمت سرانجام دی ہے ۔ قارئین کرام ! ایک طرف آپ اس ظاہری منظر کو دیکھئے جو محض الفاظ کے ظاہری معنے قبول کرنے سے آنکھوں کے سامنے ابھرتا ہے ' دوسری طرف اس باطنی منظر کو دیکھیں جس پر سے حضرت مرزا صاحب نے تمثیل اور استعارہ کے پردے اٹھائے ہیں ' جہاں پہلے منظر کو دیکھ

کر نظر گھبراتی اور عقل اسے حقیقت کے طور پر قبول کرنے سے انکار کرتی ہے وہاں دوسرا منظر کتنا دیدہ زیب اور عقل کے لئے قابل قبول ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی عظمت دل میں بٹھاتا ہے کہ چودہ سو سال قبل ہی آج کے زمانہ کی نو ایجاد سواریوں کا نقشہ ہو بہو کھینچ کر رکھ دیا اور مغربی قوموں کے عالمگیر غلبہ کی خبر دے دی۔

نزول مسیح، قتل دجال، کسر صلیب کا مفہوم

جس طرح خروج دجال کی پیشگوئی معنی خیز تمثیلات پر مشتمل تھی اسی طرح نزول مسیح کی پیشگوئی بھی استعارہ کی زبان میں ہے۔ قتل دجال سے مراد نہ تو کسی ایک دیوہیکل مخلوق کا قتل کرنا تھا نہ کسر صلیب سے مراد ظاہری صلیبوں کا توڑنا۔ اسی طرح قتل خنزیر سے بھی یہ مراد نہ تھی کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد دنیا بھر کے سؤر مارتے پھریں گے۔ نہ یہ کہ خود مسیح سے مراد بھی پرانے مسیح نہیں کیونکہ قرآن کریم واضح طور پر ان کی وفات کی خبر دیتا ہے وہ حقیقی مسیح تھا اور حدیث، جس مسیح کے آنے کی خبر دیتی ہے وہ تمثیلاً مسیح کا نام پانے والا موعود مصلح ہے۔ جس نے امت محمدیہ ہی میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں سے پیدا ہونا تھا۔

آپ نے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ "صلیب توڑنے" کی پیشگوئی کے ظاہری معنے لینا جہالت اور پیشگوئی کی عظمت کو گرا دینے کے مترادف ہے۔ صلیب توڑنے کے معانی آپ نے یہ بیان فرمائے کہ آنے والا موعود حقانی دلائل کے ساتھ صلیبی فتنے کی کمر توڑ دے گا۔ بگڑے ہوئے عیسائی عقائد کے خلاف ایسے قوی اور کاری براہین پیش کرے گا جو صلیبی عقائد کو پارہ پارہ کر دیں۔

آنے والے مصلح کو مسیح کا لقب کیوں دیا گیا؟

اس سوال پر بھی آپ نے سیر حاصل بحث فرمائی کہ آنے والے مصلح کو مسیح کا لقب دینے میں کیا حکمت تھی، آپ نے فرمایا کہ آنے والے مسیح محمدی اور وفات پا جانے والے مسیح موسوی کے درمیان چونکہ بہت سی مشابہتیں پائی جاتی تھیں لہٰذا آنے والے کا نام تمثیلاً ابن مریم رکھ دیا گیا جیسے کسی بہادر کو رستم یا کسی بہت سخی انسان کو حاتم طائی کہہ دیا جاتا ہے۔ جو مماثلتیں آپ نے بیان فرمائیں۔ ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

۱۔ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام موسوی شریعت کے تابع ہو کر آئے تھے اور خود ان کے اعتراف کے مطابق وہ تورات کا ایک شعشہ بھی تبدیل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ اسی طرح آنے والے مسیح بھی حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے کامل طور پر تابع ہوں گے۔

۲۔ جس طرح حضرت مسیح ابن مریم نے یہودی فرقوں کے اختلافات میں **حکم و عدل** کا کردار ادا کیا اور خدا تعالیٰ کی عطا کردہ روشنی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیم کو بعد میں شامل ہونے والے انسانی مبالغات سے پاک کر کے پیش کیا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود، امت محمدیہ میں بعد کے پیدا ہونے والے اختلافات میں **حکم و عدل** کا کردار ادا کریں گے۔

۳۔ جس طرح موسوی دور کے تیز غلبہ کے مقابل پر عیسیٰ بن مریم کے متبعین کو آہستہ آہستہ رونما ہونے والا غلبہ عطا کیا گیا اسی طرح حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلد اور برق رفتار غلبہ کے مقابل پر آنے والے مصلح کو مسیح ناصری کی طرح آہستہ آہستہ ظاہر ہونے والا غلبہ عطا کیا جائے گا۔

۴۔ جس طرح حضرت مسیح کو تلوار کا جہاد نہیں کرنا پڑا لیکن تبلیغ جہاد کے سلسلہ میں آپ کو اور آپ کے متبعین کو شدید مخالفت اور طرح طرح کی اذیتیں برداشت کرنی پڑیں۔ اسی طرح مسیح موعود اور آپ کی جماعت کو بھی اسلام کی تبلیغ کے سلسلہ میں ایک لمبا اور قربانیوں سے بھرپور جہاد کرنا پڑے گا۔

۵۔ آنے والے موعود کو مسیح کا نام دینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آنے والے مسیح نے بگڑی ہوئی عیسائیت کے تصور کی پیداوار یعنی مافوق البشر اور ابن اللہ مسیح کی بجائے حقیقی مسیح کا وجود ان کے سامنے از سر نو پیش کرنا تھا۔ اور اس کی امامت میں انہوں نے بالآخر فوج در فوج (دین حق) میں داخل ہونا تھا۔

وفات مسیح، اسلام کے لئے پیغام حیات ہے

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ وفات مسیح کا اعلان امت محمدیہ کے لئے مژدہ جانفزا تھا یا اندوہناک خبر؟ ۔۔ تو ادنیٰ سے تدبر سے بھی یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ مسیح کی موت کا اعلان دراصل اسلام کی زندگی کا پیغام تھا۔ یہ خوشی سے اچھلنے اور کودنے کا وقت تھا نہ کہ

شدت غم سے سر پیٹنے کا ۔ عیسائیت کے ہاتھ میں اسلام کے خلاف سب سے کاری حربہ مسلمانوں کا یہی غلط اعتقاد تھا ۔ عیسائی پادریوں کے نزدیک حیات مسیح اور رفع الی السماء کے عقیدہ کے حسب ذیل طبعی نتائج مرتب ہوتے تھے :

۱۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب مطالبہ کیا گیا کہ آسمان پر چڑھ کر اور پھر وہاں سے کتاب لا کر دکھائیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ جواب دینے کی ہدایت کی ۔

قل هل کنت الا بشرا رسولا

یعنی ان سے کہہ دے کہ میں تو بشر رسول کے سوا کچھ نہیں ۔
گویا آسمان پر جانا بشریت اور رسالت دونوں سے ارفع تر مقام کا متقاضی تھا ۔ چونکہ مسیح یہ کام کر کے دکھا دیا لہٰذا آپ بشر اور رسول دونوں سے بلند تر تھے ۔

۲۔ آپ کی غیر طبعی طویل عمر آپ کی الٰہی صفات کی نشاندہی کرتی ہے ۔

۳۔ کسی رسول کو خدا نے سخت سے سخت تکلیف کے وقت بھی اپنی طرف نہیں اٹھایا ۔

۴۔ آخری زمانہ میں امت محمدیہ کو نئی زندگی بخشنے کے لئے آخر مسیح کی ضرورت پیش آئے ۔ پس مسیح محسن ثابت ہوئے ۔ اور امت محمدیہ زیر احسان ۔ افضل وہی ہو گا جو محسن ہو ۔

مسیحیوں کو ' مسلمانوں پر اس عقیدہ کی بناء پر جو منطقی غلبہ نصیب ہوتا ہے ۔ وہ مسلمانوں کے لئے شدید مضرات سے خالی نہیں تھا ۔ اسی عقیدہ کے طفیل مسلمانوں کا ایک طبقہ مسیح کی موہوم تمنا لئے خوابوں میں زندگی گزارنے لگا اور دوسرا طبقہ اس کے رد عمل میں اسی سے بیزار ہو کر دنیا کی طرف جھک گیا یا احادیث کا منکر ہو کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض کے ایک بڑے حصہ سے محروم ہو گیا ۔ پس آخری اور قطعی اور صحیح فیصلہ ہے جو حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ مسیح کو مرنے دو کہ اس میں اسلام کی زندگی ہے

حضرت بانیء سلسلہ عالیہ احمدیہ کا یہ دعویٰ کہ آپ کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا ہے ۔ آپ کو دیگر تمام علمائے اسلام اور فقیروں سے ایک بالکل الگ مقام عطا کرتا ہے ۔ آپ کا دعویٰ یہ ہے ۔ کہ آپ کو خدا تعالیٰ نے خدمت دین کا فریضہ ایک مامور کی حیثیت سے سونپا ہے ۔ اور آپ وہی ہیں جن کے آنے کی پیشگوئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے فرمائی تھی

احمدیت ۔ عالمی وحدت کا ایک روح پرور نظارہ

" ۔ ملک ہند میں مشرقی پنجاب (انڈیا) کے ایک چھوٹے سے قصبہ میں آج سے ایک سو سال پہلے ایک عجیب ماجرا گزرا ' جسے آئندہ بنی نوع انسان کے لئے ایک عظیم عہد آفرین واقعہ بننا تھا ۔ وہاں ایک ایسا مذہبی راہنما مبعوث ہوا جس نے خدا کے اذن سے دَور آخر میں ظاہر ہونے والے آسمانی مصلح ہونے کا دعویٰ کیا ۔ یوں تو دنیا میں ایسے سینکڑوں دعویدار پیدا ہوئے اور آئندہ بھی پیدا ہوتے رہیں گے ۔ لیکن اس کے دعویٰ میں ایک ایسی بات تھی جو سب سے الگ اور سب سے عجیب تھی ۔ اس نے ایک ایسا دعویٰ کیا جس نے ایک نئے انداز سے اقوام عالم میں اتحاد کی بناء ڈالی اور توحید باری تعالیٰ کی ایک ایسی تفسیر کی جس نے دَور آخر میں ظاہر ہونے والے متفرق مصلحین کے پراگندہ تصور کو وحدت کا جامہ پہنایا ۔

وہ انقلاب آفریں اعلان کیا تھا جس نے اس دور کی مذہبی دنیا میں ایک ہیجان برپا کر دیا اور جس کا ارتعاش زمین کے کناروں تک محسوس کیا گیا ۔ یہ وہ دور تھا جسے ہم بالعموم دور انتظار کہہ سکتے ہیں ۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب کے پیروکار ' کیا یہودی اور کیا عیسائی ' کیا مسلمان اور کیا ہندو ' کیا بدھ اور کیا زرتشتی اور کیا کنفیوشس کے ماننے والے سبھی اپنے اپنے مذہب کی راہ پر آخری زمانہ کے موعود مصلح کی آمد کا انتظار کر رہے تھے ۔ یہود کو بھی ایک مسیح کی انتظار تھی جس نے دور آخر میں ظاہر ہونا تھا اور عیسائیوں کو بھی ایک مسیح کی آمد کا انتظار تھا ۔ مسلمان بھی ایک موعود مسیح کی آمد کے منتظر تھے اور ایک مہدی معہود کی راہ دیکھ رہے تھے ۔ ہندو ' کرشن کی آمد ثانی کے منتظر اور بدھ کے ماننے والے بدھا کے روپ میں ظاہر ہونے کا انتظار کر رہے تھے ۔ ہر مذہب میں ایسی قطعی اور واضح پیشگوئیاں موجود تھیں کہ آخری زمانے میں سچائی کے عالمگیر غلبہ کی خاطر خدا تعالیٰ کسی مصلح کو ضرور بھیجے گا لیکن مشکل یہ تھی کہ ہر مذہب اس ظاہر ہونے والے مصلح کو الگ الگ ناموں سے یاد کر رہا تھا ۔

بانی جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو اللہ تعالیٰ نے یہ راز سمجھایا کہ مختلف مذاہب میں جو مختلف ناموں سے آخری موعود عالم کی پیشگوئیاں ملتی ہیں ۔ اگرچہ وہ سب بنیادی طور پر درست ہیں ۔ لیکن یہ درست نہیں کہ خدائے واحد و یگانہ نے ہر مذہب میں الگ الگ

مصلح بھیجنا تھا۔ بلکہ مراد یہ تھی کہ ایک ہی مذہب میں جسے خدا تعالیٰ اپنے جلوہ توحید کے لئے اختیار فرماتا، ایک ایسے موعود عالم کو مبعوث فرمانا تھا جو تمام مذاہب کے موعود مصلحین کی بھی نمائندگی کرتا، تا بنی آدم کو ایک عالمی وحدت کی لڑی میں پرو کر توحید خالق کا ایک روح پرور نظارہ، توحید خالق کے آئینہ میں دکھایا جاوے۔ ۱۴ و ۱۵

از ص ۴۰۶
سردار صاحب نے برطانوی سیاستدانوں سے اپیل کی کہ وہ ظفر اللہ خاں کے اس نوعیت کے دلائل سے متاثر نہ ہوں۔ بلکہ اپنی انہی قدیم روایات انصاف پر کاربند رہیں جن کی وجہ سے وہ ماضی میں کامیابیاں حاصل کر چکے ہیں۔

I would appeal to the british statement not to follow this sort of argument but to follow the tradition which have brought themsuccess in the past. (P.212)

سردار صاحب نے ممبران اسمبلی کو مخاطب کر کے کہا کہ
"سکھ، کسی کی (اشارہ "مسلم راج" کی طرف تھا۔ ناقل)
(Permanent Slavery) مستقل غلامی پر کسی صورت آمادہ نہ ہوں گے"۔ (ایضاً)

راقم یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ علامہ اقبال کو (جن کی سیٹ چوہدری ظفر اللہ خاں کی سیٹ کے ساتھ رکھی گئی تھی، تا وہ اسمبلی معاملات میں دلچسپی لیا کریں) سیاسیات احرار کے دور میں کیا مجبوری پیش آئی کہ انہوں نے اس خدشہ کا اظہار کر دیا کہ:-

"اگر احمدیوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو وہ صوبائی لیجسلیٹو میں "مسلمانوں" کو شدید نقصان پہنچا سکتے ہیں" (زندہ رود ص ۵۹۶)

اسی بحث میں ڈاکٹر گوکل چند نارنگ کی تقریر کے دوران علامہ اقبال نے مداخلت کی تھی اور فرمایا تھا Reject democracy یعنی دفعہ کرو جمہوریت کو۔

اس پر انہوں نے علامہ کو یاد دلایا کہ وہ جمہوریت کے طفیل ہی اس ایوان میں براجمان ہیں۔ گوکل چند نے اسلامی تعلیمات پر نکتہ چینی کرتے ہوئے انہیں "حب الوطنی" کے منافی قرار دیا۔

چودھری ظفر اللہ خاں نے اپنی باری آنے پر اس نکتہ چینی کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔
"میرے فاضل (ہندو) دوست کو معلوم ہونا چاہئے کہ بانی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مختصر مگر جامع حدیث ہے۔
حب الوطن من الایمان

باقی ص ۸۸

۔حواشی۔

۱۔ دی مشنز مصنفہ۔ آر۔ کلارک مطبوعہ لندن۔ ص ۲۳۴
۲۔ اخبار پرکاش۔ ۲۶ر اپریل ۱۹۲۵ء
۳۔ ص ۷۹
۴۔ امپریل گزیٹیئر آف انڈیا ص ۷۹۔ عزیز پبلشرز لاہور۔ پاکستان ۱۹۷۹
۵۔ تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ احمدیت جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۳۶ مولفہ مولانا دوست محمد صاحب شاہد۔ شائع کردہ ادارۃ المصنفین۔ ربوہ
۶۔ زندہ رود ص ۵۷۳
۷۔ زندہ رود ص ۵۷۴
۸۔ زندہ رود ص ۶۰
۹۔ ایضاً ص ۶۲
۱۰۔ دیکھئے حیاۃ طیبہ مولفہ مولانا شیخ عبدالقادر مربی مرحوم (سابق سوداگر مل) صفحہ ۳۲ مطبوعہ ۱۹۵۹ء
۱۱۔ مکتوب ۲۹ نومبر ۱۹۲۲ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد اول ص ۱۳۶ مولفہ مولانا دوست محمد صاحب شاہد۔ س ن
۱۲۔ ملفوظات جلد دوئم ص ۴۸
۱۳۔ منشور محمدی۔ بنگلور ۲۵ر رجب المرجب۔ ۱۳۰۰ھ ص ۲۱۶
۱۴۔ علامہ اقبال اس طبقہ سے وابستہ ہیں کیونکہ ان کے نزدیک "مسیح و مہدی" کی آمد کا خیال غیر اسلامی ہے اور یہ مجوسیت سے اسلام میں آیا ہے۔ نہ مسیح آسمانوں پر زندہ ہیں اور نہ وہ آئیں گے۔ مودودی صاحب کا دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح زندہ ہیں اور وہی آخری زمانہ میں جسمانی طور پر نزول

فرمائیں گے۔

۱۵ ۔ باب اول سوانح فضل عمر جلد نمبرا تصنیف حضرت صاجزادہ مرزا طاہر احمد صاحب شائع کردہ فضل عمر فاؤنڈیشن ۔ ربوہ (دسمبر ۱۹۷۵ء) (ترتیب میں ادنیٰ تغیر)

۱۵ ۔ باب اول سوانح فضل عمر جلد نمبرا تصنیف حضرت صاجزادہ مرزا طاہر احمد صاحب شائع کردہ فضل عمر فاؤنڈیشن ۔ ربوہ (دسمبر ۱۹۷۵ء)

۱۶ ۔ از پیغام حضرت امام جماعت احمدیہ بر موقعہ احمدیہ صد سالہ جشن تشکر ۱۸۸۹ء ۔ ۱۹۸۹ء

مسٹر اصفہانی بنام قائداعظم

New York,
October 14, 1947.

My dear Quaid-e-Azam,

I thank you for your letters, Nos. 1547-GG/47 and 1681-GG/47 dated October 1 and 7 respectively, also the

I can briefly tell you that the Pakistan Delegation to the United Nations has acquitted itself more than well. Sir Zafrullah delivered one of the finest speeches heard in the United Nations on the Palestine question. We are working as a perfect team and without boasting, have created an excellent impression. Pakistan is right on the map.

With kind regards,

Very sincerely yours,
Hassan

مسٹر اصفہانی، امریکہ میں پاکستان کے سفیر تھے

باب نمبر ۳ فصل نمبرا

احمدیت اور انگریز حکمران

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا موقف

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ (وفات ۔ ۱۹۰۸ء) نے انگریزی حکومت کے عدل و انصاف ' مذہبی آزادی اور ان کے حسن انتظام کو احسان کی نظر سے دیکھتے ہوئے بلاشبہ اس کی تعریف کی ہے۔ اس کا شکریہ ادا کیا ہے۔ کیونکہ تبلیغ دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہیں جو پنجاب میں خصوصاً سکھا شاہی کے دور میں بند ہو چکی تھیں اب کھل گئی تھیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں

۔ یہی سلطنت ہے جس کی عادلانہ حمایت سے علماء کو مدتوں بعد گویا صدہا سال کے بعد یہ موقع ملا ہے کہ بے دھڑک بدعات کی آلودگیوں سے اور شرک کی خرابیوں سے اور مخلوق پرستی کے فسادوں سے نادان لوگوں کو مطلع کریں اور اپنے رسول مقبول" کا صراط مستقیم کھول کر ان کو بتلا دیں۔" ۱ ؎

پھر حکومت کی طرف سے مذہبی آزادی کے قیام کے بارے میں فرماتے ہیں :۔

گورنمنٹ نے ہر ایک قوم کو اپنے مذہب کی اشاعت کی آزادی دے رکھی ہے اس لئے ہر طرح کے لوگوں کو ہر ایک مذہب کے اصول اور دلائل پرکھنے اور ان پر غور کرنے کا موقع مل گیا ہے۔ اسلام پر جب مختلف مذاہب والوں نے حملے کئے اور اہل اسلام کو اپنے مذہب کی تائید اور صداقت کے لئے اپنی مذہبی کتابوں پر غور کرنے کا موقع ملا اور ان کی عقلی قوتوں میں ترقی ہوئی ...... الغرض یہ سب امور جو میں نے بیان کئے ہیں۔ ایک نیک دل انسان کو مجبور کراتے ہیں کہ وہ ایسے محسن کا شکر گزار ہو۔ ۲ ؎

نیز فرماتے ہیں :۔

"۔ اب ہم انگریزی عہد میں یہاں تک دینی امور میں آزادی دیئے گئے ہیں کہ جس طرح پادری صاحبان اپنے مذہب کے لئے دعوت کرتے اور رسائل شائع کرتے ہیں۔ یہی حق ہمیں حاصل ہے۔" ۳ ؎

ملکہ برطانیہ کو دعوت

اس مذہبی آزادی سے فائدہ اٹھا کر آپ نے ۱۸۹۳ء میں برطانیہ کی فرماں روا ملکہ وکٹوریا کو جس کے متعلق اقبال نے بعد میں "سایہ خدا" کے الفاظ استعمال کئے تھے' دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم قبول کرنے کی دعوت دی اور فرمایا:-

اے ملکہ! توبہ کر اور اس خدا کی اطاعت میں آ جا جس کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ شریک اور اس کی تمجید کر...... اے زمین کی ملکہ۔ اسلام قبول کر تا تو بچ جائے۔۔ آ۔ مسلمان ہو جا! ۴ سے

اسی مذہبی آزادی کے باعث آپ نے پرزور اور قاطع دلائل سے عیسائیت کے قلعہ پر زبردست گولہ باری کی اور تقریر و تحریر اور آسمانی نشانوں سے پادریوں کی تلبیس کے بخیے ادھیڑ دیئے وہ پادری جو دیہات کی گلیوں اور شہروں کے بازاروں میں کھڑے ہو کر یسوع کو خدا ثابت کیا کرتے تھے اب احمدیوں کے ساتھ گفتگو کرنے سے گھبرانے لگے کیونکہ احمدی' مسیح ابن مریم کو خدا نہیں بلکہ' کشمیر میں دفن شدہ خدا کے ایک رسول (رسولا الی بنی اسرائیل) سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے تھے۔

پادری حضور کے دعویٰ مسیحیت کو ناقابل برداشت دکھ اور ہتک کا موجب سمجھتے تھے۔ انگریز حکمران بھی پادریوں کے دجل کا شکار تھے پادریوں نے حضور کے خلاف اقدام قتل کا ایک جھوٹا مقدمہ کھڑا کر دیا۔ اے۔ جو دو سال تک چلتا رہا۔ انہوں نے آپ کے مشن کو ناکام بنانے کے لئے بے شمار پر پیچ حربے استعمال کئے۔

مئی ۱۹۰۰ء میں لاٹ پادری بشپ جی اے۔ لیفرائے کو باقاعدہ بحث کی دعوت دی گئی۔ تو اس نے ۱۲ر جون کو صاف انکار کر دیا اور اپنی نفرت اور حقارت کے جذبات کا یوں مظاہرہ کیا:

"میں انکار کرتا ہوں کہ مرزا غلام احمد کو کسی دوستانہ ماحول میں ملوں۔ اپنے آپ کو مسیح کہنے کی جرات کرتے ہوئے مرزا صاحب بغیر کسی قسم کی سند کے اپنے لئے وہ نام (یعنی مسیح) اختیار کرتے ہیں۔ جسے ہم جو عیسائی کہلاتے ہیں نہایت گہرے ادب اور احترام کے جذبات سے دیکھتے ہیں۔ اس طرح میرے نزدیک وہ اس ہستی کی حد درجہ افسوسناک ہتک اور بے عزتی کرتے ہیں۔ جس کی ہم اپنا آقا اور مالک سمجھ کر عبادت کرتے ہیں۔ پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں اس شخص سے دوستانہ رنگ میں ملنے کے لئے رضامند ہو جاؤں" ۵ سے

مگر پادریوں کے نفرت و حقارت کے جذبات خدا کے اس جری پہلوان کی کسر صلیب کی

زبردست مہم کو کسی رنگ میں متاثر نہ کر سکے۔ حقائق کی زبان کا کہنا ہے کہ مخالفت کی آندھیوں اور دشمنی کے طوفانوں کے باوجود آپ اور آپ کی جماعت کا قدم عیسائیت پر قلمی حملہ میں آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔

بانی سلسلہ احمدیہ کی زندگی میں حکومت برطانیہ ابر محیط کی طرح پورے ہندوستان پر چھائی ہوئی تھی۔ اس شوکت و عظمت کے ماحول میں آپ کے ہاتھوں' لاٹ پادری لیفرائے کا کیا حشر ہوا؟ اس کا ذکر ہمیں حضرت شاہ رفیع الدین" اور مولانا اشرف علی تھانوی کے دو ترجموں والے "معجز نما" قرآن شریف کے دیباچہ میں بھی ملتا ہے۔۔۔ لکھا ہے:-

پادری لیفرائے کا حشر

"۔ اسی زمانے میں پادری لیفرائے' پادریوں کی ایک بہت بڑی جماعت لے کر اور حلف اٹھا کر ولایت سے چلا کہ تھوڑے عرصہ میں تمام ہندوستان کو عیسائی بنا لوں گا۔ ولایت کے انگریزوں سے روپیہ کی بڑی مدد اور آئندہ کے مسلسل وعدوں کا اقرار لے کر ہندوستان میں داخل ہو کر بڑا تلاطم برپا کیا...... حضرت عیسیٰ کے آسمان پر بجسم خاکی زندہ موجود ہونے اور دوسرے انبیاء کے زمین میں مدفون ہونے کا حملہ عوام کے لئے اس کے خیال میں کارگر ہوا۔ تب مولوی غلام احمد قادیانی کھڑے ہو گئے اور لیفرائے اور اس کی جماعت سے کہا کہ عیسیٰ جس کا تم نام لیتے ہو دوسرے انسانوں کی طرح فوت ہو کر دفن ہو چکے ہیں اور جس عیسیٰ کے آنے کی خبر ہے وہ میں ہوں۔ پس اگر تم سعادت مند ہو تو مجھ کو قبول کر لو۔ اس ترکیب سے اس نے لیفرائے کو اس قدر تنگ کیا کہ اس کو اپنا پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا اور اس ترکیب سے اس نے ہندوستان سے ولایت تک کے پادریوں کو شکست دے دی۔ ۶ سے

عیسائیوں کے پیچدار افتراء کا ذکر

حضور نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے عیسائیت کے فتنہ کے بارے میں فرمایا:-

"۔ اے مسلمانو! سنو اور غور سے سنو کہ اسلام کی تاثیر کو روکنے کے لئے جس قدر پیچ دار افترا اس عیسائی قوم میں استعمال کئے گئے اور پر مکر حیلے کام میں لائے گئے اور ان کے پھیلانے میں جان توڑ کر اور مال کو پانی کی طرح بہا کر کوششیں کی گئیں۔ یہاں تک کہ نہایت شرمناک ذریعہ بھی جس کی تصریح سے اس مضمون کو منزہ رکھنا بہتر ہے۔ اس راہ میں ختم کئے

گئے" ۷ ؎

دجالی گروہ کا خروج

حضور نے پادریوں کے گروہ کو دجال ا۔ قرار دیا اور لکھا:۔

"۔اور جس قدر اسلام کو ان لوگوں کے ہاتھ سے ضرر پہنچا ہے اور جس قدر انہوں نے سچائی اور انصاف کا خون کیا ہے۔ ان تمام خرابیوں کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے۔ ہجرت مقدسہ کی تیرہویں صدی سے پہلے ان تمام فتنوں کا نام و نشان نہ تھا اور جب چودھویں صدی کچھ نصف سے زیادہ گزر گئی تو یک دفعہ اس دجال گروہ کا خروج ہوا" ۸ ؎

پھر حضور اپنی ایک عربی نظم (۱۸۹۴ء) میں عیسائیوں کے فتنہ کا نقشہ کھینچتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں۔

عیسائیت کی مسماری کے لئے خدا کے حضور تضرع

ترجمہ: عیسائیوں کو دیکھ اور ان کے عیبوں کو اور ان کے میلوں کو دیکھ جو ان سے ظاہر ہوئیں۔ وہ اپنی زیادتیوں اور تعدیوں کی وجہ سے ہر ایک بلندی سے دوڑے ہیں اور اپنے بتوں سے زمین کو ناپاک کر رہے ہیں۔ ان کی بلائیں عام ہو گئیں اور ان کا فساد بڑھ گیا اور فتنوں کا سیلاب ان کی بے اعتدالیوں سے بہت سخت ہو گیا۔ اے خدا! تو ان کو پکڑ جیسا کہ تو مفسد کو پکڑتا ہے۔ اے قادر خدا! تو اپنے رحم سے مردوں اور عورتوں کی جلد خبر لے اور مخلوق کو اس طوفان سے نجات بخش۔ ان کے لشکر مسلمانوں کی زمین میں اتر آئے اور ان کی بلاؤں نے مسلمان عورتوں تک سرایت کی۔ اے احمد کے رب! اے محمد رسول اللہ کے الٰہ۔ اپنے بندوں کو ان کے دھوئیں کی زہروں سے بچا لے۔ تیرے نبی کو انہوں نے عناد سے گالیاں دیں اور جھٹلایا۔ وہ نبی جو افضل المخلوقات ہے۔ سو تو ان کے ظلم کو دیکھ۔ اے میرے رب! ان کو ایسا پیس ڈال جیسا کہ تو ایک طاغی کو پیستا ہے اور ان کی عمارتوں کو مسمار کر دے۔ ان کے صحنوں میں اتر آ۔ اے میرے رب! صلیب کا ٹوٹنا مجھے دکھلا۔ اے میرے رب! ان کی دیواروں پر مجھ کو مسلط کر۔

کیا کوئی شرافت پسند انسان اس کڑی تنقید کو انگریز کی خوشامد یا اس کی چاپلوسی سے تعبیر کر سکتا ہے؟ کیا کوئی تصور کر سکتا ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو انگریزوں نے اپنے مقاصد کے

لئے کھڑا کیا تھا۔

حضور علماء اسلام کو بھی بار بار سمجھاتے تھے:۔

"۔اے حضرات مولوی صاحبان! جبکہ عام طور پر قرآن شریف سے مسیح کی وفات ثابت ہوتی ہے..... تو آپ لوگ (عیسائیوں کی حمایت کی خاطر۔ ناقل) ناحق کی ضد کیوں کرتے ہو۔ کہیں عیسائیوں کے خدا کو مرنے بھی دو۔ کب تک اس کو حی لایموت کہتے جاؤ گے۔ کچھ انتہا بھی ہے۔" ۹ ؎

غرض مذہبی لحاظ سے حضور نے عیسائیت کی ایسی زبردست تردید فرمائی اور اس پر اتنی کڑی تنقید کی۔ کہ جس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں نہیں پائی جاتی۔

انگریزی حکومت کے مفادات کے تحفظ کا الزام

اکثر کہا جاتا ہے کہ احمدی' ہندوستان میں انگریزی مفادات کے محافظ تھے۔

اس ضمن میں پہلے یہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ہندوستان میں انگریز کا سب سے بڑا مفاد تھا کیا؟

آیئے! ہم یہ بات انگریز حکمرانوں سے ہی پوچھتے ہیں۔ وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ انگریزی حکومت کا سب سے بڑا مفاد انگریزی حکومت کا استحکام ہے۔ پھر وہ ہمیں یہ بھی بتاتے ہیں کہ اس استحکام کا ذریعہ ہے عیسائیت کا نشوونما۔ چنانچہ ہندوستان کے وائسرائے لارڈ لارنس کا کہنا ہے۔

"۔کوئی بھی چیز ہماری سلطنت کے استحکام کا اس امر سے زیادہ موجب نہیں ہو سکتی کہ ہم عیسائیت کو ہندوستان میں پھیلا دیں۔ ۱۰ ؎

ادھر پنجاب کے گورنر سر ڈونلڈ میکلوڈ کی سوچ بھی یہی ہے۔

"۔میں اپنے اس یقین کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم سرزمین ہند میں اپنی سلطنت کا تحفظ چاہتے ہیں تو ہمیں انتہائی کوشش کرنی چاہئے۔ کہ یہ ملک عیسائی ہو جائے۔" ۱۱ ؎

اب سوچئے! یہ بات کتنی خلاف عقل ہے کہ عیسائیت کے تحفظ کے لئے انگریز حکمران یہ تدبیر نکالیں۔ کہ ایک انتہائی گم نام گاؤں کے انتہائی گم نام شخص کو کھڑا کریں۔ اور اس سے یہ اعلان کروائیں کہ۔ عیسائیوں کا خدا مرگیا ہے۔--- اور اس سے عیسائیت پر ایسے کاری حملے

کروائیں کہ بقول مولانا ابو الکلام آزاد -- " مرزا صاحب نے (عیسائیت کے خلاف - ناقل) قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے - قائم رہے گا- " ۱۲ ھ

اور بقول مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے ترجمہ قرآن مجید کے "دیباچہ نگار" کے - مرزا صاحب نے ہندوستان سے لے کر ولایت تک کے پادریوں کو شکست دے دی (ص ۳۰)

پھر اس سے یہ اعلان کروائیں کہ عیسائی مذہب جھوٹ اور فریب ہے - وہ عیسائیت کو صاف اور کھلے کھلے الفاظ میں دجالیت قرار دے - وہ یہ بھی اعلان کرے - کہ میں اس مذہب کو پارہ پارہ کرنے کے لئے مبعوث ہوا ہوں-

حضور اپنے عربی کلام میں فرماتے ہیں-

اے عیسائیو! خدا کی قسم میں تمہاری صلیب کو پارہ پارہ کر کے رہوں گا خواہ اس راہ میں میرے جسم کی دھجیاں اڑ جائیں اور میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاؤں-

اس شخص کے بارے میں ہمارے ہاں کے نام نہاد مجاہدین اسلام کا یہ انکشاف کہ یہ وجود انگریزوں نے کھڑا کیا ہے - اس کا عیسائیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ تھا- کتنا حیرت انگیز انکشاف ہے -

حضرت بانی سلسلہ کے دور میں 'عیسائی پادریوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کا ایک نمونہ

حقیقت یہ ہے کہ عیسائی پادریوں کے ساتھ گٹھ جوڑ ضرور ہوا تھا- مگر مرزا صاحب کا نہیں - بلکہ مرزا صاحب کے مخالف مولویوں کا- جب بھی مرزا صاحب کا عیسائی پادریوں سے مقابلہ ہوا- مولویوں نے عموماً پادریوں کا ساتھ دیا--- اور مرزا صاحب کی مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی-

مرزا کو جیل کی سیر کراؤ

ایک طرف یہ آسمانی پہلوان عیسائیت کے خلاف قلمی جہاد میں مصروف تھا تو دوسری طرف

بے غیرتی میں کادیانی کے پیرو بہت چلے ہیں- کیوں اسے عدالت میں استغاثہ دائر نہیں کرتے- اور اسکو جیلخانہ کی سیر نہیں کرتے-

گورنمنٹ کے حضور میں یہ مودبانہ التماس ہے کہ کادیانی کے اس غدرخبری پر گورنمنٹ اسکو خیرخواہ سلطنت نہ سمجھ لے اور اسکے ان کارستانیوں پر جو سول ملٹری اور اشاعت السنۃ نے گورنمنٹ کے حضور میں پیش کی ہیں چشم پوشی نہ کرے - اور اسکے دعوے خیرخواہی پر گورنمنٹ اس سے یہ سوال کرے - کہ اگر تم خیرخواہ سلطنت ہو اور بغاوت گورنمنٹ سے بری ہو تو تمہاری پیشگوئی میعادی ہشت سالہ سے کیا غرض ہے - اور تمہارے اس فقرہ صفحہ ۱۰۶ کتاب وساوس جب انسان نافرمان ہو جاتا ہے مالک حقیقی کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو بلا توسط اسباب ظاہر انکے مالوں کو تلف کرے اور انکی جانوں کو معرض عدم میں پہنچا دے یا کسی سلسلہ کے واسطے سے یہ تجلی قہری نازل کرے کیا معنی ہیں مگر اس سوال کے وقت اپنے ملک و سلطنت کے وفادار اڈیٹر ایڈیٹر اشاعت السنۃ کو بھی سامنے کھڑا کرلے - پھر دیکھیے کہ اس سوال کے جواب کادیانی سے دعوے خیرخواہی و عدم بغاوت کادیانی کا سچا ہونا ثابت ہوتا ہے یا جھوٹا ہونا۔

فہرست مطالب جلد ۱۰
الہامی قاتل الخ

اشاعۃ السنۃ النبویۃ
علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ

۸۱

تکمیل جمعیت کیا کرو توقف ہو۔

آپکی جماعت میں ہم کو کئی آدمیوں کا علم ہے کہ وہ آپ کو امام وقت اور خلیفہ مہدی سمجھ کر آپکے پیرو ہوئے ہیں۔ اور وہ اس امید پر بیٹھے ہیں کہ وہ دن جلد آتا ہے کہ آپ اس ملک کی بادشاہت کرینگے۔

(جیسا کہ گزشتہ سطور میں لکھا گیا ہے) مولویوں کا نمائندہ ' مولوی محمد حسین بٹالوی ' پادریوں کو اس امر پر اکسا رہا تھا کہ کیا تمہاری غیرت مرگئی ہے ۔ تم اس شخص کا قلع قمع کیوں نہیں کرتے ۔ حضور کی بعض تحریروں کا حوالہ دے کر لکھتا ہے :۔

" اے حضرات پوادر (پادری کی جمع ۔ ناقل) آپ بھی بے غیرتی میں قادیانی کے پیرو ہو چلے ہو ۔ کیوں اس پر عدالت میں استغاثہ دائر نہیں کرتے اور اس کو جیل خانہ کی سیر نہیں کراتے ۔" ۱۳

دجالین قادیان

حضرت مرزا صاحب نے عیسائیت کی ریشہ دوانیوں کو دجالیت قرار دیا تو مولویوں کے نمائندہ نے مرزا صاحب کو " دجال قادیان " کے نام سے پکارنا شروع کر دیا ۔۔۔ " دجالین قادیان کی اور نئی چالیں ۔ " کے زیر عنوان بٹالوی صاحب لکھتے ہیں :۔

" ۔ گورنمنٹ کے حضور یہ مودبانہ التماس ہے کہ کادیانی .... کو خیر خواہ سلطنت نہ سمجھ لے ۔ اور اس کی کارستانیوں پر جو سول اینڈ ملٹری گزٹ اور اشاعۃ السنہ نے گورنمنٹ کے حضور میں پیش کی ہیں ۔ چشم پوشی نہ کرے اور اس کے دعویٰ خیر خواہی پر گورنمنٹ اس سے یہ سوال کرے کہ اگر تم خیر خواہ سلطنت ہو اور بغاوت گورنمنٹ سے بری ہو تو تمہاری پیشگوئی ہشت سالہ ۱۸۹۱ء سے کیا غرض ہے اور تمہارے اس فقرہ (ص ۶۰۱ کتاب وساوس اسلام ۔ مراد آئینہ کمالات اسلام ۔ ناقل) " کہ جب انسان نافرمان ہو جاتا ہے ۔ مالک حقیقی کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو بلا توسل ' رسل ' نافرمانوں کے مالوں کو تلف کرے اور ان کی جانوں کو معرض خطر میں پہنچا دے یا کسی رسول کے واسطے سے ' یہ تجلی قہری ' نازل کرے ۔ " کے کیا معنی ہیں ؟

مگر اس سوال کے وقت اپنے ملک و سلطنت کے وفادار ایڈووکیٹ ایڈیٹر اشاعۃ السنہ کو بھی سامنے کھڑا کر لے ۔ پھر دیکھے کہ اس سوال کے جواب میں قادیانی سے دعویٰ خیر خواہی و عدم بغاوت قادیانی کا سچا ہونا ثابت ہوتا ہے یا جھوٹا ہونا ۔" ۱۵

حضور کی کتاب " آئینہ کمالات اسلام " کے اس فقرہ کو ایک اور مقام پر نقل کر کے اہل حدیث مولوی گورنمنٹ کو یوں اکسا رہا ہے :۔

قوت پکڑتے ہی حکومت پر قبضہ

" ۔ (یہ فقرہ) ان تمام رسائل کو ملیا میٹ کرتا ہے اور ان پر پانی پھیرتا ہے اور بتا رہا ہے کہ جس وقت آپ کی جماعت کامل قوت پکڑے گی اور کثرت کو پہنچ جائے گی اس وقت آپ گورنمنٹ کے مال و جان پر ہاتھ صاف کریں گے .... آپ کی جماعت میں ہم کو کئی آدمیوں کا علم ہے کہ وہ آپ کو امام وقت اور خلیفہ مہدی سمجھ کر آپ کے پیرو ہوئے ہیں اور وہ اس امید پر بیٹھے ہیں کہ وہ دن جلد آتا ہے کہ (انگریزوں کی بجائے ۔ ناقل) آپ اس ملک کی بادشاہی کریں گے ۔ "

پھر لکھتا ہے :۔

" آپ کی طرف سے گورنمنٹ کیوں کر مطمئن ہو سکتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ میں تب ہی سے گورنمنٹ کو جتا رہا ہوں کہ یہ شخص محل خوف ہے ۔ اس سے گورنمنٹ کو مطمئن نہ رہنا چاہیے (موعود مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ کر کے ۔ ناقل) اب یہ وہ مرزا غلام احمد نہیں رہا ۔ جس کی طرف سے میں نے (اپنے) ریویو میں گورنمنٹ کو مطمئن کیا تھا ۔ " ۱۶

جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ کے دور میں مسلم ' عیسائی گٹھ جوڑ کا نمونہ

اب تو مخالفین احمدیت بانی سلسلہ احمدیہ کو حکومت برطانیہ کا آلہ کار بتاتے ہیں مگر بانی سلسلہ کے دور میں حکومت کے کان بھرتے تھے ۔ حکومت کو حضور کے خلاف بھڑکاتے تھے ۔ یہ سلسلہ حضور کی وفات کے بعد بھی موقع بہ موقع جاری رہا ۔ حضور کی وفات کے بعد حضور کے دوسرے جانشین پر بھی یہی الزام لگایا گیا ۔ کہ یہ شخص اور اس کی جماعت عیسائی عقائد کی دشمن ہے ۔ مسیح اور مریم علیہ السلام پر ناپاک حملے کرنے والی ہے ۔ اس کے خلاف فوری اور سخت ایکشن لیا جائے اور ہم دل و جان سے حکومت کے ساتھ ہیں ۔۔۔ چنانچہ مولانا ظفر علی خاں نے (احرار کی قادیان تبلیغی کانفرنس کے موقع پر ۔ ۲۲ ر نومبر ۱۹۳۴ء) اخبار زمیندار کے خاص نمبر کی اشاعت میں جارج پنجم شہنشاہ ہند تاجدار انگلستان کے نام جو تاریخی مکتوب مفتوح شائع کیا ۔ اس میں کہا گیا :۔

حضور والا ! مجھے ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمانوں کے عمیق احساسات پر عبور ہے جو

حضور کو اپنا فرماں روا تسلیم کرتے ہیں...... معتقدات مذہبی کے سلسلہ میں بہت سے امور ایسے ہیں جو ہمارے اور مسیحی اقوام کے درمیان قدر مشترک کا حکم رکھتے ہیں...... مگر اس (مرزا غلام احمد نے۔ ناقل) نے دعویٰ کیا کہ میں مسیح موعود ہوں۔ اور اس زمانہ میں بحیثیت پیغمبر مبعوث ہوا ہوں۔ اس نے سادہ لوح اور سریع الاعتقاد مریدوں کی ایک جماعت اپنے گرد اکٹھی کر لی جو اس کے ہر لفظ کو وحی آسمانی کا درجہ دیتی ہے۔ اور ازبسکہ وہ بڑا ہی چالاک تھا۔ اس لئے غیر جانبدار سرکاری جرائم کی خفگی سے بچنے کے لئے اس نے تاج برطانیہ کی جانثاری، وفاداری کے دعویٰ کو اپنی سپر ـــــ بنالیا..... **مسیح ابن مریم کی تصویر پر اس نے سر سے لے کر پاؤں تک سیاہی کی کوچی پھیردی (نعوذ باللہ۔ ناقل) اور یہی قادیان کے اس جھوٹے نبی کا سب سے بڑا شاہکار ہے۔..... اس کا موجودہ جانشین مرزا** محمود، مذہب کی حدود سے نکل کر سیاسیات عالیہ کے دنگل میں آن کودا ہے اور پنجاب گورنمنٹ سے دست و گریباں ہو رہا ہے۔

.... کلیسائے عیسوی نے آپ کو "حامی دین" کا لقب دیا ہے اور ایک مسیحی تاجدار ہونے کی حیثیت سے آپ کا فرض اولین ہے کہ مسیح اور مریم کی عزت کو اس قسم کے ناپاک حملوں سے بچائیں۔

مسلمانان ہند کو یقین ہے کہ حضور اپنے نائب السلطنت (وائسرائے ہند۔ ناقل) لارڈ ولنگڈن کو یہ شاہانہ ہدایت فرما کر اس بارہ میں بعجلت، تمام تر موثر انسدادی تدابیر اختیار کریں گے۔ اپنی مسلمان رعایا کو بطور خود مسیح و مریم علیہم السلام کی توہین کا سدباب کر کے قرآنی فریضہ سے سبکدوش ہوں گے.... اس سلسلہ میں جو تدابیر حضور عمل میں لائیں۔ مسلمان بہ جان سپاس گزار ہوں گے۔ ۱۷؎

حضور کا نیازمند

ظفر علی خاں

مالک و مدیر روزنامہ زمیندار۔ لاہور

۲۵ر نومبر ۱۹۳۴ء کو مولانا ظفر علی خاں کا یہی مکتوب مفتوح، علی گڑھ جامع مسجد، میں بھی پڑھ کر سنایا گیا۔ ۱؎

سر فضل حسین کی ڈائری

مخالفین احمدیت کی انگریزوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کی مختلف شہادتوں میں سے ایک شہادت سر فضل حسین کی ڈائری اور خطوط میں بھی ملتی ہے۔ احرار اور ظفر علی خاں نے جماعت کے خلاف ایک طوفان بدتمیزی برپا کر رکھا تھا۔ اور برطانوی حکومت خفیہ طور پر ان کی پشت پناہی کر رہی تھی۔ اس صورت حال کو دیکھ کر سر فضل حسین ایسے باخبر شخص نے اپنی ڈائری (یکم جولائی ۱۹۳۵ء) میں لکھا۔

Thus they (Ahrar) are the recipients of help and support from different persons who hope to use them against each other. Even Government officials and in particular the C.I.D are said to be their supporters.

"یعنی ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرنے کی امید میں مختلف سیاستدان احرار کی امداد و تعاون کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ گورنمنٹ حکام خصوصاً سی آئی ڈی کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ وہ بھی اس کاروبار میں ملوث ہے۔ ۱۸؎

اگلے ماہ یعنی اگست میں سر فضل حسین پر "احرار حکومت گٹھ جوڑ" اور بھی واضح ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ نے ۲۰ر اگست ۱۹۳۵ء (ص ۴۵) کو لکھا کہ "احرار اور پنجاب گورنمنٹ کا یارانہ ان دنوں بہت گہرا ہے"۔ ۱۹؎

یہاں یہ وضاحت کر دینا نامناسب نہ ہو گی کہ بانی تحریک احمدیہ نے کبھی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کا ارتکاب نہیں کیا اور وہ ان کے متعلق نازیبا الفاظ استعمال بھی کیسے کر سکتے تھے۔ ان کا دعویٰ تو خود "مثل مسیح" ہونے کا ہے۔ اصل حقیقت کو حضور یوں واضح فرماتے ہیں:۔

یسوع دشمنی؟ کی وضاحت

"۔ ہمارا جھگڑا اس یسوع کے ساتھ ہے۔ جو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ نہ اس برگزیدہ نبی کے ساتھ جس کا ذکر قرآن کی وحی نے مع تمام لوازم کے کیا ہے (تبلیغ رسالت جلد ۶ ص ۳۲)

پھر فرماتے ہیں :-

" - اگر پادری اب بھی اپنی پالیسی بدل لیں اور عہد کریں کہ آئندہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نہیں نکالیں گے تو ہم بھی عہد کریں گے کہ آئندہ نرم الفاظ کے ساتھ ان سے گفتگو ہوگی ۔ (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص ۸)

اور بانی تحریک کی اس پالیسی کو خلیفہ دوئم نے یوں پبلک لیکچر میں روشناس کرایا ۔

" - جنگل کے درندوں اور سانپوں سے ہم صلح کر سکتے ہیں ۔ مگر ہم ان سے کبھی بھی صلح نہیں کر سکتے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں ۔ (لیکچر مسلمانوں کی انفرادی اور قومی ذمہ داریاں ص ۴۰)

مرزا صاحب نے پنجاب گورنمنٹ کا ناطقہ بند کردیا ہے

پھر ۱۸ نومبر ۱۹۳۴ء کے پرچہ میں زمیندار لکھتا ہے :-

" مرزا غلام احمد قادیانی کی یہ پیشگوئی تو حکومت کے کانوں میں پہنچ چکی ہے کہ :-

دولت برطانیہ تا ہشت سال ۔ بعد ازاں آثار ضعف واختلال ۔

اب وہ ان متبنی صاحب کی یہ دوسری پیشگوئی بھی سن لے جس میں آپ (کے خلیفہ دوئم) فرماتے ہیں کہ تین سو سال کے اندر اندر ساری دنیا میں قادیانیت کا قبضہ ہو جائے گا ۔ اور خود انگلستان کے تخت پر ایک احمدی بادشاہ بیٹھا ہوا نظر آئے گا جو مرزائیت کے تمام مخالفین میں سے کسی کو سنگسار کرے گا اور کسی کی کھال ہنٹروں سے ادھیڑ ——— دے گا ۔ باور نہ آئے تو خود خلیفہ قادیان سے جنہوں نے آجکل مسٹر گاربٹ چیف سیکرٹری پنجاب گورنمنٹ بلکہ ساری پنجاب گورنمنٹ کا ناطقہ اپنی دھمکیوں سے بند کر رکھا ہے ۔ آنے والی حکومت کا ذکر سن لیجئے ۔

گاربٹ صاحب ! کچھ بسنت کی خبر بھی ہے ...... مرزا بشیر الدین محمود عرف " ولیم فاتح " نے اب سیاست کے کوچہ میں قدم رکھا ہے ۔ اپنے فدائیوں سے اپنے ہاتھ پر موت کی بیعت لی ہے ۔ جمالی رنگ کی بجائے اب جلالی رنگ اختیار کر رکھا ہے آنکھیں کھولئے اور دیکھئے کیا ہو رہا ہے ۔ (ص ۔ ۳)

پھر ایک خبر کی جلی سرخی ہے ۔

" حکومت پنجاب کے ساتھ خلیفہ قادیان کی کشمکش نے ایک نازک صورت اختیار کر لی ہے ۔ اسی خبر میں درج ہے ۔

" - انہوں نے (یعنی امام جماعت احمدیہ نے) کھلم کھلا علم بغاوت بلند کر دیا ہے ۔ (ایضا ص ۷) ایک مضمون نگار لکھتا ہے :-

" شاید انگریزوں کو یہ معلوم نہیں کہ پیغمبر قادیان ان کے حق میں مرنے سے پہلے یہ پیشگوئی کر گیا ہے کہ سلطنت برطانیہ تا ہشت سال ۔ بعد ازاں ایام ضعف واختلال ۔ اور اس پیغمبر کا بیٹا موجودہ خلیفہ قادیان آج سے صرف چار سال پہلے (یعنی ۱۹۳۰ء میں ناقل) اعلان کر چکا ہے :-

" ہندوستان غیر محدود زمانہ تک غیر ملکی حکومت گوارا نہیں کر سکتا ۔ اب ہندوستان خاموش نہیں بیٹھ سکتا ۔ " ۲۰ ؎

اب اس امر کا کیا علاج کہ علامہ اقبال یا مصنف زندہ رودؔ احمدیت کے خلاف اپنے مضامین میں یہ تاثر دیں کہ احمدیت کا مسلک " سیاسی محکومیت " ہے ۔ احمدیہ جماعت اس کوشش میں ہے کہ غیر ملکی تسلط غیر محدود زمانہ تک برقرار رہے ۔

واضح رہے کہ ۱۹۳۰ء میں ہی علامہ اقبال نے سیاسی محکومیت کے گوارا کرنے کے بارے میں فرمایا تھا ۔

" مجھے کوئی اعتراض نہیں اگر ہندو ہم پر حکومت کریں ۔ بشرطیکہ ان میں حکومت کرنے کی اہلیت اور شعور ہو لیکن ہمارے لئے دو آقاؤں کی غلامی ناقابل برداشت ہے ۔ ہندو اور انگریزوں میں سے صرف ایک ہی کا اقتدار گوارا کیا جا سکتا ہے ۔ ۲۱ ؎

حضرت امام جماعت احمدیہ کی طرف سے ،

انگریزی حکومت پر ـــ نکتہ چینی اور اسے زبردست انتباہ

حکومت کا ایک طبقہ عدل و انصاف کی راہ سے ہٹ گیا جماعت کے متعلق صریح بے انصافی اور ایذا رسانی سے کام لینے لگا تو حضرت امام جماعت احمدیہ نے اس ظالمانہ روش کی سولہ واضح مثالیں دے کر فرمایا :-

ان (مثالوں) سے پتہ چلتا ہے کہ ایک عرصہ سے جماعت (احمدیہ) کو بدنام کرنے کی

کوشش (انگریزی - ناقل) حکومت کے بعض افسران کی طرف سے کی جا رہی ہے - (تاریخ احمدیت جلد نمبر ۷ صفحہ ۴۸۳)

ایک اور موقع پر حکومت کے خلافِ عقل و فہم رویہ کے پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے حضور نے نہایت درد انگیز الفاظ میں فرمایا:

"- ہمارے نازک احساسات مجروح کئے گئے ہیں - ہمارے دل زخمی کر دیئے گئے ہیں - میں نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا - کسی سے کچھ نہیں مانگا - مگر حکومت اور رعایا خواہ مخواہ ہماری مخالف ہے .... گورنمنٹ کو یاد رکھنا چاہئے کہ بے شک ہم صابر ہیں - متحمل ہیں مگر ہم بھی دل رکھتے ہیں اور ہمارے دل بھی درد کو محسوس کرتے ہیں اور اگر اس وجہ سے بلاوجہ انہیں مجروح کیا جاتا رہا تو ان دلوں سے ایک آہ نکلے گی جو زمین و آسمان کو ہلا کر رکھ دے گی جس سے خدائے قہار کا عرش ہل جائے گا اور جب خدا تعالیٰ کا عرش ہلتا ہے تو اس دنیا میں ناقابل برداشت عذاب آیا کرتے ہیں - " (الفضل یکم دسمبر ۱۹۳۴ء)

پھر سالانہ جلسہ (۱۹۳۴ء) پر انگریزی حکومت کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا :-

"- ہمارا حکومت سے ٹکراؤ نہیں - اس کا میدان عمل اور ہے اور ہمارا اور - لیکن اگر وہ خود ہم سے ٹکرائے گی تو اس کا وہی حال ہو گا - جو کونے کے پتھر سے ٹکرانے والے کا ہوتا ہے - " (الفضل ۲۰ر جنوری ۳۵ء)

مسلم پرچہ "سیاست" کے ایڈیٹر سید حبیب صاحب نے حضرت امام جماعت احمدیہ کی خدمت میں تحریر کیا :-

سر سکندر (حیات خاں - وزیراعظم پنجاب) کی نظر (انگریز - ناقل) گورنر کے ہر مخالف سے بگڑی ہوئی ہے - اس سے نہ آپ مستثنیٰ ہیں نہ میں - (خط محررہ ۱۵ر نومبر ۱۹۳۶ء)

ظاہر ہے جماعت احمدیہ اس وقت تک ہی انگریزی حکومت کی مداح اور شکر گزار رہی جب تک یہ حکومت - "قصر عدل کی معمار" تھی - جب تک اس کی تلوار - "نقاد خیر و شر" تھی - اور جب تک یہاں "سامان صلح دیر و حرم" میسر تھا - جب حکومت نے ان اقدار کو نظر انداز کر دیا تو جماعت احمدیہ کا نقطہ نگاہ بھی بدل گیا -

مگر ان حقائق کو نظر انداز کرتے ہوئے علامہ اقبال نے احمدیت کے خلاف اپنے پہلے مضمون مورخہ ۱۴ر مئی ۱۹۳۵ء میں جو ا. سٹیٹسمین نے بھی شائع کیا، حکومت پر نکتہ چینی بلکہ طنز

کے انداز میں ---- کہا کہ حکومت (اپنے) دوست (یعنی جماعت احمدیہ) کو جو فائدہ پہنچانا چاہئے - پہنچائے یا اس کی خدمات کا صلہ دے - چونکہ مختلف گوشوں سے جماعت کو مسلسل یہ طعنہ دیا جاتا ہے کہ انگریز ان کی بے جا منفعت کے لئے کام کرتا رہا - اس لئے ہم یہاں حقیقت حال کی قدرے وضاحت کرتے ہیں:

حضرت امام جماعت احمدیہ نے اس نوع کی بے بنیاد نکتہ چینیوں کے پیش نظر حکومت کو چیلنج دیتے ہوئے فرمایا :-

"گورنمنٹ کا موجودہ رویہ بتا رہا ہے کہ وہ ہمیں اپنے دوستوں میں سے نہیں بلکہ مخالفوں میں سے سمجھتی ہے - ایسے موقع پر میں حکومت کو متواتر چیلنج دے چکا ہوں اور اب پھر چیلنج دیتا ہوں کہ وہ ثابت کرے - ہم نے کبھی اس سے کوئی ایسا فائدہ اٹھایا ہو جو رعایا کے عام حقوق سے بالا ہو - اگر ہم نے اس کی خدمات کر کے کوئی دنیوی فائدہ حاصل کیا ہو تو اب اس کا فرض ہے کہ وہ اسے دنیا کے سامنے پیش کر کے ہمیں لوگوں میں شرمندہ کرے - " (خطبہ جمعہ شائع شدہ الفضل ۶ر اگست ۱۹۳۵ء)

مگر حکومت برطانیہ کا وہ عنصر جو جماعت کے مخالفوں کا ہمنوا ہو کر جماعت پر ظلم و ستم ڈھا رہا تھا - آج تک اس چیلنج کا کوئی جواب نہ دے سکا - ایک محقق ہونے کی حیثیت سے مصنف زندہ رود کا فرض تھا کہ وہ انگریز حاکموں کی اس مخالفانہ روش کی کوئی جھلک تو پیش کرتے -

ہم نے گذشتہ سطور میں مولویوں کا عیسائیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کا ایک نمونہ پیش کیا ہے اب ملاحظہ ہوں اسی نوعیت کی درخواستیں 'عیسائیوں کی طرف سے - کہ ہمارے اور مسلمانوں کے عقائد یکساں ہیں - ہمارا ان سے مکمل اتحاد ہے - لیکن قادیانی ہم دونوں کے یکساں عقائد کی تضحیک کے ذمہ دار ہیں - ان پر پابندی لگا دی جائے -

مسیحیوں کی طرف سے قادیانیوں کے خلاف رٹ

جماعت احمدیہ کے چوتھے خلیفہ کے دور میں عیسائی ، مسلم گٹھ جوڑ کا نمونہ

(امروز کے سٹاف رپورٹر سے) لاہور - ۹ر جولائی ۱۹۸۴ - قادیانیوں کے خلاف مسیحی رہنما پطرس گل کی رٹ درخواست کی سماعت کے دوران آج ہائی کورٹ نے وفاقی حکومت سے بھی رپورٹ طلب کر لی ہے - اور اس سلسلہ میں ڈپٹی اٹارنی جنرل کو نوٹس جاری کر دیا ہے -

رٹ درخواست میں مرزا طاہر احمد سربراہ قادیانی گروپ اور ڈاکٹر سعید سربراہ لاہور گروپ کو بھی فریق بنایا گیا ہے۔ اور موقف اختیار کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی معجزانہ پیدائش اور حضرت مریم کے تقدس کے بارے میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے عقائد یکساں ہیں اور حضرت عیسیٰ کے مریضوں کو شفا دینے۔ مردوں کو زندہ کرنے۔ اور آسمان پر اٹھائے جانے اور دوبارہ دنیا میں آمد کے بارے میں ا ۔ جیسا یقین رکھتے ہیں اور درخواست گذار ملک کے مسلمانوں اور عیسائیوں میں مکمل اتحاد پر یقین رکھتا ہے لیکن قادیانی بشمول لاہوری گروپ ان عقائد سے نہ صرف انحراف کرتے ہیں بلکہ ان کی تضحیک کے سزاوار ہیں۔ جس سے مسیحیوں کے جذبات مجروح ہوئے ہیں۔ رٹ میں کہا گیا ہے کہ قادیانی گروپ یہ سب یہودیوں کے احکامات کے تحت کر رہے ہیں۔۔ رٹ میں استدعا کی گئی ہے کہ مسیحیوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے نیز قادیانیوں بشمول لاہور گروپ کو ایک ناپسندیدہ سیاسی جماعت قرار دے کر حکومت کو ہدایت کی جائے کہ ان پر وہ پابندی عائد کر دے۔"

رٹ درخواست کی پیروی رشید مرتضیٰ قریشی ایڈووکیٹ کر رہے ہیں۔ ۲۲ ؎
عیسائیوں کو کریڈٹ دینا پڑے گا کہ انہوں نے اپنی وکالت کیلئے مسلمانوں میں سے ایک "قریشی" کا انتخاب کیا۔

مسیحیوں کی طرف سے جنرل ضیاء الحق کو خراج تحسین

لاہور ۶ر مئی ۱۹۸۴ء (پ ر) پاکستان نیشنل کرسچین لیگ کے صدر جمیز صوبے خاں نے قادیانیوں کے اسلامی طرز عمل کو غیر قانونی قرار دینے پر صدر جنرل محمد ضیاء الحق اور ان کی حکومت کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور اپنی مسیحی برادری کے تعاون کا یقین دلاتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ قادیانیوں کو تخریب کار گروہ قرار دے کر ان کی جائدادوں کو ضبط کر لیا جائے۔ ان کی جھوٹی اور من گھڑت تبلیغ پر پابندی لگا دی جائے اور مسیحی مذہب کے خلاف ۸۴ چوراسی کتابوں کے علاوہ ان کا تمام لٹریچر ضبط کر لیا جائے۔۔۔ انہوں نے مذہب کے خلاف "ابن مریم" "مسیح موعود" اور "مسیح ناصرت" وغیرہ نامی قادیانیوں کے شائع کردہ پمفلٹ ضبط کرنے پر موجودہ حکومت کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ یہ پمفلٹ شائع کرنے پر مرزا طاہر احمد اور اس کے حواریوں کے خلاف اسلامی قذف قانون کے تحت مقدمات

درج کئے جائیں۔۔۔ انہوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ عالمی سطح پر "مسیحی مسلم اتحاد" کو مستحکم بنانے کے لئے دنیا بھر کے تمام مسیحی ممالک اور خصوصاً شاہ سپین کے پاس پاکستان سے مسلم علماء اور مسیحی مبلغوں کے وفد بھیجے جائیں۔ ۲۳ ؎

پاکستان کی خانہ جنگی میں مشنریوں کا ہاتھ

تحریک احمدیہ کی مخالفت کے بارے میں انڈیا کے ایک رسالے نے جو انکشاف کیا ہے۔ اس کا ذکر بھی یہاں دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔۔۔

ہفت روزہ جدید اردو رپورٹر نے اپنی ۲۰ر دسمبر ۱۹۸۴ء کی اشاعت میں ۱۹۷۴ء کی مخالفِ احمدیت تحریک کے بارے میں لکھا ہے۔

"آج سے دس سال پیشتر (یعنی ۱۹۷۴ء میں) دہلی کے ہفت روزہ اخبار "نئی دنیا" نے مندرجہ ذیل انکشاف کیا۔

"۔۔۔ چونکہ قادیانی (یا بقول خود احمدی) مبلغ، یورپ اور افریقہ میں عیسائیت کا زور توڑنے میں لگے ہوئے ہیں اور مشنری ان کے مقابلہ میں عاجز آ چکے ہیں۔ اس لئے ہمارا خیال ہے کہ پاکستان کی خانہ جنگی میں ان (مشنری حضرات) کا بڑا ہاتھ ہے۔ عیسائی مشنری چاہتے ہیں کہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں قادیانی فرقے کو اس قدر کمزور کر دیا جائے کہ ان میں عیسائیوں کا مقابلہ کرنے کی سکت ہی نہ رہے۔ عیسائی مشنری اپنے سرمائے کے ذریعے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں اور مسلمانوں کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ ان کے نیچے سازش کا بارود بچھانے والا کون ہے (نئی دنیا ۲۶ر جون ۱۹۷۴ء) یہ عجیب بات ہے کہ جماعت احمدیہ، یورپ اور افریقہ میں جب کوئی تبلیغ کا اہم کام سرانجام دے رہی ہوتی ہے تو پاکستان میں عیسائی دنیا خود مسلمانوں کے ہاتھوں جماعت احمدیہ کے خلاف کوئی ہنگامہ کرا دیتی ہے (روزنامہ جدید اردو رپورٹر بمبئی ۲۰ دسمبر ۱۹۸۴ء شمارہ ۲۲ جلد ۵)

انگریزی حکومت کی جانب سے وفاداری کا صلہ؟

یاد رہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی وفاداری کے سلسلہ میں نہ تو سرسید احمد خاں اور علامہ اقبال کی طرح سر کا خطاب حاصل کیا نہ انگریزوں نے آپ کو شبلی نعمانی اور علامہ اقبال کے استاد مولانا میر حسن کی طرح "شمس العلماء" کا خطاب دیا۔ بلکہ "پنجاب چیفس"

کے ریکارڈ کے مطابق ۔۔۔۔ پنجاب کے الحاق کے وقت اس خاندان کی تمام جاگیریں ضبط کرلی گئیں "۔۔۔ ضبط شدہ جاگیروں کی واگذاری کے متعلق ایک عرصہ تک انگریز حکومت سے خط وکتابت کے باوجود وہ جاگیریں واپس نہ ہوئیں۔ حتی کہ انگریز اس ملک سے چلا گیا۔

احمدیت 'انگریزوں کی نظر میں

اس بحث کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انگریز محققین نے اپنے اہم عالمی لٹریچر خصوصاً انسائیکلوپیڈیاز میں بانی تحریک احمدیہ کو عیسائیوں کے آلہ کار کے روپ میں پیش کیا ہے یا عیسائیت کے شدید معاند کی شکل میں۔ ملاحظہ ہوں چند تحقیقیں۔

وائی ایم سی اے۔ سوسائٹی

ریونڈر ' ایچ۔ اے۔ والٹر جو تمام ہندوستان کی لٹریری سوسائٹی YMCA کی عیسائی انجمن کا سیکرٹری تھا۔ اپنی کتاب The Ahmadiya Movement مطبوعہ لندن ۱۹۱۸ء میں لکھتا ہے:۔

"۔ (مرزا غلام) احمد اور اس کے اڈیٹروں نے جہاں تک ان کا بس چلا ہے۔ تمام زمانوں اور تمام قوموں کا لٹریچر چھان مارا ہے تاکہ وہ تمام کوششوں کو متحد کر کے ایک زبردست اور خطرناک حملہ مسیح ناصری کے کیریکٹر پر کر کے اسے کمزور اور داغدار ثابت کر دیں۔"

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھک

اس انسائیکلوپیڈیا میں ہے:۔

(Mirza Ghulam Ahmad) declared that he was greater than Jesus since he was the Messiah of Muhammad as Jesus was of Moses.....(P.530)

یعنی مرزا غلام احمد نے اعلان کیا کہ ان کا روحانی مقام 'عیسیٰ علیہ السلام سے برتر ہے کیونکہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مسیح ہے اور عیسیٰ 'موسیٰ کا مسیح تھا۔ (صفحہ ۵۳۰)

دی نیو انسائیکلوپیڈیا برٹینکا

اس انسائیکلوپیڈیا میں عیسائی مصنفین لکھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا عقیدہ یہ تھا کہ

حضرت عیسیٰ

....in actuality (Jesus) escaped to India' where he died at the age of 120.(vol I-Page 153)

کہ حضرت عیسیٰ بچ بچا کر انڈیا چلے گئے جہاں وہ ۱۲۰ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ جلد اول صفحہ ۱۵۳

انسائیکلوپیڈیا ریلجنز

انسائیکلوپیڈیا ریلیجنز میں لکھا ہے۔

"یہ فرقہ عیسائیت کا شدید مخالف ہے۔"

شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

پادری ' حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی محققانہ تحریروں اور خاص طور پر اس انکشاف سے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام از روئے قرآن و حدیث وفات پا چکے ہیں۔ سخت تنگ آئے ہوئے تھے۔ اس لئے انہوں نے ۱۸۹۷ میں حضور پر ایک خونی مقدمہ بنا دیا۔ جو دو سال تک چلتا رہا۔ مقدمہ چونکہ بے بنیاد تھا۔ اس لئے جرم ثابت نہ ہونے کی وجہ سے حضور بری کر دیئے گئے۔ شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں زیر لفظ "احمدیہ" عیسائی مصنفین کا یہ اعتراف موجود ہے۔

= Mirza Ghulam Ahmad was accused of the crime by three Christian Missionaries' but acquitted in court.(P.24)

- حواشی -

۱۔ براہین احمدیہ حصہ سوئم ص ۴-۵

۲۔ نور القرآن نمبر۲ ص ۴۰

۳۔ ایام الصلح ص۔ ۱۲۴

۴۔ آئینہ کمالات اسلام

۵۔ ریویو آف ریلیجنز عیسائی مصنفین کی طرف سے " شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام " میں یہ اعتراف موجود ہے:

AHMADIYA --... Mirza Ghulam Ahmad was accused of the Crime by three Christian Missionaries' but acquitted in court. (P.24)

احمدیہ ..... مرزا غلام احمد پر تین عیسائی پادریوں نے مقدمات دائر کردیئے (مگر عدالت نے بے بنیاد ہونے کے باعث۔ ناقل) آپ کو بری کردیا۔ (صفحہ نمبر ۲۴)

۶۔ دیباچہ معجز نما قرآن شریف مترجم ص ۳ مطبوعہ ۱۹۳۴ء

۷۔ فتح اسلام ص ۶

۸۔ ازالہ اوہام طبع اول ص۔ ۲۹۱

۹۔ ازالہ اوہام ص ۴۶۹

۱۰۔ Lord Lawrance Life Vol II P.313

۱۱۔ The Mission by Clark P.47 London 1904

۱۲۔ اخبار وکیل جون ۱۹۰۸ء

۔ عیسائیوں کی مرتب کردہ انسائیکلوپیڈیا مطبوعہ لندن میں زیر لفظ "احمدیہ" لکھا ہے کہ مرزا غلام احمد

(۱۹۰۸) ایک پنجابی نے

Reacting against the efforts of Chritian missionaries' ..declared himself a renewer (of the faith) in 1882. He identified the Christian west and Particularly the economic political and relegious colonialism which was the dominant Characteristic in the 19th Century as the manifestation of the dajjal the "imposter" ie Apocalyptic Antichrist. (The Concise Encyclopaedia of Islam' Stacey' London.1989 P.28

۱۳۔ اشاعۃ السنہ نمبر۱ جلد نمبر۱۶ صفحہ ۸ ۱۸۹۳ء

۱۴۔ حضور کے اس شعر کی طرف اشارہ ہے۔ " سلطنت برطانیہ تا ہشت سال۔ بعد ازاں ایام ضعف و اختلال "

۱۵۔ اشاعۃ السنہ نمبر۱۲ جلد نمبر۱۹ صفحہ ۳۷۶

۱۶۔ الہامی قاتل۔ اشاعۃ السنہ جلد نمبر۱۸ نمبر یکم لغایت سوم صفحہ ۸۰-۸۱

۱۷۔ ظفر علی خاں اور ان کا عہد صفحہ ۴۷۵ از عنایت اللہ نسیم سوہدری مطبوعہ نومبر ۱۹۸۲ء۔ اسلامک پبلشنگ ہاؤس۔ لاہور

۱۸۔ ڈائری (انگریزی) کم جولائی ۱۹۳۵ شائع کردہ ریسرچ سوسائٹی پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور ص ۱۳۱

۱۹۔ ایضاً ص۔ ۱۴۵

۲۰۔ زمیندار ۳۰ ستمبر ص ۳ ' ۱۹۳۴ء بحوالہ الفضل ۲۶ جون ۱۹۳۰ء

۲۱۔ علامہ کا خط بنام سر فرانسس ینگ ہسبنڈ مورخہ ۳۰ رجولائی ۳۰۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ۔ بحوالہ حرف اقبال صفحہ ۱۲۶

۲۲۔ امروز ۱۰ جولائی ۱۹۸۴ء

۲۳۔ مشرق لاہور ۷ رمئی ۱۹۸۴ء

قائداعظم بنام مسٹر اصفہانی

Karachi,
October 22, 1947.

My dear Hassan.

As regards Zafrullah, we do not mean that he should leave his work so long as it is necessary for him to stay there, and I think he has already been informed to that effect, but naturally we are very short here of capable men, and especially of his calibre, and every now and then our eyes naturally turn to him for various problems that we have to solve.

Thanking you,

Yours sincerely,
M. A. Jinnah

* * * * * * * * *

مسٹر اصفہانی بنام قائداعظم

Nacional Hotel,
Havana,
November 27, 1947.

My dear Quaid-e-Azam,

Zafrullah Khan is scheduled to leave New York for home on the 29th of November and Ayub goes back on the 30th. I cannot help remarking that ' Zafrullah Khan has, throughout the Session of the U.N. hit all round the wicket in prefect style. He has, with little effort, risen to the top-most men, and they are few, assembled in New York from all over the world. His speeches were always appreciated. His ability, clarity of thought and simplicity of expression have gained for him and for Pakistan a host of friends. He is one of our able men and an asset. I have no doubt that you will utilize his ability fully. His stock stands high in the international market not through any boosting on anyone's part but purely on intrinsic worth and merit.

Very sincerely yours,
Hassan

(نیز دیکھیے صفحہ ۲۷۰)

* * * * * * * * *

باب نمبر۴

علامہ اقبال اور انگریز حکمران

اطاعت و وفاداری کی کہانی

برصغیر پاک و ہند کے بیشتر مسلم قائدین کا انگریزی حکومت کی اطاعت و وفاداری کے بارے میں کیا طرز فکر و عمل تھا؟ مصنف زندہ رود کی تحقیق یہ ہے کہ:-

"۔ ۱۹۱۱ء تک برصغیر کے بیشتر مسلم قائدین، سرسید احمد خاں کے بتائے ہوئے رستہ پر چلتے ہوئے انگریزی حکومت سے وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ ۱۔"

اگر یہ سوال ہو کہ سرسید کا بتایا ہوا رستہ کیا تھا؟ تو گزارش ہے کہ سرسید سیاسی اور شرعی ہر دو لحاظ سے انگریزی حکومت کی وفاداری کو جزو ایمان سمجھتے تھے۔

مصنف زندہ رود کی تحقیق کے مطابق:-

"۔ سرسید مسلمانوں کی انگریز حاکموں کے خلاف محاذ آرائی کے مخالف تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ مسلمان حکومت کے ساتھ وفاداری کا دم بھریں۔ ۲"۔

سرسید کا رستہ۔ سرسید کی زبانی

سرسید نے انگریزی حکومت کی اطاعت و وفاداری کے ضمن میں مسلمانوں کے لئے جو رستہ متعین کیا۔ اس کی جھلک ہمیں سرسید کے متعدد بیانات اور تصانیف میں ملتی ہے۔ دو بیانات ملاحظہ ہو۔

جماعت احمدیہ کا قیام ۱۸۸۹ء میں عمل میں آیا تھا۔ سرسید احمد خاں جماعت کے قیام سے ۵ سال پیشتر ۱۸۸۴ء میں مسٹر بلنٹ (ممبر پارلیمنٹ انگلستان) کا جام صحت تجویز کرتے ہوئے اپنے ایڈریس میں فرماتے ہیں۔

"۔ ہم کو نہایت خوشی ہے کہ آپ (مسٹر بلنٹ ۔ ناقل) نے ہمارے ملک کو دیکھا ۔ ہماری قوم کے مختلف گروہوں سے ملے ۔ ہم کو امید ہے کہ آپ نے ہر جگہ ہماری قوم کو تاج برطانیہ کا لائل (وفادار ۔ ناقل) اور کوئین وکٹوریہ ایمپریس انڈیا کا دلی خیر خواہ پایا ہو گا ..... وہ زمانہ جس میں انگریزی حکومت ہندوستان میں قائم ہوئی ایسا زمانہ تھا کہ بے چاری انڈیا بیوہ ہو چکی تھی اور اسے ایک شوہر کی ضرورت تھی اس لئے خود (اس نے) انگلش نیشن کو اپنا شوہر بنانا پسند کیا تاکہ کاپل کے عہد نامہ کے مطابق وہ دونوں مل کر ایک تن ہوں ۔ ..... انگلش نیشن ہمارے مفتوحہ ملک میں آئی مگر مثل ایک دوست کے نہ بطور ایک دشمن کے ... ہماری خواہش ہے کہ ہندوستان میں انگلش حکومت صرف ایک زمانہ دراز تک ہی نہیں بلکہ اٹرنل (دائمی ۔ ناقل) رہے ہماری یہ خواہش انگلش قوم کے لئے نہیں بلکہ خود اپنے ملک کے لئے ہے ۔" ۳

اسی سال سرسید نے پنجاب تشریف لا کر متعدد اجتماعات سے خطاب فرمایا اور ان خطابات میں انگریزی حکومت سے وفاداری کے بارہ میں بھی شرعی پہلو واضح کیا ۔ نمونۃً "ملاحظہ ہو ۔ اہالیان جالندھر کے ایڈریس کے جواب میں فرماتے ہیں :۔

سرسید کا شرعی نظریہ

"۔ میں نے گورنمنٹ کی کوئی خدمت نہیں کی بلکہ جو کچھ میں نے کیا ہے وہ میں نے اپنے پاک مذہب اور سچے ہادیؐ کے حکم کی تعمیل کی ہے ۔ ہمارے سچے ہادیؐ نے ہم کو ہدایت کی ہے کہ تم جس گورنمنٹ کے امن میں ہو ۔ اس کی اطاعت کرو ۔ اس کے خیر خواہ اور وفادار رہو ۔ پس جو کچھ کہ گورنمنٹ کی خدمت مجھ سے ہوئی ہے ۔ وہ حقیقت میں میرے مذہب کی خدمت تھی ۔ آپ نے سنا ہو گا کہ ہمارے پیشواؐ نے کیا کہا تھا ۔ اس نے ہم کو ہدایت کی ہے کہ حاکم وقت ' بادشاہ وقت کی اطاعت کرو ۔ ولو کان حبشیا

پس آپ خیال کیجئے کہ جب ہم کو ایک کالے منہ کے غلام بادشاہ کی اطاعت کی ہدایت کی گئی ہے تو ہم ان گورے منہ والے حاکموں کی اطاعت سے کیوں منہ پھیریں ۔ "۴

سرسید اور "بیشتر مسلم قائدین" کے نظریہ کے بعد آیئے عامتہ المسلمین کی روش پر نظر ڈالیں

اہل اسلام میں
بہی دس کروڑ سے زیادہ شہنشاہ جارج کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں
یہ تعداد مسلمانوں کی ترکی ایران وافغانستان کی تین سب سے بڑی
مسلمان حکومتوں کے باشندوں سے بڑھی ہوئی ہے اور اسی بنا
پر برٹش ایمپائر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کہلاتی ہے ۔

عامتہ المسلمین کا نظریہ

پیسہ اخبار عامتہ المسلمین کی وفاداری کے متعلق لکھتا ہے :۔

"۔ اہل اسلام دس کروڑ سے زیادہ شہنشاہ جارج کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں ۔ یہ تعداد مسلمانوں کی ' ترکی ' ایران ' افغانستان کی تین سب سے بڑی مسلمان حکومتوں کے باشندوں سے بڑھی ہوئی ہے اور اسی بناء پر برٹش ایمپائر ' دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کہلاتی ہے ۔ " ۵

گویا " بیشتر مسلم قائدین " اور دس کروڑ اہل اسلام نہ صرف حضرت بانی سلسلہ احمدیہ (وفات ۱۹۰۸ء) کی زندگی میں بلکہ آپ کی وفات کے بعد بھی انگریزی حکومت کی اطاعت و وفاداری کا دم بھرتے تھے یا دوسرے لفظوں ان کے خلاف جہاد کے شدید مخالف تھے ۔

گذشتہ نصف صدی سے ہمارے مصنفین ' مورخین اور صحافی حضرات یہ تاثر دے رہے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد ہمارے سربر آوردہ حضرات اور قابل ذکر جماعتیں اور انجمنیں ' انگریزی حکومت سے برسرپیکار رہیں اور وہ برٹش گورنمنٹ کے خلاف جہاد کے جذبے سے سرشار تھیں ۔

مصنف زندہ رود نے غیر جانبدارانہ طرز فکر اختیار کرتے ہوئے اس نظریہ کی تائید کرنے کی بجائے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ کم ازکم ۱۹۱۱ء تک ایسا نہیں تھا بلکہ مسلم قائدین انگریزوں کی اطاعت و وفاداری کا دم بھرتے تھے ۔ مصنف کی تحقیق کے مطابق ۱۹۱۱ء کے بعد حالات نے پلٹا کھایا ۔ فرماتے ہیں :۔

"۔ ۱۹۱۱ء اور ۱۹۱۴ء کے درمیانی عرصہ میں بعض ایسے حالات پیدا ہوئے کہ (اطاعت و

وفاداری کے ۔ ناقل) اس انداز فکر میں تبدیلی آگئی ۔ "۶

لیکن ماضی کی یہ کہانی تشنہ رہے گی اگر اس امر کا جائزہ نہ لیا جائے کہ کیا ۱۹۱۱ء تک اطاعت و وفاداری کا دم بھرنے والے قائدین میں علامہ اقبال بھی شامل تھے یا آپ اپنا علیحدہ کیمپ لگا کر انگریز حاکموں ' بیشتر مسلم قائدین اور دس کروڑ عامتہ المسلمین کے خلاف سیفی جہاد کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے ۔ یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ اگر آپ ۱۹۱۱ء تک برطانوی حکمرانوں کے خیر خواہ اور ثناخواں تھے تو کیا ۱۹۱۱ء کے بعد آپ کے انداز فکر میں کوئی تبدیلی آئی یا آپ بدستور وفاداروں اور عقیدت مندوں کی صف میں ہی شامل رہے ۔

اس ضمن میں ہمیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ۔ علامہ اقبال کا منظوم و منثور کلام خود ہماری رہنمائی کر رہا ہے ۔ مصنف زندہ رود فرماتے ہیں ۔

" اقبال ' سرسید کے مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے ۔ "۷

اقبال کا تعلق سرسید کے سیاسی مکتبہ فکر سے تھا ۔ وہ کلمہ حق کہنے سے باز نہ رہ سکتے تھے ؟۸

۱۹۰۱ء تا ۱۹۳۵ء کا ۳۵ سالہ ریکارڈ

آیئے ! دیکھتے ہیں ' سرسید کے رستہ پر چلتے ہوئے ' علامہ اقبال کا ۱۹۱۱ء تک اور ۱۹۱۱ء کے بعد کیا طرز فکر و عمل تھا ؟ ہم ذیل میں ۱۹۰۱ء سے ۱۹۳۵ء تک کے ۳۵ سالہ ریکارڈ پر ایک نظر ڈالتے ہیں ۔ دوسرے لفظوں میں یہ عرصہ آزادی کی تحریکوں کے شروع ہونے سے پہلے اور بعد کے ہر دو ادوار کا احاطہ کرتا ہے ۔ اس ۳۵ سالہ دور میں علامہ کے کلمہ حق کہنے کی جو مثالیں راقم کو مل سکی ہیں وہ درج ذیل ہیں :۔

۱۹۰۱ء

۲۲ ر جنوری ۱۹۰۱ء عید الفطر کے روز ' برطانیہ کی ملکہ وکٹوریہ کی وفات ہوئی ۔ علامہ نے اس موقع پر ۱۱۰ اشعار کا پردرد مرثیہ رقم فرمایا ۔ علامہ کا کہنا تھا کہ ملکہ کی وفات کا غم " ہلال عید " سمیت سب پر لازم ہے ۔ اگر ہلال عید ' عید کی تقریب کی وجہ سے خوشی کی بیماری میں مبتلا ہو گیا تو وہ یاد رکھے کہ یہ موقعہ مسلمانوں کے لئے اتنا غمناک ہے کہ غم کی صبح اس پر قرآن پاک کی سورہ والحشر پڑھ کر دم کرے گی تا اسے اس بیماری سے نجات دلا دے ۔ ۹

علامہ ' ہلال عید سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں :۔

بیماریٔ نشاط اگر ہے تو صبح غم ۔ پڑھ کر کرے گی سورہ والحشر دم تجھے

عید کی مناسبت سے علامہ نے عید کے بالمقابل " محرّم " کا لفظ استعمال کیا اور کہا کہ ہم مسلمانوں پر یہ واقعہ " محرّم " کے اندوہناک سانحہ سے مختلف نہیں ۔

آئی اِدھر نشاط ' اُدھر غم بھی آگیا ۔ کل عید تھی تو آج محرّم بھی آگیا ۔

۱۱۰ اشعار کے اس مرثیہ کے چوتھے بند میں علامہ نے ایک نیک حاکم کے اوصاف و خصائص بیان کئے ہیں اور کہا ہے کہ اس کی ہربات ایسی پاکیزہ ہونی چاہئے گویا وہ جبریل امین کی صدا ہو ۔۔ وہ معاملات کا فیصلہ ایسے رنگ میں کرے گویا تقدیر کی مراد وہی ہو ۔۔۔ مرثیہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اقبال کے نزدیک یہ سب اوصاف و خصائص ملکہ میں بدرجہ اتم پائے جاتے تھے ۔ علامہ نے ملکہ کے لئے شہید کا لفظ تو استعمال نہیں کیا لیکن فرماتے ہیں ۔

وکٹوریہ نہ مرد کہ نام نکو گذاشت ۔ ہے زندگی یہی جسے پروردگار دے

علامہ کے نزدیک انگریز ملکہ کو مرا ہوا نہیں سمجھنا چاہئے ۔ وہ ہزارہا صدیاں گزرنے کے باوجود زندہ رہے گی ۔ اس کا تخت دلوں کی اقلیم پر آراستہ ہے ۔

انہی اوصاف حمیدہ کی وجہ سے علامہ اس انگریز حکمران کو " سایۂ خدا " قرار دیتے ہیں ۔ اس کی وفات پر فرماتے ہیں :۔

اے ہند تیرے سر سے اٹھا " سایہ خدا "

یہ پرسوز اور دردناک مرثیہ لکھ کر علامہ نے انگریز حاکموں کی نگاہ میں اپنے لئے ایک مقام رفیع پیدا کر لیا تھا ۔ انہیں یہ مرثیہ اتنا پسند آیا کہ اسے ۔۔ " سرکاری خرچ پر طبع کرایا گیا ۔ "۱۰

علامہ نے اس کے انگریزی ترجمہ کی سعادت بھی خود حاصل کی اور مرثیہ کا عنوان رکھا Blood Tears of ۱۱ ۔ اقبال اکادمی پاکستان کے رسالہ " اقبالیات " کے مطابق ۔ "گورنمنٹ نے اس کی کئی ہزار کاپیاں اپنی طرف سے مختلف زبانوں میں چھپوائیں ۔ " ۱۲ ۔ اس طرح علامہ کا یہ عقیدہ کہ انگریز ملکہ " سائیہ خدا " ہے ' ملک کے سب اطراف میں پھیل گیا ۔

۱۹۰۲ء

۱۹۰۱ء کے بعد ہم ۱۹۰۲ء کے دور میں داخل ہوتے ہیں ۔ انگریز گورنر پنجاب کے انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں آمد کے موقع پر علامہ ' انگریزی اطاعت کے بارے میں فرماتے ہیں

وہ کون زیب دہ تخت صوبہ پنجاب — کہ جس کے ہاتھ نے کی قصر عدل کی تعمیر
جو بزم اپنی ہے طاعت کے رنگ میں رنگین — تو درسگاہ رموز وفا کی ہے تفسیر
اسی اصول کو ہم کیمیا سمجھتے ہیں — نہیں ہے غیر اطاعت جہان میں اکسیر ۱۳۔

۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۸ء

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک کا عرصہ علامہ نے انگلستان میں گزارا۔

۱۹۰۹ء

۱۹۰۹ء میں علامہ کشمیری مسلمانوں کی انجمن کے سیکرٹری تھے۔ آپ نے انہیں یہ خوشخبری سنائی کہ آنریبل خواجہ محمد سلیم اللہ خاں نواب ڈھاکہ کو (۵ فروری ۱۹۰۹ء کو) لارڈ کچز کمانڈر انچیف افواج ہند نے بتایا کہ

۔ کشمیری مسلمانوں کو فوج میں بھرتی ہونے کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے علامہ نے کشمیریوں کو یہ امر بھی بتایا کہ۔ "ہم فوج میں کشمیری مسلمانوں کی علیحدہ کمپنی کے لئے کوشاں ہیں" ۱۴سے

۱۹۰۹ء میں ہی (قیاسا " جون میں) آپ نے ایک سرکلر کے ذریعہ کشمیری مسلمانوں سے درخواست کی کہ ارسال کردہ فارموں پر صراحت و وضاحت کے ساتھ اپنے کشمیری بھائیوں کی۔ مردانگی، جانثاری اور فوجی خدمات کا ذکر کر کے دفتر میں بھوائیں تا نواب صاحب ڈھاکہ کی وساطت سے "کشمیری بہادروں" کی فہرست کمانڈر انچیف کو بھجوائی جا سکے ۱۵۔

۱۹۱۰ء

ا۔ ۱۹۱۰ء میں انگریز حاکموں کی تعریف و توصیف اور انگریزی حکومت کی برکات پر مشتمل "رحمت علی" صاحب کا ایک شعری مجموعہ بنام "وفائے رحمت" منظر عام پر آیا۔ اس مجموعہ میں قریباً بارہ ہزار اشعار ہیں جن میں خصوصاً مسلمانوں کو طبعی، اخلاقی اور شرعی لحاظ سے انگریزی حکومت کی اطاعت و وفاداری کا دم بھرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ جن ہستیوں نے اس شعری مجموعہ میں اصلاح و معاونت کی۔ ان میں علامہ اقبال بھی شامل ہیں۔

علامہ چونکہ اس سے قبل انگریز ملکہ کو "سایہ خدا" قرار دے چکے تھے۔ مصنف "وفائے

رحمت" اور علامہ کے نظریات میں ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ اس لئے مصنف نے کتاب کے ٹائٹل پیج پر علامہ کو۔ "خیر خواہ سرکار والا تبار"۔ میں شامل کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"۔ (اس شعری مجموعے کی تیاری میں۔ ناقل) جن بزرگان، اصحاب، خیر خواہان سرکار والا تبار" کا علمی و ادبی معاونت کے لئے تہ دل سے شکریہ ہے۔ ان میں دوسری عظیم ہستی فخر قوم جناب ڈاکٹر پروفیسر شیخ محمد اقبال ہیں۔

اقبال کی طرف سے پیش کردہ الہامی سند

۲۔ جناب علی گوہر صاحب سیکرٹری انجمن اسلامیہ ہزارہ نے پیسہ اخبار کے ذریعہ بعض نامی مسلم زعماء سے استفسار کیا کہ مصر میں ایک عالمگیر اسلامی کانفرنس کا انعقاد اور اس میں مسلمانان ہند کی شرکت مناسب ہے یا نہیں؟ علامہ اقبال نے ۲۲ / اگست ۱۹۱۰ء کے پیسہ اخبار میں اس

روزانہ پیسہ اخبار لاہور

ہندوستان کے
مسلمان شاید اور اسلامی ممالک کی حالت کا اندازہ صحیح طور پر نہیں
لگا سکتے کیونکہ حکومت برطانیہ کے سبب جو امن اور آزادی اس ملک کے
لوگوں کو حاصل ہے وہ اور ممالک کو ابھی نصیب نہیں ہے

مسلمانان عالم کی کوئی ایسی تحریک علانیہ طور پر نہیں ہے۔ جس کا منشا یورپ سے
پولیٹیکل مقابلہ کرنا ہو۔ نہ ایسا خیال ایک ایسی قوم میں پیدا ہو سکتا
ہے مسلمانوں کو کلام الہی میں امن اور صلح کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی
تاکید کی گئی ہے یہاں تک کہ پوشیدہ طور پر مشورہ کرنے کی بھی ممانعت ہے
اذا تناجیتم فلا تتناجوا بالاثم والعدوان
(ڈاکٹر شیخ محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لاء لاہور)

موضوع پر اظہار خیال فرمایا اور کانفرنس میں شرکت سے احتراز کی صلاح دی۔ لکھتے ہیں:۔

"...... جب تک ہم کو یقین نہ ہو جائے کہ کسی بد نتیجہ کے پیدا ہونے کا احتمال نہیں ہے۔ تب تک کوئی عملی کام کرنا (یعنی کانفرنس کا انعقاد اور اس میں حصہ لینا۔ ناقل) شاید مناسب

نہ ہو گا ۔ ہندوستان کے مسلمان شاید اسلامی ممالک کی حالت کا اندازہ صحیح طور پر نہیں لگا سکتے ۔ کیونکہ حکومت برطانیہ کے سبب جو امن اور آزادی اس ملک کے لوگوں کو حاصل ہے وہ اور ممالک کو ابھی نصیب نہیں ہے .... مسلمانان عالم کے کسی ملک میں کوئی ایسی تحریک عام طور پر نہیں ہے جس کا منشا یورپ سے پولیٹکل مقابلہ کرنا ہو نہ ایسا خیال ایک ایسی قوم میں پیدا ہو سکتا ہے ۔۔۔ مسلمانوں کو کلام الٰہی میں امن اور صلح کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی تاکید کی گئی ہے یہاں تک کہ پوشیدہ طور پر مشورہ کرنے کی بھی ممانعت ہے ۔ **اذ تناجیتم فلا تتناجوا بالاثم والعدوان** ۱۶ ۔

آپ کا نیاز مند

محمد اقبال ۔ بیرسٹر ایٹ لاء ۔ لاہور

مندرجہ بالا آیت اور اس کا ترجمہ ملاحظہ ہو :۔

یایھا الذین امنوا اذ تناجیتم فلا تتناجوا بالاثم والعدوان ومعصیت الرسول وتناجوا بالبر والتقوی (المجادلہ ۹:۵۸)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ۔ جب تم آپس میں پوشیدہ بات کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی باتیں نہیں بلکہ نیکی اور تقویٰ کی باتیں کرو ۱۷ ۔

۱۹۱۱ء

۱ ۔ **انگریز بادشاہ کی تاجپوشی ۔** ۱۹۱۱ء میں ہمیں علامہ کی انگریز حکمرانوں کی بارگاہ میں جانثاری کا منظر یوں نظر آتا ہے ۔۔۔ انگریز بادشاہ کی تاجپوشی کے موقعہ پر فرماتے ہیں ۔

ہمائے اوج سعادت ہو آشکار اپنا ۔۔۔ کہ تاجپوش ہوا آج تاجدار اپنا

اسی سے عہد وفا' ہندیوں نے باندھا ہے ۔۔۔ اسی کے خاک قدم پر ہے دل نثار اپنا ۱۸ ۔

۲ ۔ ہم پیسہ اخبار لاہور کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ ۔ اہل اسلام دس کروڑ سے زیادہ شہنشاہ جارج کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں ۱۹ ۔ اس ضمن میں عامتہ المسلمین کے خلوص و عقیدت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے برطانوی شاہ کا جشن تاجپوشی منانے کے لئے سب سے موزوں جگہ " خانہ خدا " کو قرار دیا ۔ انگریز بادشاہ کے " کارونیشن ڈے " کی اہمیت کے پیش نظر " شاہی مسجد " لاہور کے انتخاب کا فیصلہ ہوا ۔ تاجپوشی کی رسوم ادا کرنے کے لئے جو اعلان شائع ہوا ۔ اس کا عنوان تھا ۔ لاہور میں کارونیشن ڈے کی اسلامی رسوم

لاہور میں کارونیشن ڈے کی اسلامی مراسم

گنتے گنتے آخرش آ ہی گیا ۔ دن گنا کرتے تھے جس دن کے لئے ۔۔۔ کے مصداق آخر ۲۲ جون ۱۹۱۱ء کا دن آن پہنچا جس کا علامہ اقبال سمیت تمام مسلمانوں کو انتظار تھا ۔ علامہ کارونیشن ڈے کی اسلامی مراسم کے سلسلہ میں بادشاہی مسجد پہنچے جہاں علماء کرام نے مسلمانوں کو بتایا کہ ازروئے قرآن و حدیث ان کے عیسائیوں کے ساتھ کیسے مخلصانہ تعلقات ہونے چاہئیں ۔

پیسہ اخبار لاہور کے مطابق

" ..... خان محمد بشیر علی خاں جنرل سیکرٹری انجمن اسلامیہ نے اپنی تقریر میں بتایا کہ کس طرح سکھوں کے عہد میں ۔

" یہی شاہی مسجد کہ جس میں اس وقت یہ جلسہ ہو رہا ہے بطور اصطبل میگزین استعمال ہوتی تھی مگر اب انگریزی حکومت میں وہ مسلمانوں کو عبادت کے لئے واپس مل گئی ہے ..... منشی محبوب عالم صاحب جائنٹ سیکرٹری مسلم لیگ و سیکرٹری جلسہ ہذا نے ... کہا ... بے شک ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن میں جمیع علوم موجود ہیں ۔ فرماں برداری ۔ دنیا میں فساد نہ کرنا وغیرہ احکام اگر پالیٹکس نہیں تو اور کیا ہیں ؟ حدیث میں تاکید ہے کہ تمہارا بادشاہ اگر حبشی غلام بھی ہو تو بھی اس کی تابعداری کرو ۔ اس کے بعد (مقرر نے ۔ ناقل) حضور ملک معظم کی عظمت و جبروت اور انگلستان کی سب سے بڑی " اسلامی سلطنت " ہونے کا ذکر کرتے ہوئے بتلایا کہ مسلمانانِ ہند بمقابلہ دیگر اسلامی ممالک کے مسلمانوں کے ' (یہاں) کس قدر امن و امان کی زندگی بسر کر رہے ہیں ۔

علامہ کی تائیدی تقریر

زاں بعد علامہ اقبال نے انگریز بادشاہت کے حق میں جو تائیدی تقریر کی اس کا خلاصہ درج کرتے ہوئے پیسہ اخبار لکھتا ہے :۔

" ۔ پھر شیخ محمد اقبال صاحب بیرسٹر نے افریقہ کا ایک قصہ بیان کر کے اس (یعنی مقررین کی طرف سے قرآنی تعلیم اور حدیث کی تاکید بابت تابعداری بادشاہ وقت ۔ ناقل) کی تائید کی (اور کہا کہ ۔ ناقل) ایک انگریز افسر نے وہاں کے وحشی باشندوں کو مہذب

بنانے کے لئے ان میں اسلامی واعظ بھیجنے کی ہدایت کی کہ مسلمان نہ صرف مراعات

شاعر مشرق علامہ اقبال ۱۹۱۱ء میں شاہی مسجد لاہور کے ایک بڑے اجتماع میں طرابلس کے شہیدوں پر اپنی نظم سنا رہے ہیں ---
--- اسی سال اسی مسجد میں آپ نے انگریزی
حکومت کی وفاداری کی تلقین کی اور فرمایا کہ " مسلمان مذہباً " بھی بادشاہ وقت کے وفادار ہوتے ہیں "

اقبال کی شاہی مسجد میں تقریر کا خلاصہ ' پیسہ اخبار ۔ لاہور

....س کارونیشن ڈے

ہدا ...ہی کرو ۔ اسکے بعد حضور ملک معظم کی عظمت و
انگلستان کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت ہونے کا
بوجہ بتلایا کہ مسلمانان ہندوستان بمقابلہ دیگر
ممالک کے مسلمانوں کے کس قدر امن و امان کی زندگی
...ہیں ۔ پھر شیخ محمد اقبال صاحب بیرسٹر نے افریقہ کا
...کر کے اسکی تائید کی ایک انگریز افسر نے وہاں
کے باشندوں کو مہذب بنانے کے لئے ان میں اسلامی

پیسہ اخبار

واعظ بھیجنے کی ہدایت کی ۔ کہ مسلمان نہ صرف مراعات حا
کرنے کے لئے سرکار کے وفادار ہیں ۔ بلکہ مذہباً وہ بادشاہ
کے وفادار ہوتے ہیں ۔ مسلمانوں کا آئیڈیل سلطنت نہیں بلکہ
اپنے دین کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا ہے اور حکومت انگریزی
میں اسکی اجازت ہے ۔ اسکے بعد پھر شیخ امیر علی صاحب

حاصل کرنے کے لئے سرکار کے وفادار ہیں بلکہ مذہبا وہ بادشاہِ وقت کے وفادار ہوتے ہیں مسلمانوں کا آئیڈیل ' سلطنت نہیں بلکہ اپنے دین کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا ہے اور حکومت انگریزی میں اس کی اجازت ہے ۔ "...[۲۰]

مصنف زندہ رود کے مطابق ۱۹۱۱ء اور ۱۹۱۴ء کے درمیانی عرصہ میں بعض ایسے حالات پیدا ہوئے کہ انگریزی حکومت کی وفاداری کے متعلق کچھ قائدین کے انداز فکر میں تبدیلی آگئی ۔[۲۱]

راقم عرض کرتا ہے علامہ اقبال ' اس تبدیلی سے متاثر دکھائی نہیں دیتے وہ برابر سرسید کے بتائے ہوئے رستہ پر بڑی استقامت کے ساتھ گامزن نظر آتے ہیں ۔

۱۹۱۵ء

قرآنی آیت کریمہ اذتناجیتم... (المجادلہ ۵۸-۹) کے حوالے سے علامہ کا ۱۹۱۰ء میں بیان کردہ عقیدہ ۱۹۱۵ء کے پیسہ اخبار میں دوبارہ شائع ہوا کہ ۔ " مسلمانوں کو کلام الٰہی میں امن اور صلح کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی تاکید کی گئی ہے یہاں تک کہ (امن و آزادی دینے والی حکومت کے خلاف ۔ ناقل) --- پوشیدہ طور پر مشورہ کرنے کی بھی ممانعت ہے ۔ " اور یہ کہ ۔ " حکومت برطانیہ کے سبب جو امن اور آزادی اس ملک کے لوگوں کو حاصل ہے وہ اور ممالک کو ابھی نصیب نہیں ہے ۔ "[۲۲]

۱۹۱۸ء

اب ہم ۱۹۱۸ء کے دور میں داخل ہوتے ہیں جبکہ تحریک احمدیہ کے بانی کی وفات پر دس سال کا عرصہ بیت چکا ہے ۔

اس دور میں بھی علامہ اقبال ہمیں ان علماء زعماء کے زبردست مؤید نظر آتے ہیں جن کے نزدیک سرکار برطانیہ کی اطاعت و وفاشعاری ' شرعی بنیادوں پر ضروری تھی ۔

آیئے ! لاہور کے ٹاؤن ہال میں چلتے ہیں ۔ یہاں برطانیہ کے مصارف جنگ کے لئے روپیہ جمع کرنے اور فوجی بھرتی کے سلسلہ میں عظیم الشان جلسہ ہو رہا ہے ۔ جلسہ میں علامہ اقبال سمیت ' مسلم و غیر مسلم سرکاری ' غیر سرکاری عمائدین تمام اضلاع سے حاضر ہیں ۔ صدارت کے فرائض گورنر پنجاب سر مائیکل اوڈوائر ادا کر رہے ہیں ۔

مولوی رحیم بخش (پریذیڈنٹ کونسل بہاولپور) نے جلسہ میں مسلمانوں کے عقیدہ کا اظہار کرتے ہوئے اپنی تقریر میں کہا:-

"۔ ہمارے عقیدہ میں شہنشاہ "ظل اللہ" ہے۔ اس کے حکم کو اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھنا چاہیے.... اسلام کی نیشنلٹی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ اسلام کی برادری سب مسلمانوں کو بھائی سمجھتی ہے۔ ۲۳ س

یہ نظریہ کہ انگریز بادشاہ "ظل اللہ" ہے۔ دراصل وہی نظریہ تھا جس کا اعلان ' علامہ اقبال کچھ عرصہ قبل انگریز ملکہ کو "سایۂ خدا" کہہ کر ' کر چکے تھے۔ اور جس کی حکومت برطانیہ کے واسطے سے برصغیر کی مختلف زبانوں میں تشہیر ہو چکی تھی۔ اس دربار میں مولوی رحیم بخش صاحب (بہاولپور) نے مسلمانوں کے عقیدہ کی تائید میں مولانا رشید احمد گنگوہی کا شرعی فتویٰ پڑھ کر سنایا۔ جس میں کہا گیا تھا۔

☆ "جب مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ملک حبشہ میں جو مقبوضہ نصاریٰ تھا۔ بھیج دیا اور یہ صرف اس وجہ سے ہوا کہ وہ کسی کے مذہب میں دست اندازی نہیں کرتے تھے۔"

☆ اور جب مسلمان رعایا بن کر ہندوستان میں رہے اور حکام سے عہد و پیمان کر چکے کہ کسی حاکم یا رعایا و حکام کے جان و مال میں دست اندازی نہیں کریں گے اور کوئی امر خلاف اطاعت نہ کریں گے تو مسلمانوں کو خلاف عہد و پیمان کرنا یا کسی قسم کی خیانت و مخالفت حکام کرنا ۔ ہرگز درست نہیں۔ عہد کے پورا کرنے کی مسلمانوں کے مذہب میں اس قدر تاکید ہے کہ شاید ہی دوسرے مذہب میں ہو **قال اللہ تعلی واوفو بالعہد ان العہد کان مسئولا** ۔ میں بروز قیامت بازپرس ہوگی۔ عہد شکنی کی سخت ممانعت ہے اور کسی سے عہد کر کے اس کے خلاف کرنے پر بہت دھمکی دی گئی ہے۔" ۲۴ س

دو لاکھ رنگروٹوں کی بھرتی

جنگ عظیم زوروں پر تھی۔ انگریز ' خاص طور پر پنجاب کے شیر دل جوان ' فوج میں بھرتی کرنا چاہتا تھا۔۔ اس دربار یا جلسہ کی سب سے اہم غرض وہ ریزولیوشن پاس کرنا تھی۔ جو پنجاب سے دو لاکھ رنگروٹ بھرتی کرنے کے بارے میں پیش ہونے والا تھا۔ اس کاروائی سے

تراشہ پیسہ اخبار - لاہور

شیخ محمد اقبال نے سلطنت برطانیہ کے اوصاف کی تعریف کر کے کہا۔ کہ یہ اصول انصاف اس وقت خطرہ میں ہے۔ اور اس اصول کا تحفظ اگر ہندوستانی ہو یا اجنبی محض انسانی نکتہ نگاہ سے اس کا تحفظ ہمارے لیے بہت ضروری ہو جاتا ہے۔ کوئی قوم عظمت کی بلندیوں پر نہیں پہنچ سکتی جب تک کہ وہ اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت نہ کرے۔ لاٹ صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں میں نے پنجاب کی آواز ملک معظم کی خدمت میں منظوم کی ہے۔ اس پر اپنی نظم سنائی جس کا پہلا بند یہ ہے

اے تاجدار خطۂ جنت نشان ہند
روشن تجلیوں سے ترے خاوران ہند
محکم ترے قلم سے نظام جہان ہند
تیغ جگر شگاف تری پاسبان ہند
ہنگامہ وغا میں مرا سر قبول ہو
اور جیسا کہ دستور ہے نظم پر خوب تالیاں بجیں۔ اس کے بعد ہز آنر نے ریزولیوشن کو حاضرین کے سامنے پیش کیا۔ جو بالاتفاق منظور ہوا
دوسرا ریزولیوشن میجر ملک سر عمر حیات خان صاحب نے حسب ذیل ریزولیوشن پیش کیا:-
(۲) اس جلسہ کی رائے ہے کہ
(الف) اس سال میں جو یکم اپریل ۱۹۱۸ء سے شروع ہوتا ہے۔ پنجاب دو لاکھ رنگروٹ بہم پہنچائے۔ جن میں

قبل ایک تو شرعی فتویٰ پڑھ کر سنایا گیا۔ بقول اقبال ’’ مسلمان عوام ‘ کو جن میں مذہبی جذبہ بہت شدید ہوتا ہے۔ صرف ایک ہی چیز قطعی طور پر متاثر کر سکتی ہے اور وہ۔ ’’ ربانی سند ‘‘ ہے ا۔ چنانچہ مولانا رشید احمد گنگوہی کے فتویٰ کے ذریعہ ربانی سند مہیا کر دی گئی۔۔۔ اسی ضمن میں کسی ایسے شاعر کی بھی ضرورت تھی جو مبنی براخلاص ‘ پردرد اور پراثر نظم پیش کر کے پنجاب کے عوام میں بھرتی کے لئے جوش و خروش پیدا کر دے۔ یہ ضرورت علامہ اقبال نے اپنی نظم۔ ’’ پنجاب کا جواب ‘‘ پیش کر کے پوری کر دی۔ [۲۵]

علامہ کی تقریر

علامہ نے نظم سنانے سے قبل جو تقریر کی۔ اس کا خلاصہ پیسہ اخبار میں یوں درج ہے:۔

’’ شیخ محمد اقبال نے سلطنت برطانیہ کے اوصاف کی تعریف کر کے کہا کہ اس اصول کا تحفظ اگر ہندوستانی ہو یا اجنبی محض انسانی نکتہ نگاہ سے اس کا تحفظ ہمارے لئے بہت ضروری ہو جاتا ہے۔ کوئی قوم عظمت کی بلندیوں پر نہیں پہنچ سکتی جب تک کہ وہ اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت نہ کرے۔ ‘‘ ۲۔

شاہ انگلستان کا پیغام دو امور کا متقاضی تھا۔ ایک تو یہ کہ ہندوستان لائلٹی (وفاداری) کا پرخلوص اور بے غرض اظہار کرے۔ دوسرے یہ کہ جنگ کے لئے یہ ملک خاص طور پر پنجاب ‘ کثرت سے فوجی بھرتی دے۔ علامہ نے دربار میں جو منظوم کلام پیش کیا۔ اس میں یہی دو امور نمایاں تھے۔ ایک یہ کہ ہم بالکل بے لوث اور بے غرض ہو کر اپنی لائلٹی (وفاداری) کا اظہار کرتے ہیں۔ ا۔ اور دوسرے یہ کہ اس ہنگامہ میں ہمارے سروں کے نذرانے حاضر ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

علامہ کی طرف سے لائلٹی کا پرخلوص اظہار

اخلاص ‘ بے غرض ہے ۔ صداقت بھی بے غرض
خدمت بھی بے غرض ہے اطاعت بھی بے غرض
عہدِ وفا و مہر و محبت بھی بے غرض
تختِ شہنشہی سے عقیدت بھی بے غرض
ہنگامۂ وغا میں مرا سر قبول ہو

اہل وفا کی نذر محقر قبول ہو

آخری بند میں علامہ نے اس دلی تمنا کا اظہار کیا تھا کہ یا باری تعالیٰ! عدل و انصاف قائم کرنے والی اور امن و سکون عطا کرنے والی اس انگریز گورنمنٹ کا سایہ دائمی طور پر ہمارے سروں پر قائم رکھنا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

جب تک چمن کی جلوہ ء گل پر اساس ہے
جب تک فروغ لالہ ء احمر لباس ہے
جب تک نسیم صبح ‘ عنادل کو راس ہے
جب تک کلی کو قطرہ ء شبنم کی پیاس ہے
قائم رہے حکومت آئیں اسی طرح
دبتا رہے چکور سے شاہیں اسی طرح
(سرود رفتہ)

انگریز گورنر سر مائیکل اوڈوائر کا اعتراف

اقبال سمیت دیگر عمائدین اور انجمنوں کی کاوشیں رنگ لائیں۔ مسلمانان پنجاب نے لائلٹی کا پرخلوص اظہار کیا۔ اور اس کثرت سے فوجی بھرتی دی کہ (انگریز گورنر) سر مائیکل اوڈوائر نے بعد میں حیرت و انبساط کے ملے جلے جذبات سے اعتراف کیا:۔

"The Punjab Mohammedans went to fight in Mesopotamia‘ Palstine and Egypt in a spirit of Loyal duty."

کہ ’’ پنجاب کے مسلمان عراق۔ عرب۔ فلسطین اور مصر میں لائل ڈیوٹی (وفادارانہ فرض) کے جذبہ سے لڑنے کے لئے پہنچے۔ ‘‘ [۲۶]

مسلمانوں کی طرف سے کثرت سے فوجی بھرتی دینے کے متعلق گورنر نے بعض حقائق کا انکشاف کرتے ہوئے اپنی کتاب میں لکھا:۔

’’۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ پنجاب کی نصف سے زیادہ آبادی ‘ مسلمان ہے اور جن لوگوں کو دیہاتی مسلمانوں کا صرف سطحی علم تھا۔ وہ خیال کرتے تھے کہ ایسی جنگ کے لئے جو

پیغامات تعزیت

پر وفات حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خاں

جلالتہ الملک شاہ حسین۔ شاہ اردن

"مجھے اپنے پیارے دوست سر ظفراللہ خاں کی وفات کی خبر سن کر گہرا صدمہ پہنچا ہے۔ آپ کو "عالم انسانیت" کی خدمت۔ دنیا بھر کے عوام کے جائز اور اصولی موقف کی تائید، خصوصاً فلسطینیوں کے بارے میں عظیم خدمات کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ یقیناً وہ عرب مفادات کی تائید کے چیمپئن تھے۔....."

شام کے صدر حافظ الاسد

"۔۔میں اس وفات یافتہ عظیم شخصیت کے تمام خاندان کے افراد کی خدمت میں غم سے چھلکتے ہوئے جذبات تعزیت پیش کرتا ہوں۔ جس کی وفات تمام امت مسلمہ کے لئے ایک عظیم ترین نقصان کی حیثیت رکھتی ہے اور خاص طور پر شام کے ملک کے لئے یہ صدمہ انتہائی شدید ہے..... قضیہ فلسطین کے دفاع کے لئے مرحوم عظیم شخصیت نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ وقف کئے رکھا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو... اپنی فراخ جنتوں میں مقام عطا فرمائے۔"

مصر کے صدر حسنی مبارک

"۔ میں نے محمد ظفراللہ خاں صاحب کی وفات کی المناک خبر گہرے دکھ اور غم سے سنی۔ انہوں نے اپنی زندگی اپنے ملک اور عوام کی خدمت کے لئے وقف رکھی۔ مرحوم کے خاندان سے تعزیت اور گہری ہمدردی کے جذبات عرض کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو ابدی سکون سے نوازے اور آپ سب کا حامی و ناصر ہو۔"

لیبیا کے صدر جناب معمر القذافی

"۔ ہم برادر کرنل معمر قذافی کی طرف سے سر ظفراللہ خاں کی المناک وفات پر دلی تعزیت کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ بلاشک و شبہ وہ عربوں کی زبردست تائید و حمایت اور متعدد دیگر بین الاقوامی معاملات پر مضبوط اور مستحکم موقف اختیار کرنے کی وجہ سے زبردست تعریف کے مستحق ہیں۔

گہرے مخلصانہ جذبات کے ساتھ۔ فراج آئی ناس۔ محکمہ ثقافت

ترکوں کے خلاف تھی اور جو مصر، فلسطین اور عراق جیسے اسلامی ممالک میں جہاں کہ اسلامی مقدس مقامات ہیں۔ لڑی جا رہی ہے۔ مسلمان بھرتی نہیں ہوں گے..... لیکن یہ سب مایوسانہ خیالات باطل ثابت ہوئے۔ جنگ کی ابتدا میں صرف ایک لاکھ پنجابی سپاہی تھا لیکن جنگ کے خاتمہ تک پانچ لاکھ فوجی خدمت کر چکا تھا۔ دوران جنگ اندازاً تین لاکھ ساٹھ ہزار سپاہی بھرتی ہوا تھا جو کہ کل ہندوستان کی بھرتی کے نصف سے بھی زائد تھا اور ان میں سے نصف، پنجاب کے مسلمان تھے جو اس علم کے ساتھ بھرتی ہو رہے تھے کہ وہ ترکوں کے خلاف جنگ کرنے جا رہے ہیں۔" ۲۷ے

راقم عرض کرتا ہے کہ گورنر نے فائٹنگ (جنگی) اور غیر فائٹنگ (غیر جنگی) فوجیوں کی تفصیلات درج کرتے ہوئے فائٹنگ (جنگی) فوجیوں کے اعداد و شماریوں درج کئے ہیں:۔

Total of Main Fighting Races = 505000

Punjab Mohammedans = 170000

۲۸ے

اقبال کو چارج شیٹ

ہم حقائق بیان کر رہے ہیں۔ اقبال کے طرز فکر و عمل یا نظریات پر نکتہ چینی مقصود نہیں اور ویسے بھی جب اقبال اور اکثر و بیشتر مسلم عمائدین اپنے موقف کی تائید میں قرآن و حدیث پیش کریں تو کوئی احمدی ان پر کیونکر انگشت نمائی کر سکتا ہے۔ البتہ بعض غیر احمدی حلقوں کی جانب سے انگریزی حکومت کے بارے میں وفادارانہ طرز عمل اور مدحیہ نظموں کے پیش نظر علامہ پر "انگریز دوست" ہونے کا الزام عائد کیا گیا۔ ۲۹ے

طبعاً و اخلاقاً

اس چارج شیٹ پر اقبال کا دفاع کرتے ہوئے مصنف جواباً فرماتے ہیں کہ اقبال نے تو یہ نظمیں "طبعاً و اخلاقاً" لکھی تھیں۔ ۳۰ے گویا علامہ کے نزدیک انگریز حکام کو طبعاً و اخلاقاً "سایۂ خدا" کہنا مستحسن امر ہے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ اگر انگریز حکام کو طبعاً و اخلاقاً "سایۂ خدا" کہنا جائز ہے تو بانی سلسلہ احمدیہ (وفات ۱۹۰۸ء) نے کب لکھا ہے کہ میں نے انگریزی حکومت کے عدل و انصاف

اور امن و آزادی کی تعریف غیر طبعاً و غیر اخلاقاً بنیاد پر کی ہے۔ آپ نے تو خاص طور پر اس امر کا ذکر فرمایا ہے کہ میں نے خصوصاً پنجاب میں انگریزوں کی آمد کی وجہ سے مسلمانوں کو سکھا شاہی کی چیرہ دستیوں سے نجات ملنے اور مذہبی آزادی حاصل ہونے پر حکام کا شکریہ ادا کیا ہے اور شکرگزاری ایک اخلاقی فرض ہے۔ اس کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔

پھر اقبال نے اگر طبعاً و اخلاقاً انگریز حاکم کو "سایہ خدا" قرار دیا ہے تو طبعی جذبات کب غیر دینی ہوتے ہیں۔ اور جہاں تک "اخلاق" کا تعلق ہے وہ بھی تو سراسر دین ہی کا حصہ ہے۔

مصلحتاً و مجبوراً

علامہ کا دفاع کرتے ہوئے مصنف زندہ رود نے دوسرا موقف یہ اختیار کیا ہے کہ علامہ نے یہ نظمیں "مصلحتاً و مجبوراً" لکھی تھیں۔ ۳۱

راقم کی رائے میں مصنف کے جواب کا یہ حصہ درست نہیں کیونکہ علامہ نے انگریز حاکموں کی مدح میں جو کچھ فرمایا یا علامہ کے استاد مولانا میر حسن، سرسید احمد خاں، مولانا الطاف حسین حالی، انجمن حمایت اسلام اور الندوہ وغیرہ نے جو ثناخوانی کی یا اطاعت کا دم بھرا۔ تو سب نے اپنے موقف کو قرآن و حدیث کے حوالوں سے مزین کیا۔ اس لئے "مصلحتاً یا مجبوراً" والا جواب محل نظر ہے۔

اقبال دیکھ رہے تھے کہ انگریز کے آنے سے

- اب پہلے کی طرح سکھ، مسلمان لڑکیوں کی زبردستی آبروریزی کرنے میں آزاد نہیں رہے۔
- اب طوائف الملوکی سے جان چھوٹ چکی ہے۔ انگریز نے "سامان صلح و دیر" کا اہتمام کر دیا ہے۔
- اب مسلمانوں پر اذان دینے۔ نماز پڑھنے۔ مسجدوں میں جانے اور قرآن مجید کی اشاعت پر کوئی پابندی نہیں رہی۔
- اب اتنی مذہبی آزادی ہے کہ سکھوں اور ہندوؤں بلکہ عیسائیوں کو بھی تبلیغ اسلام کے ذریعہ کلمہ طیبہ کے ٹھنڈے سائے تلے لایا جا سکتا ہے۔

اس لئے علامہ نے اگر ایک انگریز حاکم کے وقت یہ اعلان کیا کہ وہ "سایۂ خدا" ہے تو

دوسرے حاکم کے عرصہ حکومت میں وہ پکار اٹھے کہ ان کے خلاف ازروئے قرآن پوشیدہ مشورہ کی بھی اجازت نہیں اور ایک حاکم کے دور میں بڑے زوردار طریق سے اس موقف کا اظہار کیا کہ جنگ یا جہاد انگریز حکام کے خلاف نہیں بلکہ ان کی تائید میں فرض بنتا ہے۔ فرمایا:۔

- تخت شنشہی سے عقیدت بھی بے غرض　　یا یہ کہ ہنگامہ وغا میں میرا سر قبول ہو

بتایئے! سالہا سال (۱۹۰۱ء تا ۱۹۱۸ء) پر پھیلی ہوئی اس درجہ ٹھوس عقیدت کی موجودگی میں مصنف زندہ رود کا اس امر پر اصرار کہ علامہ بامر مجبوری انگریز حاکموں سے وفاداری کا اظہار کرتے رہے کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

مصنف کو چاہئے تھا کہ وہ علامہ کے کلام پر "مصلحتاً و مجبوراً" کے پردے ڈالنے کی بجائے معترضین کو جواب دیتے کہ علامہ نے شرعی بنیاد پر انگریزی حکومت کی تحسین کی ہے۔ مدح و ثناء کا یہ حصہ ہرگز مجبوراً نہیں لکھا گیا۔ علامہ کا دل آپ کی زبان کا رفیق تھا۔ علامہ میں منافقت کا رنگ نہیں پایا جاتا تھا۔

مولانا حالی کا سہارا

اقبال کا دفاع کرتے ہوئے مصنف زندہ رود نے خواجہ الطاف حسین صاحب حالی کا بھی سہارا لیا ہے۔ مولانا غلام رسول صاحب مہر کی تحریر کے حوالے سے فرماتے ہیں:۔

"اس سلسلہ میں خواجہ حالی مرحوم کا مرثیہ بھی پیش نظر رکھنا چاہئے جو انہوں نے ملکہ وکٹوریہ کی وفات پر لکھا اور رسالہ "معارف" پانی پت بابت جنوری ۱۹۰۱ء میں شائع ہوا تھا۔" ۳۲

راقم عرض کرتا ہے ہم نے معارف رسالہ سے حالی مرحوم کا مرثیہ پڑھا ہے۔ ہمیں کہیں نظر نہیں آیا کہ حالی مرحوم نے یہ مرثیہ "مجبوراً" لکھا ہو۔ ہر شعر پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ شاعر، اقبال کی طرح ۔۔ "تخت شنشہی سے عقیدت ہے بے غرض" ۔۔ کی تصویر بنا بیٹھا ہے۔ بلکہ حالی نے تو مسلمانوں کو انگریزی حکومت کی اطاعت و وفاداری و شکرگزاری کی ترغیب دیتے ہوئے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ کو بنیاد بنایا ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔

لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس

جماعت احمدیہ کے قیام سے دو سال قبل ۱۸۸۷ء میں مولانا حالی انگریزی حکومت کے بارے میں اپنے عقیدہ کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس عہد میں اسلام کو جو دینی اور روحانی ترقی نصیب ہوئی وہ انگریز بادشاہ کا اسلام پر احسان ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

گو منت قیصر سے ہے ہر قوم گراں بار
احساں مگر اسلام پہ ہیں اس کے گراں تر
گر برکتیں اس عہد کی سب کیجئے تحریر
کافی ہے نہ وقت اس کے لئے اور نہ دفتر
قیصر کے گھرانوں پہ رہے سایہ یزداں
اور ہند کی نسلوں پہ رہے سایہ قیصر ۳۳

اور ۱۹۰۱ء میں رسالہ "معارف" پانی پت میں ملکہ وکٹوریہ کی وفات پر مذکورہ بالا حدیث نبوی کو یوں شعر کا جامہ پہنایا ہے۔

شکر بندوں کا خدا کے جو نہیں کرتے ادا وہ نہیں لاتے بجا' شکر خدائے ذوالجلال ۳۴۔

اور اس طرح مسلمانوں کو تلقین کی ہے کہ وہ انگریز بادشاہ کی شرعی طور پر اطاعت کا دم بھریں اور اس کے شکر گزار رہیں ورنہ وہ رب ذوالجلال کے شکر گزار بندوں کی صف میں شامل ہونے کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

یہاں ہم افسوس کے ساتھ اس امر کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ کہ مصنف زندہ رود نے جانبدارانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے تحریک احمدیہ کے بانی پر نکتہ چینی کی ہے اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اقبال اور دیگر قائدین اور عامتہ المسلمین تو انگریزی حکومت کے غیر وفادار اور باغی تھے۔ صرف بانی تحریک احمدیہ اور آپ کی جماعت ان کی اطاعت گزار تھی۔ لکھتے ہیں:

۱۔ اپنے ابتدائی ایام ہی میں اس (یعنی بانی تحریک۔ ناقل) نے (انگریزوں کے خلاف۔ ناقل) جہاد کی حرمت کا اعلان کر رکھا تھا۔

۲۔ برصغیر میں سیاسی بیداری کے دور میں بھی تحریک احمدیہ انگریزی حکومت کی اطاعت اور وفاداری کا دم بھرتی تھی۔

۳۔ (جہاد کی حرمت کے اعلان سے) مراد یہ لی گئی کہ احمدیوں کے نزدیک انگریز کے ساتھ

وفاداری کو اس قدر اہمیت حاصل تھی کہ اس کے خلاف سیاسی آزادی کے لئے جدوجہد کرنا بھی حرام قرار دیا گیا تھا۔ ۳۵

نوٹ: (حرمت جہاد اور جماعت احمدیہ کی تحریک آزادی میں جدوجہد کا ذکر علیحدہ باب میں تفصیل سے پیش کیا جا رہا ہے۔)

دو پیمانے

انصاف کا ترازو تو اپنے دونوں پلڑوں کو برابر رکھتا ہے۔ مگر یہ کیا کہ جب بانی تحریک احمدیہ (وفات ۱۹۰۸ء) کا ذکر ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ چونکہ انہوں نے انگریز کے خلاف اپنی زندگی میں جہاد نہیں کیا اور اس کی تعریف کی ہے لہٰذا وہ انگریز کی غلامی کو پسند کرتے تھے۔ مگر اقبال سمیت اکثر و بیشتر قائدین جو سرسید کے رستہ پر چل رہے تھے' کی اطاعت و وفاداری اور تعریف و تحسین سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جاتا۔

راقم پھر یہی عرض کرے گا کہ اگر ————— انگریز حاکم کو "سایۂ خدا" کہنا اور اسے "قصرِ عدل کا معمار" قرار دینا جائز ہے تو پھر اگر ایسی ہی بات تحریک احمدیہ کے بانی کے منہ سے نکلے تو وہ کیوں قابل اعتراض ہے؟ علامہ اور بانی تحریک احمدیہ کے لئے دو الگ الگ پیمانے کیوں رکھے گئے ہیں؟

بہرحال اب تک بیان کئے گئے حقائق سے واضح ہے کہ اقبال ۱۹۱۸ء تک انگریز حاکموں کی اطاعت و وفاداری کا دم بھرتے تھے --- "دانائے راز" کے مصنف اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اقبال کی وفاداری کی یوں پردہ پوشی فرماتے ہیں:۔

"۔ یہ ہندی سیاست کا دور وفاداری تھا جو ۱۹۱۹ء میں ختم ہوا۔ اور جس میں ہندوستانی معاشرہ کا ہر طبقہ۔ عوام۔ خاص۔ راجے۔ مہاراجے۔ نواب' حتیٰ کہ آزادی ہند کے مجاہد اعظم مہاتما گاندھی بھی سرکار کی اعانت کے لئے میدان عمل میں اتر آئے تھے۔ لہٰذا اقبال کے سیرت و کردار پر کوئی حرف نہیں آتا۔" ۳۶

سوال یہ ہے اگر جہاد فرض تھا تو علامہ نے اور مسلم معاشرہ کے ہر طبقہ نے کیوں نہ کیا؟ کیا اقبال شریعت سے بالاتر تھے؟۔ قرآن و حدیث کے حکم کی واضح خلاف ورزی کرنے سے ان کی سیرت و کردار پر کیوں حرف نہیں آتا؟ اور بانی تحریک احمدیہ پر انگشت نمائی کا کیا جواز

ہے؟

دو خوف

شاید مصنف، علامہ کے مدحیہ کلام کو "مصلحت و مجبوری" کے پردے اس خوف سے چھپا رہے ہیں کہ بعض حلقوں کے ناروا پروپیگنڈہ کی وجہ سے عوام کے ایک طبقہ میں، ایک اعلیٰ پایہ کے لیڈر کا یہ معیار قائم ہو چکا ہے کہ وہ، ہر انگریز حاکم کی (خواہ وہ کسی دور سے تعلق رکھتا ہو، کتنا ہی منصف مزاج ہو) مخالفت کرے --- مصنف کو اندیشہ ہے کہ اگر علامہ انگریز حاکموں کے بہی خواہ اور قدردان اور اطاعت گزار ثابت ہو گئے تو وہ اس مخصوص طبقہ میں مقبول نہ رہیں گے --- مصنف کے نزدیک ———— خدا اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی، شاید عوامی ہردلعزیزی سے فوقیت کی حامل نہیں۔

دوسرا خوف شاید یہ ہے کہ اقبال کے اطاعت گزار ثابت ہونے سے مصنف کو تحریک احمدیہ کے بانی اور تحریک احمدیہ پر نکتہ چینی کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اور وہ اس سونے کی مرغی کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتے۔ بہرحال راقم کی رائے میں اقبال پر معترضین کی چارج شیٹ درست ہے نہ مصنف کا جواب صحیح خطوط پر ہے۔ دونوں کو اپنے اپنے موقف پر نظرثانی کی ضرورت ہے۔

تحریک احمدیہ کے بانی کی صحیح روش

اقبال نے انگریزوں کی مدح میں جو نظمیں لکھیں جن میں ان کی تلوار کو "نقاد خیر و شر" کہا۔ "صلح دیر و حرم کا سامان مہیا کرنے والا" قرار دیا --- اور ان کی حکومت اس وقت تک قائم و دائم رہنے کی دلی تڑپ کا اظہار کیا جب تک "چمن کو قطرہ شبنم کی پیاس ہے۔" مصنف کے نزدیک یہ سب کچھ "مجبوراً" تھا۔ ۳۷

مگر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی زبان آپ کے دل کی رفیق تھی۔ آپ کسی کی خوشامد یا چاپلوسی سے سخت متنفر تھے۔ مسلمانوں کے قائد اول، سرسید احمد خاں نے انگریزی حکومت کے بارہ میں حضرت کے اس رویہ یا طریق کو نہ صرف سراہا ہے بلکہ ہر مسلمان سے یہ توقع کی ہے کہ اسے یہی موقف اختیار کرنا چاہئے۔ چنانچہ اپنی عمر کے آخری حصے میں سرسید نے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں آپ کی درج ذیل عبارت، مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے شائع کی۔

لکھتے ہیں:۔

مرزا غلام احمد قادیانی

سرسید کے ریمارکس

"۔ مرزا (غلام احمد) صاحب نے جو اشتہار ۱۸۹۷ء کو جاری کیا ہے۔ اس اشتہار میں مرزا صاحب نے ایک لطیف .... عمدہ فقرہ گورنمنٹ کی خیرخواہی اور وفاداری کی نسبت لکھا ہے۔ ہمارے نزدیک ہر مسلمان کو جو گورنمنٹ انگریزی کی رعیت ہے۔ ایسا ہی ہونا چاہئے جیسا کہ مرزا صاحب نے لکھا ہے اس لئے ہم اس کو اپنے اخبار میں چھاپتے ہیں۔

مرزا صاحب لکھتے ہیں:۔

اے نادانو! گورنمنٹ انگریزی کی تعریف، تمہاری طرح، میری قلم سے منافقانہ نہیں نکلتی۔ وہ لوگ سخت نمک حرام ہیں جو حکام انگریزی کے روبرو، ان کی خوشامد کرتے ہیں اور ان کے آگے گرتے ہیں اور پھر گھر آکر کہتے ہیں کہ جو شخص اس گورنمنٹ کا شکر کرتا ہے وہ کافر ہے..... یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ ہماری یہ کارروائی جو اس گورنمنٹ کی نسبت کی جاتی ہے۔ منافقانہ نہیں ولعنۃ اللہ علی المنافقین۔ جبکہ ہمارا عقیدہ یہی ہے جو ہمارے دل میں ہے۔" ۳۸

امام جماعت احمدیہ کا رویہ

حضور کی اسی تعلیم کی روشنی میں جماعت احمدیہ گورنمنٹ کی چاپلوسی یا مجبوراً تعریف سے متنفر ہے۔ چنانچہ امام جماعت احمدیہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد (وفات ۱۹۶۵ء) نے فرمایا۔

"۔ بے شک کانگرسیوں کے اصول سے مجھے اختلاف ہے۔ لیکن اگر میرے سامنے ذاتی دوستی کا سوال ہو تو میں ایک کانگرسی کو گورنمنٹ کے خوشامدی، پر ترجیح دوں گا۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ یہ گورنمنٹ کے خیرخواہ کہلانے والے حد درجہ کے خودغرض، لالچی اور نفس پرست واقع ہوئے ہیں۔" ۳۹

انگریزی حکومت سے سر کا خطاب قبول کرنا

آیئے! دیکھتے ہیں۔ ۱۹۲۳ء کے سیاسی بیداری کے دور میں انگریزی حکومت سے متعلق علامہ کا طرز فکر و عمل کیا تھا؟ اس دور کی تحریک ترک موالات (عدم تعاون) کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:-

تحریک ترک موالات

---" اس میں لوگوں کو مشورہ دیا گیا۔ کہ وہ حکومت کے عطا کردہ خطابات اور اعزازی عہدے واپس ۴۰ے کر دیں۔ اور تمام سرکاری و نیم سرکاری تقریبات میں شرکت سے بھی انکار کر دیں۔ مسلم علماء نے جمعیتہ العلماء کے اجلاس منعقدہ ۱۹-۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء بہ مقام دہلی ایک فتویٰ (ترک موالات کے حق میں ناقل) دیا.... اس پر ۵۰۰ علماء کے دستخط ثبت تھے۔ ۴۱ے

مصنف زندہ رود کے مطابق۔ "اقبال نے اختلافات کے سبب تحریک موالات میں شامل مسلم سیاسی رہنماؤں سے کنارہ کشی اختیار کی۔ ۴۲ے

تحریک خلافت

مولانا رئیس احمد جعفری، علامہ کی شان "محکومیت" کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:-

"اس دور میں، اس طوفان خیز اور ہنگامہ آفریں دور میں، اقبال کا کیا حال تھا؟۔ وہ کس طرف تھے؟ آزادی کے شیدائیوں اور ملت کے مجاہدوں کے ساتھ یا قوم کے دشمنوں یا ملک کے غداروں کے ساتھ ۔۔ واقعات و حقائق بڑے بے مروت اور غیر جانبدار ہوتے ہیں۔ وہ کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتے۔ سچی اور کھری بات کہتے ہیں۔ حقائق کی زبان سے واقعات کا بیان یہ ہے۔ کہ اقبال (سیاسی بیداری کے اس دور میں۔ ناقل) نہ صرف تحریک خلافت کے ساتھ نہیں تھے بلکہ اس سے اصول اختلاف رکھتے تھے۔ اور اس لئے اس سے اسی طرح الگ اور غیر متعلق تھے جس طرح ایک مخالف ہو سکتا ہے۔ یہی نہیں عین اس زمانہ میں جب لوگ ملازمتوں پر لات مار رہے تھے۔ سرکاری سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں کا بائیکاٹ کر رہے تھے۔ اقبال کو سر کا خطاب دیا گیا۔ اور انہوں نے اس کو قبول بھی کر لیا۔ جس پر کسی دل جلے نے یوں فقرہ چست کیا۔۔

سرکار کی دہلیز پہ سر ہو گئے اقبال ۴۳ے

راقم عرض کرتا ہے۔ یہ فقرہ نہیں۔ مولانا عبدالمجید سالک کی "زمیندار" اخبار میں شائع شدہ نظم کا ایک مصرع ہے۔ مولانا سالک کے دو شعر ملاحظہ ہوں

پہلے تو سر ملت بیضا کے تھے وہ تاج
اب اور سنو، تاج کے سر ہو گئے اقبال
کہتا تھا یہ کل ٹھنڈی سڑک پہ کوئی گستاخ
سرکار کی دہلیز پہ سر ہو گئے اقبال

تحریک خلافت کے بعض ممبران کا ذکر کرتے ہوئے علامہ اپنے بڑے بھائی کو لکھتے ہیں۔

"خلافت کمیٹیوں کے بعض ممبران بظاہر جوشیلے مسلمان لیکن در باطن اخوان الشیاطین ہیں۔" ۴۴ے

خطاب کی سرکاری نوٹیفکیشن

Delhi: The 1st January 1923
No. 2. Gen, His Imperial Majesty the King Emperor of India has been graciously pleased to confer the honour of KNIGHT HOOD, on --- Doctor Sheikh Muhammad Iqbal, Barrister, Lahore, Punjab
J.B - Thompson
Political Secretary to the Govt. of India
Punjab Gazette, 19 January, 1923 Part II, Page 10.

مصنف زندہ رود لکھتے ہیں:-

"---۱۷ر جنوری ۱۹۲۳ء کو سر کا خطاب ملنے پر اقبال کے لئے ایک مبارکباد پارٹی کا اہتمام، ہندو، سکھ اور مسلم معززین لاہور کی طرف سے مقبرہ جہانگیر میں کیا گیا۔ جس میں گورنر سمیت تمام سرکاری، غیر سرکاری عمائد و حکام شریک ہوئے...... سر محمد اقبال نے اپنی جوابی تقریر میں کہا کہ

مجھ کو خطاب دے کر گورنمنٹ نے اردو و فارسی کے ادیبوں کی عزت افزائی کی ہے۔ ۴۵ے

(اخبار بندے ماترم)

مصنف "زندہ رود" نے اخبار بندے ماترم کے تبصرہ کا ایک اہم حصہ نقل نہیں کیا۔ جو درج ذیل ہے۔

"۔ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کو سر کا خطاب ملنے کی تقریب پر ۱۷ جنوری کے دن شاہدرہ میں جو شاندار دعوت دی گئی .... تو معمہ کا حل واضح طور پر ہو گیا ہو گا کہ اقبال کو خطاب گزشتہ اور آئندہ سیاسی خدمات کے صلے میں ملا ہے یا ادبی خدمات کے صلے میں۔ شہنشاہ جہانگیر کے مقبرہ میں جس وسیع اور پرفضا صحن میں جلسہ دعوت منعقد ہوا۔ اس کے دروازوں پر یورپین اور ہندوستانی پولیس کی نمائش۔ یورپین مسلمانوں کی کثرت۔ گورنر بہادر کی صدارت۔ سرکاری حضرات کی شرکت۔ ان سب باتوں کو دیکھ کر بھی جو یہ کہے گا کہ ڈاکٹر اقبال کو اس وجہ سے خطاب ملا ہے کہ اردو۔ فارسی کے شاعر ہیں۔ دوپہر کے وقت ستارے دکھانے کے مترادف ہے۔ ۶۶ے

مولانا ظفر علی خاں نے علامہ کی خطاب یافتگی پر، اپنے تئیں سرفروشوں کا نمائندہ قرار دیتے ہوئے، اقبال کے رخ کردار کے متعلق یوں اظہار کیا:۔

سرفروشوں کے ہیں ہم سر، آپ ہیں سرکار کے
آپ کا منصب ہے سرکاری، ہمارا خانگی
عافیت کوشی ہے پہلے دن سے مسلک آپ کا
اور اس میں منتتر ہے آپ کی فرزانگی
مسلم خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آراء تو بھی ہو
چھوڑ دے اس بزدلی کو اور دکھا مردانگی
۶۷ے

سیاسی بیداری کے دور میں حصول آزادی کے لئے جماعت احمدیہ کی بنیادی پالیسی کیا تھی؟

--- اس نے کیا کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے؟۔ اس کا تفصیلی تذکرہ تو آئندہ صفحات میں آئے گا۔ فی الحال ہم گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ اگر اقبال سیاسی بیداری کے اس دور میں انگریزی حکومت کے بدخواہ۔ غیر وفادار۔ غیر اطاعت گزار یا مخالف ہو چکے تھے تو آپ نے انگریزوں سے سر کا خطاب کیوں قبول کیا؟

--- پھر مرتے دم تک اسے سینے سے کیوں لگائے رکھا؟

مصنف زندہ رود فرماتے ہیں۔

۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اقبال کا تعلق اقلیتی قوم سے تھا اور برصغیر کے سیاسی پس

منظر میں اقلیتی قوم کی نفسیات، اکثریتی قوم سے مختلف تھیں۔ یعنی انگریزی حکومت یا ہندو اکثریت کے مقابلہ میں مسلم اقلیت کا رویہ بنیادی طور پر مدافعانہ تھا اور اقبال کے خطاب قبول کرنے کی مصلحت اسی مدافعانہ نفسیات کی غماز تھی ۶۸ے

راقم عرض کرتا ہے کہ انگریزی حکومت کی اطاعت اور اس سے تعاون اور اس کی خیر خواہی کے بارہ میں سرسید، حالی، اقبال، مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی۔ شیعہ۔ سنی۔ انجمن حمایت اسلام۔ الندوہ وغیرہ کی طرف سے پیش کردہ الہامی اسناد (قرآن و حدیث) کو کسی طور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا لیکن بغرض بحث اگر نظر انداز کر بھی دیا جائے اور صرف مدافعانہ نفسیات ہی کا عنصر پیش نظر رکھا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب انگریزی حکومت یا ہندو اکثریت کے مقابلہ میں قلت تعداد کے باعث مسلمانوں کے لئے مدافعانہ رویہ اختیار کرنا ضروری تھا تو احمدیوں کی تعداد تو مسلمانوں میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھی۔ ان کے لئے انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے یا غیر مدافعانہ رویہ اختیار کرنا کس مصلحت کے تحت فرض ہو گیا تھا؟

واضح رہے کہ اس دور میں ہندوؤں کی تعداد ۲۴ کروڑ اور مسلمانوں کی ۷ کروڑ بتائی جاتی تھی ۶۹ے اور بقول اقبال پنجاب میں احمدیوں کی تعداد صرف ۵۶ ہزار تھی اگر علامہ کے حوالے سے پورے برصغیر میں یہ تعداد ایک لاکھ بھی ہو تو مسلمانوں کی تعداد کے پیش نظر احمدیوں کی تعداد کی نسبت "۷۰۰" اور "ایک" کی بنتی ہے۔ گویا ایک فرد کا تو فرض تھا کہ وہ تلوار اٹھاتا بغاوت کا مظاہرہ کرتا اور بدخواہی اور مخالفت اور جہاد کے نعرے لگاتا ہوا میدان میں کود پڑتا اور ادھر علامہ کی ڈیوٹی صرف یہ تھی کہ وہ ۷۰۰ر افراد کو اپنے زیر سایہ لے کر بیٹھے رہتے اور انہیں قلت تعداد کی دلیل دے کر مدافعانہ رویہ کی تلقین و تحریک کرتے رہتے۔

۱۹۴۸ء سے دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ تک صرف دو "جرنیلوں" نے جان کا نذرانہ پیش کیا یا زخمی ہوئے۔ دونوں ہی اللہ کے فضل سے احمدی تھے۔ زخمی ہونے والے جرنیل کا نام "جنرل چوہدری ناصر احمد" ہے اور شہید ہونے والے جنرل، جنرل افتخار جنجوعہ تھے۔

۱۹۲۴ء

گورنر کے حضور حاضری کی اہمیت

والدہ جاوید (سردار بیگم صاحبہ) امید سے ہوئیں تو علامہ نے انہیں سیالکوٹ بھجوا دیا۔ ۵ ر اکتوبر ۱۹۲۴ء کو جاوید پیدا ہوئے۔ ۵ نومبر ۱۹۲۴ء کے خط میں علامہ نے اپنے بڑے بھائی صاحب کو سیالکوٹ لکھا:۔

"۔ میں نومبر کے مہینے میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ کام کے علاوہ بہت سی اور مصروفیتیں ہیں ۔ نئے گورنر صاحب کے بہت سے ڈنر ہیں۔ وہاں جانا ہے۔" [۵۰]

۱۹۲۵ء

علامہ کے استاد مولانا میر حسن کے صاحبزادے ڈاکٹر علی نقی صاحب اپنی ملازمت سے سبکدوش ہوئے تو پنجاب کے گورنر سر میلکم ہیلی نے انہیں چائے کی الوداعی دعوت دی۔ اس موقعہ پر علامہ اقبال نے ڈاکٹر نقی صاحب کو اظہار عقیدت کے طور پر یہ شعر لکھ کر دیا جسے آپ نے نہایت خوشخط لکھوا کر اس تقریب سعید میں گورنر کو پیش کیا۔

پنجاب کی کشتی کو دیا اس نے سہارا۔ تابندہ ہمیشہ رہے ہیلی کا ستارا۔ [۵۱]

عملی سیاست کا دور

نوٹ۔ اب وہ دور آتا ہے جب (۱۹۲۶ء میں) علامہ نے عملی سیاست میں حصہ لینے کا قصد کیا۔ بقول مصنف زندہ رود علامہ ' مسلمانوں کو منظم کر کے انگریزی حکومت اور ہندو اکثریت دونوں کے مقابلہ میں کھڑا کرنا چاہتے تھے (صفحہ ۲۹۲) مگر اس کے ساتھ ساتھ علامہ کا درج ذیل طرز فکر و عمل بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

۱۹۲۷ء

پنجاب لیجسلیٹو کونسل میں تقریر کرتے ہوئے علامہ نے فرمایا۔

"تازہ فسادات لاہور میں ہندو اور مسلمان دونوں وفود بنا کر کئی دفعہ ڈپٹی کمشنر کے پاس گئے

اور ہر دو وفود نے مخالف ملت کے تحقیقاتی افسروں کے خلاف شکایت کی۔ اس قسم کے ایک وفد کا میں بھی ممبر تھا (آوازیں۔ شرم۔ شرم) یہ کوئی شرم کی بات نہیں۔ ہمیں واقعات کو حقیقت کے آئینے میں دیکھنا ہے۔ واقعی افسوس کا مقام ہے کہ صورت حالات اس قدر نازک ہو چکی ہے۔ ڈپٹی کمشنر نے ہمیں جو جواب دیا وہ آپ کو معلوم ہے۔ اور میرے خیال میں اس نے جو کچھ کہا اس میں وہ بالکل حق بجانب تھا۔ (ڈپٹی کمشنر نے بتایا)

" اصلاحات کی سکیم کے نفاذ سے پہلے پولیس میں ۱۲۰ برٹش افسر تھے۔ اور اب صرف ۶۸ ہیں۔ ہمارے برٹش افسروں کی تعداد کافی نہیں ہے۔ اور دونوں فرقے (ہندو اور مسلم۔ ناقل) یورپین افسر چاہتے ہیں۔"

بد قسمتی سے میرے دوست پنڈت نانک چند اس وقت یہاں نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ حکومت نے رنگ و نسل کا امتیاز اڑا دیا ہے۔ اور اس طرح وہ اسامیاں جو پہلے برٹش افسروں کو ملتی تھیں اب ہندو اور مسلمانوں کے حصہ میں آئی ہیں۔ لیکن میں اپنے دوست کو یقین دلاتا ہوں کہ (برطانوی) حکومت نے اس معاملہ میں بڑی سخت غلطی کی ہے۔ اور اگر برٹش آفسروں کی تعداد میں اضافہ کر دیا جائے تو میں اس کا خیر مقدم کروں گا (آوازیں۔ نہیں۔ نہیں) جب میں یہ کہتا ہوں تو اپنی ذمہ داری کو پوری طرح محسوس کر کے کہتا ہوں۔ [۵۲]

(علامہ کی تقریر ۱۹ر جولائی ۲۷ء) ا۔

مولانا محمد علی جوہر کی زبردست تنقید

پنجاب کونسل میں علامہ کی تقریر پر جنگ آزادی کے ہیرو مولانا محمد علی جوہر نے "ہمدرد" کی تین چار قسطوں میں طویل تبصرہ و تنقید کی۔

ایک قسط کا عنوان تھا۔

"طبیب حاذق سر محمد اقبال کا نیا نسخہ" (ہمدرد ۱۶ر اگست ۱۹۲۷ء)

ایک قسط کا عنوان تھا۔

"شاعر اسلام --- اقبال" (ہمدرد ۱۹ر اگست ۱۹۲۷ء)

ایک اور قسط

"شمع و شاعر کے مصنف سے ایک سوال"

۵۳ کے عنوان سے شائع کی گئی (ہمدرد ۲۱ر اگست ۱۹۲۷ء)

ان اقساط کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:۔

مولانا جوہر رقمطراز ہیں:۔

۱۔ "۔ دیکھئے۔ شمع و شاعر کا مصنف کس طرح "لندن ٹائمز" اور اس کے موکلوں کا آلہ کار بن رہا ہے۔ کہنا پڑتا ہے کہ بہتر ہو کہ سارے ہندوستان کو تو سوارج دے دیا جائے مگر ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب وام اقبالکم کے پنجاب کو سر مائیکل اڈوائر۔ کرنل فرینک جانسن۔ کرنل اوبرائن اور مسٹر اسمتھ کو پھر اس پر حکومت کرنے کے لئے بلا لیا جائے۔" (صفحہ ۴۳۰)

۲۔ "۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال کی تقریر پڑھ کر۔۔ "میری نیند غائب ہو گئی اور میرے قلب کو اس قدر دھچکا لگا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔" (صفحہ ۴۲۴)

۳۔ " اقبال کو نہ جانے کیا سوجھی کہ کونسل کو چل دیئے اور وہ پنجاب کی جمہور سے رائیں حاصل کرنے کے لئے دربدر پھرے اور اپنے مدمقابل کو بالاخر ہرا کے ملک معظم اور اس کے ورثاء کی وفاداری کا حلف اٹھا کر پنجاب کونسل میں شریک ہوئے۔ ہمیں اس کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ خدا نے جس شخص کو "شمع و شاعر" اور "اسرار و رموز" کے لکھنے کی عجیب و غریب قدرت عطا فرمائی تھی ..... وہ پنجاب کونسل ..... میں جا کر محمد امین صاحب بیرسٹر (سابق ساگر چند) کی طرح یہ مطالبہ کرے گا کہ جو چند بڑے بڑے عہدے اس وقت تک ہندوستانیوں کو دیئے گئے ہیں وہ بھی ان سے چھین لئے جائیں اور انگریزوں کو دے دیئے جائیں (صفحہ ۴۴۰

۴۔ " تعجب ہے آج اقبال، لالہ جی کے خوف سے اوگلوی صاحب کی گود میں گھسا جاتا ہے"۔ ۵۴

(راقم " دراصل، اقبال اب تک انگریزی عہد کی برکات کے قائل تھے اور سمجھتے تھے کہ انگریز افسروں کی تعداد میں اضافہ ہونے سے مسلمانوں کو زیادہ عدل و انصاف مہیا ہو سکے گا۔ کیونکہ انگریز کی تلوار اب تک "نقاد خیر و شر" ہے۔)

۱۹۲۹ء

مشاہیر عالم کو ان کے اصلی روپ میں پیش کرنا ہی ان کی عزت و احترام کا موجب ہے مگر نہ معلوم علامہ کے بارہ میں یہ وطیرہ کیوں اختیار کر لیا جاتا ہے کہ جہاں حقائق ذرا تلخ محسوس ہوتے ہوں وہاں آپ کی شخصیت کو دبیز پردوں کی تہ میں چھپا لیا جاتا ہے۔ اس صورت حال میں حقائق کا افشاء ہو جانے پر علامہ کا کردار بعض لوگوں کے لئے ٹھوکر کا موجب بن سکتا ہے۔

ایک مثال ملاحظہ ہو۔

اپریل ۱۹۷۵ء۔ یوم اقبال کے موقعہ پر روزنامہ "امروز" لاہور کے اقبال ایڈیشن کی دس ہزار کاپیاں چھپ چکی تھیں کہ ادارہ کے بعض سینئر ارکان کی نگاہ درج ذیل "یادگار تحریر" پر پڑی۔ پریس میں چھپائی کا کام روک دیا گیا اور ایڈیٹر کی اجازت سے طبع شدہ دس ہزار کاپیاں تلف کر دی گئیں۔ ادارہ نے اس کاروائی کی وجہ بتاتے ہوئے لکھا کہ:۔

علامہ اقبال کی جو عزت اور جو احترام ہمارے دلوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کے سامنے یہ نقصان کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔" ۵۵

وہ "یادگار تحریر" ۱۹۲۹ء کی ہے جو علامہ نے پنجاب کے ایک مشہور انگریز نواز مسٹر ایم بی گوہری سپیشل آرمی ریکروٹر جنگ عظیم اول ۱۹۱۴ء کے بارے میں بطور سرٹیفکیٹ لکھی۔ علامہ فرماتے ہیں:۔

" ۔ تصدیق کی جاتی ہے کہ ایم بی گوہری صاحب نے مختلف حیثیتوں سے گورنمنٹ کی اچھی خدمات سرانجام دی ہیں۔ جن کے لئے ان کے پاس سندات و دستاویزات موجود ہیں۔ میں نے ان میں سے بعض کو پڑھا ہے اور میں یہ کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا کہ وہ اپنی وفادارانہ خدمات کے لئے کسی نوعیت کا اعتراف حاصل کرنے کے مستحق ہیں۔۔۔ میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے یہ سب کچھ اپنے احساس فرائض منصبی کے تحت سرانجام دیا ہے ۔ نہ کسی معاوضہ کے حصول کی غرض سے جیسا کہ کئی دیگر آدمیوں نے کیا۔"

محمد اقبال
کے ایم ایل ای
بیرسٹر ایٹ لا۔ پی ایچ ڈی۔ ایم اے۔ لاہور ۵۶

ظاہر ہے علامہ کے نزدیک انگریزی گورنمنٹ کی وفادارانہ خدمات 'احساس فرض کے طور پر بھی سرانجام دی جا سکتی ہیں۔

بقول مصنف زندہ رود اقبال 'مسلمانوں کو انگریزوں اور ہندوؤں دونوں کے مقابلہ میں کھڑا کرنا چاہتے تھے (ص ۲۹۲) مگر اس کے ساتھ ساتھ

۱۹۳۰ء

علامہ اقبال 'اپنے مکتوب بنام سر فرانسس ینگ ہسبنڈ میں فرماتے ہیں:۔

"۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں اگر ہندو ہم پر حکومت کریں۔ بشرطیکہ ان میں حکومت کرنے کی اہلیت اور شعور ہو۔ لیکن ہمارے لئے دو آقاؤں کی غلامی ناقابل برداشت ہے۔ ہندو اور انگریزوں میں سے صرف ایک ہی کا اقتدار گوارا کیا جا سکتا ہے۔" ۵۷

اس کے مقابل بلکہ اس سے دو سال قبل حضرت امام جماعت احمدیہ واضح طور پر مسلمانوں کی رہنمائی فرما چکے تھے کہ اگر ہندو ہمارے حاکم بنے اور ہماری "اپنی حکومت" نہ بنی تو:۔

"۔ مسلمانوں کو چند ہی سال میں پورے طور پر اپنے آپ کو "ہندو کلچر کے آگے ڈال کر اپنی قومی ہستی کو کھو دینا پڑے گا۔" ۵۸

۱۹۳۲ء

علامہ سالہا سال تک، مسلم تنظیموں کے ذمہ دار عہدوں پر فائز رہے تھے اور بخوبی آگاہ تھے کہ

O -- مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد میں برطانوی حکومت کے ساتھ "اطاعت و وفاداری" کی شق کو نمایاں اہمیت حاصل رہی ہے۔

O -- علامہ، انجمن حمایت اسلام کے بھی معزز عہدیدار رہے۔ آپ کو علم تھا کہ اس کے مقاصد میں بھی ایک اہم مقصد۔ "اہل اسلام کو گورنمنٹ کی وفاداری اور نمک حلالی کے فوائد سے آگاہ کرنا--" شامل تھا۔

O -- علامہ، یہ بھی جانتے تھے کہ علی گڑھ کی بنیاد لارڈ لٹن وائسرائے ہند نے رکھی تھی۔

O -- علامہ، ندوۃ العلماء کی تاسیس کے بارے میں بھی بے خبر نہ تھے جو لیفٹنٹ گورنر بہادر ممالک متحدہ کے ہاتھوں رکھی گئی اور جسے گورنمنٹ کی طرف سے "مبلغ چھ ہزار روپے سالانہ امداد بھی ملتی تھی" ۵۹

مسلمانوں کی کم و بیش سبھی قابل ذکر مذہبی و سیاسی انجمنوں کے ساتھ علامہ کے کچھ نہ کچھ روابط تھے اس لئے آپ عمومی رنگ میں مسلمانوں کی انگریزی حکومت کے ساتھ قلبی وابستگی۔ اطاعت و وفاشعاری کے جذبات سے بخوبی آگاہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۳۲ء میں جب آپ گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے انگلستان گئے تو وہاں بھی مسلمانوں کے اس جذبہء وفا کی آپ نے بے دھڑک ترجمانی کرنے میں کوئی باک محسوس نہ کی اور وفاداری کے اسی حوالے سے آپ

نے مسلم مطالبات کی تائید کی۔

مصنف زندہ رود رقمطراز ہیں:۔

انگلستان میں وفادارانہ جذبات کا اظہار

"۔ گول میز کانفرنس کے ایام میں نیشنل لیگ آف انگلینڈ کی جانب سے علامہ کو ایک استقبالیہ دیا گیا۔ اس تقریب میں گول میز کانفرنس کے ہندو اور مسلم مندوبین اور برطانیہ کی بعض مقتدر شخصیات موجود تھیں۔ اقبال نے اپنی مختصر تقریر میں واضح کیا کہ مسلمانوں میں جرات ہے اور انہوں نے برطانیہ کے ساتھ ہمیشہ پر خلوص اور وفاشعاری کے تعلقات استوار رکھے ہیں۔ (صفحہ ۴۹۲)

راقم عرض کرتا ہے کہ نیشنل لیگ کی بنیاد فارقوہرسن (Farquharson) نے رکھی تھی۔ اس کا ایک مقصد "۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کو برطانیہ سے قریب کرنا تھا"۔۔ اور ۔۔" علامہ اقبال شروع ہی سے اس لیگ کی کوششوں کے معترف تھے۔ ۶۰

۱۹۳۳ء

ملکہ وکٹوریہ کی وفات پر علامہ نے برطانیہ کے ساتھ عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

برطانیہ تو آج گلے مل کے ہم سے رو۔ سامان اشک ریزیٔ طوفاں لئے ہوئے

اس وابستگی کی جھلک ۱۹۳۳ء میں بھی ملتی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جنوری ۱۹۲۹ء میں بچہ سقہ نے کابل پر قبضہ کر لیا۔ امان اللہ شاہ افغانستان کو ملک بدر کر دیا گیا۔ برطانیہ نے جنرل نادر خاں (سفیر افغانستان مقیم پیرس) سے رابطہ پیدا کر کے اسے افغانستان میں داخل کرا دیا۔ وہ انگریزی حکومت کے فراہم کردہ ہتھیاروں کی مدد سے کابل فتح کر کے ۱۶ر اکتوبر ۱۹۲۹ء کو شاہ افغانستان بن گئے۔ ۱۵ نومبر ۱۹۳۳ء کو نادر شاہ قتل کر دیئے گئے۔ ان کی جگہ ان کے فرزند "ظاہر شاہ" کو بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔

اقبال نے نادر شاہ کی موت کو شہادت قرار دیا (زندہ رود صفحہ ۵۲۹) اور اپنے خطوط میں ان کے دو اوصاف حمیدہ کا خصوصی اظہار کیا:۔

ایک یہ کہ۔ نادر شاہ بڑا دیندار اور خدا پرست بادشاہ تھا اور کابل میں اس کے متعلق ایسی

حکایات مشہور ہیں کہ ان کو سن کر صدیقؓ اور فاروقؓ یاد آتے ہیں [۶۱]

دوسرے یہ کہ --- نادر شاہ کے حکومت برطانیہ کے ساتھ نہایت دوستانہ [۶۲] تعلقات تھے

(I found him quite friendly toward England)

اس خط میں آپ نے اس امر پر بھی اطمینان کا اظہار فرمایا ہے کہ ان کا صاحبزادہ (نیا بادشاہ۔ ظاہر شاہ) بھی اپنے والد کی راہ پر گامزن ہے۔ اور انہی کے طرز زندگی اور مسلک کے لئے وقف ہے

(Much devoted to his father ways of thought and) life)

انگریزی تاج سے والہانہ عقیدت ووفاداری کا اظہار

۱۹۳۵ء

۱۹۳۴ء میں اقبال پر بیماری کا حملہ ہوا۔ مئی ۳۵ء میں آپ کی اہلیہ محترمہ وفات پا گئیں --- وکالت کا کام قریباً ختم ہو چکا تھا۔ ذرائع آمدنی بہت محدود ہو گئے۔ علامہ کو حد درجہ مالی پریشانی کا سامنا تھا۔ حتیٰ کہ ۱۲ر مئی ۳۵ء کو آپ نے بھوپال میں اپنے دوست سر راس مسعود کو لکھا:۔

میری خواہش ہے کہ اعلیٰ حضرت (نواب بھوپال) مجھے اپنی ریاست سے پنشن منظور کر دیں (زندہ رود صفحہ ۵۵۰)

ادھر تنگ دستی کے اسی دور میں گورنر سر ہربرٹ ایمرسن نے "سلور جوبلی فنڈ" کے سلسلہ میں "باشندگان پنجاب" کے نام حسب ذیل اپیل شائع کی:۔

"۔ ۶ر مئی ۱۹۳۵ء کو ان تمام ممالک کے لوگوں کی طرف سے جو ہز میجسٹی (شاہ انگلستان) کو اپنا حکمران تسلیم کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت ملک معظم کی تخت نشینی کی ۲۵ ویں سالگرہ، شکر گزاری اور مسرت کے ساتھ منائی جائے گی --- پنجاب نے بار بار "تاج" کے ساتھ اپنی روایتی وفاداری کا ثبوت مہیا کیا ہے اور جنگ عظیم کے دوران میں اس نے آدمیوں اور روپیہ سے جو امداد دی تھی اس کی یاد ابھی تک دلوں میں تازہ ہے [۶۳]"

چندہ دہندگان سلور جوبلی

۶۶۴

نمبر شمار	اسمائے چندہ دہندگان	رقم
	(تا لاہور ڈویژن) ضلع لاہور	
۱	مسٹر شام لعل کپور آف میسرز دنی چند اینڈ سنز متصل مال لاہور	۲۵.۰.۰
۲	بیگم جے۔ اے شاہ نواز اقبال منزل لاہور	۱۰۰.۰.۰
۳	رائے بہادر لالہ امرناتھ رجسٹرار سوتر منڈی۔ لاہور	
۴	خان محمد سعادت علی خاں صاحب سرکلر روڈ۔ لاہور	۲۵.۰.۰
۵	لالہ ملک راج صاحب معہ دیال سنگھ مینشن دی مال۔ لاہور	
۶	ڈاکٹر علامہ سر محمد اقبال صاحب نائٹ بار ایٹ لا۔ لاہور	۱۰۰.۰.۰
۷	مسٹر ایم۔ اے لطیفی سی۔ آئی۔ ای۔ آئی سی ایس فنانشل کمشنر لاہور	۱۵.۰.۰
۸	آنریبل ملک سر فیروز خاں صاحب نون ایم۔ اے۔ وزیر تعلیم پنجاب	۲۵.۰.۰

فیروز پرنٹنگ ورکس ۱۱۹ سرکلر روڈ لاہور

وہ اقبال --- جو ۱۹۱۸ء میں جنگ عظیم کی جنگی مہمات کے سلسلے میں "جذبات پنجاب" کی نمائندگی کرتے ہوئے انگریز گورنر سر مائیکل ایڈوائر کی معرفت برٹش گورنمنٹ سے کہہ چکے تھے

ہنگامہ دعا میں مرا سر قبول ہو

اپنی تنگ دستی سے بے نیاز، تاج برطانیہ کے ساتھ وفاداری کی اس اپیل پر لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھے اور مبلغ **یک صد روپیہ** بطور چندہ پیش کر کے ضلع لاہور کے "چندہ دہندگان سلور جوبلی شاہ انگلستان" - کی فہرست میں "چھٹے نمبر" پر اپنا نام لکھوا کر سرخرو ہو گئے ا۔

اگر علامہ سرکاری ملازمت میں ہوتے یا صاحب ثروت ہوتے تو ہم علامہ کو برطانیہ کا ایک خیر خواہ اور وفادار سمجھنے پر اکتفا کر کے آگے گزر جاتے ۔ مگر شدید مالی مصائب و آلام میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود علامہ کی طرف سے اتنی بڑی مالی قربانی سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیاسی بیداری کے دور میں بھی آپ کے دل میں تاج برطانیہ کے لئے غیر معمولی عقیدت مندی کے جذبات موجزن تھے ۔ ۲؎

قابل ستائش یا قابل مذمت؟

اس پینتیس سالہ ریکارڈ (۱۹۰۱ء تا ۱۹۳۵ء) کو پیش کرنے سے ہمارا مدعا یہ ہرگز نہیں کہ علامہ کے طرز فکر و عمل کو مطعون کیا جائے --- ہم علامہ کے فکر و عمل کو اسلامی تعلیم کے خلاف نہیں گردانتے --- اصل بات یہ ہے کہ علامہ کے نزدیک انگریز یا کسی کے بھی اچھے فعل کی تعریف و توصیف، شریعت کے خلاف نہ تھی ۔ اسلامی شریعت کے خلاف تو یہ امر ہے کہ انسان جھوٹ بولے ۔ مبالغہ آرائی سے کام لے ۔

چندہ دہندگان سلور جوبلی (ضلع لاہور)

۱۔ ضلع لاہور کے ہندو، مسلم اور سکھ چندہ دہندگان جوبلی کی تعداد ۱۲۲ ہے ۔ چھٹے نمبر پر ڈاکٹر

علامہ سر محمد اقبال نائٹ بار ایٹ لا ۔ لاہور کا نام درج ہے

۲۔ ۱۹۳۲ء میں علامہ نے انگلستان میں فرمایا تھا کہ برطانیہ کے ساتھ مسلمانوں نے ہمیشہ پر خلوص اور وفاشعاری کے تعلقات استوار رکھے ہیں --- یہی بات "بیگم ہز ایکسی لینسی وائسرائے ہند لارڈ ولنگڈن" نے جوبلی فنڈ کی تحریک کرتے ہوئے کہی: آپ نے اپنی اپیل میں کہا:-

"دیکھنے کی بات ہے کہ اس اپیل پر وہ ہندوستان جہاں ۱۴۶ زبانیں بولی جاتی ہیں ۔ مختلف مذاہب ایک دوسرے سے تصادم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ طریق بود و باش ۔ لباس کی تراش خراش الگ الگ ہے ۔ اور رسم و رواج علیحدہ علیحدہ ہے ..... ہر ریلوے سٹیشن پر ہندو ریفرشمنٹ روم اور مسلم ریفرشمنٹ روم ۔ ہندو چائے اور مسلم چائے کے نظارے موجود ہیں .... باوجود ان تمام اختلافات کے اور باوصف ان تمام مختلف خیالات کے صرف ایک اصول پر (ہندوستان) بالکل متفق نظر آتا ہے ۔ وہ کیا؟ **شاہ پرستی** ۔ آئین وفاداری اور گورنمنٹ سے تعاون کرنے میں ... **مسلمان** سب سے زیادہ دعوے دار ہیں ۔ اور بخلاف ان کے حکام پر نکتہ چینیاں کرنے والے آزاد ہندو ..... بہت بڑھے ہوئے ہیں (ایضا صفحہ ۴۸۰) ص ۶۵

وہابی یا اہل حدیث

شائستہ حکومتوں کا قاعدہ ہے کہ جو فرقہ اپنے لئے جس نام کا خواہاں ہو۔ اسے اسی نام سے مخاطب کیا جائے۔ اہل حدیث فرقہ کے ایڈووکیٹ مولوی محمد حسین بٹالوی نے کل ممبران پنجاب و ہندوستان کی طرف سے ۱۳ ر اپریل و ۲۶ مئی ۱۸۸۶ء گورنمنٹ کو درخواست دی کہ "وہابی کا لفظ عموماً گورنمنٹ انگریزی کے باغی و نمک حرام کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ادھر یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ کہ ہم "سرکار کے نمک حلال اور خیر خواہ ہیں۔"

"۔ اس لئے اس فرقہ کے لوگ اپنے حق میں "وہابی" کے لفظ کے استعمال پر سخت اعتراض کرتے ہیں۔ اور کمال ادب و انکسار کے ساتھ گورنمنٹ سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ وہ سرکاری خط و کتابت میں ہمارے لئے "وہابی" کے لفظ کے استعمال سے ممانعت کا حکم صادر کرے۔"

بٹالوی صاحب 'اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں مذکورہ درخواست کی نقل درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ۱۸۸۸ء میں گورنمنٹ نے "خاکسار کی درخواست کو قبولیت سے اعزاز بخشا اور اپنے اپنے صوبجات میں (گورنروں نے) و پنجاب کے مطابق ممانعت لفظ "وہابی" کا فرمان نافذ فرمایا۔"

مثلاً دیکھئے۔ گورنمنٹ بمبئی کا حکم نامہ پولیٹکل ڈیپارٹمنٹ نمبر ۵۷۲۲-۲۴ اگست ۱۸۸۸ء۔ دستخط ڈبلیو لی واز

گورنمنٹ مدارس کا حکم نامہ چٹھی نمبر ۱۲۷ مورخہ ۲۸ جولائی ۱۸۸۸ء --- دستخط بی ایف پرائس

سرسید احمد خاں کا تبصرہ

اس درخواست کا حوالہ دے کر سرسید احمد خاں نے "علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ بابت ۲ ر فروری ۱۸۸۹ء میں لکھا:-

"--- انگلش گورنمنٹ' ہندوستان میں اس فرقہ کے لئے جو "وہابی" کہلاتا ہے۔ ایک رحمت ہے۔.... جو سلطنتیں "اسلامی" کہلاتی ہیں۔ ان میں بھی وہابیوں کو ایسی آزادیٔ مذہب ملنا دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ سلطان کی عمل داری میں "وہابی" کا رہنا مشکل ہے۔ اور مکہ معظمہ میں تو اگر جھوٹ موٹ سے وہابی کہہ دے تو اسی وقت جیل جائے۔ تمام مسلمانوں کو

محمد حسین صاحب کا (اس کاوش کے لئے۔ ناقل) ممنون ہونا چاہئے۔(مولوی

مقالات سرسید جلد ۹ ص ۲۱۱) (مقالات سرسید جلد سیزدہم ص ۲۷۴)

(نوٹ) فرقہ اہل حدیث کی یہ درخواست کہ ہم گورنمنٹ کی اطاعت و وفاداری کا دم بھرنے والے ہیں۔ جماعت احمدیہ کے قیام (۱۸۸۹ء) سے قبل کی ہے۔

راقم برادرم شیخ محمد اسلم صاحب صدر جماعت احمدیہ قصور کا ممنون ہے جنھوں نے کتاب میں اہل حدیث فرقہ کی وفاداری کا بھی ذکر کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

ترجمہ درخواست

اشاعۃ السنہ افس لاہور

۱۳ اپریل ۲۶ مئی وغیرہ وغیرہ (۲۹۴).۳۰.۲.۳ وغیرہ

از جانب ابوسعید محمد حسین لاہوری ایڈیٹر اشاعۃ السنہ و وکیل اہلحدیث

بخدمت صاحب سکرٹری گورنمنٹ (فلان و فلان صوبہ)

صاحب من

مین آپکی خدمتمین سطور ذیل کو پیش کرنیکی اجازت و معافی کا خواستگار ہون

(۲) سنہ ۱۸۸۶ء مین مینے ایک مضمون اپنے ماہواری رسالہ اشاعۃ السنہ مین شایع کیا جسمین اسبات کا اظہار تہا کہ لفظ وہابی جسکے عموماً باغی و نمکحرام کے معنے مین استعمال کیا ہی لہذا اس لفظ کا استعمال مسلمانان ہندوستان کی اس گروہ کے حق مین جو اہلحدیث کہلاتے ہین۔ اور وہ ہمیشہ سے سرکار کے نمکحلال و خیر خواہ رہے ہین۔ اور یہ بات ثابت ہو چکی۔ اور سرکاری خط و کتابت مین تسلیم کیجا چکی ہے۔ مناسب نہین ہے اس فرقہ کے لوگ اپنے حق مین اس لفظ کے استعمال پر سخت اعتراض کرتے ہین اور کمال ادب و انکسار کے ساتھ گورنمنٹ سے درخواست کرتے ہین کہ وہ ...

شرعی حوالوں کی مزید تفصیل

مصنف " زندہ رود " کی تحقیق کے مطابق برصغیر کے بیشتر مسلم قائدین ۱۹۱۱ء تک سرسید کے رستہ پر چلتے ہوئے انگریزی حکومت سے وفاداری کا دم بھرتے رہے۔ مصنف " دانائے راز " کے نزدیک یہ عرصہ ۱۹۱۹ء تک ممتد تھا۔ ۶۶ ؎

ہم نے گزشتہ صفحات میں اس تحقیق میں یہ اضافہ پیش کیا ہے کہ سرسید نے وفاداری کے نظریہ کو شرعی حوالوں سے مزین کیا اور اس تمنا کا اظہار بھی کیا کہ امت مسلمہ پر انگریزوں کی اٹرنل یعنی دائمی حکومت قائم رہے۔ سرسید کی اس تمنا میں مولانا حالی اور اقبال، برابر کے شریک نظر آتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور کون کون سی انجمنیں ا۔ اور عمائدین تھے۔ جنہوں نے اس تڑپ کا اظہار کیا ۔۔۔ اقبال کی طرح انگریز حاکموں کو ظل الٰہی یا سایۂ خدا سمجھا ۔۔ اور ان کی شکر گزاری کو **شرعی حوالہ** سے لازم قرار دیا۔ آئندہ سطور میں ہم ان جملہ امور کو تین شقوں میں تقسیم کر کے چند بیانات خلاصۃ " پیش کرتے ہیں۔

۱۔ مسلم قائدین یا انجمنیں جو شرعاً انگریزی حکومت کی شکر گزار تھیں۔
۲۔ انگریزی حکومت کے (اٹرنل) یعنی دائمیت کے لئے مسلم شعراء کا دعائیہ کلام
۳۔ جنگ عظیم میں انگریزوں کی حمایت میں انگریزوں کی نگاہ میں عالم اسلام کا شاندار ریکارڈ

انگریزی حکومت کی شکر گزاری

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ

جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔ حدیث نبویؐ

O۔۔ سرسید احمد خاں

"محسن کی احسان مندی .... ٹھیٹھ رکن اسلام ہے۔ جس طرح

ہم کو اپنے خدائے پاک کا شکر ادا کرنا ہے۔ اسی طرح ہم کو اس انسان کا بھی شکر ادا کرنا ہے جس کا احسان ہم پر ہے ..... (پس) ہم دل سے (انگریز) بادشاہ عادل کے شکرگزار ہیں۔" ۶۷ ؎

" آپ نے سنا ہو گا کہ ہمارے پیشوا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا کہا تھا۔ اس نے ہم کو ہدایت کی ہے کہ حاکم وقت، بادشاہ وقت کی اطاعت کرو۔ ولو کان عبداً حبشیا۔ ۶۸ ؎

O۔۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی

مولوی صاحب (ایڈووکیٹ اہل حدیث) مشکوۃ شریف کی حدیث درج کر کے تمام اہل اسلام کو نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ا۔ فرمایا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے،
" جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔ وہ خدا کا بھی شکر نہیں کرتا" ۶۹ ؎

یہ حدیث درج کر کے آپ انگریزی حکومت کی مدح اور ثنا خوانی لازمی قرار دیتے ہیں۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اپنے رسالہ میں رقمطراز ہیں:

ب۔ " ملکہ معظمہ اور اس کی سلطنت کے لئے دعا، سلامت و حفاظت و برکت کرنا۔ وعلیٰ ہذاہ القیاس۔ ان امور سے کوئی بھی امر ایسا نہیں ہے۔ جس کے جواز پر " شریعت کی شہادت " نہ پائی جاتی ہو۔ ۷۰ ؎

O۔۔ خواجہ الطاف حسین حالی

جناب حالی نے بھی مسلمانوں کو انگریزی حکومت کی اطاعت و شکر گزاری کی ترغیب دیتے ہوئے اسی حدیث نبویؐ کو بنیاد بنایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ۷۱ ؎

شکر بندوں کا خدا کے جو نہیں کرتے ادا۔ وہ نہیں لاتے بجا، شکر خدائے ذوالجلال ۷۲ ؎

O۔۔ علامہ اقبال کے استاد

شمس العلماء مولوی سید میر حسن صاحب

علامہ اقبال کی نگاہ میں مولانا میر حسن صاحب کا مقام کیا تھا؟ فرماتے ہیں،

اسوہ رسولؐ پر صحیح معنوں میں اگر کسی شخص کا عمل ہے تو وہ مولانا سید میر حسن ہیں آپ ہی کے متعلق علامہ نے فرمایا

وہ شمع بارگہ خاندان مرتضوی   رہے گا مثل حرم جس کا آستاں مجھ کو [۷۲]

مولوی میر حسن صاحب نے انگریزی حکومت کی اطاعت کے بارہ جو شرعی فتویٰ دیا اس کا ایک حصہ ملاحظہ ہو ۔ فرماتے ہیں :۔

" رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہر نعمت کا شکر کرنے کی تعلیم فرمائی ہے ۔ اور اپنے حکام وقت کی اطاعت اور فرمانبرداری کی ہدایت فرمائی ہے ۔ پس جب (ہم) حکام وقت کی اطاعت کریں اور اس نعمت عظمٰی کا شکر کریں تو ہم اپنے پاک رسول صلعم کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں ..... ہمارے شفیع و رہنما حضرت رسول مقبول صلعم، عادل بادشاہ کو " ظل اللہ " کے لفظ سے تعبیر فرماتے ہیں اور عادل بادشاہ کے زمانہ میں جو مذہبا مجوسی تھا اپنے پیدا ہونے پر فخر کرتے ہیں اور لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس فرما کر انسان کے شکر گزار کو خدا کا شکر گزار ثابت کرتے ہیں ۔ تو ہم کو اپنی مہربان (انگریز) عادل علیا حضرت قیصرہ ہند کے وجود باجود کو نعمت الٰہی سمجھنا اور اس کے اوصاف جمیلہ کا تذکرہ کرنا اور اس کے عہد میں پیدا ہونے پر فخر کرنا اور اس کے زیر سایہ امن کے ساتھ رہنے کا شکر ادا کرنا موجب سعادت دارین ہے ۔ [۷۳]

راقم عرض کرتا ہے کہ اس ضمن میں علامہ کے استاد نے آیت

و اما بنعمۃ ربک فحدث

کو بھی بطور الہامی سند کے پیش فرمایا ہے [۷۴] اور ملکہ وکٹوریہ کو " شاہ عادل سایہء لطف حق ست " کہا ہے ۔ بعد میں اقبال نے " سایہ ء خدا " قرار دیا ۔

O -- سجادہ نشین خانقاہ

حضرت غوث بہاء الحق قدس سرہ، فرماتے ہیں ۔

" -- گورنمنٹ برطانیہ نے اپنے دوران سلطنت میں ہماری دینی اور روحانی ترقی میں

جو نمایاں حصہ لیا ہے ۔ وہ محتاج بیان نہیں ۔ پس ہم کو ۔ **من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ** کے الزام سے بچنے کے لئے لازم ہے کہ اپنی محسن گورنمنٹ کے حق میں خاص مواقع پر صدق دل سے دعا کریں ۔ [۷۵]

O -- انجمن حمایت اسلام

اس انجمن کا قیام ۱۸۸۴ میں عمل میں آیا تھا ۔ انجمن حمایت اسلام کے اجلاسوں میں انگریز ملکہ کو اسلامی تعلیم کے حوالے سے خراج تحسین پیش کرتے ہوئے متعدد بار " سایہ حق ۔ ظل اللہ اور ظل سبحانی " قرار دیا گیا ۔ مثال کے طور پر ملکہ کی وفات پر ایک مرثیہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔ جو انجمن کے سالانہ اجلاس میں پڑھا گیا ۔

کر گئیں رحلت جہاں سے آسماں پر ہائے ہائے
دے گئیں صدمہ دل اہل جہاں پر ہائے ہائے

بادب یوں ہیں کھڑے سب لاش شہنشاہ پاس ۔ جس طرح مدھم ستارے صبحدم ہوں ماہ پاس
سایہ حق ہے نگہبانی کو ظل اللہ پاس ۔ حاضر خدمت قدیمانہ ہے عزو جاہ پاس

سایہ حق ان پہ تھا خود ظل سبحانی تھیں یہ
سارے عالم میں بڑی یکتا مہارانی تھیں یہ

صدر اجلاس شمس العلماء مولانا مفتی عبداللہ ٹونکی تھے آپ فقہ اسلامی کے بہت بڑے ماہر مانے جاتے تھے ۔ اس دور میں عام طور پر انجمن کے اجلاسوں میں شرکت کرنے والی شخصیات میں حالی ۔ شبلی ۔ اکبر الہ آبادی ۔ مولانا ابو الکلام آزاد، گرامی ۔ خواجہ حسن نظامی ۔ مولانا سلیمان پھلواری، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا ثناء اللہ اور مولانا نذیر احمد دہلوی شامل تھے ۔

O -- الندوہ

ندوہ میں گورنر آگرہ و اودھ کی آمد پر مولانا شبلی نے اسلامی تعلیم کے حوالے سے فرمایا :۔

" گورنمنٹ کی وفاداری اور خیر خواہی کو ہم اپنا دینی فرض سمجھتے ہیں ۔ " [۷۶]

گورنر کی جوابی تقریر

گورنر نے بھی جوابی ایڈریس میں مسلمانوں کی شرعی تعلیم کا حوالہ دیتے ہوئے کہا :۔

"۔ آپ لوگوں کا تو یہ عقیدہ ہے کہ اولو الامر یا حاکم وقت خدا ہی کے تعینات کردہ ہوتے ہیں اور کہ برٹش گورنمنٹ کے ساتھ وفاداری و جانثاری آپ کا مذہبی فرض ہے ۔۷۷ے

O ۔ دار العلوم دیوبند

"۔ رسالہ "دیوبند کی سیر اور اس کی مختصر تاریخ" مطبوعہ یکم ستمبر ۱۹۱۷ء (پرنٹنگ ورکس دہلی) میں ہے :۔

"۔ ہر مومن مسلمان سے استدعا ہے کہ وہ گورنمنٹ عالیہ کے لئے کہ جس کے عہد حکومت میں ہر فرد بشر نہایت عیش و آرام سے اپنی زندگی بسر کر رہا ہے اور اس کی عطا کردہ آزادی کی بدولت اسلامی چمنستان سرسبز و بار آور ہے ۔ ضرور بالضرور ' دن اور رات ' اٹھتے بیٹھتے ' سوتے جاگتے ' غرض ہر لحظہ اور ہر ساعت میں دعا کریں ..... اے خدا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے (انہیں) مسند حکومت پر حکمران و قائم رکھ ۔" ۸۷ ے

شیعہ بھائیوں کی عقیدت

ایڈریس بنام گورنر آگرہ و اودھ

(پیسہ اخبار ۱۱ اپریل ۱۹۱۸ء ص ۵)

بلند جمہور رہ سکتا ہے۔ اور یقیناً اس امر مقتدر پر ہم لوگ
رعایا با وفا جماعت کا حق ادا کر سکیں۔ اگر ہم نے تو
اکو اس امر کا یقین نہ دلائیں۔ کہ تمام ہندوستان کے
اہل تشیع عزم بالجزم و ارادہ صمیم و کامل مستعدی
سا تو ہے اپنی جان و مال اپنے عزیز و اقارب اپنی
اپنی اولاد کی جانوں کو بغیر کسی قسم کی قیود کے
شہنشاہ اور اپنی گورنمنٹ کی خدمت میں پیش

(۲) انگریزی حکومت کی دائمیت کے لئے مسلم شعراء کا دعائیہ کلام

جماعت احمدیہ کی بنیاد ۱۸۸۹ء میں رکھی گئی ۔ پرانے اخبارات و رسائل کی ورق گردانی کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مسلم شعراء نے قیام جماعت سے قبل اور بعد بھی اپنے ماحول کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے کثرت سے اپنی اس دلی تمنا کا اظہار کیا ہے ۔ کہ انگریزی حکومت کا سایہ دائمی طور پر ہمارے سروں پر قائم رہے ۔ اس ضمن میں راقم نے سینکڑوں صفحات کی ورق گردانی کی ہے ۔ نمونتہ "چند اشعار ملاحظہ ہوں :۔

۱۸۸۷ء ۔ قصیدہ دعائیہ جناب صغیر بلگرامی در مدح جشن جوبلی ۔ شاہ انگلستان

جہاں تک ' گل پہ بلبل ہو فدا ' گل میں رہے خوشبو
جہاں تک ' پیچ سنبل میں ہے ' سنبل صورتِ گیسو
جہاں تک ' دن کی شب ہو ' باغ میں شب کو کھلے شبو
جہاں تک ' راستی ہو سرو میں اور سرو ہو دلجو
مبارک جشن جوبلی قیصرِ ہندوستاں کو ہو
خوشی اس کی صغیر طالب اردو زباں کو ہو ۷۹ ے

۱۸۸۷ء ۔ قصیدہ اردو من نتائج طبع جناب خواجہ الطاف حسین صاحب حالی

گو منّتِ قیصر سے ہے ہر قوم گراں بار
احسان ' مسلمانوں پہ ہیں اس کے گراں تر
اب یہ ہے دعا حق سے کہ آفاق میں جب تک
آزادی ء افکار حکومت کے ہیں جوہر
قیصر کے گھرانے پہ رہے سایہ ء یزداں
اور ہند کی نسلوں پہ رہے سایہ ء قیصر

۱۹۰۲ء ۔ ندوہ العلماء ۔ اجلاس نہم ۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء بمقام امرتسر ۔

ہے رحیم و مہرباں ہم پر ہماری گورنمنٹ
ظلِّ سبحانی ہے سر تا سر ہماری گورنمنٹ

اس کے سایہ میں ملی ہے ہم کو آزادی کمال
اے خدا ہر دم بلند اس کا رہے جاہ و جلال

۱۹۰۳ء۔ یادگار دربار تاجپوشی شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم دام اقبالہم

مولفہ مولوی فیروز الدین مالک اخبار مشیر ہند

ظل اللہ دیکھتے ہیں ، ہے جبین شاہ میں
شان و شوکت میں تری پاتے ہیں شان ایزدی
بعد طاعت کے اطاعت فرض ہے اسلام میں
دین و ایماں ہے ہمارا شہ کی فرماں بری
سایہ ء دولت میں تیرے ہیں کروڑوں کلمہ گو
تیری اسلامی حکومت ہے شہا سب سے بڑی
شکر احساں ہے دلوں میں اور لبوں پر یہ دعا
تا ابد قائم رہے یہ تخت و تاج قیصری
۸۰ ؎

۱۹۰۹ء۔ روزنامہ پیسہ اخبار۔ لاہور

جب تک چمن دہر الٰہی رہے قائم
اور پھولتا جب تک رہے نسرین و گل و لالہ
دائم رہے سر پر مرے ایڈورڈ کا سایہ
ہو جاہ و حشم دولت و اقبال دوبالا
۸۱ ؎

۱۹۱۵ء۔ روزنامہ پیسہ اخبار لاہور

ہر دم یہی دعا ہے کہ جب تک جہاں رہے
بس فتح مند قیصر ہندوستاں رہے۔
سکہ جہاں میں شہ کا ہر سو رواں رہے

فتنہ فساد دور ہو امن و اماں رہے
۸۲ ؎

۱۹۱۸ء۔ شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کا کلام۔

انگریزی حکومت کی دائمیت کے لئے دعا

جب تک چمن کی جلوہ گل پہ اساس ہے
جب تک فروغ لالہ ء احمر لباس ہے
جب تک نسیم صبح ، عنادل کو راس ہے
جب تک کلی کو قطرۂ شبنم کی پیاس ہے
قائم رہے حکومت آئیں اسی طرح
دبتا رہے چکور سے شاہیں اسی طرح ۸۳ ؎

ظاہر ہے علامہ اقبال ، اپنے علو فکر سے انگریزی حکومت کی دائمیت کے لئے دلی تمنا کے اظہار میں سب پر سبقت لے گئے ہیں :۔

جنگ عظیم میں عالم اسلام کا شاندار ریکارڈ (۱۹۱۹ء)

جماعت احمدیہ کے قیام کے ۳۰ سال بعد کی کیفیت

پیسہ اخبار مقالہ افتتاحیہ میں لکھتا ہے :۔

" ۔ لندن کے اخبار ڈیلی گریفک میں مندرجہ بالا عنوان کے ماتحت ایک دلچسپ مضمون میں مسٹر (ایف اے ڈی وی آر F.A.D.V.R) نے دنیا کے مسلمانوں کی ان شاندار خدمات کے لئے خراج تحسین ادا کیا گیا ہے ۔ جو انہوں نے اس جنگ عظیم میں دول متحدہ کی ، کی ہیں ۔

شاید جنگ کا دوسرا سال اب جا رہا تھا ۔ جبکہ پیسہ اخبار نے ایک لیڈنگ آرٹیکل میں اسی عنوان پر بحث کرتے ہوئے بتلایا تھا کہ دنیا کے مسلمانوں کا ایک بہت بڑا حصہ سوائے ترکوں کے قریباً تمام مسلمان دول متحدہ کی حمایت میں لڑ رہے ہیں ... انگلستان ۔ فرانس ۔ روس ۔ اٹلی وغیرہ کے ماتحت دنیا کے **مسلمانوں کا جزو اعظم** آباد تھا کہ جو اپنی اپنی سلطنتوں کی تعمیل حکم وفاداری کر رہا تھا ۔ ان کے علاوہ راقم الحروف (مولوی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار ۔ ناقل) نے لندن میں جرنلسٹس انسٹی ٹیوٹ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے بھی بتلا دیا تھا کہ دنیا کے مسلمانوں کا جزو اعظم ، اتحادیوں کی طرف سے لڑتا رہا ہے ۔ ۲ ۔

چنانچہ آج اس ڈیلی گریفک کے مضمون میں پیسہ اخبار کے اسی خیال کی تائید کی گئی ہے ۔

" اخبار گریفک " موجودہ جنگ (۱۹۱۸ء) کے حوالے سے لکھتا ہے ۔

" ایک لحہ کے غور کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانان عالم کا بڑا حصہ اتحادیوں کا طرف دار تھا چھ کروڑ مسلمانان ہندوستان ، شاہ جارج قیصر ہند کے ولی وفادار ہیں جو اس وقت قیصر کے نام والا اکیلا تاجدار جنگ کے بعد باقی رہ گیا ہے ۔ "

تراشہ پیسہ اخبار ۔ لاہور

لمحہ غور کے بعد معلوم ہو جائیگا کہ مسلمانان عالم کا بڑا حصہ اتحادیوں کا طرفدار تھا
چھ کروڑ مسلمانان ہندوستان شاہ جارج قیصر ہند کے دلی وفادار ہیں

" ۔ پنجاب کے مسلمان اور صوبہ سرحد شمال مغربی کے پٹھان سب سے بہادر سپاہی تھے ... ۱۵۔۱۹۱۴ء میں پہلا ہندوستانی ، وکٹوریہ کراس کا تمغہ پانے والا ایک مسلمان حوالدار خداداد خاں نامی تھا اور دوسری جنگ عظیم میں بھی اعلیٰ انعام بہادری (یعنی تمغہ وکٹوریہ کراس) ایک پٹھان جمعدار میر دوست محمد نے حاصل کیا ۔ پٹھانوں اور پنجابی مسلمانوں کی اخبارات میں وہ دھوم نہیں مچائی گئی جیسی کہ سکھوں اور گورکھوں کی مچائی گئی ۔۔۔ بطور سپاہیوں کے وہ حریفوں سے ذرا کم بہادر نہ تھے ۔۔۔ اسی طرح پنجاب ۔ ہندوستان اور دکن کے مسلمان انتہائے بہادری سے ، فلسطین اور عراق عرب میں داد مردانگی دیتے رہے ۔ ایسے ہی ہمیں شمالی افریقہ کے فرانسیسی مقبوضات کو فراموش نہیں کرنا چاہئے ۔

الجیری ۔ تینگال اور مراکش کے مسلمان تمام دوران جنگ میں فرانس اور ڈنلز میں بہادری سے لڑتے رہے ہیں برٹش افریقین رجمنٹوں میں بھی زیادہ تر مسلمان حبشی ہی شریک تھے ۔ اور وہ ، مشرقی افریقہ ۔ ٹوگولینڈ ، کولیروی میں نہایت بہادری سے لڑتے رہے ہیں ۔

جب تک کہ روس دوست رہا ۔ اس کی وسیع مسلمان آبادی ، مضبوطی سے جنگ میں مددگار رہی ۔ چین بھی دول متحدہ کا دوست ہے ۔ اور اس کے ایک بہت بڑے صوبہ کانسو میں صرف مسلمان آباد ہیں ... فی الجملہ تمام عالم اسلام میں سے ٹرکی نے ہی دشمن کی تائید کی ۔ اس لئے " اسلام " کو اپنے ریکارڈ پر نازاں ہونا چاہئے ۔

ہندوستانی ۔ مصری ، عرب ، الجیرین ، مورا اور ہاسا مسلمانوں نے یکساں قیصر جرمنی کو ذلیل کرنے میں ہاتھ بٹایا ہے ۔ کہ جس نے ایک وقت اپنے آپ کو " محافظ عالم اسلام " مشتہر کیا تھا ۔

ڈیلی گریفک کا اداریہ درج کر کے اس پر پیسہ اخبار لکھتا ہے :۔

یہاں تک ڈیلی گریفک کے مضمون کا ترجمہ ہے ۔ جو پیسہ اخبار کی رائے کی پوری تائید کرتا ہے (اداریہ ۲۵ر فروری یوم سہ شنبہ ۱۹۱۹ء)

واضح رہے کہ اس دور میں پیسہ اخبار لاہور ، اسلامیان ہند خصوصاً شمالی ہند کے مسلمانوں کے جذبات کا ترجمان سمجھا جاتا تھا ۔

۔حواشی۔

۱۔ زندہ رود ص ۲۹۰

۲۔ ایضاً ص ۵۸

۳۔ سر سید احمد خاں کی کہانی سر سید احمد خاں کی زبانی از الطاف حسین حالی مولفہ ضیاء الدین لاہوری ص ۱۷ مطبوعہ ۱۹۸۲ء

ملکہ کا الہامی اشتہار:

یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو الٰہ آباد کے دربار میں ملکہ وکٹوریہ کا جب اعلان عام شائع ہوا کہ

"۔ مذہبی عقیدہ اور رسوم کی بنا پر نہ تو کسی کو رعایت کا مستحق سمجھا جائے نہ کسی کو تنگ کیا جائے..... قانون کی نظر میں عام لوگ غیر جانبدار رنگ میں پوری حفاظت کے حقدار ہوں گے۔"

تو سر سید نے لکھا:۔

"۔ بے شک ہماری ملکہ معظمہ کے سر پر خدا کا ہاتھ ہے۔ بے شک یہ پرحم اشتہار الہام سے جاری ہوا ہے۔" (مقالات سر سید حصہ نہم ص ۱۰۶ مطبوعہ ۱۹۶۲ء انجمن ترقی ادب لاہور)

۴۔ سر سید احمد خاں کا سفر نامہ پنجاب ص ۶۵۔ مجلس ترقی ادب لاہور

۵۔ پرچہ ۲۲ر جون ۱۹۱۱ء

۶۔ ص۔ ۲۹۰

۷۔ ص ۵۸۴

۸۔ ص ۳۹۹

۹۔ سرود رفتہ ص ۱۸۴

۱۰۔ کتاب یادگار دربار دہلی تاجپوشی ۱۹۱۱ء مولفہ منشی دین محمد ایڈیٹر میونسپل گزٹ لاہور ص ۵۰۷

۱۱۔ دانائے راز ص ۳۶۱ از سید نذیر نیازی ۱۹۷۹ء۔ اقبال اکادمی پاکستان

۱۲۔ رسالہ جولائی ستمبر ۱۹۸۸ء ص ۱۳۔

۱۳۔ سرود رفتہ ص ۱۷۶ از مولانا غلام رسول مہر

۱۴۔ مکتوبات اقبال بنام محمد دین فوق۔ کلیات مکاتیب اقبال جلد اول ص ۱۶۸ مرتبہ سید مظفر حسین برنی شائع کردہ اردو اکادمی۔ دہلی

۱۵۔ ایضاً ص ۱۸۴ سرکلر بنام اراکین انجمن کشمیری مسلماناں

۱۶۔ پرچہ ۲۱ر جولائی ۱۹۱۵ (۱۹۱۰ء کی یہ رائے ۱۹۱۵ء کے پرچہ میں دوبارہ شائع ہوئی)

۱۷۔ تفہیم القرآن جلد پنجم از مولانا ابو الاعلیٰ مودودی المجادلہ ۵۸ : ۹۔ علامہ نے لکھا کہ اگر ایسی کانفرنس ہو تو اسے اسلامی ملکوں کی پالیٹکس سے بالکل علیحدہ رکھا جائے۔ اور اس کی تجاویز صرف سوشل اور مذہبی اصلاح تک محدود ہوں۔ آپ نے ساتھ ہی اس اندیشہ کا اظہار فرمایا کہ دنیا کی گورنمنٹیں اسے بدظنی کی راہ سے دیکھیں گی۔ اس لئے مجموعی طور پر آپ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو اس میں شرکت سے احتراز کی صلاح کی۔

۱۸۔ سرود رفتہ

۱۹۔ پرچہ ۲۲ر جون ۱۹۱۱ء

۲۰۔ پرچہ ۲۴ر جون ۱۹۱۱ء ص ۷

۲۱۔ زندہ رود ص ۲۹۰

۲۲۔ پرچہ ۲۱ جولائی ۱۹۱۵ء

۲۳۔ پیسہ اخبار ۵ر مئی ۱۹۱۸ء

۲۴۔ پیسہ اخبار ۱۱ر مئی ۱۹۱۸ء

۲۵۔ پیسہ اخبار ۵ر مئی ۱۹۱۸ء

۲۶۔ India As I Knew it
By -- Sir Michael O'Dwyer
London Constable and Co.
Ltd. (1925) Page 415

۲۷۔ ایضاً ص۔ ۲۱۵

۲۸۔ ایضاً ص ۴۱۸

۲۹ ۔ زندہ رود ص ۳۹۸

۳۰ ۔ ایضاً ص ۳۹۹

۳۱ ۔ ایضاً ص ۴۰۰

۳۲ ۔ زندہ رود ص ۳۹۹

۳۳ ۔ کلیات نظم حالی جلد نمبر ا ص ۲۷۰ ۔ حالی کا یہ قصیدہ ۱۸۸۷ء میں انجمن اسلامیہ لاہور کی طرف سے ایک سپاسنامے کے ساتھ ملکہ وکٹوریہ کے حضور پیش کیا گیا تھا۔

۳۴ ۔ رسالہ معارف پانی پت جنوری ۱۹۰۱ء مرثیہ ملکہ وکٹوریہ

۳۵ ۔ زندہ رود ص ۵۹۰

۳۶ ۔ از سید نذیر نیازی ص ۳۶۱ (مطبوعہ ۱۹۷۹ء)

۳۷ ۔ زندہ رود ص ۴۰۰

۳۸ ۔ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ تہذیب الاخلاق ۲۴ جولائی ۱۸۹۷ بحوالہ کشف الغطا حاشیہ ص ۹۔۱۰ تصنیف بانی تحریک احمدیہ

۳۹ ۔ الفضل ۷ر جولائی ۱۹۳۲ء

۴۰ ۔ ڈاکٹر ٹیگور کو بھی خطاب ملا تھا مگر انہوں نے واپس کر دیا ۔ (زندہ رود جلد نمبر ۲ ص ۲۷۰)

۴۱ ۔ برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ صفحہ ۳۵۸

۴۲ ۔ زندہ رود ص ۲۹۱

۴۳ ۔ اقبال اور سیاست ملی ۔ صفحہ ۲۷۳

۴۴ ۔ "مظلوم اقبال" مطبوعہ ۱۹۸۵ء شیخ اعجاز احمد ص ۳۱۴)

۴۵ ۔ اخبار بندے ماترم بحوالہ زندہ رود جلد نمبر ۲ صفحہ ۲۷۰

۴۶ ۔ صحیفہ اقبال نمبر ۲ مجلس ترقی ادب لاہور ۔ شمارہ جنوری ۔ فروری ۱۹۷۸ء ص ۱۴۲

۴۷ ۔ (ایضاً ص ۳)

۴۸ ۔ اقبال نے نہ صرف خود خطاب وصول کیا بلکہ اپنے استاد مولانا میر حسن کی سفارش کر کے انہیں بھی "شمس العلماء" کا خطاب دلوایا ۔ (زندہ رود جلد نمبر ۲ ص ۲۷۰)

۴۹ ۔ ایضاً ص ۲۵۷

پنجاب کونسل میں چودھری محمد ظفر اللہ خاں کی آواز کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی ۔ ادھر مصنف زندہ رود کے مطابق :-

"---- علامہ کی تقریریں بحیثیت مجموعی واویلا ثابت ہوئیں یا نقار خانہ میں طوطی کی آواز" (زندہ رود صفحہ ۳۰۶) ۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ---- " علامہ کو اسمبلی میں کوئی دلچسپی نہ تھی ۔ اول تو آپ آتے ہی دیر سے تھے ۔ وہ تو کوئی خاص بات نہ تھی کیونکہ شروع میں سوالات کا وقفہ ہوتا تھا مگر پھر جلدی اٹھ کر چلے جاتے تھے ۔ ان کو بار بار روکنا پڑتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب! رک جائیں ۔ فلاں رائے شماری ہونے والی ہے ۔ تو آپ اکثر نہ رکتے ۔ کہتے ۔ کیا ہو جائے گا ۔ میری ایک رائے سے کیا فرق پڑ جائے گا ۔" (تلخیص بیان چودھری محمد ظفر اللہ خاں ' ماہنامہ انصار اللہ نومبر دسمبر ۸۵ ص ۱۰۲) حالانکہ ملی مفاد کے نکتہ نگاہ سے بعض مسائل بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں ۔ اور بعض مواقع پر تو ایک ایک ووٹ بڑا قیمتی ہوتا ہے --- " سر فضل حسین نے علامہ کی نشست چوہدری صاحب کی نشست کے ساتھ ترتیب دے رکھی تھی تاکہ آپ ' علامہ کو وقت پر آنے اور وقت سے پیشتر نہ جانے کی طرف توجہ دلاتے رہیں ۔" (ایضاً)

۵۰ ۔ مظلوم اقبال ص ۳۵۵

۵۱ ۔ روزگار فقیر نقش اول ص ۱۷۳ مطبوعہ ۱۹۵۰

۵۲ ۔ حرف اقبال ص ۸۹

۵۳ ۔ بحوالہ مضامین محمد علی جوہر حصہ دوئم مرتبہ محمد سرور مکتبہ جامع دہلی ۱۹۳۰ء ۔

۵۴ ۔ انگریزوں کی گود میں گھسنا اور ان کی وفاداری کا حلف اٹھانا وغیرہ ۔ علامہ کے اس محکومانہ کردار کی مصنف زندہ رود نے یوں تصویر کشی کی ہے ۔ لکھتے ہیں ۔

"۔ اقبال کو احساس ہوا کہ مسلمانوں کے بیشتر رہنما انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنے ہی کو اپنا مقصد حیات سمجھتے ہیں ۔ اس لئے اقبال ' ان سے کٹ گئے ۔ (زندہ رود ص ۲۹۲)

۵۵ ۔ روزنامہ امروز ۲۲ر اپریل ۱۹۷۵ء

۵۶ ۔ نوائے وقت لاہور اقبال ایڈیشن اپریل ۱۹۷۵ء

۵۷ ۔ مورخہ ۳۰ر جولائی ۱۹۳۰ء سول اینڈ ملٹری گزٹ بحوالہ حرف اقبال ص ۱۲۶ ۔

۵۸ ۔ مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ ص ۹۶ مطبوعہ ۱۹۲۸ ۔ قادیان

۵۹ ۔ اس وقت مجلس ندوۃ العلماء کا ماہوار علمی رسالہ الندوہ (دسمبر ۱۹۰۸) ہمارے سامنے ہے ۔

چند اقتباسات ملاحظہ ہوں :-

"- ہز آنر لیفٹنٹ گورنر بہادر ممالک متحدہ نے منظور فرمایا تھا کہ وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا سنگ بنیاد اپنے ہات سے رکھیں گے - یہ تقریب ۲۸ ر نومبر ۱۹۰۸ء کو عمل میں آئی .... معزز شرکاء جلسہ میں علماء میں سے مولوی مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی ...... مولوی شاہ سلیمان صاحب پھلواری ..... مولوی مسیح الزماں خان صاحب استاد حضور نظام اور ارباب وجاہت میں سے جناب آنریبل راجہ صاحب محمود آباد - صاحبزادہ آفتاب احمد خاں - شیخ عبدالقادر بیرسٹر - خان بہادر ، سید جعفر حسین صاحب - سیکرٹری صاحب انجمن حمایت اسلام ..... جلسہ میں شریک تھے -

" ارکان انتظامیہ ندوہ ہز آنر کے استقبال کے لئے لب فرش ، دو رویہ صف باندھ کر کھڑے ہوئے ، کمشنر صاحب لکھنؤ نے سیکرٹری دارالعلوم شبلی نعمانی کو لیفٹنٹ گورنر صاحب بہادر سے ملایا .... ہز آنر سرخ باغات کے خیمہ میں لیڈی صاحبہ کے ساتھ چاندی کی کرسی پر رونق افروز ہوئے - " صفحہ ۲-۳

الندوہ کا سنگ بنیاد و دارالعلوم ندوۃ العلماء -

حیرت انگیز عظیم الشان جلسہ

مولانا شبلی تحریر فرماتے ہیں :-

"- ہماری آنکھوں نے حیرت فزا تماشاگاہوں کی دلفریبیاں بارہا دیکھی ہیں ، جاہ جلال کا منظر بھی اکثر نظر سے گزرا ہے - کانفرنسوں اور انجمنوں کا جوش و خروش بھی ، ہم دیکھ چکے ہیں - وعظ و پند کے پراثر جلسے بھی ہم کو متاثر کر چکے ہیں - لیکن اس موقع پر جو کچھ آنکھوں نے دیکھا - وہ ان سب سے بالاتر ، ان سب سے عجیب تر ، ان سب سے حیرت انگیز تھا -

یہ پہلا موقع تھا کہ ترکی ٹوپیاں اور عمامے دوش بدوش نظر آتے تھے - یہ پہلا موقع تھا کہ مقدس (اسلامی - ناقل) علماء ، عیسائی فرمانروا کے سامنے دلی شکرگزاری کے ساتھ ادب سے خم تھے ... یہ پہلا موقع تھا کہ ایک مذہبی درسگاہ کا سنگ بنیاد ایک غیرمذہب کے ہات سے رکھا جا رہا تھا - مسجد نبوی کا ممبر بھی ایک نصرانی نے بنایا تھا -- " (صفحہ ۱-۲)

عربی ایڈریس میں کہا گیا :- " مذہبی رواداری حکومت انگریزی کا خاصہ ہے (الندوہ دسمبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۴)

"- ہم اس یقین پر قائم ہیں جیسا کہ ان کی حکومت سے وفاداری مسلم ہے - ان پیدا ہونے والے علماء کے ذریعہ سے وہ حکومت کی اطاعت اور فرماں برداری میں زیادہ ہو جائیں گے (ایضاً صفحہ ۷)

نومبر ۱۹۰۸ء کے پرچہ میں ہے -- " ہز آنر نے ایڈریس کے جواب میں جو اسپیچ دی - اس کا ایک ایک حرف ندوہ کے لئے آب حیات ہے - " (صفحہ ۶) مرتبہ - مولانا شبلی نعمانی - مولوی حبیب الرحمن خان صاحب شیروانی

۶۰ - اقبال ریویو - مجلہ اقبال اکادمی جولائی اکتوبر ۱۹۷۷ء ص ۹۴

۶۱ - خط محررہ ۱۲ نومبر ۱۹۳۳ء بنام راغب احسن - جہان دیگر ص ۵۹

یہاں ضمناً یہ ذکر بھی کر دیا جائے کہ علامہ اقبال تو نادر شاہ کو " شہید اور خدا پرست بادشاہ " کہتے ہیں - مگر مولانا ظفر علی خاں ، شاہ کی مخالفت میں زمیندار اخبار کے صفحے کے صفحے سیاہ کر رہے ہیں - " کابل میں چار بادشاہ " کے مصنف لکھتے ہیں کہ مولانا " بجائے شریفانہ اور معقول اظہار اختلاف کے رکیک اللفظی سے بھی اجتناب نہیں کر رہے " - دونوں قائدین کا شاہ کے بارے میں اتنا متضاد رویہ کیوں ہے شاید علامہ کا درج ذیل خط بنام " راغب احسن " اس معمہ کی عقدہ کشائی کرتا ہے -

علامہ لکھتے ہیں :-

ڈیئر راغب صاحب

۲۴ نومبر ۱۹۳۳ء

" - افغانستان میں امن و امان ہے - افغان پارلیمینٹ نے قرآنی الفاظ میں امان اللہ (سابق شاہ افغانستان - ناقل) کے خلاف یہ ریزولیوشن پاس کیا ہے - انہ لیس من اھلک پنجاب کے اخبار محض اس وجہ سے امان اللہ کے حق میں پراپیگنڈا کر رہے ہیں کہ موجودہ افغان حکومت نے ان کی ان تمام درخواستوں کو رد کر دیا ہے جو انہوں نے روپے کے واسطے کی تھیں - مجھے اس کا ذاتی علم ہے - اور میں نے وہ درخواستیں خود پڑھی ہیں - " (اقبال ، جہان دیگر ص ۶۱)

جناب شورش کاشمیری ہفت روزہ چٹان میں لکھتے ہیں :-

جلالتہ الملک ابن سعود نے مولانا غلام رسول مہر سے کہا تھا :-

"۔ زمیندار، قلیل الفکر، جلد باز اور دیانت کے وقت ڈول جانے والا جریدہ ہے۔" (ہفت روزہ چٹان ۱۹ مئی ۱۹۵۲ء)

۶۲۔ اقبال کا خط محررہ ۱۸ نومبر ۱۹۳۳ء بنام تھامسن اقبال کے سیاسی نظریات چوراہے پر۔ ص ۷۱

۶۳۔ کتاب "مصور یادگار" شہنشاہ جارج پنجم و ایڈورڈ ہشتم۔ شائع کردہ فیروز سنز۔ ۱۱۹ سرکلر روڈ ۔لاہور

۶۴۔ ان حقائق کی موجودگی میں مصنف زندہ رود یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ علامہ نے عملی سیاست میں اس لئے حصہ لیا تھا تا مسلمانوں کو انگریزوں..... کے مقابلہ میں کھڑا کیا جا سکے (صفحہ ۲۹۲)

۶۵۔ کتاب مصور یادگارہ شہنشاہ جارج پنجم۔ شائع کردہ فیروز سنز، لاہور

۶۶۔ مسلمانوں کے دو عظیم فرقوں "احناف" اور "شیعہ" نے اسے (یعنی گورنمنٹ انگریزی کو. ناقل) کامل وفاداری کا یقین دلایا اور گورنمنٹ بھی ان دونوں فرقوں کی طرف سے پوری طرح مطمئن ہو گئی اور یہ سب کچھ ۱۸۷۰ء تک ہو چکا تھا (اہل حدیث پرچہ الاعتصام ۹ر اکتوبر ۱۹۷۰ء)

۶۷۔ خطبات سرسید احمد جلد اول ص ۱۹۲۔ ترقی ادب لاہور

۶۸۔ سرسید احمد خاں کا سفرنامہ پنجاب ص ۶۵

۶۹۔ اشاعۃ السنہ نمبر۲ جلد نمبر۱۱ مضمون اہل حدیث اور گورنمنٹ ۱۸۸۸ء

۷۰۔ اشاعۃ السنہ نمبر۱ جلد نمبر۱۰ ۱۸۸۸ء

۷۱۔ رسالہ معارف پانی پت جنوری ۱۹۰۱ء مرثیہ ملکہ وکٹوریہ

۷۲۔ ملفوظات اقبال صفحہ ۴۵۸

۷۳۔ ۷۴۔ شمس العلماء مولانا سید میر حسن کے حیات و افکار شائع کردہ اقبال اکیڈمی۔ پاکستان بحوالہ روئداد جلسہ عام ۱۸۹۷ء، صفحہ ۷۹۔ ۸۰

۷۵۔ پیسہ اخبار لاہور ۲۲ر اگست ۱۹۱۵ء

۷۶۔ اخبار وکیل نمبر ۷۳۔ ۱۳ نومبر ۱۹۰۲ء

۷۷۔ ایضاً

۷۸۔ پرنٹنگ ورکس دہلی شوال المکرم ۱۳۳۵ھ۔ محمد رفیع عفا اللہ عنہ)

۷۹۔ کتاب تحفہ جوبلی از منشی عبدالکریم صفحہ ۱۲۸

۸۰۔ ص۔ ۴۴۳

۸۱۔ پرچہ ۲۴ر اپریل ۱۹۰۹ء

۸۲۔ ایضاً ۱۲ر اگست ۱۹۱۵ء

۸۳۔ سرود رفتہ

قائداعظم محمد علی جناح کے نظریات وفاداری

آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر (قائداعظم) محمد علی جناح تھے۔ پیسہ اخبار لاہور اپنی اشاعت ۲ر جنوری ۱۹۱۷، صفحہ ۵ پر لکھتا ہے۔

"۔ اجلاس مسلم لیگ لکھنؤ کی کارروائی قرآن پاک کی تلاوت سے شروع کی گئی۔ صدر نشین کمیٹی نے فرمایا۔ "تاریخ کے سب سے بڑے جنگ کو شروع ہوئے دو سال گزر چکے ہیں۔ اور میں شہنشاہ کے قائمقام کو جو ہندوستان میں ہے یقین دلاتا ہوں کہ..... مسلمانوں نے وفاداری کے ساتھ اس بوجھ کے بٹانے میں حصہ لیا ہے۔ اور اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب یہ خیال کیا جائے کہ ہندوستان کے مسلمان خوشی سے اپنے خلیفہ کے برخلاف برطانوی سلطنت کی حمایت میں لڑ رہے ہیں۔"

British Official Photo
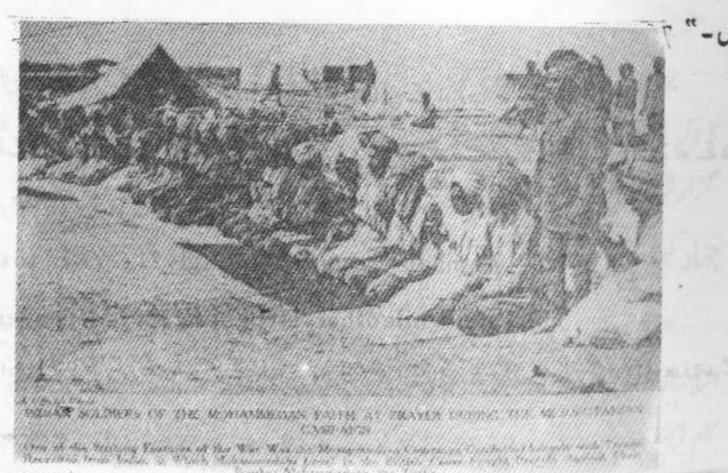
Indian Soldiers of the Mohammedan Faith at Prayer during the Mesopatamian Compaign.

One of the striking Features of the War was the Mesopotamian Compaigns conducted largely with troops Recruited from India, in which Mohammedans Loyal to the British cause fought bravely against their Brother Mohammedans the turks.

جنگ عظیم اول کے متعلق شائع ہونے والے ایک انگریزی رسالہ کا ورق

سیاسی بیداری کا دور اور علامہ اقبال

سیاسی بیداری کا دور ۱۹۱۹ء سے شروع ہوا ۔ جب ۱۹۲۷ء میں یہ دور اپنے عروج کی منازل کی طرف بڑھ رہا تھا تو علامہ اقبال نے ۳ ر جنوری ۱۹۲۷ء کو انگریزوں کی اطاعت و وفاداری کا دم بھرتے ہوئے مسٹر C.M.King CSI. CIE کی صدارت میں (Crown) تاج برطانیہ کا (Took the Oath of allegiance) حلف وفاداری اٹھایا ۔ (دیکھئے آفیشل رپورٹ پنجاب لیجسلیٹو کونسل صفحہ ۴ جلد ۸ ر 10)

ان حقائق کے باوجود

مصنف زندہ رود نے مذہبی آزادی کے موضوع پر اقوام متحدہ سیمینار جینوا میں بیان دیتے ہوئے ۵ ر دسمبر ۱۹۸۴ء کو فرمایا ۔

Ahmadies became absolutely "LOYAL" to the British while others struggling for independence

یعنی احمدی تو برٹش گورنمنٹ کے کلی طور پر وفادار تھے اور باقی کے لوگ حصول آزادی کی جدوجہد میں شریک تھے ۔

Indian Soldiers of the Mohammedan Faith at Prayer during the Mesopotamian Campaign.

One of the striking Features of the War was the Mesopotamian Campaign conducted largely with troops Recruited from India, in which Mohammedans Loyal to the British cause fought bravely against their Brother Mohammedans the turks.

باب نمبر ۵

جماعت احمدیہ اور جہاد

مصنف زندہ رود کا موقف

جناب جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال " زندہ رود " میں جماعت احمدیہ کے بانی پر نکتہ چینی کے انداز میں فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب نے جہاد کے اسلامی حکم کو حرام قرار دے دیا ۔ لکھتے ہیں :

" اپنے ابتدائی ایام میں ہی (تحریک کے بانی نے ۔ ناقل) جہاد کی حرمت کا اعلان کر رکھا تھا اور اس سے مراد یہ لی گئی کہ احمدیوں کے نزدیک ' انگریز کے ساتھ وفاداری کو اس قدر اہمیت حاصل تھی کہ اس کے خلاف سیاسی آزادی کے لئے جدوجہد کرنا بھی حرام قرار دیا گیا تھا ۔ " ۱ ۔

جماعت احمدیہ نے سیاسی آزادی کی جدوجہد میں جو گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں ان کا ذکر تو ہم علیحدہ باب میں کر رہے ہیں ۔ یہاں صرف مسئلہ جہاد کے بارے میں چند گذارشات پیش کرنا مقصود ہیں :۔

جہاد کبیر

حقیقت حال یہ ہے کہ قرآن مجید نے اشاعت تعلیم قرآنی یا دوسرے لفظوں میں تبلیغ اسلام کو " جہاد کبیر " قرار دیا ہے (فرقان ع ۵) علامہ کا کہنا ہے کہ میرے نزدیک تبلیغ اسلام کا کام تمام کاموں پر مقدم ہے ۔ ۲ ۔ آپ ۱۹۳۲ء میں بھی اس امر کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کے اکثر افراد میں اشاعت اسلام کا جو جوش پایا جاتا ہے وہ قابل قدر ہے ۳ ۔ پس علامہ کے نزدیک " جہاد کبیر " کرنے والی جماعت ' جماعت احمدیہ قرار پاتی ہے ۔ ا ۔

جہاد صغیر

باقی رہا جہاد صغیر یا جہاد بالسیف کا مسئلہ تو اس کے متعلق بانی تحریک نے کہیں بھی یہ نہیں لکھا کہ جہاد کی یہ قسم قیامت تک حرام ہے یا یہ کہ قرآن مجید کی آیات متعلقہ جہاد منسوخ ہیں

آپ نے صرف یہ وضاحت کی ہے کہ سیفی جہاد کے لئے اسلام نے چند شرائط مقرر کی ہیں۔ وہ چونکہ اس وقت موجود نہیں اس لئے یہ جہاد وقتی طور پر معرض التواء میں ہے۔

شرائط جہاد

وہ شرائط کیا ہیں ؟۔ مولانا ظفر علی خاں ان کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

(۱) جہاد بالسیف کے لئے امارت شرط ہے ۲۔ اسلامی حکومت کا نظام شرط ہے۔ ۳۔ دشمنوں کی پیش قدمی اور ابتداء شرط ہے۔ ۴۔

بانی تحریک احمدیہ " شریعت اسلامیہ " کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

" شریعت اسلامیہ کا یہ واضح مسئلہ ہے۔ جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ایسی سلطنت سے لڑائی اور جہاد کرنا جس کے زیر سایہ مسلمان امن اور عافیت اور آزادی سے زندگی بسر کرتے ہوں ...... قطعی حرام ہے۔ ۵۔

ظاہر ہے یہ فتویٰ آپ نے اپنے پاس سے نہیں دیا مگر مصنف زندہ رود نے یہ تاثر دیا ہے جیسے بانی تحریک نے یہ مسئلہ ازخود گھڑ لیا ہو۔

بانی تحریک احمدیہ کا وہ شعر جس سے مخالفین عام طور پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آپ نے جہاد کو دائمی طور پر حرام قرار دے دیا ہے درج ذیل ہے :۔

اب چھوڑ دو اے دوستو جہاد کا خیال دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

مخالفین اس سے ملحقہ اشعار کو نظرانداز کر دیتے ہیں :۔

کیوں بھولتے ہو لوگو یضع الحرب کی خبر کیا یہ نہیں بخاری میں دیکھو تو کھول کر
فرما چکا ہے سید کونین مصطفیٰؐ عیسیٰ مسیح جنگوں کا کر دے گا التوا۔ ۶

یعنی میری طرف سے جہاد کی دائمی حرمت کا فتویٰ نہیں ہے بلکہ التواء جہاد کا فتویٰ ہے اور یہ فتویٰ بھی میرا نہیں۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ دوسرے لفظوں میں جہاد اس وقت تک ملتوی ہے۔ جب تک دین میں مداخلت اور عقائد میں جبر کی صورت پیدا نہ ہو۔

بانی جماعت احمدیہ اور قرآنی عقیدہ

بانی سلسلہ احمدیہ نے جہاد کے بارہ میں یہ کوئی نیا عقیدہ رائج نہیں کیا بلکہ اسی عقیدہ کا اظہار کیا ہے جو قرآن مجید میں موجود ہے۔ چنانچہ آپ قرآن مجید کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"۔ قرآن مجید صرف ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کا حکم فرماتا ہے جو خدا تعالیٰ کے بندوں کو اس پر ایمان لانے اور اس کے دین میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور اس بات سے کہ خدا تعالیٰ کے حکموں پر کاربند ہوں اور اس کی عبادت کریں اور ان لوگوں سے لڑنے کا حکم فرماتا ہے جو مسلمانوں سے بے وجہ لڑتے ہیں اور مومنوں کو ان کے گھروں اور وطنوں سے نکالتے ہیں اور خلق اللہ کو جبراً اپنے دین میں داخل کرتے ہیں .... مومن پر واجب ہے کہ ان سے لڑیں اگر وہ باز نہ آئیں "۔ ۷۔

ظاہر ہے بانی سلسلہ احمدیہ کا مذہب یہ ہے کہ سیفی جہاد ہر مومن پر واجب ہے لیکن چونکہ اس دور میں وہ شرائط موجود نہیں جو قرآن مجید نے بیان فرمائی ہیں اس لئے سردست حرام ہے۔

علامہ اقبال اور قرآنی عقیدہ

ایک فلسفی شاعر ہونے کے ناطے سے جہاد کے مسئلہ پر علامہ جو چاہیں کہیں ہمیں اس سے غرض نہیں مگر جب آپ قرآن مجید پر تدبر کر کے کوئی نتیجہ نکالتے ہیں تو وہ وہی ہے جس کا اظہار بانی تحریک احمدیہ نے کیا ہے۔ چنانچہ علامہ جہاد کے بارے میں قرآنی تعلیم کی یوں وضاحت کرتے ہیں:

" معترض کا یہ کہنا کہ اقبال اس دور ترقی میں جنگ کا حامی ہے۔ غلط ہے۔ میں جنگ کا حامی نہیں ہوں نہ کوئی مسلمان شریعت کے حدود معینہ کے ہوتے ہوئے اس کا حامی ہو سکتا ہے --- قرآن کی تعلیم کی رو سے جہاد یا جنگ کی صرف دو صورتیں ہیں۔ محافظانہ اور مصلحانہ --- پہلی صورت میں جبکہ مسلمانوں پر ظلم کیا جائے اور ان کو گھروں سے نکالا جائے۔ مسلمان کو تلوار اٹھانے کی اجازت ہے (حکم نہیں) دوسری صورت جس میں جہاد کا حکم ہے ۹: ۴۹ میں بیان ہوئی ہے ..... جنگ کی مذکورہ بالا دو صورتوں اس کے سوا میں اور کسی جنگ کو نہیں جانتا۔ جوع الارض کی تسکین کے لئے جنگ کرنا' دین اسلام میں حرام ہے۔ علی ھذہ القیاس دین کی اشاعت کے لئے تلوار اٹھانا بھی حرام ہے۔ "۸۔

سوال یہ ہے کہ کیا اقبال نے قرآن مجید پر غور کر کے بانی سلسلہ کے نظریہ و عقیدہ سے مختلف نتائج اخذ کئے ہیں ؟ ظاہر ہے نہیں۔ پھر غور طلب بات یہ بھی ہے کہ کیا اقبال کے

نزدیک اس دور میں انگریز، مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالتے تھے؟ مسلمانوں کو جبراً عیسائی بناتے تھے؟ ۔ مذہبی آزادی مفقود تھی؟ ۔۔ اس نوعیت کے سوالات کے جوابات علامہ کے بیانات میں وضاحت کے ساتھ موجود ہیں ۔ خلاصہ جن کا یہ ہے کہ ایسا ہرگز نہیں تھا بلکہ جو آزادی، انگریزوں نے برصغیر میں مسلمانوں کو دے رکھی تھی علامہ کے نزدیک خود اسلامی ممالک کے مسلمان بھی اس سے محروم تھے ۔ چنانچہ علامہ فرماتے ہیں :۔

برصغیر میں امن و آزادی

”۔ ہندوستان کے مسلمان شاید اسلامی ممالک کی حالت کا اندازہ صحیح طور پر نہیں لگا سکتے ۔ کیونکہ حکومت برطانیہ کے سبب جو امن اور آزادی اس ملک کے لوگوں کو حاصل ہے وہ اور ممالک کو ابھی نصیب نہیں ہے ۔“ [9]

پھر علامہ شاہی مسجد میں کھڑے ہو کر اعلان کرتے ہیں :۔

” مسلمانوں کا آئیڈیل .... اپنے دین کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا ہے اور حکومت انگریزی میں اس کی اجازت ہے ۔“ [10]

قلم و لسان کے حملے

بانی جماعت احمدیہ اپنے نظریہ کی تشریح کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں :

”یہ دن ۔ دین کی حمایت کے لئے لڑائی کے دن نہیں ہیں کیونکہ ہمارے مخالفوں نے بھی کوئی حملہ اپنے دین کی اشاعت میں تلوار اور بندوق نے نہیں کیا ۔ بلکہ تقریر اور قلم اور کاغذ سے کیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہمارے حملے بھی تحریر اور تقریر تک محدود ہوں ۔“ [11]

گویا اسلام پر قلم و لسان سے حملے ہوں تو جواب میں قلم و لسان استعمال کرو اور جب حملے سیف و سنان سے ہوں تو دفاع بھی اسی رنگ میں کرو ۔ یہی شریعت کا حکم ہے ۔

اے مسلمان کو تلوار پکڑنے کی اجازت کب ہے؟ ۔ اس موضوع پر مسلمانوں کے قائد اول سرسید احمد خاں نے بھی گہری تحقیق کی ہے ۔ لکھتے ہیں ۔

سرسید کی تحقیق

”۔ صرف دو صورتوں میں اسلام نے تلوار پکڑنے کی اجازت دی ہے ۔ ایک اس حالت

میں جب کہ کافر، اسلام کی عداوت سے اور اسلام کے معدوم کرنے کی غرض سے، نہ کسی ملکی اغراض سے، مسلمانوں پر حملہ آور ہوں کیونکہ، ملکی اغراض سے جو لڑائیاں واقع ہوں خواہ مسلمان، مسلمانوں میں، خواہ مسلمان، کافروں میں، وہ دنیاوی بات ہے ۔ مذہب سے کچھ تعلق نہیں ۔۔۔ دوسرے جب کہ اس ملک یا قوم میں مسلمانوں کو اس وجہ سے کہ وہ مسلمان ہیں ۔ ان کے جان و مال کو امن نہ ملے اور فرائض مذہبی کے ادا کرنے کی اجازت نہ ہو ۔“ [12]

اسی ضمن میں بانی تحریک احمدیہ فرماتے ہیں :۔

صف دشمن کو کیا ہم نے بحجت پامال ۔ سیف کا کام ، قلم سے ہی دکھایا ہم نے ۔ اس مسلک پر آپ کو ” منکر جہاد “ کہا جاتا ہے ۔ علامہ اقبال کے بعض اشعار میں اس مسلک کے بارہ میں طنز کا پہلو موجود ہے ۔ مثلاً

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے — دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر

لیکن راقم عرض کرتا ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ کی زندگی میں علامہ سنجیدگی سے اسی بات کے قائل تھے کہ تلوار کے دن لد چکے اب قلم کا دور دورہ ہے ۔ اب قلم ہی سیف کا کام دکھاتی ہے ۔ چنانچہ قلم کی کشور کشائی کے منکروں کو سمجھانے کے لئے آپ نے ۱۹۰۲ء میں انجمن حمایت اسلام کے اجلاس میں پڑھی جانے والی نظم میں یہ شعر شامل کیا :

تیغ کے بھی دن کبھی تھے اب قلم کا دور ہے — بن گئی کشور کشا یہ کاٹھ کی تلوار کیا

علامہ، بانی سلسلہ احمدیہ کی وفات کے بعد بھی علمی، تحقیقی، یا علمی کاوشوں کو جہاد سمجھتے تھے اور مشاہیران اسلام کے سامنے اس کا برملا اظہار کرتے تھے ۔ اپنے خط مورخہ ۱۳ر نومبر ۱۹۱۷ء بنام سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں ۔

”۔ میں ایک مدت کے مطالعہ اور غور و فکر کے بعد (تصوف کی بحث کے سلسلہ میں ۔ ناقل) انہی نتائج پر پہنچا ہوں جو آپ کے والا نامہ میں درج ہیں جو کام آپ کر رہے ہیں ۔ جہاد فی سبیل اللہ ہے ۔ اللہ اور اس کے رسول آپ کو اس کا اجر عطا فرمائیں گے ۔“ [13]

ظاہر ہے بانی تحریک احمدیہ پر علامہ کی نکتہ چینی بعد کی سوچ بچار کا نتیجہ ہے جس میں قرآنی تعلیمات کا لحاظ نہیں رکھا گیا ۔

مرزا صاحب کی محکومی کی زندگی

علامہ اقبال کے ۳۶-۱۹۳۵ء کے مضامین سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ نے

محکومی کی زندگی بسر کی اور یہ بات نبی کی شان کے خلاف ہے۔

یاد رہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ، فرعون کے ماتحت اس کی حکومت میں رہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مشرک رومی حکومت کے ماتحت رہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۳ سال تک مکہ کے مشرکوں کے قوانین کے ماتحت رہے۔ اب ان انبیاء کی محکومیت اور بانی تحریک احمدیہ کی محکومیت میں اگر کوئی فرق ہے تو یہی کہ مرزا صاحب نسبتاً کم محکوم تھے اور وہ زیادہ۔ کیونکہ رومی ، کسی شریعت کے پابند نہ تھے اور نہ فرعون ، پابند شرع تھا۔ اس کے مقابل مرزا صاحب عیسائیوں کے محکوم تھے جو بہرحال اہل کتاب ہیں۔

ہم مصنف سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر مذکورہ انبیاء علیہم السلام کے طرز فکر و عمل یا محکومی سے ان کے اسلام میں کوئی فرق نہیں آیا تو مرزا صاحب کے اسلام میں کیونکر فرق آگیا!

ان حقائق کے پیش نظر علامہ کے اس نوع کے طنز کہ۔

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے   غارت گر اقوام ہے یہ صورت چنگیز

کی زد کہاں کہاں پڑتی ہے۔ حلقہ اقبال کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

حضرت سید احمد بریلوی

حضرت مرزا صاحب چودھویں صدی کے مجدد تھے --- کیا تیرھویں صدی کے مجدد نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا؟ حضرت سید احمد بریلوی (وفات ۱۸۳۱ء) ۱۸۲۲ء سے لے کر ۱۸۳۱ء تک اپنے متبعین کے ہمراہ سکھوں سے جہاد کرتے رہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ انگریزوں سے جہاد نہیں کرتے (اس دور میں لدھیانہ سے شمال کی طرف پنجاب پر سکھوں کا قبضہ تھا اور باقی ہندوستان پر انگریزی سلطنت تھی) آپ نے جواباً فرمایا :-

"۔ سرکار انگریزی ... مسلمانوں پر کچھ ظلم و تعدی نہیں کرتی اور نہ ان کو فرض مذہبی اور عبادات سے روکتی ہے۔ ہم ان کے ملک میں علانیہ وعظ کہتے اور ترویج مذہب کرتے ہیں وہ کبھی مانع اور مزاحم نہیں ہوتے بلکہ اگر کوئی ہم پر زیادتی کرتا ہے تو اس کو سزا دینے کو تیار ہیں ۳۱"

پھر مسلم سٹیج سے اس صورت حال کو برابر پیش کیا جاتا رہا۔ اقبال ، جس دور میں انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں شریک ہو کر اپنی پردرد اور پراثر نظموں سے محفل کو گرمایا کرتے تھے۔ اس دور میں وہ بزرگ جنہوں نے ماضی قریب میں سکھ حکومت کی چیرہ دستیوں کو بچشم خود دیکھا تھا وہ انگریزی حکومت کی برکات کے ساتھ ، اس سیاہ دور کا موازنہ پیش کر کے مسلمانوں کو اکثر تلقین کیا کرتے تھے کہ سرکار انگریزوں کا شکر ہم پر واجب ہے۔ نمونۃً "انجمن کی سٹیج سے منشی امیر بخش صاحب کی تقریر کا ایک حصہ ملاحظہ ہو۔ یہ صاحب ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے تھے اور دونوں حکومتوں کی ایڈمنسٹریشن کے رموز سے بخوبی آگاہ تھے۔ انجمن کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"ایام طفولیت اور جوانی میں میری یادداشت کسی قدر قوی تھی۔ اس واسطے زمانہ سلطنت سکھ کے حالات جس وقت ان کا زوال قریب تھا جو میں خود دیکھتا یا اپنے بزرگوں کی زبانی سنتا تھا وہ سب مجھ کو یاد ہے۔ اس وقت مسلمان سوائے دو تین خاندان کے جو رکن سلطنت کے تھے اور جن کے بدوں امور ریاست انصرام نہ ہو سکتے تھے۔ باقی کل ، حالت افلاس اور ادبار میں مبتلا تھے اور ادائے مذہبی سے روکے جاتے تھے --- مساجد میں اذان دینا بھاری جرم تھا --- چونکہ عید الاضحیٰ اکثر بروز اکیاوشی آتی ہے اور یہ دن اکیاوشی کا ، ہندوؤں میں متبرک سمجھا جاتا تھا اس واسطے قربانی کے بھی حکام سد راہ ہوتے تھے۔ اس عہد میں نہ کوئی تفصیل جرائم تھی نہ سزاؤں کی کوئی میعاد معین تھی۔

ہر ایک امر کار داروں پر منحصر تھا۔ جس بات کو وہ جرم تصور کرتے تھے۔ وہ جرم سمجھا جاتا تھا اور زبان کارداروں کی قہر خدا تھی --- غریب مسلمانوں کے افعال اور حرکات اکثر جرم ہی تصور ہوتے تھے اور تاوان بھی ان پر سخت عائد کئے جاتے تھے۔

اس زمانہ کی حالت اسلام اور زمانہ حال کا اگر مقابلہ کیا جائے تو دن رات کا فرق ہے۔ اب ہم اپنے فرائض مذہبی ، آزادی سے ادا کر سکتے ہیں --- کسی نوع کی مزاحمت نہیں ہوتی اور نہ کوئی ہمارا سد راہ ہے۔ بلکہ " حکام وقت " ادائے فرائض مذہبی میں اعانت کرتے ہیں لہٰذا بہ وجوہات متذکرہ الصدر ہم مسلمانوں پر لازم اور واجب ہے کہ ہم دعائے قیام سلطنت حضرت ملکہ معظمہ دام سلطنتہا میں مواظبت کریں اور اس کے کریہ میں رطب اللسان رہیں کہ ایزد تقدس و تعالیٰ اس سلطنت کو ابد تک صدمہ زوال سے مامون اور مصئون رکھے --- اس

عہد معدلت مہد میں ہر طرف مسلمانوں کے واسطے ترقی مدارج اور حصول لیاقت کے ابواب کشادہ ہیں۔ ۱۵؎

اس موازنہ کے بعد بھی بانی تحریک احمدیہ پر یہ نکتہ چینی کہ آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیوں نہ کیا کس درجہ شقاوت قلبی اور محسن کشی ہے --- اسی وجہ سے راقم نے ان معترضین کو جنہوں نے انگریز حاکم کو "سایہ ء خدا" کہنے پر اقبال کو چارج شیٹ ایشو کی ہے۔ غلطی خوردہ قرار دیا ہے۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ پنجاب کی حکومت انگریزوں نے مسلمانوں سے نہیں بلکہ سکھوں سے چھینی تھی۔ اور مسلمانوں کو سکھا شاہی کے جلتے ہوئے تنور سے نکالا تھا۔

عالم اسلامی کی آزادی پر اثر

علامہ اقبال نے ۳۶-۱۹۳۵ء میں احمدیت کے خلاف جو مضامین سپرد قلم کئے یا غیراز جماعت حلقے گزشتہ نصف صدی سے جو تاثر دے رہے ہیں کہ بانی سلسلہ احمدیہ نے "التوائے جہاد" کا فتویٰ دے کر عالم اسلام کو کسمپرسی میں مبتلا کر دیا ہے --- ان کی سیاسی حیثیت ختم ہو گئی ہے اور اسلام کے جھنڈے سرنگوں ہو گئے گویا تحصیل بٹالہ کے ایک گمنام سے گاؤں سے جو آواز اٹھی اس سے عالم اسلام کی آزادی معرض خطر میں پڑ گئی --- حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اول تو التوائے جہاد کے فتوے کا اثر صرف بانی سلسلہ احمدیہ کے چند متعین پر ہی تھا جو عالم اسلام کے مقابلہ میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھے --- دوسرے یہ کہ اسلامی ممالک آپ کی طرف سے تشکیل جماعت (۱۸۸۹ء) سے سالہا سال قبل یورپین کے زیر تسلط آ چکے تھے اور مذہبی جہاد کے نام پر ناکامیوں اور ہزیمتوں کا منہ دیکھ چکے تھے۔ چنانچہ مصنف زندہ رود جماعت احمدیہ کے معرض وجود میں آنے سے پیشتر عالم اسلام کی قابل رحم حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:

"۔ اس زمانے میں دنیائے اسلام کسمپرسی کی حالت میں تھی۔ **سلطنت عثمانیہ** محض نام کی سلطنت رہ گئی تھی۔ سلطان عبدالحمید نے ۱۸۷۶ء میں سلطنت عثمانیہ کی باگ ڈور سنبھالی۔ ۱۸۷۶ء سے لے کر ۱۸۸۲ء تک، مسلمان، مشرقی یورپ کے بیشتر علاقوں سے نکال دیئے گئے --- تونس، فرانس کے قبضہ میں چلا گیا اور جبل الطارق و مصر پر انگریز حاوی ہو گئے

--- وسطی ایشیا کی مسلم ریاستیں یکے بعد دیگرے زار کی سلطنت روس، کا حصہ بن گئیں --- شمالی اور مغربی چین کے مضطرب مسلمان ۱۸۵۶ء سے لے کر ۱۸۷۸ء تک جنگ آزادی میں ناکام ہونے کے بعد سیاسی حیثیت سے ختم کر دیئے گئے --- فرانسیسیوں کی نگاہیں مراکش پر تھیں۔ ایران، نزع کے عالم میں تھا --- جزائر شرق الہند پر ڈچ غلبہ کے سبب مسلمانوں کی حالت قابل رحم تھی۔ افغانستان کے خارجی امور کا کنٹرول ۱۸۷۹ء سے انگریز کے ہاتھ میں چلا گیا تھا --- برصغیر ہند میں ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد، اسلام کے جھنڈے سرنگوں ہو چکے تھے --- ملایا پر انگریز قابض ہو گئے۔ ۱۶؎

راقم عرض کرتا ہے کہ یہ سب کچھ جماعت احمدیہ کی تشکیل سے قبل ہو چکا تھا۔ اس کے بعد جب بانی سلسلہ احمدیہ نے اعلان فرمایا کہ چونکہ دشمنان اسلام بھی مذہبی جنگ نہیں کرتے اس لئے یہ وقت دینی جنگ و قتال کا نہیں تو اس مسلک کے مطابق جن ممالک نے عمل کیا اور اپنے وطن کی مدافعت ہر جائز اور ممکن طریق سے کی تو ان میں سے اکثر و بیشتر ملکوں کو آزادی کی نعمت نصیب ہو گئی --- اگر احرار اور جاہل ملاؤں کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح آئینی جدوجہد۱۷؎ کی بجائے ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کرتے تو مسلمان ہلاکت کے گھڑے میں گر جاتے اور آزاد پاکستان کی نعمت سے محروم رہ جاتے۔ پس مسلمانوں کی کامیابی اور عالم اسلام کی فلاح و بہبود اور ان کا نفع بانی جماعت احمدیہ کے مسلک پر چلنے میں مضمر تھا۔

علماء کے لئے یہ سوچنے کی بات ہے کہ جب ہر جگہ نزع کا عالم طاری تھا۔ اسلامی جھنڈے سرنگوں ہو چکے تھے۔ مسلمانوں میں جہاد کی سکت ہی باقی نہ رہی تھی --- "جہاد کے تمام مراکز ۱۸۷۰ء میں ہی بند کر دیئے گئے تھے۔" ۱۸؎ تو انگریزوں کو اس امر کی کیا ضرورت تھی کہ وہ برصغیر میں ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ سے بانی سلسلہ کے تشکیل جماعت (۱۸۸۹ء) تک کے ۳۲ سال سر جوڑ کر سوچتے رہتے کہ مسلمانوں کے دلوں سے جذبہ جہاد ختم کر کے اسلامی ممالک اور برصغیر پر کیسے غلبہ حاصل کیا جائے۔ پھر اس کی تدبیر یہ نکالتے کہ پنجاب کے ایک گمنام گاؤں سے ایک غریب و بے ہنر شخص کو کھڑا کیا جائے جو خود کو مثیل ابن مریم ظاہر کرے۔ ابن مریم کی وفات کا اعلان کرے۔ اس کی قبر کی سری نگر کشمیر میں نشان دہی کرے۔

حقیقت پسند اقوام تو ان خطوط پر منصوبے نہیں بنایا کرتیں۔

واضح رہے کہ بانی تحریک احمدیہ کی وفات پر برطانیہ کے "ٹائمز" لندن نے لکھا تھا کہ۔ "اب جبکہ اس فرقہ کے بانی وفات پا چکے ہیں۔ اگر یہ فرقہ زوال پذیر ہو جائے یا بالکل ہی معدوم ہو جائے تو یہ امر نہ عام مسلمانوں کے لئے اور نہ حکومت کے لئے ہی باعث ملال ہو گا۔ (پرچہ ۱۷ جون ۱۹۰۸ء)

حکومت کے سرکاری ترجمان کا یہ تبصرہ اس اتہام کو باطل ثابت کرنے کے لئے کافی ہے جو آئے دن کہتے رہتے ہیں کہ مرزا صاحب کو برطانوی حکومت کی تائید حاصل تھی۔

جنگ سے ہزیمت

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے بانی جماعت احمدیہ نے "التوائے جہاد" کے فتویٰ کی بنیاد حدیث بخاری پر رکھی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

کیوں بھولتے ہو تم یضع الحرب کی خبر[19] کیا یہ نہیں بخاری میں دیکھو تو کھول کر

فرما چکا ہے سید کونین مصطفےٰ ﷺ عیسیٰ مسیح، جنگوں کا کر دے التوا[19]

اسی نظم میں آپ نے بطور پیشگوئی اور معجزہ کے فرمایا کہ اگر تم اس فرمان نبوی ؐ کے باوجود جنگ کا رویہ اختیار کرو گے تو یاد رکھو کہ ہزیمت یا نقصان کی صورت میں اس کا خمیازہ بھگتو گے ۔ فرمایا:۔

یہ حکم سن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا وہ کافروں سے سخت ہزیمت اٹھائے گا

اک معجزہ کے طور پر یہ پیشگوئی ہے۔ کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے۔

جہاد و جنگ کے نتیجہ میں ہزیمت کیوں ہو گی؟ بانی تحریک احمدیہ نے اس کی وجوہات بھی بیان فرما دیں۔ فرمایا:۔

ظاہر ہیں خود نشاں کہ زماں وہ زماں نہیں اب قوم میں ہماری وہ تاب و تواں نہیں

اب تم میں خود وہ طاقت و قوت نہیں رہی وہ سلطنت وہ رعب وہ دولت نہیں رہی

اب کوئی تم پہ جبر نہیں غیر قوم سے کرتی نہیں منع صلوۃ اور صوم سے

ہاں آپ تم نے چھوڑ دیا دیں کی راہ کو عادت میں اپنی کر لیا فسق و گناہ کو[20]۔

یعنی (۱) امن و انصاف کا دور دورہ ہے۔ اس صورت میں مذہب کی خاطر تلوار پکڑنا شرائط جہاد کے منافی ہے۔ (۲) قوم میں تاب و توانائی جو مقابلہ کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ مال و

دولت، ہتھیار اور جدید انداز جنگ کے طور طریقے۔ کچھ بھی تمہارے پاس نہیں ۔[21]۔ (۳) نمبرے یہ کہ فسق و گناہ کی راہ اختیار کر کے قوم تائید ایزدی کی مورد نہیں رہی۔

دنیا نے مشاہدہ کر لیا کہ مسلمانوں کے جس فرد یا جماعت نے انگریز حکمرانوں کے خلاف جنگ یا جہاد کا نعرہ لگایا۔ اس نے سراسر نقصان ہی اٹھایا اور یوں اس پیشگوئی پر جو معجزہ کے طور پر کی گئی تھی مہر تصدیق ثبت کر دی۔ چنانچہ مصنف زندہ رود کا اعتراف ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

"مسلمانان ہند کی جدید تاریخ کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے جب (بھی) انگریزی حکومت کے خلاف کھلم کھلا جنگ کا رویہ اختیار کیا تو نقصان ہندو اکثریت کی بجائے، مسلم اقلیت ہی کو اٹھانا پڑا۔ سو ایجی ٹیشنل سیاست یا کھلم کھلا جنگ، اقبال کے مصالح کے خلاف تھی۔[22]

گویا جہاد تو بہت دور کی بات ہے۔ اقبال تو انگریزوں کے خلاف احتجاجی سیاست کو بھی گوارا کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس صورت حال میں بانی تحریک احمدیہ پر تنقید کہ آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیوں نہ کیا، کتنی عجیب تنقید ہے۔

غلامی پر رضامندی

بخاری شریف کی حدیث کے مطابق مرزا صاحب نے التوائے جہاد کا فتویٰ دیا تو مخالفین نے اسے "انکار جہاد" کا نام دے دیا۔ بعد میں اسے سیاسی رنگ دے کر یہ کہنا شروع کر دیا۔ کہ مرزا صاحب کی تعلیمات میں "غلامی پر رضامندی" کی تلقین کی گئی ہے۔

حصول آزادی کے لئے جماعت احمدیہ کی کاوشوں کا ذکر علیحدہ باب میں کیا جا رہا ہے۔ جہاں تک غلامی پر رضامند رہنے کا اعتراض ہے۔ سابق وفاقی وزیر ملک محمد جعفر خاں ایڈووکیٹ اپنی کتاب "احمدیہ تحریک" میں لکھتے ہیں:۔

"۔ مرزا صاحب ۱۹۰۸ء میں فوت ہوئے تھے۔ اس وقت تک ہندوستان میں تحریک آزادی نے صحیح معنوں میں جنم ہی نہ لیا تھا اور انگریزوں کو اپنی رعایا میں وفا پیشہ افراد اور جماعتوں کی خاص طور پر حاجت نہ ہوئی تھی ۔۔۔ مرزا صاحب کے زمانے میں ان کے مشہور مقتدر مخالفین مثلاً مولوی محمد حسین بٹالوی، پیر مہر علی شاہ گولڑوی، مولوی ثناء اللہ، سر سید احمد
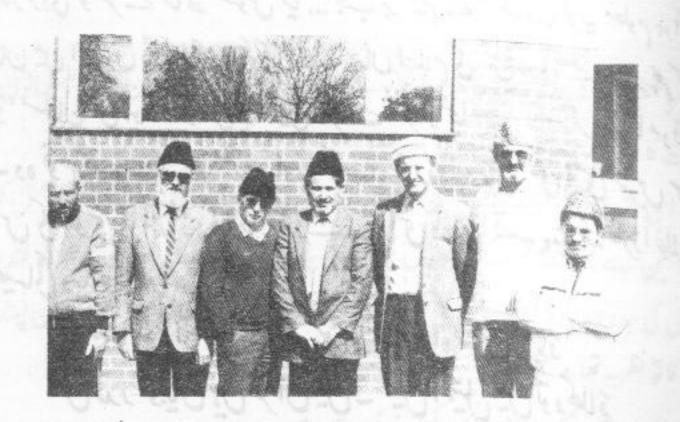
خاں صاحبان، سب انگریزوں کے ایسے ہی وفادار تھے۔ جیسے مرزا صاحب، یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں جو لٹریچر مرزا صاحب کے رد میں لکھا گیا۔ اس میں اس امر کا کوئی ذکر نہیں ملتا کہ مرزا صاحب نے اپنی تعلیمات میں غلامی پر رضامند رہنے کی تلقین کی ہے۔ ۲۳

حقیقت یہی ہے کہ مرزا صاحب (وفات ۱۹۰۸ء) کے زمانے میں پاکستان کا آئیڈیا پیدا نہیں ہوا تھا۔ اگر انگریز اس وقت چلا جاتا تو اس کی جگہ وہی حکومت ہوتی جو آج ہندوستان میں قائم ہے۔ بلکہ آج کی حکومت سے کہیں زیادہ خطرناک۔ آج تو خدا کے فضل سے بھارت کی سرحد پر پاکستان موجود ہے۔ دونوں مملکتوں کے درمیان کچھ معاہدات بھی ہیں ان کی عدم موجودگی میں جو حکومت قائم ہوتی وہ لازماً مسلمانوں سے ان کے آٹھ سو سالہ دور حکومت کا بدلہ لینے کے لئے انہیں بہت زیادہ انتقام کا نشانہ بناتی۔ پس اس دور میں انگریزوں کی مخالفت مسلمانوں کے لئے بہت خطرناک تھی۔ مسلم قائدین اور انجمنوں نے اس وجہ سے بھی انگریز کے ساتھ تعاون کی پالیسی اپنا رکھی تھی۔

کسر صلیب

مرزا صاحب کو یقین تھا کہ آپ مسیح موعود ہیں۔ آپ کی جماعت کے ذریعہ عیسائیت کا مذہب پاش پاش ہو گا۔ آپ بموجب حدیث نبوی فیکسر الصلیب کے لئے مامور تھے۔ آپ کو یقین تھا کہ یورپ، امریکہ کی سب قومیں بالاخر مسلمان ہو جائیں گی۔ پس آپ نے انگریزوں کی طرف سے دی گئی مذہبی آزادی سے بھرپور فائدہ اٹھا کر عیسائیت کے بت کو دلائل سے پاش پاش کرنے کی پوری کوشش کی۔ آپ نے جہاد بالقرآن یا جہاد کبیر کے ذریعہ عیسائیت کا جس رنگ میں مقابلہ کیا۔ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی مقہور اور شکست خوردہ قوم کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ چنانچہ احمدیت کے شدید معاند، اقبالیات کے عظیم ماہر جناب بی اے ڈار لکھتے ہیں:

عیسائی دنیا کو للکار

"۔ انیسویں صدی کے آخری عشرے میں .... آریہ سماجی اور عیسائی مبلغین نے اسلام کے خلاف باقاعدہ مہم شروع کر رکھی تھی .... مسلمانوں میں اس کا جواب بڑی عمدگی سے سر انجام دینے کا کام مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے ذمہ لیا اور بلاشک و شبہ عام مسلمانوں نے

جماعت احمدیہ جہاد کبیر میں مصروف رہتی ہے

دور حاضر میں کلمہ طیبہ کی ٹھنڈی چھاؤں تلے آنے والے برطانوی افراد کا ایک گروپ

دائیں سے بائیں
کی قطار میں نمایاں ہیں ۔ مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل ۔ قاضی محمد نذیر صاحب فاضل ۔ مولانا شیخ عبدالقادر صاحب فاضل (برمکان قریشی محمود احمد صاحب ایڈووکیٹ)

تقسیم ہند کے بعد لاہور میں احمدی مبلغین کی طرف سے عیسائی پادریوں کو دعوت حق

اس کارکردگی کو فخر کے ساتھ محسوس کیا.... جب برعظیم کے مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا کہ خود انگلستان میں احمدیوں نے مرکز قائم کیا ہے۔ جہاں اسلام کی تبلیغ ہوتی ہے۔ اور پھر کئی ایک انگریز، مسلمان بھی ہو گئے تو اس پر انہیں فخر سے سر اونچا——— کرنے کا موقعہ میسر آیا۔ وہ قوم جو مدت سے مقہور اور شکست خوردہ ہو چکی تھی ایسی خبریں سن سن کر اس کی خوشی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے".... اسی دور کا قصہ ہے کہ مرزا غلام احمد نے عیسائی دنیا کو للکارا۔

آؤ عیسائیو! ادھر آؤ۔ نور حق دیکھو، راہ حق پاؤ
جس قدر خوبیاں ہیں قرآں میں۔ کہیں انجیل میں تو دکھلاؤ

جب عیسائیوں کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ تو پھر مرزا صاحب نے کہا۔

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہرچند ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے ۔۲۴

وفاداری اور آئین پسندی

علامہ اقبال نے ۳۶-۱۹۳۵ء میں اور مصنف زندہ رود نے اب اپنی تصنیف میں یہ تاثر دیا ہے کہ جماعت احمدیہ چونکہ انگریزی حکومت کی وفادار تھی۔ آئین پسند تھی۔ اس لئے اس نے جدوجہد آزادی میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ نہ انگریزوں کے خلاف جہاد کیا۔

راقم عرض کرتا ہے۔ علامہ سے ۱۹۳۶ء میں پوچھا گیا کہ آپ نے جہاد بالسیف کر کے زندگی میں کتنے انگریز مارے ہیں؟ ۲۵

علامہ، وفات تک اس کا جواب نہ دے سکے اور حلقہ ء اقبال آج تک انگشت بدنداں ہے کہ کیا جواب دے۔

واضح رہے۔ آئین کی وفاداری، غلامانہ ذہنیت کا عکس نہیں ہے۔ یہ دو مترادف چیزیں نہیں ہیں۔ بقول حضرت امام جماعت احمدیہ:

"اپنے ملک کی غلامی، سوائے بیوقوف اور غدار کے کوئی شخص پسند نہیں کرتا۔ ۲۶"

خود قائداعظم نے آزادی حاصل کرنے کے بعد ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کو یہی تلقین کی کہ "ہندوستانی مسلمانوں کو اپنی حکومت کا فرماں بردار رہنا چاہئے۔ ۲۷"

(ستمبر ۱۹۹۰ء) میں صدر غلام اسحٰق نے چین کے دورہ کے دوران چینی مسلمانوں کو چینی حکومت کا وفادار رہنے پر بڑا زور دیا۔۔۔

اسی طرح مسلم لیگ نے آئین کی وفاداری کا طریق اپناتے ہوئے پاکستان حاصل کیا تھا نہ کہ آئین سے بغاوت کر کے۔۔ پس آئین کی پابندی اور چیز ہے اور آئین کے اندر رہ کر آزادی کی جدوجہد کرنا اس وفاداری کی پالیسی کے منافی نہیں۔ علامہ خود بھی آئین پسند تھے۔ علامہ کا تو نظریہ تھا۔

دہر میں عیشِ دوام آئیں کی پابندی سے ہے۔

خود مصنف نے تسلیم کیا ہے کہ اقبال، حکومت کی پالیسیوں پر نکتہ چینی کرنے۔ ان کی مخالفت کرنے۔ عدم تعاون، سول نافرمانی کے سخت خلاف تھے۔ ۲۹۔ انگریزوں کے خلاف جہاد تو کجا آپ تو ان کے خلاف "۔ احتجاجی سیاست سے بھی گریز" کرتے تھے۔ ۳۰

راقم دریافت کرنا چاہتا ہے کہ اگر حکومت نے بائیں جانب چلنے کا قانون بنایا تھا تو کیا اقبال دائیں جانب چلا کرتے تھے؟ حکومت نے انکم ٹیکس کی ادائیگی لازمی قرار دی تھی؟ تو کیا اقبال ٹیکس ادا نہیں کیا کرتے تھے؟۔۔ کیا اقبال نے حکومت کے مروجہ قوانین کے تحت الیکشن نہیں لڑا تھا؟ کیا کامیاب ہو جانے پر ملک معظم اور اس کے ورثا کی وفاداری کا حلف نہیں اٹھایا تھا؟ کیا آپ گول میز کانفرنس میں آئینی گفتگو میں شرکت کے لئے تشریف نہیں لے گئے تھے؟ کیا آپ مقدمات کے لئے عدالتوں کی طرف رجوع نہیں کیا کرتے تھے؟

اگر غلامی کا طوق اپنی گردن سے اتارنے کے علامہ شدید خواہاں تھے تو اس کا کوئی عملی ثبوت تو فراہم کیا ہوتا۔ علمی خدمات پر انگریز کا عطا کردہ "سر" کا خطاب آخر دم تک اپنے سینے سے کیوں لگائے رکھا؟ ایک غیر وفادار کے لئے اسے اتار پھینکنے میں کیا امر مانع تھا؟

یہ امر تو کسی لحاظ سے بھی قابل ستائش نہیں کہ حکومت کے سب قوانین کی اطاعت بھی کرتے جاویں اور زبان سے یہ بھی کہتے جاویں کہ حکومت کی اطاعت درست نہیں۔

ملکی جہاد اور جماعت احمدیہ

قیام پاکستان کے ابتدائی دنوں میں کشمیر میں ملکی جہاد کا موقعہ آیا تو مصنف زندہ رود کے ممدوح، پاکستان کے سب سے بڑے مولوی سید ابو الاعلیٰ مودودی اور دیگر مذہبی جماعتوں کے

سربراہ جو نصف صدی سے تحریک احمدیہ پر "منکر جہاد" ہونے کا الزام لگا رہے تھے۔ اپنے اپنے حجروں میں جا چھپے۔ کسی تنظیم نے بحیثیت مذہبی تنظیم کے کوئی فورس یا بٹالین قائم کر کے حکومت کی عسکری مدد نہ کی۔ یہاں پھر اگر کوئی جماعت میدان میں اتری تو وہی تھی جس کے متعلق مولانا رئیس احمد جعفری نے لکھا تھا:۔

کامل اس فرقہ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

کشمیر میں مملکت کے استحکام کی تائید کون کر رہا ہے؟۔ مسلمانوں کے یاس انگیز مستقبل پر کسے تشویش ہے؟ کشمیری عامتہ المسلمین کی حفاظت کے لئے فکرمند کون ہے؟۔۔ کیا جماعت اسلامی کا امیر یا جمعیتہ العلماء کا سربراہ؟۔ دیوبند کا شیخ الحدیث یا جانشین شیخ الہند؟ نہیں! ان میں سے کوئی بھی نہیں۔ بلکہ سب سے بڑے مولوی نے تو اس موقعہ پر فتویٰ دے دیا

"۔ کشمیر کا جہاد ناجائز ہے" [21]

گو یہ مذہبی جہاد نہ سہی مگر اسلامی تعلیم کی رو سے جو شخص اپنی جان و مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ بھی شہید ہوتا ہے۔ بہرحال حضرت امام جماعت احمدیہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے احمدی نوجوانوں نے تین سال تک برابر اس محاذ کو سنبھالے رکھا جو کشمیر کا سخت ترین محاذ تھا۔ یہاں تک کہ فوجی حکام کو اعلان کرنا پڑا کہ اس لمبے عرصے میں احمدی فوج نے ایک انچ زمین بھی دشمن کے ہاتھ میں جانے نہیں دی [22]

۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۰ء کے عرصہ میں ابو الاعلیٰ مودودی صاحب امیر جماعت اسلامی۔ سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری امیر جماعت احرار۔ سید محمد احمد صاحب قادری صدر جمعیتہ العلماء ۔ مفتی محمد ادریس صاحب جامعہ اشرفیہ۔ مولانا داؤد غزنوی صاحب صدر جمعیتہ اہل حدیث، مولوی عبدالحلیم صاحب قاسمی، مولوی ابراہیم علی صاحب چشتی وغیرہ جیسے نابغہ روزگار احمدیت کی مخالفت میں دس کروڑ عامتہ المسلمین کی نمائندگی کے دعویدار تھے۔ آخر کیا امر مانع تھا؟ ان قائدین نے جماعت احمدیہ کی طرح اپنی اپنی جماعتوں یا اپنے اپنے حلقوں سے کیوں ایک ایک بٹالین قائم کر کے اس ملکی جہاد میں شرکت سے پہلو تہی کی۔

حیرت ہے۔ مودودی صاحب سمیت یہ سبھی مذہبی رہنما تو مصنف "زندہ رود" کے نزدیک جہاد کے قائل اور جہاد کے علمبردار ہیں اور جماعت احمدیہ منکر جہاد ہے! یا للعجب۔

مصنف کو علم ہو گا کہ ۱۹۶۵ء کی ملکی جنگ میں پنجاب رجمنٹ کے جن پانچ مجاہدین کو حکومت کی طرف سے "ہلال جرات" [23] کے تمغات عطا کئے گئے۔ ان میں سے دو مجاہد "احمدی" تھے۔ احمدیوں کی حد درجہ قلیل نفری کو مدنظر رکھ کر سوچئے، ملکی دفاع کے میدانوں میں جماعت احمدیہ کی کارکردگی کا معیار کتنا بلند ہے۔ افسوس مصنف کی نظر حقائق پر نہیں وہ اب بھی یہی امر دہراتے چلے جاتے ہیں کہ چونکہ ۱۹۳۵ء میں علامہ اقبال کے دل میں خدشہ پیدا ہوا تھا کہ پنجاب میں تحریک احمدیہ غیر مسلموں کے ساتھ مل کر صوبائی لیجسلیچر میں مسلمانوں کی اکثریت کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔۔ اس لئے علامہ نے انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

علامہ اقبال کی برطانیہ کے ساتھ اول اول وفاداریاں

ملکہ وکٹوریہ

انگریز ملکہ کی وفات پر علامہ کا مرثیہ

اے ہند تیرے سر سے اٹھا "سایۂ خدا"
برطانیہ تو آج گلے مل کے ہم سے رو
سامان اشک ریزیٔ طوفاں لئے ہوئے

باب نمبر۵

- حواشی -

۱۔ زندہ رود ص ۵۹۰

۲۔ اقبال نامہ حصہ اول ص ۲۰۷

۳۔ مکتوب اقبال بنام چودھری محمد احسن ۷ر اپریل ۱۹۳۲ء اقبال نامہ نمبر ۲ ص ۲۳۲۔ مولانا سمیع الحق صاحب کا رسالہ الحق اکوڑہ خٹک ' جہاد فی سبیل اللہ کے زیر عنوان لکھتا ہے۔ قرآن حکیم میں کافروں یا غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے کام کو جہاد کبیر قرار دیا گیا ہے۔.... نہ کہ تیغ و تلوار کے ذریعہ جو صرف مجبوری کی حالت اور بعض حالات میں دفاعی اعتبار سے روا ہے۔ پرچہ جولائی ۱۹۹۰ ص ۲۱۔

۴۔ زمیندار ۱۴ر جون ۱۹۳۶ء

۵۔ براہین احمدیہ نمبر ۳ ملحقہ ٹائٹل پیج صفحہ ا۔ب

۶۔ تحفہ گولڑویہ ص ۲۶ مطبوعہ ۱۹۰۲ء

۷۔ نور الحق حصہ اول ص ۴۵

مسلمان کو تلوار پکڑنے کی اجازت کب ہے ؟۔ اس موضوع پر مسلمانوں کے قائد اول سرسید احمد خاں نے بھی گہری تحقیق کی ہے۔ لکھتے ہیں۔

"۔ صرف دو صورتوں میں اسلام نے تلوار پکڑنے کی اجازت دی ہے۔ ایک اس حالت میں جب کہ کافر ' اسلام کی عداوت سے اور اسلام کے معدوم کرنے کی غرض سے ' نہ کسی ملکی اغراض سے ' مسلمانوں پر حملہ آور ہوں کیونکہ ' ملکی اغراض سے جو لڑائیاں واقع ہوں خواہ مسلمان ' مسلمانوں میں ' خواہ مسلمان ' کافروں میں ' وہ دنیاوی بات ہے۔ مذہب سے کچھ تعلق نہیں۔--- دوسرے جب کہ اس ملک یا قوم میں مسلمانوں کو اس وجہ سے کہ وہ مسلمان ہیں ان کے جان و مال کو امن نہ ملے اور فرائض مذہبی کے ادا کرنے کی اجازت نہ ہو۔"۔

۸۔ اقبال نامہ حصہ اول۔ مکتوب اقبال ۱۲ر دسمبر ۱۹۳۶ ص ۲۰۱

۹۔ پیسہ اخبار لاہور ۲۱ر جولائی ۱۹۱۵ء

۱۰۔ پیسہ اخبار لاہور ۲۴ر جون ۱۹۱۱ء صفحہ ۷

۱۱۔ ایام الصلح صفحہ ۵۰

۱۲۔

۱۳۔ کلیات مکاتیب اقبال جلد نمبر ۱ مرتبہ مظفر حسین برنی اردو اکادمی دہلی مطبوعہ ۱۹۸۹ مکتوب بنام سید سلیمان ندوی۔

۱۴۔ سوانح احمدی ص ۷۱ مولفہ مولانا محمد جعفر تھانیسری صوفی پرنٹنگ کمپنی بہاؤ الدین۔

۱۵۔ ماہواری رسالہ انجمن حمایت اسلام اپریل ' مئی جون ۱۸۹۸ ص ۱۳۔ انجمن کا ۱۳واں سالانہ اجلاس

۱۶۔ زندہ رود ص ۱۰۱ بحوالہ بین الاقوامی امور کا جائزہ جلد اول مطبوعہ ۱۹۲۵ء از جے ٹائیونی ص ۳۳ تا ۳۷

۱۷۔ آل انڈیا احرار ورکنگ کمیٹی کی قرارداد میں محمد علی جناح کو طعنہ دیا گیا کہ آپ نے اپنے لکھنؤ بیان میں کہا ہے کہ سول نافرمانی کوئی نتائج پیدا نہیں کر سکتی۔ قرارداد کے مطابق جناح " آئینی کاروائی کے حق میں ہیں لیکن احرار کے نزدیک اس طرح قوم آزاد نہ ہو گی۔" روزنامہ انقلاب لاہور " ۲۲ر جون ۱۹۴۴ صفحہ اول

۱۸۔ زندہ رود ص ۲۴

۱۹۔ یعنی مسیح موعود کے زمانہ میں جہاد بالسیف اور مذہبی جنگوں کا التواء ہو جائے گا۔

۲۰۔ تحفہ گولڑویہ ص ۲۶ مطبوعہ ۱۹۰۲ء

۲۱۔ اقبال کے والد ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے وقت گھبرو جوان تھے۔ آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیوں نہ کیا؟ ہمارے نزدیک ان کا فعل کسی اہمیت کا حامل نہیں۔ لیکن مصنف نے ان کے جہاد میں عدم شرکت کا جو جواز بیان کیا ہے وہ قابل توجہ ہے۔ مصنف لکھتے ہیں:۔

"۔ (اقبال کے والد) شیخ نور محمد طبعاً ایک حلیم۔ صلح کن اور امن پسند شخص تھے۔ جنہیں یا تو اپنے کام سے تعلق تھا یا جن کا وقت صوفیاء علماء کی مجلسوں میں بیٹھنے اور یاد الٰہی میں گزرتا تھا۔ انہیں اپنے ہم عصر اہل علم کی طرح اس بات کا احساس ہو گا کہ برصغیر کی عنان حکومت ' مسلمانوں کے ہاتھ سے چھن چکی ہے۔ مگر اس وقت انگریزوں کے خلاف جہاد میں کامیابی ممکن نہ تھی کیونکہ ان

کے مال و دولت ، ہتھیاروں اور جدید انداز جنگ کا مقابلہ محدود وسائل اور پرانے طور طریقوں سے نہ کیا جا سکتا تھا ۔ (زندہ رود ص ۲۷)

۲۲۔ ص ۳۹۹

۲۳۔ ص ۲۴۳ شائع کردہ سندھ ساگر اکیڈمی ۔ لاہور

۲۴۔ اقبال اور احمدیت ص ۷ مطبوعہ ۱۹۸۴ء

۲۵۔ علامہ کے نزدیک تو پھول کی پتی سے ہیرے کا جگر کٹ سکتا ہے پھر مصنف نہ جانے علامہ کے ہاتھ میں جہاد کے لئے بار بار تلوار کیوں تھماتے ہیں ۔ ویسے یہاں اس امر کا ذکر کر دینا شاید غیر مناسب نہ ہو گا کہ :۔

"۔ اقبال کا کلام گو خنجر و شمشیر یا تیر و تفنگ کے ذکر سے بھرا پڑا ہے ۔ لیکن آپ نے خود زندگی بھر نہ تو کبھی پستول چلائی نہ بندوق اور اگر کبھی چاقو استعمال کیا تو وہ بھی قلم یا پنسل گھڑنے کی غرض سے ۔ " (زندہ رود ص ۱۸۰)

۲۶۔ تحفہ لارڈ اردن ص ۷

۲۷۔ زمیندار ۱۸ر دسمبر ۱۹۴۷ء

۲۸۔ صدر اسحٰق نے کہا ۔

Muslim had the responsibility to staying Loyal to the country they live in (Pakistan Times' LHR. Sep: 22' 1990. First page).

۲۹۔ زندہ رود ص ۴۱۱

۳۰۔ ایضاً ص ۳۹۹

۳۱۔ ترجمان القرآن جون ۴۸ ص ۱۱۹

۳۲۔ اعلان کمانڈر انچیف ۔ الفضل ۲۳ جون ۱۹۵۰ء

۳۳۔ ۱۔ بریگیڈیئر عبداللہ خاں نیازی (۱۸ر ستمبر ۱۹۶۵ء) ۔ ۲۔ میجر جنرل اختر حسین ملک (احمدی) ۱۹ ستمبر

۳۔ بریگیڈیئر عبدالعلی ملک (احمدی) ۱۹ ستمبر ۴۔ میجر جنرل سرفراز خاں ۲۲ ستمبر

۵۔ بریگیڈیئر نوازش علی ۲۳ ستمبر ۱۹۶۵ء

(اے ہسٹری آف پنجاب رجمنٹ از بریگیڈیئر ' ایس حیدر عباس رضوی مطبوعہ ۱۹۸۴ء (Wajidalis

باب نمبر ۶ فصل نمبر ۱

جماعت احمدیہ اور جدوجہد آزادی

سلسلہ احمدیہ کے سیاسی اصول

جماعت احمدیہ ایک مذہبی جماعت ہے ۔ یہ سیاست میں صرف اس حد تک حصہ لینے کی قائل ہے ۔ جس حد تک کہ ضروریات دین کے لئے اس میں دلچسپی لینا ضروری ہو ۔ جماعت کی سیاست ' عدل کا دامن ہاتھ میں تھامے ' جھوٹ اور غلط بیانی کے عناصر سے "کلیتہً" پاک ہے ۔ جماعت کی سیاست ملک میں امن پسندی ' قانون کے احترام اور فتنہ فساد کی راہوں سے بچنے کے اصولوں سے عبارت ہے ۔ اس لئے موجودہ دور کی دنیوی اصطلاح میں جسے "سیاست بازی" کہا جاتا ہے اس کا جماعت کی سیاست سے دور کا بھی واسطہ نہیں

جماعت کی سیاسی ترجیحات میں ' قرآن و سنت کو اولیت حاصل ہے ۔ اس کے بعد شعائر اللہ کی عظمت اور حفاظت کا احساس پھر ملت اسلامیہ کا مفاد اور زاں بعد جماعت کی سیاست میں حب الوطنی کا درجہ آتا ہے ۔ جماعت کی سیاست میں دعاؤں کو بھی سیاسی تدابیر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے ۔

جماعت کی سیاست میں مسلمانوں کے جائز حقوق کیلئے ان کے شانہ بشانہ کام کرنے کا جذبہ ۔۔ اور انہیں اتحاد عمل کی دعوت دینے کا عنصر ہمیشہ نمایاں رہا ہے ۔

جدوجہد آزادی میں عدم شرکت کا الزام

مصنف زندہ رود نے بغیر کوئی حوالہ دیئے جماعت احمدیہ پر یہ الزام عائد کر دیا ہے کہ وہ حصول آزادی کی جدوجہد میں شرکت کو حرام سمجھتی تھی (صفحہ ۵۹۰) ادھر مصنف نے قدم قدم پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ علامہ اقبال ' آزادی کی مہم کے زبردست ہیرو تھے ۔ راقم کی رائے میں علامہ کی کاوشیں ' لائق ستائش ہیں ۔ مگر کیا مصنف کے لئے ضروری نہ تھا کہ وہ حصول آزادی کے مراحل میں ان تحریکات ' واقعات ' مذاکرات یا اجتماعات کا حوالہ دیتے جنہیں کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے اقبال ' تو عمر بھر کوشاں رہے لیکن جماعت احمدیہ کے امام اپنی

جماعت کو ان میں شرکت کرنے سے باز رکھتے رہے اور ہدایت دیتے رہے کہ اس نوع کی سرگرمیاں ہمارے عقائد کی رو سے حرام ہیں۔

راقم یہی سمجھتا ہے کہ چونکہ ایسا کوئی مواد باوجود کوشش کے، مصنف کے ہاتھ نہیں لگ سکا اس لئے "زندہ رود" کے صفحات اس قسم کے کسی ریفرنس سے مزین نہیں ہو سکے۔

مصنف کا موقف

مصنف کا بیان قابل توجہ ہے۔ فرماتے ہیں۔

ا۔۔ "سیاسی بیداری کے دور میں بھی تحریک احمدیہ، انگریزی حکومت کی اطاعت کا دم بھرتی تھی۔"

ب۔۔۔ "۔ اپنے ابتدائی ایام ہی میں بانی سلسلہ یا تحریک احمدیہ نے جہاد کی حرمت کا اعلان کر رکھا تھا اور اس سے مراد یہ لی گئی کہ احمدیوں کے نزدیک انگریز کے ساتھ وفاداری کو اس قدر اہمیت حاصل تھی کہ اس کے خلاف سیاسی آزادی کے لئے جدوجہد کرنا بھی حرام قرار دیا گیا۲۔"

یہ مراد کس نے لی؟ مصنف نے کوئی حوالہ دینے سے پہلوتہی کی ہے۔ مگر اس پر ایک نظر ڈالنے سے قبل راقم عرض کرتا ہے کہ علامہ اقبال ابتدائی ایام میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی قومی و ملکی خدمات کے مداح تھے بلکہ جہاں سرسید احمد خاں کی خدمات کا ذکر ہوتا وہاں علامہ، بانی سلسلہ احمدیہ کی قومی خدمات کو بھی سراہا کرتے تھے۔

مثال کے طور پر اخبار "ملت" کے ایڈیٹر مولوی شجاع اللہ صاحب رقمطراز ہیں:۔

"ہم اگرچہ جناب مرزا غلام احمد صاحب مرحوم و مغفور (وفات ۱۹۰۸ء) کے پیرو نہیں ہیں اور مرحوم کے خیالات سے ہم کو ہمیشہ اختلاف رہا ہے۔ مگر جس اصول پر انہوں نے اپنے مشن کی بنیاد قائم کی تھی۔ اس سے کسی باخبر اور ذی ہوش مسلمان کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ ان کی تمام جدوجہد اور کوشش کا انتہائی مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں خالص اسلامی سپرٹ از سر نو پیدا کر دیا جائے تاکہ ان کی قومیت محفوظ رہے اور وہ دین و دنیا میں سرخرو اور کامیاب ہوں..... کچھ عرصہ ہوا۔ عالی جناب فقیر سید افتخار الدین صاحب کے دولت خانہ پر فخر قوم عالی جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے بیرسٹرایٹ لاء اور ایڈیٹر ملت کو ایک ہی وقت میں فقیر صاحب کی ملاقات کے لئے جانے کا اتفاق ہوا۔ عالی جناب فقیر صاحب نے کہ قومی حالات و

معاملات سے ازبس باخبر ہیں۔ سرسید مرحوم و مغفور کے نہایت ہی قابل قدر مہتم بالشان اور نتیجہ خیز قومی و ملکی خدمات کا ذکر فرمایا۔ جناب ڈاکٹر صاحب نے اس مرحوم بزرگ کے متعلق گفتگو میں جناب مرزا غلام احمد صاحب مرحوم و مغفور کی خدمات کو بھی سراہا۔" ۳؎

سیاسیات کے متعلق تعلیم

حضرت امام جماعت احمدیہ (اللہ ان سے راضی ہو) گورنر جنرل لارڈ ارون کو جماعت احمدیہ کی سیاسی پالیسی سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"۔ یور ایکسیلنسی! سلسلہ احمدیہ کی سیاسیات کے متعلق یہ تعلیم ہے کہ حکومت اور رعایا کے تعلقات کی بنیاد، قانون کے احترام اور پرامن جدوجہد پر ہونی چاہئے اور فساد سے دونوں کو پرہیز کرنا چاہئے اور حکومت اور رعایا دونوں کا فرض ہے کہ قانون کی، جب تک وہ بدلے نہیں، پیروی کریں اور اگر غلط قانون ہے تو جائز ذرائع سے اسے تبدیل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس تعلیم کے ماتحت ہماری جماعت جس جس حکومت کے ماتحت بستی ہے۔ ہمیشہ فتنہ کی راہوں سے الگ رہتی ہے اور چونکہ اکثر حصہ، جماعت احمدیہ کا، انگریزی حکومت کے ماتحت ہے۔ لوگ خیال کرتے ہیں کہ شاید یہ جماعت، انگریزوں کی جاسوس ہے۔ لیکن آپ سے بہتر اسے کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ یہ امر غلط ہے۔ ہم نے ہمیشہ دلیری سے ہندوستانیوں کے حقوق کا مطالبہ کیا ہے......"

"۔ یور ایکسیلنسی! ہم (آزادی ہند کے معاملہ میں۔ ناقل) کسی طرح کانگریس یا دوسری جماعتوں سے پیچھے نہیں۔ کیونکہ اپنے ملک کی غلامی سوائے بیوقوف اور غدار کے کوئی شخص پسند نہیں کر سکتا۔" ۴؎

واضح رہے۔ کہ مذکورہ بالا اقتباسات ہم نے کتابچہ "تحفہ لارڈ ارون" سے لئے ہیں۔ یہ کتابچہ (۱۹۳۱ء) سیاسی بیداری کے دور میں حضرت امام جماعت احمدیہ کی طرف ہندوستان کے سب صوبوں اور ریاستوں کے سو شہروں میں بسنے والے دس ہزار منتخب احمدی افراد کی جانب سے ہز ایکسیلنسی وائسرائے ہند لارڈ ارون کی خدمت میں ان کے وائسرلیٹی کے عہدہ کی عنان چھوڑتے وقت اس لئے پیش کیا گیا تھا کہ لارڈ موصوف نے اپنے عہد میں "آزادی ہند" کے بارے میں قابل قدر خدمات سرانجام دی تھیں۔

اس کتابچہ میں یہ امید کی گئی ہے کہ ہزایکسی لینسی ' انگلستان جا کر بھی " آزادی ہند " کے کام کو فراموش نہیں کریں گے۔

ان حقائق کی موجودگی میں یہ کہنا کہ سیاسی بیداری کے دور میں بھی جماعت احمدیہ سیاسی آزادی کی جدوجہد میں حصہ لینے کی قائل نہ تھی۔ ہماری سمجھ سے بالاتر بات ہے۔

مصنف زندہ رود کے نزدیک اقبال ' تحریک آزادی کے صف اول کے زعیم تھے۔ اب ہمیں یہ تعین کرنا پڑے گا کہ علامہ نے حصول آزادی کی جدوجہد میں کن تحاریک و واقعات میں حصہ لیا۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ جماعت احمدیہ نے بھی ان تحاریک و واقعات میں اپنا کردار بھرپور طور پر ادا کیا اور ملت کے کاروان خفتہ کو آزادی کی شاہراہ پر گامزن کرنے میں اپنی بساط سے بڑھ کر قوم کی عملی رنگ میں رہبری و رہنمائی کا فریضہ ادا کیا تو ظاہر ہے کہ اس ضمن میں مصنف کی تمام تر نکتہ چینی کا قلعہ زمین بوس ہو جائے گا اور جماعت کے طرز فکر و عمل پر اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے گی۔

سیاسی بیداری کے دور کا آغاز

آیئے ! سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ برصغیر میں سیاسی بیداری کب پھیلنا شروع ہوئی۔ " اقبال کا سیاسی کارنامہ " کے مصنف (جن کی کتاب پر مصنف زندہ رود نے بہت سے امور میں انحصار کیا ہے) لکھتے ہیں :۔

"۔ جنگ عظیم کے بعد (۱۹۱۹ء ۔ ناقل) سے ۱۹۲۳ء تک ہندوستان میں برطانوی حکومت کے خلاف سخت ہیجان برپا رہا۔ عدم تعاون اور سول نافرمانی ' اس دور کی یادگار تحریکیں ہیں۔ ملک میں سیاسی بیداری پوری طرح پھیل چکی تھی۔" ۵ ؎

اس دور میں تین مشہور تحریکیں ہمارے سامنے آتی ہیں :۔

۱۔ تحریک خلافت ۲۔ تحریک عدم تعاون یا ترک موالات ۳۔ تحریک ہجرت

راقم عرض کرتا ہے کہ علامہ اقبال نے ان تینوں تحریکوں سے کنارہ کشی اختیار کئے رکھی۔ مصنف زندہ رود خود ہمیں بتاتے ہیں :۔

" جب خلافت کانفرنس وجود میں آئی اور مسلم رہنما ہندوؤں کے ساتھ عدم تعاون یا ترک موالات کی تحریک میں شامل ہو گئے۔ تو اقبال نے اختلافات کے سبب ان سے کنارہ کشی اختیار

کی۔" ۵/۱ ؎

علامہ نے اپنے خط محررہ ۱۴ر دسمبر ۱۹۲۱ء بنام شیخ عطا محمد میں تحریک خلافت کے حامی بعض ممبروں کے لئے " اخوان الشیاطین " کے الفاظ بھی استعمال کیے " ۶ ؎

جہاں تک تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون کے بعد تحریک ہجرت کا تعلق ہے۔ تو واضح رہے کہ علامہ نے نہ ہجرت کی نہ کسی کو اس تحریک میں حصہ لینے کا مشورہ دیا۔ اس تحریک کے متعلق خود مصنف زندہ رود کا نقطہ نظر ملاحظہ ہو :۔ لکھتے ہیں

" درحقیقت جمعیتہ علماء ہند کے فتوے بحق " تحریک ہجرت " نے برصغیر کے شمال مغربی حصہ میں مسلمانوں کے لئے تباہی و بربادی کا سامان پیدا کر دیا ...... مہاجرین کو (افغانستان سے) بہ امر مجبوری واپس آنا پڑا ...... رش بروک ولیمز کے بیان کے مطابق کابل سے لے کر پشاور تک کی شاہراہ کے دونوں طرف کی زمین ان بوڑھوں ' عورتوں اور بچوں کی قبروں سے بھر گئی جو اس سفر کی صعوبتیں برداشت نہ کر سکے " ۷ ؎

یہ امر بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ سیاسی بیداری کے دور میں اقبال

" ۱۹۲۶ء سے پیشتر ' برصغیر میں مسلمانوں کی عملی سیاست کو ایک بیکار مشق سمجھتے تھے " ۸ ؎

ادھر حضرت امام جماعت احمدیہ جن پر سیاسی بیداری کے دور میں بھی جدوجہد آزادی میں عدم شرکت کا الزام لگایا گیا ہے۔ ۱۹۲۶ء سے قبل بھی گورنمنٹ سے مسلم حقوق مثلاً جداگانہ انتخاب ' پنجاب اور بنگال میں مسلم اکثریت کے لئے مناسب نشستیں۔ مسلم ملازمتوں کے لئے مخصوص کوٹہ وغیرہ متعدد مسائل کے لئے فکرمندی سے تگ و دو میں مصروف تھے۔ ایسے تمام مسائل جو ملک کو تدریجاً آزادی کی طرف لے جانے والے تھے۔ ان پر آپ کی گہری نظر تھی ۔ آپ نے ان کے حل کے لئے بھرپور کاوشیں کیں۔ کبھی آپ جماعت کے وفد ' وائسرائے کے پاس بھیجتے۔ کبھی خود تشریف لے جاتے۔ کبھی رسائل و کتب شائع کرتے تاکہ مسلم مفاد کو کسی رنگ میں ٹھیس نہ پہنچے ----

اور سیاسی بیداری کے اسی دور میں اقبال یہ راگ الاپ رہے تھے۔

~ یہ عقدہ ہائے سیاست تجھے مبارک ہوں کہ فیض عشق سے ناخن مرا ہے سینہ خراش

اوائل کی سرگرمیوں سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم ۱۹۱۷ء سے جماعتی سرگرمیوں پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالتے ہیں۔

وزیر ہند کی ہندوستان میں آمد

۲۰ر اگست ۱۹۱۷ء کو مسٹر مانٹیگو وزیر ہند نے برٹش پارلیمنٹ میں ہندوستان سے متعلق ، حکومت انگلستان کی پالیسی کا اظہار کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ملک معظم کی حکومت کا مقصد ہندوستان کو نو آبادیات کے پورے درجے تک پہنچانا ہے۔ وزیر ہند کی ہندوستان آمد پر جہاں دیگر انجمنوں نے ایڈریس پیش کئے وہاں جماعت احمدیہ کی طرف سے بھی ایک وفد پیش ہوا۔ حضور بھی بہ نفس نفیس دلی تشریف لے گئے اور مسلم مطالبات کی وضاحت کی۔ اس موقعہ پر حضور نے دیگر امور کے علاوہ اس امر پر خاص زور دیا کہ ہندوستان کے وہ صوبے جن میں ہندو اکثریت ہے وہاں عموماً مسلمانوں کی تعداد اتنی تھوڑی ہے کہ ان کو چند زائد نشستیں دے دینے کے نتیجہ میں صوبے کے سیاسی توازن پر قطعاً کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن اس کے برعکس مسلمانوں کی جن پانچ صوبوں میں اکثریت ہے۔ ان میں سے دو اہم ترین اور سب سے زیادہ آبادی والے صوبوں یعنی بنگال اور پنجاب میں مسلم اور غیر مسلم آبادی کا تناسب ایسا ہے کہ اگر ہندوؤں کو اقلیت کے اصول پر تعداد سے زیادہ نمائندگی دی جائے تو وہ اکثریت ، اقلیت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ -- یہ سیاسی اصول ، ہندوستان سے مسلمانوں کی سیاسی زندگی کی صف لپیٹنے پر منتج ہو سکتا ہے۔

بعد کی سیاسی جدوجہد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نکتہ مسلمانوں کے حق میں بنیادی اہمیت کا حامل تھا۔

کتابچہ ہندو مسلم پرابلم۔

۱۵ر فروری ۲۷ء کو حضرت امام جماعت احمدیہ نے "ہندو مسلم پرابلم اور اس کا حل" کے عنوان سے انگریزی زبان میں ۴۰ صفحات کا کتابچہ کلکتہ سے شائع کرا کے وائسرائے ہند کی خدمت میں ارسال کیا۔ اس میں ہندو مسلم کشیدگی کو دور کرنے کے سلسلہ میں۔ پنجاب اور بنگال کی کونسلوں میں مسلم اکثریت بحال کرنے کے ساتھ ساتھ "جداگانہ انتخاب" بحال رکھنے پر زور دیا گیا تھا۔ اول الذکر امر کے متعلق حضور لکھتے ہیں :۔

"۔ میں شروع سے ہی یہ کہتا چلا آ رہا ہوں۔ کہ اصولی طور پر ہر فرقہ کی نمائندگی اس کی تعداد کی نسبت سے ہونی چاہئے۔ لیکن اگر کسی فرقہ کو اس کی اہمیت کے پیش نظر زیادہ نمائندگی

دی جائے یا اس خیال سے کہ اگر اس فرقہ کو اس کی تعداد کی نسبت سے نمائندگی دی گئی تو وہ اس کے مختلف مفادات کا تحفظ نہ کر سکے گی۔ تو ایسی صورت میں اس امر کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ کوئی دوسرا اکثریتی فرقہ ، اقلیت میں تبدیل نہ ہو جائے۔ ...... میں شروع سے اس کے خلاف بولتا اور لکھتا چلا آ رہا ہوں۔ لیکن افسوس کہ میرے انتباہ کی طرف توجہ نہ دی گئی۔ اگرچہ اب آ کر بہت سے مسلم زعماء نے اس کے ضرر رساں نتائج کا احساس کر کے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا ہے۔" ۹ ص

موخر الذکر نقطہ یعنی "جداگانہ انتخاب" بحال رکھنے کے حق میں دلائل دیتے ہوئے آپ نے ساتھ ساتھ وائسرائے کو یہ بھی بتایا کہ مسلمانوں کو ملازمتوں میں بھی ان کے جائز حقوق سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ حضور لکھتے ہیں۔

"۔ موجودہ حالات میں "جداگانہ انتخاب" کے قانون کو تبدیل کر دینا۔ کسی صورت میں بھی ملک میں امن و آشتی کے فروغ کا موجب نہیں ہو سکتا۔ اس وقت جو صورت حال ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہر محکمہ سے باہر رکھا جاتا ہے۔ تعداد کے لحاظ سے جتنی اسامیوں کا حق ہے ، ان کو اس کا نصف بھی نہیں مل رہا۔ نتیجۃً "ان کی تجارت اور انڈسٹری بھی بری طرح متاثر ہوئی ہے" (صفحہ ۱۴)

مگر افسوس کہ ۲۰ر مارچ ۲۷ء کی "تجاویز دہلی" میں مسلمان نشستوں کے تحفظ کے ساتھ "جداگانہ" کی بجائے "مخلوط انتخاب" کے طریق کو منظور کر لینے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

تجاویز دہلی

تحریک آزادی کے ضمن میں "تجاویز دہلی" اور "سائمن کمشن" کے مراحل نظر انداز نہیں کئے جا سکتے۔ تجاویز دہلی کے ضمن میں مصنف رقمطراز ہیں :۔

"۔ مسلم لیگ کے بعض قائدین نے ایک اجلاس ۲۰ر مارچ ۱۹۲۷ء کو دہلی میں طلب کیا۔ ان قائدین نے سوچ و بچار کے بعد مندرجہ ذیل تجاویز منظور کیں جنہیں تجاویز دہلی کا نام دیا گیا

۱۔ سندھ کو بمبئی سے الگ کر کے ایک علیحدہ صوبہ بنا دیا جائے۔
۲۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں نئی دستوری اصلاحات نافذ کی جائیں۔
۳۔ پنجاب اور بنگال کی کونسلوں میں مسلم اکثریت بحال کی جائے۔

سائمن کمشن کا اجلاس

سول اینڈ ملٹری گزٹ - لاہور کی رپورٹ

" ہمارا سیاسی نمائندہ جو سائمن کمشن کے ساتھ ہے ' ہندوستانی ممبروں کی مختلف شخصیتوں سے بہت ہی متاثر ہوا ہے ..... شہادت دینے والوں پر جرح کرنے کے باب میں ایک نمایاں شخصیت چوہدری ظفراللہ خان کی ہے - آپ داڑھی رکھے ہوئے ہیں - آپ کوئی دور از کار بات نہیں کرتے - بلکہ ہمیشہ مطلب کی بات کہتے ہیں - آپ کی آواز پر شوکت ہے اور نہایت برجستہ تقریر کرنے والے ہیں " (بحوالہ الفضل ۹ ر نومبر ۱۹۲۸ء)

۴ - مرکزی اسمبلی میں مسلم نمائندوں کی تعداد جملہ نمائندوں کے تناسب سے ۳/۱ ہو -
اگر مندرجہ بالا تجاویز قبول ہوں تو مسلمان ..... مخلوط انتخاب قبول کرلیں گے اور جداگانہ حق نیابت سے دستبردار ہو جائیں گے - (صفحہ ۳۰۹)

حضرت امام جماعت احمدیہ ان تجاویز کے حق میں تھے - مگر جداگانہ حق نیابت سے دستبرداری کے سخت خلاف - آپ اسے مسلمانوں کے لئے مضر سمجھتے تھے --- نیز مسلم حقوق کی حفاظت کے لئے حضور کے نزدیک " تجاویز دہلی " تشنہ تھیں - اور ضروری تھا کہ اس میں بعض دیگر مطالبات بھی شامل کئے جائیں -

سائمن کمشن

مصنف زندہ رود رقمطراز ہیں -

" - ۸ ر نومبر ۱۹۲۷ء کو حکومت برطانیہ نے سائمن کمشن کے تقرر کا اعلان کیا - اس کمشن کے تمام ارکان انگریز تھے اور اس کا کام حالات کے پس منظر میں شہادتیں لینا اور مختلف تجاویز اکٹھی کرنے کے بعد ہندوستان کے لئے آئندہ دستوری اصلاحات کے بارے میں سفارشات پیش کرنا تھا - چونکہ اس میں کسی ہندوستانی کو شامل نہ کیا گیا تھا - اس لئے برصغیر کے سیاسی لیڈروں میں سے اکثریت ' کمشن کی تشکیل پر معترض تھی مگر اقبال کی رائے ان سے مختلف تھی " (صفحہ ۳۲۹)

" - کانگریس نے سائمن کمشن کے مقاطعہ کا اعلان کیا - مگر اس بارے میں مسلم قائدین میں اختلاف رونما ہو گیا - ایک گروہ مقاطعہ کا حامی تھا اور دوسرا تعاون کرنا چاہتا تھا - مقاطعہ کے حامیوں میں مولانا محمد علی اور محمد علی جناح پیش پیش تھے مگر تعاون کے حامی سر محمد شفیع - اقبال اور مولانا حسرت موہانی تھے ..... ان ایام میں پنجاب صوبائی مسلم لیگ کے صدر سر محمد شفیع اور سیکرٹری اقبال تھے " (ایضاً)

مسلمانان ہند کے امتحان کا وقت

راقم عرض کرتا ہے کہ
سائمن کمشن کی متوقع آمد کے موقع پر ' حضرت امام جماعت احمدیہ نے " مسلمانان ہند کے امتحان کا وقت " کے عنوان سے ایک رسالہ شائع کیا - جس میں خالص اسلامی نقطہ نظر سے

مشورہ دیا کہ کمشن سے مقاطعہ کا اثر زیادہ تر مسلمانوں پر پڑے گا ۔ ہندوؤں کے لیڈر رابر ۸ سال سے گرمیوں میں انگلستان جاتے ہیں اور بڑے بڑے انگریزوں سے ہندوؤں کے فائدہ کی باتیں کر کر کے انہیں اپنا ہم خیال بنا چکے ہیں ۔ اس طرح وہ کوشش کر کے پارلیمنٹ کے ممبروں کو ہندوستان لاتے ہیں ۔ اور ہندوؤں کے گھر مہمان ٹھہراتے ہیں مگر مسلمانوں کے پاس نہ دولت ہے نہ ان کے اندر قربانی کا مادہ ---- چنانچہ وہ آٹھ سال کے عرصہ میں بالکل سوتے رہے ہیں اور صرف اس سال عزیزم چوہدری **ظفر اللہ خاں احمدی** اور ڈاکٹر شفاعت احمد صاحب بیرسٹر ممبر یو پی کونسل اس غرض سے ولایت گئے تھے اور انہیں بڑے بڑے آدمیوں نے کہا کہ ہمیں تو آج معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کے حقوق کی جداگانہ حفاظت کی ضرورت ہے ورنہ ہم تو یہ خیال کرتے تھے کہ ہندو لیڈر جو باتیں کہتے رہے ہیں ۔ مسلمان ان سے متفق ہیں ۔ ورنہ مسلمان کیوں نہ آکر ہم سے اپنے حقوق کے متعلق بحث کرتے ..... نتیجہ یہ ہے کہ انگریز، ہندوستان کے مطالبات وہی سمجھتے ہیں جو ہندوؤں کی طرف سے کئے جاتے ہیں اور مسلمان اس امر کو یاد رکھیں کہ اگر (سائمن) کمشن کا بائیکاٹ ہوا ۔ تو کمشن جو رپورٹ کرے گا وہ اپنے پہلے علم کی بنا پر کرے گا ۔ اور وہ الف سے لے کری تک ہندو لیڈروں کا دیا ہوا ہو گا"۱۰

یہ مضمون الفضل ۱۶ ر دسمبر ۲۷ء میں شائع ہوا اور پھر اسے مذکورہ عنوان سے رسالہ کی صورت میں شائع کر کے وسیع پیمانہ پر برصغیر کے طول و عرض میں پھیلا دیا گیا ۔

حضرت امام جماعت احمدیہ نے صرف کمشن سے مقاطعہ کے مضرت رساں ہونے کی طرف ہی توجہ نہیں دلائی ۔ بلکہ مسلمانوں پر یہ زور بھی دیا کہ تجاویز دہلی کی شق جس میں جداگانہ انتخاب کو مسترد کرنا قبول کیا گیا ہے مسلم مفاد کے نقطہ نظر سے سخت نقصان دہ ہے ۔ پھر حضور نے ان تجاویز یا مطالبات کا خاکہ بھی پیش کیا جو سائمن کمشن کے روبرو پیش کئے جانے چاہئیں ۔ شفیع لیگ والے بھی اکثر و بیشتر ان نظریات کے حامی ہو چکے تھے ۔ اور وہ سمجھتے تھے کہ سیاسی آزادی کی جدوجہد میں یہ مطالبات نہایت ضروری ہیں ۔

ہم سیاسی آزادی کے بعض اہم مراحل یا واقعات میں جماعت احمدیہ کے سرگرم کردار کا کچھ ذکر گذشتہ صفحات میں کر چکے ہیں اور کچھ تذکرہ آئندہ سطور میں کیا جائے گا (انشاء اللہ) آیئے ۔ اس وقت اس امر کا جائزہ لیں ۔ کہ سائمن کمشن کے روبرو پیش کرنے کے لئے حضرت

امام جماعت احمدیہ کی تجاویز کا خاکہ کیا تھا ۔ اور شفیع لیگ نے جس کے سیکرٹری علامہ اقبال تھے ۔ سائمن کمشن کی خدمت میں کیا تجاویز پیش کیں ۔

اقبال ریویو (شائع کردہ اقبال اکادمی پاکستان) ---- لکھتا ہے کہ روزنامہ زمیندار لاہور ۲۴ ر جون ۲۸ء کے مطابق :-

"۔ سر جان سائمن (کمشن) کی خدمت میں آل انڈیا مسلم لیگ (شفیع لیگ) لاہور کی یادداشت بھی پیش کی گئی جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال اور میاں سر محمد شفیع کی مرتب کردہ ہے ۔ مجلہ جولائی ۱۹۷۸ء صفحہ ۱۵۹ ۔

تقابلی جائزہ

سائمن کمشن کے روبرو پیش کرنے کیلئے تجاویز یا یادداشت

- ۵ ر نومبر ۱۹۲۸ء کو پونے تین بجے کا وقت آل انڈیا مسلم لیگ (شفیع لیگ) کے لئے مقرر ہوا تھا ۔ مسلم لیگ کی طرف سے ایک بڑا وفد سائمن کمشن کے سامنے پیش ہوا ۔۱۱
- ۵ ر نومبر ۱۹۲۸ء کو شفیع لیگ کے ایک وفد نے، جس میں اقبال بھی شامل تھے ۔ سائمن کمشن کے سامنے شہادت دی ۱۲

حضرت امام جماعت احمدیہ کی مجوزہ تجاویز کا خلاصہ روزنامہ الفضل قادیان ۔ ۱۶ ر دسمبر ۱۹۲۷ء	ڈاکٹر سر محمد اقبال اور سر محمد شفیع کی مرتب کردہ یادداشت کا خلاصہ جو ۵ ر نومبر ۱۹۲۸ء کو کمشن کے روبرو پیش کی گئی
۱۔ صوبہ سرحد میں اصلاحی طریق حکومت کیلئے کوشش ہونی چاہئے ۔	۱۔ " یہ لیگ قوی امید رکھتی ہے کہ سائمن کمشن اس صوبہ (سرحد) میں اصلاحات کے نفاذ کیلئے برطانوی پارلیمنٹ کے پاس سفارش کرے گا ۔

۲ - سندھ کے متعلق یہ کوشش ہونی چاہئے کہ وہ بمبئی سے الگ ایک مستقل صوبہ قرار دیا جائے -

۳ - ہندوستان کے مخصوص حالات میں مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کی سخت ضرورت ہے پس (سائمن کمشن کے سامنے - ناقل) اس امر پر زور دینا چاہئے کہ اس حق کو ہندوستان کے اساسی قانون میں داخل کیا جائے -

۴ - پنجاب اور بنگال اور جو آئندہ مسلم اکثریت کے صوبے بنیں ان میں مسلمانوں کو اس قدر حقوق دیئے جائیں کہ ان کی کثرت ، قلت میں نہ بدل جائے -

۵ - اس وقت ہندوؤں کو مسلمانوں پر غلبہ ادنیٰ اقوام کی وجہ سے ہے - ہندو لوگ چوہڑوں وغیرہ کو حق تو کوئی نہیں دیتے لیکن ہندو قرار دے کر ان کے بدلہ میں خود اپنے لئے سیاسی حقوق لے لیتے ہیں - مسلمانوں کا فرض ہے کہ انہیں ابھاریں - اور ان کی تنظیم میں مدد دیں - اور سائمن کمشن کے سامنے ان کے معاملہ کو پیش

۲ - یہ لیگ پر زور مطالبہ کرتی ہے کہ صوبہ سندھ کو احاطہ بمبئی سے علیحدہ کیا جائے

۳ - ہندوستان کی ساری مسلم آبادی ، جن کی نمائندگی لیگ کرتی ہے بڑی شدت کے ساتھ مشترکہ حلقہ جات انتخاب کی ہر سکیم کی مخالف ہے اس لئے مسلمانوں کے لئے جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کو اصل الاصول سمجھا جائے

۴ - پنجاب اور بنگال ہی دو ایسے صوبے ہیں - جن میں بہ لحاظ آبادی مسلمانوں کی اکثریت ہے - لیکن موجودہ حالات میں انہیں اکثریت رکھنے کی حیثیت کے پھل سے محروم کر دیا گیا ہے -

۵ - لیگ کا خیال ہے کہ ..... ان لوگوں کو جو نہ تو مسلمان ہیں اور نہ عیسائی (یعنی چوہڑے وغیرہ ناقل) ہندو کہا جاتا ہے - (اسی وجہ سے) اونچی جاتی کے ہندوؤں کو غلبہ نیابت حاصل ہو جاتا ہے .... اس لئے ضروری ہے کہ قوموں کی جدید تقسیم جلد سے جلد اور نہایت مستحکم بنیادوں پر عمل میں لائی جائے

۶ - زبان کا سوال کسی قوم کی ترقی کے لئے اہم سوال ہوتا ہے - پس یہ فیصلہ ہونا چاہئے کہ مسلمانوں کو اردو زبان میں تعلیم حاصل کرنے کی پوری اجازت ہو گی اور جن صوبوں میں اردو رائج ہے - ان میں اردو زبان ، قانونی زبان کی حیثیت سے ہمیشہ کے لئے قائم رہے گی -

۷ - تبلیغ ہر وقت اور ہر زمانہ میں قیود سے آزاد رہے گی - ۱۳ سے

کریں -

۶-۷ - تمام تعلیمی اداروں میں جو حکومت نے قائم کر رکھے ہیں - یا جنکو حکومت کی طرف سے گرانٹ ملتی ہے - اردو زبان کا استعمال کیا جائے -

مذہبی شعائر کی ادائیگی کے سلسلہ میں (مسلمانوں کو) ذبیحہ گائے کی اجازت ہو اور مسجدوں کے سامنے باجہ بجانے کی ممانعت کی جائے - ۱۵

۸ - حضرت امام جماعت احمدیہ کے مضامین مطبوعہ الفضل اکتوبر ۱۹۲۸ء جو نومبر ۲۸ء میں کتابی شکل میں شائع ہوئے کے مطابق حضور فرماتے ہیں :- " میری طرف سے ساتواں مطالبہ یہ بھی پیش ہوتا رہا ہے کہ ..... قانون اساسی کا جو حصہ کسی خاص قوم کے حقوق کے متعلق ہو - اس کے متعلق یہ شرط ہو کہ جب تک اس قوم کے ۲/۳ ممبر س کے حقوق کی حفاظت اس قانون میں نی - اس کے بدلنے کے حق میں نہ ہوں ... اسے پاس نہ سمجھا جائے - " ۱۴

۸ - لیگ کی رائے میں مندرجہ ذیل استحفاظی دفعہ ضروری ہے " کوئی مسودہ قانون یا قرار داد یا اس کا کوئی حصہ جو کسی قوم پر اثر انداز ہوتا ہو (اس کا فیصلہ اس قوم کے منتخب شدہ ارکان کریں گے) مجلس وضع قوانین یا کسی دوسری انتخابی مجلس میں منظور نہ کیا جائے - جب تک اس قوم کے منتخب شدہ ارکان کا تین چوتھائی حصہ اس مسودہ یا قرار داد یا اس کے کسی حصے کے خلاف ہو " ۱۶

To change the law of separate electorate under the present conditions will not help to promote the peace of the country. The state of things now prevailing in India is that Muslims are kept out of every department. They have not yet got even half of the number of posts to which they are entitled by reason of their numbers. And this is telling on their commerce.

ص ۱۹۳ ـ سطر ۱۰

I have been speaking and writing against it from the very biggning, but I am sorry to say that my warning was not heeded, though now many of the Muslim Leaders have begun to realise the consequences and admit their mistake. ص ۱۹۳ - سطر ۳

(Hindu - Muslim Problems.
By Imam Jama'at Ahmadiyya.

آل پارٹیز مسلم کانفرنس

نہرو رپورٹ کے رد میں اپنے مضامین (مطبوعہ الفضل ـ ۲ اکتوبر تا ۲ نومبر ۱۹۲۸ء) میں حضرت امام جماعت احمدیہ نے ایک آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے قیام کی ضرورت پر زور دیا اور فرمایا :۔

" ایک آل پارٹیز مسلم کانفرنس منعقد ہونی چاہئے ۔ مجھے اس بات کو معلوم کر کے خوشی ہوئی ہے کہ ایسی کانفرنس کی بنیاد لیجسلیٹو اسمبلی کے مسلمان نمائندوں نے رکھ دی ہے اور دسمبر میں اس کے انعقاد کی تجویز ہو رہی ہے ۔ میں اس کانفرنس کے داعیان کو اس امر کی طرف توجہ دلائے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ کہ وہ اس (کانفرنس) کی دعوت کو جس قدر وسیع کریں ۔ وہ مفید ہو گا ۔ اور ان کی کامیابی کا انحصار ان کی دعوت کی وسعت پر ہو گا ۔ " (نہرو رپورٹ اور مسلمانوں کے حقوق ص ۱۱۴)

جناب عبدالمجید سالک جو اس کانفرنس (۳۱ دسمبر ۲۸ ء تا ۲ جنوری ۱۹۲۹ء) میں موجود تھے ۔ فرماتے ہیں " مسلمانوں کی جس قدر زیادہ نمائندگی اس کانفرنس میں مہیا ہوئی ۔ اتنی اور کسی اجتماع میں دکھائی نہیں دیتی ۔ یہاں تک کہ اس کانفرنس میں بیس قادیانی ممبر بھی شامل کر لئے گئے تھے تاکہ اس جماعت کو بھی نقصان نیابت کی شکایت نہ ہو " (سرگذشت ص ۲۵۷)

ان حقائق کی روشنی میں ظاہر ہے کہ مصنف زندہ رود کی یہ تحقیق درست قرار نہیں دی جا سکتی کہ :۔

" برصغیر کی مسلم سیاست میں احمدی صرف اسی حد تک حصہ لیتے تھے جس حد تک سر فضل حسین یا یونینسٹ پارٹی کے مفادات اجازت دیتے تھے ۔ پس اگر احمدیوں نے " آل پارٹیز مسلم کانفرنس " میں شمولیت اختیار کی تو سر فضل حسین کے اشارے پر کی تھی " (زندہ رود ص ۵۹۱)

باب نمبر ۶ فصل نمبر ۲

جدوجہد آزادی کے اہم اجتماعات ۱۹۲۸ء تا ۱۹۳۲ء

حصول آزادی کے تدریجی سفر میں مسلم پلیٹ فارم سے جو مسلم مطالبات وقتاً فوقتاً پیش کیے گئے یا دوسرے لفظوں میں جو سیاسی جدوجہد کی گئی ۔ ان میں جن تحریکات یا واقعات کو ممتاز مقام حاصل ہے ۔ ان میں سے کچھ کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے ۔ اس دور کو ہم ۱۹۲۷ء تک کا دور کہتے ہیں ۔

۱۹۲۷ء تک کا دور

آزادی کے مخلص علمبردار اور مسلمانوں کے محبوب رہنما رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کو سیاسی آزادی کی مہم میں جو قائدانہ مقام حاصل ہے ۔ اس سے کسے انکار ہو سکتا ہے ۔ علامہ اقبال کی پنجاب کونسل میں تقریر کے حوالے سے آپ کا تبصرہ گذشتہ صفحات میں درج کیا جا چکا ہے ۔ آیئے ! دیکھتے ہیں مولانا جوہر کے نزدیک سیاسی آزادی کی جدوجہد میں ۔ مسلمانوں کی بہبودی اور ان کی تنظیم کے سلسلہ میں ' ۱۹۲۷ء تک جماعت احمدیہ کا کیا کردار رہا ۔۔۔۔ مولانا کے اخبار " ہمدرد " کا درج ذیل تبصرہ قابل توجہ ہے :۔

مولانا محمد علی جوہر کا خراج تحسین

" ۔ ناشکر گزاری ہو گی کہ جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد (امام جماعت احمدیہ ۔ ناقل) اور ان کی اس منظم جماعت (احمدیہ) کا ذکر ان سطور میں نہ کریں جنہوں نے اپنی تمام تر توجہات بلا اختلاف عقیدہ تمام مسلمانوں کی بہبودی کیلئے وقف کر دی ہیں ۔ یہ حضرات اس وقت اگر ایک طرف ، مسلمانوں کی سیاسیات میں دلچسپی لے رہے ہیں تو دوسری طرف ، مسلمانوں کی تنظیم و تجارت میں بھی انتہائی جدوجہد سے منہمک ہیں اور وہ وقت دور نہیں جبکہ اسلام کے اس منظم فرقہ کا طرز عمل سواد اعظم اسلام کیلئے بالعموم اور ان اشخاص کے لئے بالخصوص جو بسم اللہ کے گنبدوں میں بیٹھ کر خدمت اسلام کے بلند بانگ و در باطن ہیچ دعاوی کے خوگر ہیں ۔

مشعل راہ ثابت ہو گا" ۱۷؎

اسی طرح اخبار "مشرق" گورکھپور کا درج ذیل تبصرہ بھی مطالعہ کے لائق ہے۔

" اس وقت ہندوستان میں جتنے فرقے مسلمانوں کے ہیں۔ سب کسی نہ کسی وجہ سے انگریزوں یا ہندوؤں یا دوسری قوموں سے مرعوب ہو رہے ہیں۔ صرف ایک احمدی جماعت ہے۔ جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح کسی فرد یا جماعت سے مرعوب نہیں ہے اور خالص اسلامی کام سرانجام دے رہی ہے" ۱۸؎

امید ہے کہ مصنف زندہ رود کی یہ غلط فہمی کہ احمدی تحریک آزادی کی جدوجہد میں حصہ لینا حرام سمجھتے تھے۔ (صفحہ ۵۹۰) یا احمدی مسلم سیاسیات میں صرف اسی حد تک حصہ لیتے تھے جس حد تک سر فضل حسین یا یونی نسٹ پارٹی کے مفادات اجازت دیتے تھے (صفحہ ۵۹۱) مولانا محمد علی جوہر کے اعلان اور اخبار "مشرق" کے اداریئے کے مطالعہ سے دور ہو جائے گی۔

۱۹۲۷ء کے بعد کا دور

آئندہ صفحات میں ہم ۱۹۲۷ء کے بعد کے دور کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں ۲۸ء تا ۳۲ء کی مدت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس دور میں درج ذیل اجتماعات یا مراحل مسلمانان ہند کی سیاسی جدوجہد میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں:۔

- آل پارٹیز مسلم کانفرنس دہلی --- دسمبر ۱۹۲۸ء تا جنوری ۱۹۲۹ء
- قائداعظم کے چودہ نکات ---- مارچ ۱۹۲۹ء
- آل مسلم پارٹیز کانفرنس۔ پٹنہ --- جولائی ۱۹۳۰ء
- گول میز کانفرنسیں لندن (۱) --- نومبر ۱۹۳۰ء
  " (۲) --- ستمبر ۱۹۳۱ء
  " (۳) --- نومبر ۱۹۳۲ء
- علامہ اقبال کا خطبہ الٰہ آباد --- دسمبر ۱۹۳۰ء
- علامہ اقبال کا خطبہ مسلم کانفرنس لاہور --- مارچ ۱۹۳۲ء

مندرجہ بالا اجتماعات یا کانفرنسوں میں قدرے ردوبدل کے ساتھ

--- مسلم نشستوں کا تحفظ --- سندھ کی بمبئی سے علیحدگی --- بلوچستان اور سرحد میں اصلاحات کا نفاذ --- مرکزی و صوبائی وزارتوں میں مسلمانوں کا جائز حصہ --- وفاقی طرز

حکومت --- صوبوں کی خود مختاری --- پنجاب اور بنگال میں مسلم اکثریت --- تمام فرقوں اور قوموں کو مکمل مذہبی آزادی وغیرہ مطالبات پیش ہوتے رہے۔ ۱۹؎

نہرو رپورٹ کا رد

گو حضرت امام جماعت احمدیہ، جدوجہد آزادی کے ان نکات کی ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۷ء تک کے دور میں کافی حد تک وکالت کر چکے تھے۔۔ مگر ۱۹۲۸ء میں "نہرو رپورٹ" کے رد میں آپ کی طرف سے جو کتاب شائع کی گئی۔ اس کی اس دور میں نظیر نہیں ملتی۔ " --- نہرو رپورٹ اور مسلمانوں کے مصالح " کے نام سے بڑی تقطیع کے ۱۱۸ صفحات پر شائع شدہ یہ کتاب سیاست کے طالب علموں کے مطالعہ کے لائق ہے۔ اس میں یورپین ممالک کے دساتیر کو سامنے رکھ کر مسلم مطالبات کے حق میں بڑے ہی وزنی اور واقعاتی دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ پھر اس کا انگریزی ترجمہ کروا کے انگلستان کے اہل الرائے طبقہ اور برٹش پارلیمینٹ کے ممبروں کو بھجوایا گیا۔۔ اس کتاب نے نہرو رپورٹ کے پیش کردہ دلائل کی دھجیاں بکھیر کے رکھ دیں۔ مولانا غلام رسول مہر نہرو رپورٹ کی مخالفت کے مرحلہ کو قیام پاکستان کی مہم میں کیا اہمیت دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

"پاکستان کے قریبی محرکات و عوامل کا جائزہ لیں۔ تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ اس کا آغاز "نہرو رپورٹ" کی مخالفت سے ہوا۔ (ہفتہ وار "اقدام" ۱۳ جون ۱۹۵۳ء)

نہرو رپورٹ کی مخالفت

راقم عرض کرتا ہے کہ:۔

- حضرت امام جماعت احمدیہ نے اس کتاب میں نہرو رپورٹ کی اندرونی شہادتوں سے ثابت کیا کہ نہرو کمیٹی کسی صورت میں بھی ہندوستان کی نمائندہ نہیں کہلا سکتی۔
- حضور نے مسلمانوں کا ایک ایک مطالبہ بیان کر کے نہرو رپورٹ کی روشنی میں ثابت کیا کہ اس نے مسلم مطالبات کو پورا کرنا تو رہا ایک طرف۔ ان کے موجودہ حقوق بھی غصب کرنے کی کوشش کی ہے۔
- حضور نے اس بے نظیر تبصرہ کو اسی ماہ (نومبر ۲۸ء) میں برطانوی پارلیمینٹ کے ممبروں کو بھجوانے کے علاوہ کلکتہ اور دہلی جو ان دنوں سیاسی آزادی کے مرکز بنے ہوئے تھے اور جہاں

مسلم لیگ، مجلس خلافت اور دوسری جماعتوں کے اجلاس منعقد ہو رہے تھے۔ وہاں خاص طور پر اس کی اشاعت کی۔

۔ حضور نے خطبہ جمعہ (۵ر اکتوبر ۲۸ء) میں ہندوستان کے تمام احمدیوں کو حکم دیا۔ کہ وہ ہر شہر ہر قصبہ اور ہر گاؤں میں دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر جلد سے جلد ایسی کمیٹیاں بنائیں جو نہرو کمیٹی کے خلاف جلسے کر کے اس کی پیش کردہ تجاویز کے بداثرات سے آگاہ کریں۔ اور ریزولیوشن پاس کر کے مسلم لیگوں۔ مقامی حکومت۔ حکومت ہند، سائمن کمشن اور تمام سیاسی انجمنوں اور پریس کو بھیجیں اور حکومت کو آگاہ کر دیا جائے کہ

نہرو رپورٹ میں ہمارے حقوق کو نظرانداز کر دیا گیا۔

۔ مسلمانوں کے حقوق آزادی کی انگریزوں پر معقولیت ثابت کرنے کے لئے حضور نے ۱۱۸ صفحات کے اس تبصرہ کو بہت سے قدیم اور نادر حوالوں سے مزین کیا۔ مثلاً

۔ آٹھ دفعات کانگریس آف وئنا یونائیٹڈ ندر لینڈ۔۔۔ صفحہ ۳۶

۔ کانگریس آف برلن ۱۸۷۸ء (بہ سلسلہ سرویا۔ بلغاریہ)۔۔۔ صفحہ ۳۷

۔ دی پروٹیکشن آف مائنارٹیز ۔۔۔ صفحہ ۳۷

۔ لیگ آف نیشنز کی نگرانی میں اقلیتوں کی حفاظت کے معاہدات مثلاً:۔

"پولینڈ سے معاہدہ

"یوگوسلیویا سے معاہدہ

"البانیہ معاہدہ

" فنلینڈ سے معاہدہ بابت جزائر الانڈ وغیرہ وغیرہ

پھر فرمایا۔۔۔ "میں اور احمدیہ جماعت اس معاملہ میں (نہرو رپورٹ کے مضرتوں کے خلاف) باقی تمام مسلمانوں سے مل کر جدوجہد کرنے کو تیار ہوں اور میں احمدیہ جماعت کے وسیع اور مضبوط نظام کو اس اسلامی کام کی اعانت کے لئے تمام جائز صورتوں میں لگا دینے کا وعدہ کرتا ہوں" ۲۰ے

O۔۔ چنانچہ افراد جماعت نے دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو حقوق آزادی کے لئے بیدار کیا۔

O۔۔ ملک کے چپہ چپہ میں احتجاجی جلسوں کو کامیاب کیا۔۔۔ بالاخر گاندھی جی کو تسلیم کرنا

"ہم یہ کبھی فراموش نہیں کر سکتے کہ "نہرو رپورٹ" کو ردی کے کاغذ کے برابر بھی وقعت نہیں دی گئی۔" ۲۱ے

جدوجہد آزادی۔ مسلم سیاست کے تین اہم مراحل

آگے بڑھنے سے پیشتر ہم۔۔ آل پارٹیز مسلم کانفرنس۔ قائداعظم کے ۱۴ نکات اور علامہ اقبال کے خطبہ الہ آباد کا مختصر تعارف پیش کرنا چاہتے ہیں۔ تاریخ آزادی میں ان تینوں اجتماعات یا مراحل کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ۲۲ے

آل پارٹیز مسلم کانفرنس جنوری ۱۹۲۹ء

مصنف زندہ رود رقمطراز ہیں:۔

"نہرو رپورٹ نے مسلمانوں پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ کانگریسی لیڈروں کا وسیع النظریہ اعتدال پسند طبقہ بھی ہندو مہا سبھا کے زیر اثر ہے۔ چنانچہ کوشش کی جانے لگی کہ اس کے خلاف مسلمانوں کا ایک متحدہ محاذ بنایا جائے۔ اس تگ و دو کے نتیجہ میں "آل پارٹیز مسلم کانفرنس" وجود میں آئی۔ اقبال اس کانفرنس کے بانیوں میں سے تھے اور انہوں نے کانفرنس کے لئے مسلمانوں کے مطالبات مرتب کرنے کے سلسلہ میں اہم کردار ادا کیا۔ ا۔ ۲۹ر دسمبر ۱۹۲۸ء آل پارٹیز مسلم کانفرنس کا اجلاس بصدارت آغا خاں، دہلی میں منعقد ہوا۔ جس میں جناح لیگ کے سوا تمام مسلم جماعتوں کے نمائندے شریک ہوئے۔ اجلاس میں نہرو رپورٹ کی مذمت کی گئی اور بالاخر ایک قرارداد (۱۰ مطالبات پر مشتمل۔ ناقل) منظور کی گئی" ۲۳ے

قائداعظم کے چودہ نکات مارچ ۱۹۲۹ء

"محمد علی جناح نے جناح لیگ میں موجود، نیشنلسٹ مسلمانوں کے گروہ سے بیزار ہو کر" آل انڈیا مسلم کانفرنس" کی قرارداد کے ۱۰ مطالبات میں کچھ ترمیم (یعنی مرکز اور صوبہ کی ہر وزارت میں ایک تہائی حصہ مسلمان ضروری ہوں) اور ۴ر مطالبات کا اضافہ کر کے اپنا فارمولا جو چودہ نکات کے نام سے مشہور ہوا۔ اخباروں میں شائع کر دیا۔" ۲۴ے

علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد دسمبر ۱۹۳۰ء

۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس الٰہ آباد میں منعقد ہوا۔ اس کی صدارت، علامہ اقبال نے فرمائی۔ تاریخ آزادی میں آپ کے صدارتی خطاب کو خصوصی اہمیت کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ آپ نے اپنے خطبہ میں " اسلام اور قومیت " ہندوستان میں ایک اسلامی ہند۔ سائمن رپورٹ۔ نہرو رپورٹ۔ مسئلہ دفاع۔ جداگانہ انتخاب۔ سندھ کی علیحدگی۔ گول میز کانفرنس وغیرہ امور پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ اور اس ضمن میں " مسلم مطالبات " کی معقولیت واضح کرنے کی کوشش کی۔

مسلم مطالبات کے حق میں قادیان سے اٹھنے والی حریت پرور آواز

افسوس ہے۔ مصنف زندہ رود نے جماعت احمدیہ پر سیاسی بیداری کے دور میں جدوجہد آزادی میں عدم شرکت کا الزام تو بڑی دیدہ دلیری بلکہ دریا دلی سے لگا دیا مگر اسے معین واقعات سے مزین کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔

امر واقعہ یہ ہے کہ مسلم سیاست کے تین اہم مراحل (آل انڈیا مسلم کانفرنس۔ قائداعظم کے چودہ نکات اور خطبہ الٰہ آباد) میں پیش کردہ " مطالبات " کی شمع کو قادیان کی سرزمین سے جو جلا بخشی گئی --- اس شجر کی جس رنگ میں وہاں سے آبیاری کی گئی --- نہرو رپورٹ کے زہر کا تریاق، جس کثیر مقدار میں قادیان نے مہیا کیا --- مسلم حقوق کے تحفظ کے لئے مسلم قائدین کو جس انداز میں دلائل و براہین سے قادیان نے لیس کیا۔ برصغیر کی کوئی مذہبی جماعت یا ادارہ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جماعت احمدیہ کے اولوالعزم اور صاحب بصیرت امام نے محاذ حریت پر اسلامی روایات کو ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت درجہ پختہ کاری، میانہ روی، لامحدود وسعت قلب و نظر اور حیرت انگیز سخت کوشی سے ایک معمولی سپاہی کی طرح نہیں بلکہ ایک سپہ سالار کی مانند غائت درجہ اخلاص و ایثار سے اپنا کردار بھرپور طور پر ادا کیا۔

واضح رہے کہ ان تاریخی اجتماعات یا واقعات میں پیش کئے جانے والے مسلم مطالبات کے خالق نہ تنہا امام جماعت احمدیہ تھے۔ نہ بانیان مسلم کانفرنس، نہ قائداعظم اور نہ علامہ اقبال۔ بلکہ یہ مطالبات کسی نہ کسی شکل میں موجود تھے اور یہ سب حضرات یا اجتماعات ان کے ترجمان تھے۔

ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مسلم حقوق کی جو ترجمانی قادیان کی سرزمین سے ہوئی۔ وہ بہترین ترجمانی میں شمار کئے جانے کے لائق ہے۔

بخوف طوالت ہم آئندہ سطور میں حضرت امام جماعت احمدیہ کے مضامین مطبوعہ اخبار الفضل اکتوبر اور انہی مضامین پر مشتمل کتاب (مطبوعہ نومبر ۱۹۲۸ء۔ ۱۱۸ صفحات) سے صرف چند منتخب اقتباس پیش کرتے ہیں۔ جن میں مسلم مطالبات کی ترجمانی کی گئی ہے (مفصل تشریح کے لئے اصل کتاب ملاحظہ فرمائی جائے) ۔ پھر تقابلی جائزہ کے لئے اس کے بعد منعقد ہونے والے تینوں تاریخی اجتماعات (آل انڈیا مسلم کانفرنس۔ یکم جنوری ۱۹۲۹ء۔ قائداعظم کے چودہ نکات مارچ ۱۹۲۹ء۔ خطبہ الٰہ آباد۔ دسمبر ۱۹۳۰ء) میں پیش کئے گئے نکات یا مطالبات کے خلاصے درج کرتے ہیں۔ تاکہ قارئین کرام کو موازنہ کرنے میں سہولت رہے۔ اور وہ یہ اندازہ لگا سکیں کہ مصنف زندہ رود کا یہ دعویٰ کہ جماعت احمدیہ جدوجہد آزادی میں شرکت کو حرام سمجھتی تھی کس حد تک قابل قبول ہے؟

سیاسی بیداری کے دور کے اہم ترین مسلم مطالبات

فیڈرل حکومت کا مطالبہ

حضرت امام جماعت احمدیہ کا نقطہ نگاہ (اکتوبر ۱۹۲۸ء)

حضور فرماتے ہیں:۔

۱۔ "۔ مسلمانوں کا پہلا مطالبہ **فیڈرل حکومت** کا ہے۔ یعنی اختیارات حکومت صوبہ جات کو ملیں۔ جنہیں کامل خود اختیاری حکومت حاصل ہو۔ مرکزی حکومت کو صرف وہی کام صوبہ جات کی طرف سے تفویض ہو۔ جن کا مرکزی حکومت کو دیا جانا ضروری ہو.... یہ مطالبہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ سب مسلمانوں کا ہے۔ کم ازکم دونوں مسلم لیگوں (جناح لیگ۔ شفیع لیگ۔ ناقل) کا یہ مطالبہ ضرور ہے۔ اس مطالبہ کو نہرو کمیٹی نے کلی طور پر رد کر دیا ہے۔ اور بجائے فیڈرل حکومت کے مرکزی حکومت کے طریق کو منظور کیا ہے۔ یعنی ان کی تجویز کی رو سے ہندوستان کی حکومت کے اختیار مرکزی پارلیمنٹ کو دیئے گئے ہیں اور ان کی طرف سے بعض اختیارات، صوبہ جات کو عطا کئے گئے ہیں ..... پس نہرو کمیٹی نے **فیڈرل** یعنی اتحادی حکومت کو جس میں سب صوبے برابر کے حقدار ہوتے ہیں رد کر کے مسلمانوں کو بالکل بے بس

کر دیا ہے۔" ۲۵ ؎

"۔ نہرو رپورٹ کی پیش کردہ طرز حکومت کی رو سے مرکزی حکومت "بنگال اور پنجاب" کے اسلامی صوبہ جات کو یا تو بالکل مٹا سکتی ہے یا ان میں ہندوؤں کی اکثریت کر سکتی ہے۔ لیکن مسلمانوں کی طرف سے جو مطالبہ ہے۔ اس کی رو سے ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مسلمان فیڈرل حکومت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جس میں اصل مالک صوبہ جات قرار پاتے ہیں۔ مرکزی حکومت ایک گماشتہ کی حیثیت رکھتی ہے"۔ ۲۶ ؎

"فیڈرل حکومت کا اصول کوئی غیر مجرب اصول نہیں ہے بلکہ ایک لمبے عرصہ سے اس کا تجربہ کیا جا رہا ہے اور یہ بہترین اصل ثابت ہوا ہے۔" امریکہ، جنوبی افریقہ، آسٹریلیا اور سوئٹزرلینڈ میں بھی اسی قسم کی حکومت ہے۔" ۲۷ ؎

"..... میں سمجھتا ہوں کہ میں ثابت کر چکا ہوں کہ **فیڈریشن کا سوال مسلمانوں کے لئے موت اور حیات کا سوال ہے** اور یہ بھی کہ فیڈریشن کے اصول کو تسلیم کر لینے میں ہندوؤں کا کوئی نقصان نہیں۔ اور سیاستاً اس قسم کی حکومت میں کوئی خرابی نہیں اور اس لئے اس حصہ کو ان فقرات پر ختم کرتا ہوں۔ کہ مسلمان یاد رکھیں کہ ان کے سب مطالبات میں سے وزنی مطالبہ یہی ہے۔ اگر اسے وہ حاصل کر لیں تو باقی مطالبات میں کوئی نقص رہ بھی جائے۔ تو کوئی ہرج نہیں۔ لیکن اس مطالبہ میں اگر کوئی نقص رہ گیا۔ تو پھر ان کے لئے کہیں ٹھکانا نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہر ایک شر سے محفوظ رکھے" ۲۸ ؎

تقابلی جائزہ

آل پارٹیز مسلم کانفرنس (یکم جنوری ۱۹۲۹ء) ہندوستان کا آئندہ دستور وفاقی:
ہندوستان کا آئندہ دستور وفاقی طرز کا ہو اور ما بقی اختیارات صوبوں کو دیئے جائیں"۲۹

قائد اعظم کے ۱۴ نکات مارچ ۱۹۲۹ء آئندہ جو آئین مملکت طے کیا جائے اس کی ہیئت وفاقی طرز حکومت' کی ہو جس میں بقیہ اختیارات صوبجات کو تفویض کئے جائیں۔ تمام صوبوں کو یکساں خود اختیاری عطا کی جائے۔" ۳۰ ؎

علامہ اقبال' خطبہ الہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء) "مسلمانوں نے وفاق کا مطالبہ صرف اس

لئے کیا ہے کہ فرقہ وارانہ مسئلے کا حل پیدا ہو جائے..... ادھر نہرو رپورٹ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ مرکزی مقننہ میں ہندوؤں کی اکثریت رہے وحدانی نظام مملکت کی سفارش کر دی ہے کیونکہ اس طرح پورے ہی ہندوستان پر ہندوؤں کو غلبہ و تسلط حاصل ہو جاتا ہے۔..... میری رائے میں ایک خود مختار ہندوستان میں واحدانی طرز حکومت کی بات سوچنے کے قابل بھی نہیں ہے" ۳۱ ؎

سندھ۔ سرحد اور بلوچستان کیلئے حقوق کا مطالبہ

حضرت امام جماعت احمدیہ کا نقطۂ نگاہ (اکتوبر ۱۹۲۸ء)

حضور فرماتے ہیں:۔

"۔ دوسرا مطالبہ' مسلمانوں کا یہ تھا کہ تین نئے اسلامی صوبے قائم کئے جائیں۔ اس طرح کہ صوبہ سرحد اور بلوچستان کو وہی حقوق دیئے جائیں جو دوسرے صوبوں کو حاصل ہیں اور سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے ایک کامل طور پر بااختیار صوبہ بنا دیا جائے" ۳۲ ؎

"جہاں تک سیاست کا سوال ہے۔ ان صوبوں کے آزاد ہونے میں بڑا نفع ہے اور نہ ہونے میں نقصان" ۳۳ ؎

"۔ اگر سندھ کو نیابتی حقوق دے کر علیحدہ صوبہ نہ بنایا گیا تو جیسا کہ خود "نہرو رپورٹ" نے تسلیم کیا ہے۔ سندھ میں سخت ایجی ٹیشن ہو گا اور ملکی طاقت ضائع ہو گی" ۳۴ ؎

"۔ اگر صوبہ سرحد اور بلوچستان کو نیابتی حکومت نہ دی گئی تو ظاہر ہے کہ سرحدی صوبے ہونے کی وجہ سے وہ سرحد پار کی حکومتوں کی سازش کی آماجگاہ بن سکیں گے۔ بہترین پالیسی یہی ہوتی ہے کہ سرحدی صوبوں کو خوش رکھا جائے۔ ورنہ ان میں ہمسایہ حکومتیں ریشہ دوانیاں شروع کر دیتی ہیں اور خود ملک کا ایک حصہ اپنی حکومت کے خلاف کھڑا ہو کر اسے کمزور کر دیتا ہے" ۳۵ ؎

تقابلی جائزہ

آل پارٹیز مسلم کانفرنس (یکم جنوری ۱۹۲۹ء) "۔ سندھ کو علیحدہ صوبہ بنایا جائے۔ بلوچستان اور صوبہ سرحد میں دیگر صوبوں کی طرح دستوری اصلاحات نافذ کی جائیں" ۳۶ ؎

قائد اعظم کے ۱۴ نکات (مارچ ۱۹۲۹ء) "سندھ کو بمبئی پراونسی سے علیحدہ کرایا جائے۔

دوسرے صوبوں کے مطابق سرحد اور بلوچستان میں بھی آئینی اصلاحات رائج کی جائیں۔"

علامہ اقبال خطبہ الہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء) "سندھ کو ایک علیحدہ صوبہ بنایا جائے۔ اور شمال مغربی سرحدی صوبے کا سیاسی مرتبہ وہی ہو۔ جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں کا ہے۔"

مسلمانوں کے لئے ایک تہائی نشستیں

حضرت امام جماعت احمدیہ کا نقطہ نگاہ (اکتوبر ۱۹۲۸ء)

حضور فرماتے ہیں:۔

"۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ نہرو کمیٹی نے قانون اساسی کی تبدیلی کے لئے ۲/۳ ممبروں کی رائے کی شرط رکھی ہے اور اگر مسلمانوں کو ان کی تعداد کے برابر بھی ممبریاں مرکزی پارلیمنٹوں میں مل جائیں تو انہیں ۱/۴ نشستیں ملیں گی۔ جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ قانون اساسی اس وقت بھی بدلا جا سکتا ہے کہ جب ایک مسلمان بھی اس کی تائید میں نہ ہو۔ کیونکہ "مسلمان، نیابت" اگر آبادی کے مطابق ہو تو مسلمان ممبر ۲۵ فی صد ہوں گے اور ہندو ۷۵ فی صد ---- اور قانون اساسی ۶۶ فی صدی ممبر بدل سکتے ہیں۔ پس مسلمانوں کا حکومت میں دخل قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ۳۳ فی صدی نہیں بلکہ ۳۴ فی صدی ممبریاں دونوں مرکزی پارلیمنٹوں میں مسلمانوں کو دی جائیں" ۳۷ ؎

تقابلی جائزہ

آل پارٹیز مسلم کانفرنس (یکم جنوری ۱۹۲۹ء) "مرکزی حکومت میں مسلمانوں کو ایک تہائی نشستیں دی جائیں" ۳۸ ؎

قائداعظم کے ۱۴ نکات (مارچ ۱۹۲۹ء) "مرکزی مجلس قانون ساز میں، مسلمانوں کی نمائندگی ایک تہائی سے کم نہیں ہونی چاہئے۔"

علامہ اقبال۔ خطبہ الہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء) "مسلمانان ہند' دستور کی کسی ایسی تبدیلی پر راضی نہ ہوں گے۔ جو .... مرکزی مقننہ میں ان کے ۳۳ فی صدی مطالبہ نیابت کو مجروح

کرے۔"

جداگانہ انتخابات کا مطالبہ

حضرت امام جماعت احمدیہ کا نقطہ نگاہ (اکتوبر ۱۹۲۸ء)

حضور فرماتے ہیں:۔

"۔ کہا جاتا ہے کہ جداگانہ انتخاب سے افتراق پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر یہ ایک دھوکہ ہے "۔ ۳۹ ؎

"۔ میں پوچھتا ہوں کہ ہندو مسلمانوں میں اختلاف "جداگانہ انتخاب" سے پہلے کا ہے یا پیچھے کا؟ اگر بعد کا ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ اس طریق فیصلہ سے پہلے مسلمانوں کی نسبت مختلف گورنمنٹوں کے محکموں میں کیا تھی؟ اگر یہ واقعہ ہے کہ پہلے مسلمانوں کو پورا حق ملا کرتا تھا تو پھر بے شک کہا جائے گا۔ کہ اس سے پہلے ہندوؤں کو مسلمانوں سے تعصب نہ تھا لیکن اگر پہلے موجودہ حالت سے بھی بدتر حال تھا تو ماننا پڑے گا کہ "جداگانہ انتخاب" سے تعصب پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ تعصب کی وجہ سے مسلمانوں کو "جداگانہ انتخاب" کا خیال پیدا ہوا ہے۔" ۴۰ ؎

"میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ جداگانہ انتخاب' اصول انتخاب کے بالکل خلاف نہیں ہے اور صرف یہ کہہ دینا کہ یورپ میں اس پر عمل نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ طریق ہی صحیح نہیں ۔ کوئی دلیل نہیں۔ جس ملک میں ایسی اقوام بستی ہوں کہ جو اپنی جداگانہ تہذیب اور جداگانہ مذہب رکھتی ہوں۔ اور ان کے درمیان میں ایک لمبے عرصہ سے جھگڑے اور مناقشے ہوں۔ ان کے متعلق کوئی نہ کوئی احتیاط کرنی ضروری ہوگی ورنہ چھوٹی قوم کی تباہی یقینی ہو جائے گی۔ اور اس کی ذمہ داری اکثریت پر ہی ہوگی۔ کیونکہ ایسے جھگڑوں کے موقع پر اکثریت ہی کے بس میں ہوتا ہے۔ کہ وہ اقلیت کو اطمینان دلائے پس حق تو یہ تھا کہ خود ہندو صاحبان' مسلمانوں سے کہتے کہ آپ کو اطمینان دلانے کا طریق یہ ہے کہ آپ اپنے نمائندے الگ منتخب کر لیں اور ہم اپنے نمائندے الگ منتخب کریں گے۔ لیکن تعجب ہے کہ وہ مسلمانوں کے علاج پیش کرنے پر بھی اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔"

"نیابت کی اصل غرض ایک قوم کے صحیح خیالات کی ترجمانی ہوتی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ صحیح ترجمانی ایک قوم کی اس کا ہم مذہب ہی اچھی طرح کر سکتا ہے۔" ۴۱ ؎

تقابلی جائزہ

آل پارٹیز مسلم کانفرنس (یکم جنوری ۱۹۲۹ء) "مسلمانوں کو جداگانہ نیابت سے کسی صورت میں محروم نہ کیا جائے" ۴۲ سے

قائداعظم کے ۱۴ نکات (مارچ ۱۹۲۹ء) "فرقہ وارانہ حلقوں کی نمائندگی "جداگانہ انتخاب" کے ذریعہ ہوتی رہے بشرطیکہ ہر فرقے کے لئے آزادی ہو گی کہ اگر کسی وقت وہ چاہے تو مشترکہ انتخاب کا حق استعمال کرے۔"

علامہ اقبال، خطبہ الہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء) مسلمانوں کو "مخلوط انتخاب" پر کوئی اعتراض نہ ہو گا اگر صوبوں کی ازسرنو تقسیم اس طرح کر دی جائے کہ ہر صوبے میں قریباً ایک ہی ملت کے۔ ایک ہی نسل کے اور ایک ہی زبان و تہذیب و مذہب والے پائے جائیں۔"

قانون کی منظوری کیلئے ۳/۴ ارکان کی منظوری

حضرت امام جماعت احمدیہ کا نقطہ نگاہ (اکتوبر ۱۹۲۸ء)

حضور فرماتے ہیں:۔

"۔ میری طرف سے ..... (ایک) مطالبہ یہ بھی پیش ہوتا رہا ہے۔ کہ ان حقوق کو قانون اساسی میں داخل کیا جائے اور قانون اساسی اس وقت تک نہ بدلا جائے جب تک کہ منتخب شدہ ممبروں میں سے ۲/۳ ممبر اس کے بدلنے کی رائے نہ دیں۔ اور یہی کافی نہ ہو بلکہ اس کے بدلنے کے لئے یہ شرط بھی ہو کہ تین دفعہ کی متواتر منتخب شدہ مجالس آئینی، پے در پے ۲/۳ رائے سے اس کے بدلنے کا فیصلہ کریں۔ اور قانون اساسی کا جو حصہ کسی خاص قوم کے حقوق کے متعلق ہو۔ اس کے متعلق یہ شرط ہو کہ جب تک اس قوم کے ۳/۴ ممبر جس کے حقوق کی حفاظت اس قانون میں تھی۔ اس کے بدلنے کے حق میں نہ ہو اور تین متواتر طور پر منتخب شدہ کونسلوں میں وہ اس تبدیلی کے حق میں ووٹ نہ دیں۔ اسے پاس نہ سمجھا جائے اور پھر اسی صوبہ میں اس تبدیلی کا نفاذ ہو۔ جس صوبہ کی کونسل کے اس قوم کے ۳/۴ منتخب شدہ ممبر اس کے نفاذ کے حق میں رائے دے دیں۔ اگر یہ شرط نہ لگائی گئی تو ہندوؤں کو ہر وقت اختیار ہو گا کہ اپنی اکثریت کے زور سے قانون کو بدل دیں اور ان حفاظتی تدابیر کو منسوخ کر دیں جنہیں

قانون اساسی کے بناتے ہوئے مسلمانوں کی خاطر منظور کر لیا جائے۔" ۴۳ سے

"میں نہیں جانتا کہ ہماری جماعت کے سوا کسی اور جماعت کی طرف سے یہ پیش ہوا ہے یا نہیں۔ مگر بہرحال یہ اہم ترین مطالبات میں سے ہے۔ اور اس کی طرف بھی نہرو کمیٹی نے توجہ نہیں کی۔ اس مطالبہ کی طرف ایک رنگ میں لکھنؤ پیکٹ میں اشارہ ضرور تھا مگر وہ مطالبہ قانونی زبان میں نہ تھا۔ مبہم الفاظ میں تھا" ۴۴ سے

"اگر قانون اساسی اس طرح تبدیل ہو سکے کہ جب چاہے۔ اکثریت اسے بدل ڈالے تو ہماری ساری بحثیں اور ہماری ساری کوششیں لغو اور فضول ہو جاتی ہیں کیونکہ اس صورت میں جب چاہیں ہندو 'ان اختیارات کو' جو اس وقت مسلمانوں کو مل جائیں' سلب کر سکتے ہیں۔" ۴۵

تقابلی جائزہ

آل پارٹیز مسلم کانفرنس (یکم جنوری ۱۹۲۹ء) کوئی مذہبی یا تمدنی مسئلہ سے متعلق قانون منظور نہ کیا جائے اگر اس کی مخالفت، اقلیت کے ۳/۴ اراکین کریں۔ (زندہ رود صفحہ ۳۲۵)

قائداعظم کے ۱۴ نکات (مارچ ۱۹۲۹ء) "کسی مجلس قانون سازیا کسی بھی منتخب ادارے میں کوئی ایسا مسودہ قانون یا تحریک یا ان کا کوئی جزو منظور نہیں کیا جائے گا۔ اگر اس مجلس کے کسی فرقہ کے نمائندوں کی ۳/۴ تعداد اس مجوزہ قانون کی مخالف ہو۔

علامہ اقبال، خطبہ الہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء) ----

کامل مذہبی آزادی

حضرت امام جماعت احمدیہ کا نقطہ نگاہ (اکتوبر ۱۹۲۸ء)

حضور فرماتے ہیں:۔

"۔ مسلمانوں کا ... مطالبہ یہ ہے کہ حکومت کو مذہب یا مذہب کی تبلیغ میں دخل دینے کا کوئی حق نہ ہو گا۔ نہ تبدیلی مذہب کے لئے وہ کوئی پابندی مقرر کر سکے اور نہ حکومت کو کوئی ایسا قانون پاس کرنے کا اختیار ہو جو کہ کسی قوم کی تمدنی یا اقتصادی حالت کو نقصان پہنچانے والا ہو۔" ۴۶ سے

"اسلام ایک ممتاز مذہب ہے جس نے سیاست۔ تمدن۔ اخلاق اور معاملات کے لئے

ایک ممتاز اور مستقل دستور العمل پیش کیا ہے۔ پس مسلمان دوسری اقوام کی طرح ان مسائل کے متعلق جن پر اسلام نے روشنی ڈالی ہے۔ سمجھوتہ نہیں کر سکتا اور نہ دوسرے کا رنگ قبول کر سکتا ہے..... پس ہندو یقین رکھتے ہیں کہ جب تک اسلام ہے۔ اس وقت تک تمدن اور تہذیب میں مسلمانوں کا ہمارا دباؤ تسلیم کرنا ناممکن ہے۔ پس لازماً وہ کوشش کریں گے اور اب بھی کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو یا تو ہندوستان سے نکال دیں یا اپنے ساتھ شامل کر لیں "۴۷؎

"۔ رومانیا کی آزادی کے اعلان کے وقت مسلمانوں اور یہودیوں کی حفاظت کے لئے یہ شرطیں کی گئی تھیں۔"

اول۔ مذہب، عقیدہ اور خاص اصول کی وجہ سے کسی کو دیوانی یا فوجداری حقوق سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ اور سرکاری عہدوں۔ عزتوں یا مجالس سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دوم۔ مذہبی مجالس کے بنانے یا تنظیم سے یا مذہبی پیشواؤں کی ملاقات سے ملک کے اندر یا باہر نہیں روکا جائے گا۔

"۔۔۔ یوگوسلاویہ سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ ان کی حکومت میں مسلمانوں کو قانون وراثت۔ طلاق و نکاح۔ حقوق زن و مرد کے متعلق اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے کی اجازت ہوگی۔ حکومت، مساجد۔ تکیوں اور دوسری مسلمانوں کی عمارت کی حفاظت کی ذمہ دار ہوگی۔"

تقابلی جائزہ

آل پارٹیز مسلم کانفرنس (یکم جنوری ۱۹۲۹ء) ----

قائداعظم کے ۱۴ نکات (مارچ ۱۹۲۹ء) تمام قوموں کو ضمیر کی پوری آزادی، عقیدہ، عبادات و رسوم، تعلیم و تبلیغ اور اجتماع و تنظیم کی کامل آزادی حاصل ہوگی۔"۴۸؎

علامہ اقبال، خطبہ الہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء) ----

سرکاری ملازمتیں

حضرت امام جماعت احمدیہ کا نقطہ نظر (اکتوبر ۱۹۲۸ء)

حضور فرماتے ہیں:۔

"۔ قابلیت کا عذر رکھ کر ہمیشہ مسلمانوں کو سرکاری ملازمت کے حق سے محروم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن یہ عذر بالکل جھوٹا ہے۔ مسلمان ہرگز ناقابل نہیں ہیں۔ بلکہ انہیں ناقابل ظاہر کیا جاتا ہے اس کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں کہ ایک مسلمان، انگریز افسروں کے ماتحت ہر قسم کی ترقیات کر رہا ہے۔ مگر ہندو افسر کے ماتحت آتے ہی ناقابل ہو جاتا ہے

...... یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ قوم کی تعداد کے مطابق عہدوں کا مطالبہ رائج الوقت سیاست کے خلاف ہے۔ یورپ کی اقلیتوں کے متعلق یہ مطالبہ ہوتا رہا ہے اور اس مطالبہ کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔۔۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہندوستان میں اس مطالبہ کو ادنیٰ اور فضول قرار دیا جائے۔ چنانچہ مثال کے طور پر پولینڈ کو ہی لے لو۔ اس میں یہودیوں کی اقلیت کے متعلق تسلیم کیا گیا ہے کہ

یہودیوں کو تناسب آبادی کے لحاظ سے سرکاری ملازمتوں میں حصہ دیا جائے گا۔ (دی پروٹیکشن آف مائنارٹیز صفحہ ۹۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ملازمتوں کے سوال کو معمولی نہیں قرار دیا جا سکتا اور اس کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہر ایک قوم اپنی تعداد کے مطابق حکومت کے عہدوں میں حصہ پائے تاکہ اس کے ہم مذہب اس امر کا خیال رکھ سکیں کہ اس قوم کے وہ حقوق جو قانون کے ذریعہ سے محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ قانون کے استعمال کے ذریعہ سے ضائع تو نہیں کر دیئے گئے۔ غرض ملازمتوں میں مناسب حصہ پانا ہر اک قوم کی ترقی کے لئے ضروری ہے۔ اور یہ ضروری ہے کہ آئندہ نظام حکومت میں اس کا انتظام کر دیا جائے۔"۴۹؎

تقابلی جائزہ

آل پارٹیز مسلم کانفرنس (یکم جنوری ۱۹۲۹ء) ----

قائداعظم کے چودہ نکات (مارچ ۱۹۲۹ء) "۔ حکومت اور دیگر خود مختار اداروں کی ملازمتوں میں مسلمانوں کو دیگر ہندوستانیوں کے پہلو بہ پہلو مناسب حصہ صلاحیت و کارکردگی کا لحاظ کرتے ہوئے دیا جائے۔"۵۰؎

علامہ اقبال، خطبہ الہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء) ----

مذہب، تمدن، تعلیم اور زبان کی حفاظت

حضرت امام جماعت احمدیہ کا نقطہ نگاہ (اکتوبر ۱۹۲۸ء)

حضور فرماتے ہیں :۔

" اسلام ایک زبردست تبلیغی مذہب ہے ۔ وہ اپنی کمزوری کے ایام میں بھی اپنی تعداد بڑھاتا رہا ہے ۔ پچھلی مردم شماریاں اس پر شاہد ہیں کہ اسلام نہ صرف نسلاً بلکہ تبلیغی طور پر بھی بڑھ رہا ہے ۔ پس یہ بات ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ ہندو قوم اس حالت کو جاری نہیں رہنے دے سکتی ۔ اسے اگر اختیارات مل جائیں تو وہ پورا زور لگائے گی کہ جس مقصد کو وہ مذہبی تبلیغ سے حاصل نہ کر سکے ۔ وہ اسے جابرانہ قانون سے حاصل کرے اور طاقت حاصل ہونے پر اس غرض کے لئے سینکڑوں تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں ۔ جو بظاہر منصفانہ بھی ہوں اور ان سے یہ مقصد بھی پورا ہو جائے ۔

پس مسلمانوں کیلئے (اپنے مذہب کی ۔ ناقل) خود حفاظتی ضروری ہے ۔ ۵۱ ؎

" مسلمانوں کے سامنے مذہب اور قومیت کا سوال ہے ۔ سیاست کا سوال ہوتا تو وہ یہ سمجھ لیتے کہ رائے ہر معاملہ میں بدلتی رہے گی ۔ لیکن یہاں دو مختلف قومیں اور زبردست قومیں بستی ہیں ۔ جن کے مذہب الگ ہیں ۔ اور جن کے تمدن کے اصول الگ ہیں ۔ پس ایک مستقل اکثریت کے مقابلہ میں ایک مستقل اقلیت بن کر رہنے کے لئے وہ کس طرح تیار ہو سکتے ہیں ۔ جب تک ان کے حقوق کی حفاظت کا انتظام نہ ہو جائے .... جو کچھ ہو رہا ہے اس کو دیکھتے ہوئے آئندہ کے لئے حفاظت کا سامان نہ کرنا قومی خودکشی سے کم نہ ہوگا " ۵۲ ؎

زبان

" نہرو کمیٹی نے زبان کے مسئلہ کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے (حالانکہ اس سے) مسلمانوں کی ترقی اور تنزل وابستہ ہے ۔ ہندوؤں کی آئندہ حکومت اردو کو اڑا دے ۔ پھر دیکھو کس طرح چند ہی سال میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے وہ تھوڑے بہت کام بھی نکل جاتے ہیں ۔ جو اس وقت ان کے ہاتھ میں ہیں اور کس طرح ان کی مخصوص تہذیب برباد ہو جاتی ہے " ۵۳ ؎

مذہب اور تمدن اور روایات

" اس امر کی ضرورت کو تمام دنیا تسلیم کر چکی ہے کہ جن اقوام کے مذہب اور تمدن

میں اختلاف ہو ۔ انہیں آزادانہ نشوونما کا موقع ضروری مل ملنا چاہئے ۔ ورنہ فساد اور فتنہ کا دروازہ وسیع ہو جاتا ہے اور صلح اور امن حاصل نہیں ہوتا ۔ یورپ میں جہاں جہاں زبان اور تمدن کا اختلاف ہے ۔ ان علاقوں کو الگ علاقہ کی صورت میں نشوونما پانے کا موقع دیا جاتا ہے ۔ زیکو سلیویکا کا واقعہ میں پہلے لکھ چکا ہوں ۔ اس میں روتھینیا کو الگ اور اندرونی طور پر آزاد حکومت عطا کی گئی ہے ۔ ریاست ہائے متحدہ کی ریاستوں کا قیام بھی اسی اصل پر ہے .... پس یہ مطالبہ بالکل عقل کے مطابق ہے ۔ اور اس کی ضرورت مسلمانوں کو یہ ہے کہ وہ اپنے مخصوص تمدن اور اپنی روایات کو قائم رکھ سکیں اور ان کی قومی روح تباہ نہ ہو جائے " ۵۴ ؎

تعلیم

" تعلیم کے دروازے مسلمانوں کے لئے بند کئے جا رہے ہیں ۔ مسلمان زیادہ فیل کئے جاتے ہیں ۔ بعض فنون کے پروفیسر صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے تمہیں پاس نہیں ہونے دینا ۔ اور Oral اور امتحان میں فیل کر دیتے ہیں ۔ گورنمنٹ وظیفہ لیتا لیتا طالب علم جس وقت آخری منزل پر پہنچتا ہے ۔ اس کا کریکٹر تباہ کر دیا جاتا ہے ۔ مسلمان اخبارات کے اشتہارات کے کالم دیکھو ۔ ہندو اخبارات سے دگنی تگنی اشاعت ہے ۔ مگر عدالتوں کے اشتہار اور دوسرے گورنمنٹ اشتہارات ان میں بہت کم نظر آئیں گے ۔۔۔ لیکن ہندو اخبارات ' ذلیل سے ذلیل بھی ' ان اشتہارات سے بھرے ہوئے ہوں گے اور انہی اشتہارات کی بدولت چل رہے ہوں گے ...... ان حالات کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی عقلمند انسان بھی کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کو خود حفاظتی کی ضرورت نہیں ..... اگر کوئی ایسا کہے گا تو آئندہ نسلیں اس پر لعنت کریں گی اور وہ خدا تعالیٰ کے حضور میں ایک مجرم کی حیثیت میں پیش کیا جائے گا " ۵۵ ؎

تقابلی جائزہ

آل پارٹیز مسلم کانفرنس (یکم جنوری ۱۹۲۹ء) دستور اساسی میں مسلمانوں کے مذہب ' تمدن ' شخصی قانون ' تعلیم اور زبان کا تحفظ کیا جائے ۔ ۵۶ ؎

قائد اعظم کے ۱۴ نکات (مارچ ۱۹۲۹ء) " مسلمانوں کی ثقافت کی حفاظت کے لئے آئین میں مناسب دستوری تحفظات رکھے جائیں اور مسلمانوں کی زبان ' مذہب ' تعلیم ' ذاتی قوانین ' محمڈن لاء کی ترقی و حفاظت کے لئے آئین میں دفعات رکھی جائیں ۔

علامہ اقبال، خطبہ الہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء) "میں بلا تردد یہ اعلان کر سکتا ہوں کہ فرقہ وارانہ مسئلے کے حل کے لئے اگر یہ بنیادی اصول تسلیم کر لیا جائے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو ان ہی کی سرزمین پر اپنی ثقافت۔ روایات کے تحت آزادانہ نشوونما کا پورا حق حاصل رہے گا تو پھر وہ آزادی ہند کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی دریغ نہ کریں گے۔"

کیا ان حقائق کی موجودگی میں کوئی غیر جانبدار اور غیر متعصب محقق اس امر کا اظہار کر سکتا ہے کہ **تحریک احمدیہ نے جدوجہد آزادی میں کوئی حصہ نہیں لیا!!**

دیگر

جو سال فرقت ہمایوں دل حزیں می جست ۔ ز ہشت خلد ندا ایم رسید المومن ۱۶۷

۱۶۷ × ۸ = ۱۳۳۶

محمد اقبال

باب نمبر ۶

فصل نمبر ۳

چوہدری ظفراللہ خاں بنام گاندھی جی

جداگانہ انتخاب کے سلسلہ میں انگلستان میں مہم چلانے کی شدید ضرورت تھی۔ اس ضمن میں حضرت چوہدری ظفراللہ خاں صاحب نے قابل ستائش جدوجہد کی اور ایک طویل عرصہ تک کام کرتے رہے۔ ان کی جملہ مساعی کا احاطہ تو نہیں کیا جا سکتا۔ نموتہً ایک معرکہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

گول میز کانفرنس کے ایام میں مدیر انقلاب "مولانا غلام رسول صاحب مہر" کے مکتوبات "انقلاب" کے علاوہ ملک کے دیگر جرائد و رسائل میں بھی شائع ہوتے رہے۔ موصوف کا ایک اہم تاریخی مکتوب "فاروق" ۷ر دسمبر ۱۹۳۱ء سے نقل کیا جاتا ہے۔ مولانا مہر لکھتے ہیں:۔

گاندھی جی کو دعوت

"۔ اس ہفتے (انگلستان میں۔ ناقل) بہت سی تقریبیں پیش آئیں۔ جن کا ذکر ضروری تھا۔ لیکن کس کس کو تفصیل سے لکھوں۔۔ قومی نقطہ نگاہ سے آکسفورڈ (Oxford) کی ایک تقریب کا ذکر ضروری ہے۔۔۔ آکسفورڈ میں ایک انجمن ہے جس کا نام "ریلے سوسائٹی" ہے اور جسے عام طور پر انگریزی نو آبادیوں یا بہ اصطلاح مشہور "مستعمرات" کے مسائل سے متعلق ہے۔ مسٹر کوپ لینڈ (مصنف ہندوستانی سیاسیات ۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۲ء۔ انگریزی۔ ناقل) جو آکسفورڈ یونیورسٹی میں تاریخ مستعمرات کے پروفیسر ہیں۔ اس کے پریذیڈنٹ ہیں۔۔۔ گول میز کانفرنس کی وجہ سے آجکل عام انگریز، ہندوستان پر بھی بطور خاص متوجہ ہیں۔ چنانچہ "ریلے سوسائٹی نے پچھلے ہفتے گاندھی جی ؒ کو دعوت دی کہ وہ ان کے روبرو ہندوستان کے مسائل کے متعلق تقریر کریں۔۔۔ گاندھی جی گئے۔ انہوں نے تقریر کی اور یہاں کے عام طریق کے مطابق تقریر کے بعد حاضرین نے متعدد سوالات کئے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس تقریر کا عام رجحان مسلمانوں کے حق میں نہیں تھا۔

چوہدری ظفراللہ خاں کو دعوت

گاندھی جی کی تقریر کے بعد سوسائٹی کے بعض ممبروں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اب کسی

مسلمان کو تقریر کے لئے بلانا چاہئے تاکہ مسلمانوں کا زاویہ نگاہ بھی معلوم ہو سکے۔ اس خیال کو سوسائٹی کے عام ممبروں نے پسند کیا اور چودھری ظفر اللہ خاں کو بلایا گیا۔ چوہدری صاحب کا بہت اچھا استقبال ہوا۔ صدر سوسائٹی نے لنچ میں متعدد ارباب علم و فضل کو بلایا۔ ان میں ڈاکٹر ایڈورڈ تھامسن بھی شامل تھے ..... شام کو ایک گھنٹہ تک چوہدری صاحب نے تقریر کی ---
جس میں ہندوستان کے اندر اقوام کے کلچر۔ تمدن۔ طرز بود و باش۔ طریق فکر و نظر۔ مشغولیات۔ مصروفیات زندگی بلکہ اسماء تک کے اختلافات کو انتہائی وضاحت کے ساتھ پیش کیا اور اس طرح وہ تمام بنیادیں، سامعین کے روبرو پیش کر دیں۔ جن پر مسلمانوں کے "مطالبات تحفظ" مبنی ہیں۔

چوہدری صاحب نے بتایا کہ اونچی جاتیوں کے ہندو، اچھوتوں اور دوسرے غیر ہندوؤں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ ان کے کلچر اور مسلمانوں کے کلچر میں کیا فرق ہے۔ ہندو، گائے کی پرستش کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے نزدیک یہ ایک حلال طیب جانور ہے۔ ہندو، سود کا کاروبار کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے مذہب میں سود لینا اور دینا ممنوع ہے۔ مسلمان، عموماً زمیندار اور کاشت کار ہیں۔ ہندو زیادہ تر بینکر اور تاجر ہیں۔ اس اختلاف کی وجہ سے دونوں قوموں کے مقاصد میں ہر وقت تصادم کا اندیشہ رہتا ہے۔

طریق انتخاب پر بحث کرتے ہوئے چوہدری صاحب نے فرمایا۔ کہ یہاں انگلستان میں عام لوگوں کے ناموں سے ہرگز ظاہر نہیں ہو سکتا کہ کون "رومن کیتھولک" ہے اور کون پراٹسٹنٹ۔ لیکن ہندوستان میں ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کی ایک مشترکہ فہرست میرے سامنے یا کسی بھی ہندوستانی کے سامنے رکھ دیں تو وہ بیک نظر بتا دے گا کہ --- ہندو کون ہے اور مسلمان کون اور سکھ کون ---- ان حالات میں ہمارے ہاں مخلوط انتخاب رائج ہو تو اس کی کیفیت یہاں کے پراٹسٹنٹ اور کیتھولک رقیب امیدواروں سے بالکل مختلف ہو گی۔

یہاں کے ووٹر محض ناموں سے معلوم نہیں کر سکتے۔ ہمارے ہاں حالت بالکل مختلف ہے لہٰذا جن اختلافات کا میں اوپر ذکر کر چکا ہوں۔ وہ پانچ سال کے بعد ایک مرتبہ ووٹ اکٹھے دینے سے دور نہیں ہو سکیں گے۔

غرض چوہدری صاحب نے نہایت وضاحت کے ساتھ "اسلامی مطالبات" کے اصول و مبادی، حاضرین کے سامنے پیش کئے جس سے سب بے حد متاثر ہوئے۔

مسلم مطالبات پیش ہونے کا پہلا موقع

تقریر کے بعد سوا گھنٹے تک سوالات کا سلسلہ جاری رہا اور چودھری صاحب جوابات دیتے رہے ..... آخر میں مسٹر کوپ لینڈ نے فرمایا کہ یہاں کے لوگوں کے سامنے مسلمانوں کے مطالبات پیش ہونے کا یہ پہلا موقع ہے۔ گاندھی جی سے جتنے سوالات کئے گئے تھے۔ ان کے جوابات کی نسبت حاضرین کا احساس یہ تھا کہ وہ مبہم تھے لیکن چودھری صاحب کے تمام جوابات واضح ہیں اور غیر مبہم ہیں۔

چوہدری محمد ظفر اللہ خان پنجاب کی حد بندی (۱۹۴۷ء) کے متعلق ریڈ کلف کے غیر منصفانہ فیصلے کی وضاحت کر رہے ہیں۔

واضح رہے کہ ریڈ کلف کے ہندوستان آنے سے پہلے ہی پنجاب کی تقسیم کے لئے وائسرے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور اس کے مشیروں نے حد بندی کا فیصلہ کر لیا ہوا تھا اور ریڈ کلف کو صرف ایک دستخط کرنے والی مشین کے طور پر استعمال کیا گیا۔

باب نمبر ۶ فصل نمبر ۴

۔ گول میز کانفرنسوں میں تحریک آزادی کی مہم ۔

علامہ اقبال اور چودھری ظفر اللہ خاں کی سرگرمیوں کا تقابلی جائزہ

واضح رہے کہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں مرحوم نے تینوں گول میز کانفرنسوں (۱۹۳۰ء ۔ ۱۹۳۱ء ۔ ۱۹۳۲ء) میں شرکت کی مگر علامہ کو دوسری اور تیسری کانفرنس میں شرکت کا موقع ملا ۔

مصنف زندۂ رود کا موقف

دوسری گول میز کانفرنس کے متعلق مصنف زندہ رود ہمیں بتاتے ہیں :۔

" دوسری گول میز کانفرنس کے ریکارڈ سے ظاہر ہے کہ اقبال نے مباحث میں کوئی عملی حصہ نہ لیا بلکہ اقلیتی سب کمیٹی کے اجلاسوں میں خاموش بیٹھے رہے ۔ سوال یہ ہے کہ وہ خاموش نہ بیٹھتے تو کیا کرتے ۔ کیونکہ اقلیتی سب کمیٹی کے اجلاس تو ہر دفعہ ملتوی ہوتے رہے " ۵۸ ؎

راقم عرض کرتا ہے کہ اجلاس ملتوی ہونے کے بعد تو واقعی اقبال اپنی رائے کا اظہار نہ کر سکتے تھے ۔ مگر اجلاس کے آغاز سے ملتوی ہونے تک جس طرح باقی مندوبین نے اپنے موقف کا اظہار کیا ۔ علامہ سے بھی یہی توقع تھی کہ وہ کچھ نہ کچھ ارشاد فرماتے ۔ بہرحال جب تیسری گول میز کانفرنس کے انعقاد کے لئے نام پیش ہوئے تو وزیر ہند نے علامہ کی بے زبانی اور خاموشی کی وجہ سے ان کا نام مسلم وفد کی فہرست سے حذف کر دیا ۔ اور درج ذیل نوٹ لکھا :۔

وزیر ہند کا نوٹ

"۔ اقبال پچھلی (یعنی دوسری) کانفرنس میں بالکل خاموش اور چپ چاپ تماشائی کی حیثیت سے بیٹھا رہا اور کسی بحث میں اس نے حصہ نہ لیا ۔ ایسے خاموش ۔ بے زبان اور کم سخن شخص کو دوبارہ بلانا بالکل بیکار ہے ۔ ہمیں ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے ۔ جو آئین و دستور اور قانون وضع کرنے کی بحثوں میں حصہ لیں ۔ اونچ نیچ کو سمجھیں ۔ ہمیں بھی سمجھائیں ۔ اور جس کانسٹی ٹیوشن کا خاکہ ہم تیار کر رہے ہیں ۔ اس میں اگر ہماری رہنمائی نہیں کرسکتے تو کم از کم امداد ضرور کریں "۔ ۵۹ ؎

گول میز کانفرنس لنڈن

اقبال اور چوہدری محمد ظفر اللہ خاں

گول میز کانفرنس ۔ لنڈن

ہم نے مولانا شوکت علی ۔ سر ظفر اللہ خاں کو نمایاں کر دیا ہے ۔

اس نوٹ کے باوجود حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں نے بحیثیت ممبر کونسل دائسرائے ہند' علامہ کی شمولیت پر' پرزور اصرار کیا۔ وائسرائے ہند نے آپ کا نوٹ وزیر ہند کو انگلستان بھجوا دیا۔ اور یوں علامہ کو تیسری کانفرنس میں شمولیت کا موقعہ مل گیا۔

مسلم وفد کے ارکان بجا طور پر توقع کر رہے ہوں گے کہ علامہ اس مرتبہ کانفرنس کی کاروائیوں میں سرگرمی سے حصہ لیں گے۔ مگر مصنف زندہ رود کی تحقیق یہ ہے کہ:۔

"۔ اقبال نے اس کانفرنس میں بھی محض ایک تماشائی کی حیثیت سے شرکت کی اور اس کی کاروائیوں میں سرگرمی سے حصہ نہ لیا"۔٦٠

قوموں کی تقدیروں کا فیصلہ

گول میز کانفرنس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بقول علامہ اقبال 'اس کانفرنس کے مباحث کے ذریعہ ۔۔ "ہندوستان کی مختلف قوموں کی تقدیروں کا فیصلہ ہو رہا تھا"

راقم عرض کرتا ہے اگر ظفر اللہ خاں اور دیگر اراکین وفد بھی علامہ کے رنگ میں رنگین ہوتے تو مسلم تقدیر سرپیٹ کر رہ جاتی۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ صورت حال ایسی نہ تھی۔ ٦١ے

گول میز کانفرنس میں مسلم مندوبین مسلم مطالبات کی ترجمانی کے لئے بھجوائے گئے تھے۔ مگر جہاں اقبال نے خاموش تماشائی کا پارٹ ادا کیا۔ وہاں چوہدری ظفر اللہ خاں کے کارناموں کے تذکرہ کیلئے متعدد صفحات درکار ہیں۔ جس کا یہ مختصر مضمون متحمل نہیں ہو سکتا۔ بہرحال آپ وہاں بولے اور خوب بولے۔ اور مسلم مطالبات کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا۔

○ خواجہ حسن نظامی کے تاثرات

خواجہ حسن نظامی نے لکھا:۔ سر ظفر اللہ خاں' سیاسی عقل ہندوستان کے ہر مسلمان سے زیادہ رکھتے ہیں اور ہندو لیڈر بھی بادل نخواستہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ شخص ہمارا حریف تو ہے مگر بڑا ہی دانشمند حریف ہے۔ گول میز کانفرنس میں ہر ہندو اور مسلمان اور ہر انگریز نے چوہدری صاحب کی لیاقت کو مانا اور کہا کہ مسلمانوں میں اگر کوئی ایسا آدمی ہے۔ جو فضول اور بیکار بات زبان سے نہیں نکالتا اور نئے زمانے کے پالیٹکس پیچیدہ کو اچھی طرح سمجھتا ہے تو وہ چوہدری ظفر اللہ ہے۔.... ظفر اللہ ہر انسانی عیب سے پاک اور بے لوث ہے" ٦٢ے

مصر کے صدر جنرل نجیب کی تصویر

جس دور میں وطن عزیز میں تحریک تحفظ ختم نبوت چلا کر اسلام کو حربے کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا اور چودھری محمد ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔ اسی دور میں مصر کے صدر نے مصری عوام کی طرف سے چودھری صاحب کو اپنی یہ تصویر پیش کی اور اس پر لکھا:۔

إلى زعيم الإسلام أعني صاحب المعالي السيد ظفر الله خان أقدم صورتي تقديراً لفضله وتذكاراً لزيارة معاليه لوطنه الثاني ۔

"میں اپنی یہ تصویر زعیم اسلام عزت مآب ظفر اللہ خان کی خدمت عالیہ میں ان کے فضل و کرم کے اعتراف اور ان کے اپنے وطن ثانی کے دورے کی یادگار کے طور پر پیش کرتا ہوں۔" دستخط جنرل نجیب

فوٹو ۔۔۔ بہ شکریہ چوہدری ادریس نصر اللہ خاں صاحب

اخبار انقلاب ۱۳ر جولائی ۱۹۳۱ء کی اشاعت میں لکھتا ہے :-

O "انقلاب" اخبار کی رائے۔

"- وزیر ہند نے اپنی ایک تقریر میں اعلان کیا تھا کہ گول میز کانفرنسوں کو جن مشکلات کا سامنا تھا۔ انہیں حل کرنے کے لئے قیمتی اور نتیجہ خیز خدمات سر محمد ظفر اللہ خاں نے سر انجام دیں۔"

O تیج اخبار کی رائے۔

"مسلم ڈیلی گیٹسوں میں چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے خاص شہرت حاصل کر لی ہے حالانکہ وہ ہمیشہ فرقہ پرستی کا راگ گاتے رہے ہیں لیکن پھر بھی وہ اپنی قابلیت کے باعث سر محمد شفیع۔ مسٹر جناح اور ڈاکٹر شفاعت احمد خاں پر سبقت لے گئے ہیں۔" ۶۳ے

O "ادبی دنیا" کی رائے

"- گول میز کانفرنس کے پنجابی نمائندوں میں چوہدری ظفر اللہ خاں بار ایٹ لاء نے متعدد سب کمیٹیوں میں جس قابلیت - تندہی اور رواداری سے کام کیا ہے۔ ان کا اعتراف نہ کرنا ظلم ہو گا۔ ان کی متین ، فصیح اور قابلانہ تقریروں سے متاثر ہو کر مسٹر شاستری اور مسٹر چنتا منی ایڈیٹر اخبار "لیڈر" الہ آباد نے بھی بغیر سابقہ تعارف کے نہایت بلند الفاظ میں انہیں خراج تحسین ادا کیا ہے ..... مشترکہ سب کمیٹی کے صدر لارڈز ٹلینڈ تھے۔ دوسرے ہی اجلاس میں ایک قانونی نکتہ میں الجھن پڑ گئی ---- چنانچہ سر محمد شفیع۔ سر سلطان احمد۔ سر سیتلواد اور مسٹر ہیگ نے مسئلہ کی وضاحت کی کوشش کی مگر پھر بھی لارڈز ٹلینڈ کے نزدیک یہ مسئلہ تشنہ ء تشریح ہی رہا۔ اس پر ...... چودھری صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں مسئلہ کی وضاحت کر دی۔ چودھری صاحب کے طریق استدلال اور شفتہ و رفتہ تقریر کی ہر شخص نے داد دی۔ اور راجہ نریندر ناتھ بے ساختہ کہہ اٹھے تم نے کمال کر دیا ہے۔ شام کو مسٹر شاستری نے اپنے جذبہ ء اخلاص کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے جس قدر کام ان سب کمیٹیوں میں دیکھا ہے اس سے میں نے یہ قطعی نتیجہ نکالا ہے کہ آپ نہایت ذکی اور ذہین ہیں" چوہدری صاحب کی بے لوث خدمات ، کامیاب مستقبل کا پتہ دیتی ہیں۔ ہم چوہدری صاحب ممدوح کو ان کی خدمات کی

THE

MEMOIRS OF AGA KHAN

We assembled in London in the autumn of 1930. I had the
ionour of being elected leader of the Muslim delegation. We
stablished our headquarters in the Ritz Hotel, where it has long
been my custom to stay whenever I am in London. It is no
ormality to say that it was an honour to be chosen to lead so
notable a body of men--including personalities of the calibre of
Mr. M. A. Jinnah, later to be the creator of Pakistan and the
Quaid-i-Azam, or Sir Muhammed Zafrullah Khan,

CASSELL AND COMPANY LTD

LONDON

مقبولیت پر مبارک باد دیتے ہیں ۔ ۶۴؎

علامہ اقبال اور ظفراللہ خاں کی تنقید پر ایک نظر

گذشتہ سطور میں یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ حکومت انگلستان نے علامہ کے خاموش تماشائی ۶۵؎ ہونے کے باعث تیسری گول میز کانفرنس کے لئے آپ کا نام مسترد کر دیا تھا ۔ حضرت چودھری ظفراللہ خاں نے علامہ کی شمولیت کے لئے پرزور اصرار کیا ۔ آپ کی سعی کامیاب رہی ۔۔۔ مصنف " زندہ رود " اس اہم واقعہ کی تردید تو نہیں کر سکے مگر اس کامیاب مساعی پر ' پردہ ڈالنے کے لئے یا اس کی اہمیت کم کرنے کے لئے لکھتے ہیں ۔

" حقیقت یہ ہے کہ اقبال نے دوسری گول میز کانفرنس کی کاروائیوں پر " شدید تنقید " ۶۶؎ کی تھی ۔ اور مسلم کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے انگریزی حکومت کے رویہ کی بھی مذمت کرتے رہتے تھے اس لئے انگریزی حکومت انہیں خوش دلی سے تو آئندہ گول میز کانفرنس کا رکن نامزد نہ کر سکتی تھی ۔ مگر اقبال کو مسلم ہند کی سیاسیات میں جو اہمیت حاصل ہو چکی تھی اسے نظرانداز کرنا بھی ممکن نہ تھا ۔ لہٰذا حکومت برطانیہ کو بادل ناخواستہ انہیں ' کانفرنس کا رکن نامزد کرنا پڑا "

سوال یہ ہے کہ کیا پہلی گول میز کانفرنس میں علامہ کو شریک کیا گیا ؟ جواب ہے ۔ نہیں بتایئے ! اس عدم شرکت یا علامہ کو نظرانداز کرنے سے مسلمانوں نے کسی برہمی کا اظہار کیا ؟ کوئی ہنگامہ برپا کیا ؟ انگریز حکمرانوں کیلئے کوئی مشکلات پیدا ہوئیں ؟ ۔۔ کچھ بھی تو نہیں ہوا ۔ پھر تیسری کانفرنس میں

" اگر علامہ کو شریک نہ کیا جاتا تو انگریزی حکومت کو کونسا خطرہ لاحق ہو جاتا ؟

ظفراللہ خاں اور علامہ کی تنقید

رہی بات نکتہ چینی کی تو مصنف زندہ رود خود ہمیں بتاتے ہیں کہ اقبال ' عدم تعاون ۔ نکتہ چینی ۔ سول نافرمانی ۔ تشدد ۔ جیل جانے ۔ بھوک ہڑتال کرنے بلکہ انگریزوں کے خلاف ایجی ٹیشن تک کی سیاست کے سخت خلاف تھے (صفحہ ۴۱۱) جبکہ مولانا محمد علی جوہر اور مسٹر گاندھی ایسے اقدامات کے حق میں تھے ۔ انگریز حکمرانوں نے تو مولانا جوہر اور مسٹر گاندھی کو بھی کانفرنس میں شرکت کی اجازت دی تھی ۔ وہ علامہ کی انگلستان میں خاموشی اور ہندوستان میں

معمولی قسم کی نکتہ چینی کی وجہ سے انہیں کیونکر محروم کرتی ۔ کیا اقبال ' اس دور میں مولانا جوہر یا مسٹر گاندھی کی تشدد پسندی سے بھی آگے قدم بڑھا چکے تھے ؟ ظاہر ہے ۔ صورت حال ایسی نہیں تھی ۔

مصنف کو خود اعتراف ہے کہ :-

" ۔ انگریز حکمران اتنے کمزور نہیں تھے کہ احراریوں کی ایجی ٹیشن یا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا ظفر علی خاں کے اخبارات میں اقبال کا نام لینے پر انہیں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا رکن مقرر کر دیتے ۔ " ۶۷؎

یہی بات ہم کہنا چاہتے ہیں ۔ کہ

" ۔ انگریز حکمران اتنے کمزور نہیں تھے کہ ۔۔۔۔۔ وہ اقبال کو نظرانداز نہ کر سکتے ہوں ۔ وہ اتنے مضبوط تھے کہ بڑی آسانی سے علامہ کو نظرانداز کر سکتے تھے ۔ وزیر ہند گذشتہ گول میز کانفرنس میں خاموش تماشائی کا پارٹ ادا کرنے کی وجہ سے علامہ کو اگلی کانفرنس کے لئے کوئی کارآمد وجود نہیں سمجھتے تھے ۔

.... یہ تو حضرت چوہدری ظفراللہ خاں کی شخصیت تھی ۔ جنہوں نے وزیر ہند کی نگاہ میں علامہ کی اہمیت کو اجاگر کیا ۔۔۔۔ آپ نے علامہ کا کیس اس درجہ مضبوطی کے ساتھ پیش کیا کہ وزیر ہند کو بادل نخواستہ ہی سہی علامہ کو اگلی کانفرنس کے لئے نامزد کرنا پڑا ۔

کیا بحیثیت صدر مسلم کانفرنس ' علامہ نے انگریزی حکومت کے رویہ کی مذمت کی ؟ جواب اثبات میں ہے ۔ لیکن اس مذمت کا لب و لہجہ قریب قریب وہی تھا جو چودھری صاحب بحیثیت صدر آل انڈیا مسلم لیگ تین ماہ قبل اختیار کر چکے تھے ۔ ہم یہاں علامہ اقبال اور چودھری صاحب ہر دو کے خطبات سے متعلقہ اقتباسات درج کرتے ہیں جو انگریزی حکومت کی روش پر تنقیدی پہلو کے حامل کہے جا سکتے ہیں ۔

تقابلی جائزہ

برطانوی حکومت کے رویہ کی مذمت

سالانہ اجلاس، آل انڈیا مسلم لیگ ۔ دہلی
دسمبر ۱۹۳۱ء

خطبہ صدارت چوہدری ظفراللہ خاں

"(برطانوی) وزیراعظم نے بے شک یہ اعلان کیا ہے کہ اگر (ہندوستانی ۔ ناقل) جماعتیں اس (فرقہ وارانہ ۔ ناقل) مسئلے کا تصفیہ نہ کر سکیں تو حکومت برطانیہ فیصلہ صادر کر دے گی لیکن گذارش یہ ہے کہ کیا اس اعلان سے قبل وزیراعظم کو یقین نہیں ہوا کہ اب اس معاملہ کا باہمی گفت و شنید یا صلاح و مشورہ سے طے کیا جانا ممکن نہیں ۔ لہٰذا وزیراعظم کو یہ سوچ لینا چاہئے تھا کہ اقلیتوں کے خطرات اور بے اطمینانی میں روز بروز اضافہ کرنے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کی **مختلف** جماعتوں کے درمیان **افتراق و اختلاف** کی جو خلیج حائل ہے وہ اور بھی زیادہ وسیع ہو جائے تاخیر سے کام لینے کا نتیجہ محض یہ ہو گا کہ بعض حلقوں میں حکومت کے متعلق جو بدگمانی پھیل رہی ہے اسے اور بھی تقویت ملے گی ۔ کہا جاتا ہے کہ حکومت کی یہ خواہش ہے کہ اقوام ہند (ہندو مسلم ۔ ناقل) کی **باہمی منافرت** اور **بے اعتمادی** میں اضافہ ہوتا رہے تا اس طرح جو بے چینی رونما ہو اس سے فائدہ اٹھا کر حکومت آئندہ دستور کی ترتیب میں حتی الامکان بخل اور تنگ نظری سے کام لے ۔

سالانہ اجلاس "آل انڈیا مسلم کانفرنس" لاہور
مارچ ۱۹۳۲ء

خطبہ صدارت علامہ اقبال

برطانیہ نے فرقہ وارانہ مسئلے کا عارضی فیصلہ کرنے کا بیڑہ اٹھایا اس شرط پر کہ گول میز کانفرنس کے نمائندوں کی واپسی کے بعد ہندوستان کی جماعتیں آپس میں کسی سمجھوتہ پر نہ پہنچ سکیں ۔ یہ اعلان برطانیہ کے دعوئ اور پالیسی کے عین مطابق تھا کہ اس کی حیثیت بے لاگ پارٹی کی ہے لیکن برطانوی حکومت کے موجودہ رویہ سے ظاہر ہے کہ ان کا مقصد توازن قائم کرنا نہیں بلکہ وہ بالواسطہ ہندوستان کی دو بڑی جماعتوں یعنی ہندو مسلم کو خانہ جنگی کی طرف دھکیل رہی ہے

"مسلمان قدرتی طور پر فرقہ وارانہ سمجھوتہ کے بارہ میں حکومت کے رویہ سے بدظن ہو گئے ہیں ۔ انہیں اندیشہ ہے کہ حکومت، کانگریس سے ہر قیمت پر مفاہمت کے لئے تیار ہے اور مسلمانوں کے مطالبات کی قبولیت کی تاخیر بھی اس جماعت سے گفت و شنید کی وجہ سے ہے سیاسی امور میں حکومت پر اعتماد کرنے کی پالیسی اب مسلمانوں کے دل سے **نکلتی** جا رہی ہے"۔

حرف اقبال ۔ ص۱۶

چونکہ علامہ نے مسلم کانفرنس کے اجلاس میں انگریزی حکومت کی مذمت کے ضمن میں وہی طرز عمل اپنایا تھا جو چوہدری ظفراللہ خاں نے اپنے "خطبہ صدارت مسلم لیگ" میں اختیار کیا تھا ۔ اسی جرات کے ساتھ کانگریس پر نکتہ چینی کی جس بیباکی سے چوہدری صاحب نے اس پر تنقید کی تھی ۔ اس لئے جماعت احمدیہ کے آرگن الفضل نے علامہ اقبال کے اس رویہ کی تائید کرتے ہوئے اسے زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا:۔

الفضل کی طرف سے خراج تحسین

"۔ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب نے آل انڈیا مسلم کانفرنس کے اجلاس میں بحیثیت صدر جو خطبہ پڑھا.... اس میں مسلمانوں کے جذبات کا حق نہایت عمدگی اور دلیری سے ادا کیا ہے"

الفضل نے مزید لکھا:۔

"اب جبکہ مسلمانوں نے بڑے بڑے محرکات کے باوجود کانگریس ا۔ میں شمولیت اختیار

نہیں کی اور اس وقت تک اپنے حقوق و مطالبات کے لئے پر امن اور آئینی جدوجہد کر رہے ہیں۔ کس قدر رنج کی بات ہے اگر حکومت برطانیہ منصفانہ رویہ اختیار نہ کرے۔ غرض حکومت کے سامنے مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے امور کھول کر رکھ دیئے گئے ہیں اور ان کے عواقب و نتائج سے بھی پوری طرح آگاہ کر دیا گیا ہے۔ اب یہ حکومت کا کام ہے کہ جلد سے جلد صحیح راستہ اختیار کر کے اپنی روائتی انصاف پسندی کا ثبوت دے یا متزلزل اور غیر مستقل حکمت عملی پر کاربند رہ کر تشویش ناک صورت حال میں اضافہ کرتی رہے"

ظاہر ہے علامہ کی حکومت برطانیہ پر نکتہ چینی کو غیر معمولی انداز میں پیش کرنا یا دوسرے ہندو۔ مسلم لیڈروں کی تنقید سے بہت بڑھا چڑھا کر دکھانا اور پھر اس سے یہ استدلال کرنا کہ حکومت، علامہ کی شدید نکتہ چینی اور مذمت کی وجہ سے انہیں خوشدلی سے گول میز کانفرنس میں نامزد کرنے پر آمادہ نہ تھی۔ کوئی وزنی استدلال قرار نہیں دیا جا سکتا۔ برطانوی حکومت کی جانب سے آپ کو خوش دلی سے نامزد نہ کرنے کی وہی وجہ زیادہ معقول نظر آتی ہے جو وزیر ہند نے بیان کی ہے۔ اور اگر حضرت چوہدری صاحب مخلصانہ کاوش نہ کرتے تو اقبال کے لئے تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کا بظاہر کوئی چانس نہ تھا۔۔۔۔ اور ادھر "انگریز حکمران اتنے کمزور نہیں تھے" (صفحہ ۵۹۷) کہ کسی ایسی شخصیت کو جو کانفرنس کے لئے کارآمد نہیں تھی۔ منتخب کرنے کے لئے اپنے آپ کو مجبور پاتے۔

آزادی ہند کے بارے میں قادیان کی بیت اقصیٰ سے بلند ہونے والی آواز

۱۹۴۵ء کا سال شروع ہوا تو حضرت امام جماعت احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود احمد (اللہ ان سے راضی ہو) نے قادیان کی بیت اقصیٰ سے الصلح خیر کی آواز بلند کرتے ہوئے ایک طرف انگلستان کو نصیحت کی کہ وہ ہندوستان کو آزادی دے اور اس کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھائے اور دوسری طرف ہندوستان کو دعوت دی کہ وہ انگلستان کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھائے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر احمدی کا فرض ہے کہ میری اس آواز کو ہر ملک۔ ہر شہر۔ ہر گاؤں۔ ہر گھر بلکہ ہر کمرہ اور ہر آدمی تک پہنچائے تا یہ دنیا کے کونہ کونہ تک پہنچ جائے۔ ہر احمدی جو صلح کا شہزادہ بننے کی کوشش نہیں کرتا۔ وہ بانی سلسلہ ... کا سچا خادم نہیں اور آپ کی روحانی اولاد نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی ایسے سامان پیدا فرمائے کہ چودھری ظفر اللہ خاں صاحب کو اس آواز کے پہلے حصے کو اس جرات اور بیباکی کے ساتھ انگلستان میں بلند کرنے کی سعادت نصیب فرمائی کہ ہندوستان کا کوئی بڑے سے بڑا آزادی کا دلدادہ سیاستدان بھی اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

دولت مشترکہ کے اجلاس میں چودھری ظفر اللہ خاں کا خطاب

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں (وفات یکم ستمبر ۱۹۸۵ء بعمر ۹۳ سال) کو تقسیم ہند سے قبل اور مابعد بھی متعدد بار ملکی خدمات کے مواقع ملے۔ آپ نے ہر موقعہ پر نہایت درجہ اخلاص۔ قابلیت اور جرات مندی کے ساتھ ملکی خدمت کا حق ادا کیا۔ آپ کبھی غیر ملکی حکمرانوں یا بیرونی طاقتوں سے مرعوب نہ ہوئے۔ آپ کی حق گوئی کا غلغلہ تاریخ کے صفحات پر نقش ہے۔

۱۹۴۵ء میں چیتھم ہاؤس لندن میں رائل انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل افیئرز کی سرپرستی میں دولت مشترکہ کے نمائندگان کی ایک کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ ہندوستان انسٹی ٹیوٹ کی طرف

سے بھی ایک وفد نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔ اس وفد کے سربراہ چوہدری محمد ظفراللہ خاں تھے ۔۔۔ یہ وفد غیر سرکاری نہیں تھا بلکہ گورنمنٹ ہند کا مقرر کردہ تھا۔

دولت مشترکہ کانفرنس میں چوہدری صاحب کی تقریر کا خلاصہ "ٹرانسفر آف پاور" نامی جلدوں میں لندن سے شائع ہو چکا ہے۔ ہم طوالت کے خوف سے اس کا ایک حصہ درج کرتے ہیں:

"۔ اے دولت مشترکہ کے سیاستدانو! کیا یہ ستم ظریفی نہیں کہ ہندوستان کا ۲۵ لاکھ جوان' میدان جنگ میں برطانیہ اور اتحادیوں کی آزادی اور سالمیت کی حفاظت اور دفاع کے سلسلے میں داد شجاعت دے رہا ہو اور خود ہندوستان ابھی تک اپنی آزادی کے لئے ملتجی ہو۔

تم کیا سوچ رہے ہو؟ آخر کب تک ہندوستان تمہاری طرف نظریں اٹھائے' آزادی کے حصول کا منتظر رہے گا۔۔ ہندوستان پیش قدمی کر چکا ہے۔ تم اس کی مدد کرو یا اس کے راستے میں مزاحم ہو۔ اب کوئی اس کا راستہ نہیں روک سکے گا۔ ہندوستان اب آزادی سے ہمکنار ہو کر رہے گا۔ وہ دولت مشترکہ کے اندر رہے گا اگر تم اسے اس کا جائز مقام و مرتبہ دلوانے میں اس کی مدد کرو اور وہ دولت مشترکہ کے حلقہ سے باہر نکل جائے گا اگر تم اس کے لئے کوئی چارہ کار باقی نہ رہنے دو گے۔" (ٹرانسفر آف پاور۔ ص ۶۴۳۔ ۱۷ فروری ۱۹۴۵ء)

پہلی مثال

برطانوی ہند کی یہ پہلی مثال تھی کہ حکومت کے مقرر کردہ وفد کے سربراہ نے اہل ہند کے سیاسی اور ملکی جذبات کی اس جرات و بیباکی سے ایک ایسی کانفرنس میں وضاحت کی ہو جو خود حکومت ہی کی مدعو کردہ ہو۔

جناب شورش کاشمیری کا کہنا ہے کہ آزادی ہند کے ضمن میں:۔

" جواہرلال نہرو ہندوستان کے سب سے بڑے ہیرو تھے" (کتاب شورش کاشمیری از انور عارف ص ۸۷)

حضرت چوہدری صاحب کی تقریر سن کر اس ہیرو کا ردعمل کیا تھا؟ چودھری صاحب اپنی خودنوشت سوانح "تحدیث نعمت" میں فرماتے ہیں:۔

"کچھ عرصہ بعد کانگرسی لیڈر مسٹر آصف علی صاحب نے مجھے بتایا جن دنوں لندن میں

آپ نے یہ تقریر کی۔ پنڈت جواہرلال نہرو اور کانگریس کے سرکردہ اراکین جن میں میں بھی شامل تھا اورنگ آباد دکن کے قلعے میں نظربند تھے۔ ہم کانفرنس کے اس اجلاس کی کاروائی کو ریڈیو پر سن رہے تھے۔ جب آپ نے دولت مشترکہ کے سیاستدانو! کہہ کر آواز بلند کی تو ہم سب توجہ سے آپ کی تقریر سننے لگے۔ پنڈت نہرو تو اپنا کان ریڈیو کے بہت قریب لے آئے۔ جب آپ نے تقریر ختم کی تو پنڈت جی نے کہا۔ اس شخص نے تو ہم سے بھی بڑھ کر بے باکی سے حکومت برطانیہ کو متنبہ کیا ہے (طبع دوئم صفحہ ۴۹۴)

حصول آزادی کے لئے اس بے باکی کے مظاہرے اور برٹش گورنمنٹ کو اس زبردست انتباہ پر تمام ہندوستان کے اردو اور انگریزی اخبارات نے چوہدری صاحب کو خراج تحسین پیش کیا۔ ہم مسلم پریس کے تبصرے سے صرف نظر کرتے ہوئے ہندو اخبارات کے دو ایک تبصرے پیش کرتے ہیں۔

روزنامہ پربھات

"۔ ہندوستان کی طرف سے سر ظفراللہ خاں بطور نمائندہ' اس کانفرنس میں تشریف لے گئے ہیں۔ ان کی پہلی تقریر بہت زوردار ہے۔ اور دل خوش کن بھی۔ کیونکہ انہوں نے کامن ویلتھ کے دوسرے ممبروں کو صاف الفاظ میں بتایا کہ بیس پچیس لاکھ سپاہی مہیا کرنے والا ملک اگر آزادی سے محروم رہا تو جنگ کے بعد بھی دنیا میں امن نہیں ہو سکتا۔۔ ایک ایک ہندوستانی کو سر ظفراللہ کا ممنون ہونا چاہئے کہ انہوں نے انگریزوں کے گھر جا کر حق کی بات کہہ دی۔" (پرچہ ۲۰ فروری ۱۹۴۵ء)

روزنامہ پرتاپ

"۔ لندن میں چوہدری صاحب نے جو تقریریں کی ہیں ان سے ہندوستان تو کیا۔ ساری کامن ویلتھ میں تہلکہ مچ گیا ہے..... چند دن ہوئے آپ نے ایک تقریر کی جسے سن کر یوپی کے سابق گورنر میلکم ہیلی جو اس وقت لارڈ ہیلی ہیں۔ آگ بگولہ ہو گئے اور میٹنگ سے اٹھ کر چلے گئے۔ آپ نے برطانوی حکمرانوں کو وہ کھری کھری سنائیں کہ سننے والے دنگ رہ گئے۔ برطانوی حکومت کے درجنوں تنخواہ دار ایجنٹوں کے کئے کرائے پر آپ کی تقریر نے پانی پھیر دیا۔ (پرچہ ۲۲ فروری ۱۹۴۵ء)

سکھ اخبار ریاست

" چوہدری سر ظفر اللہ خاں جج فیڈرل کورٹ ایک بلند کریکٹر شخصیت ہیں ۔ اور آپ کے لئے یہ ممکن نہیں کہ آپ کے دل اور زبان میں فرق ہو.... اے کاش! برطانیہ کے مدبر سر ظفر اللہ کے اس بیان کو آنکھیں کھول کر پڑھیں اور ہندوستان کو آزادی دی جائے ۔ "

(پرچہ ۲۶ فروری ۱۹۴۵ء)

آزادی ہند کے بارے میں ایک اہم تجویز

چوہدری صاحب یہ عذر سن چکے تھے کہ ہندو مسلم اختلافات کی وجہ سے ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ حل نہ ہونے کی ذمہ داری مکمل طور پر حکومت برطانیہ پر نہیں ڈالی جاسکتی۔ آپ نے اپنی ایک اور تقریر میں جس میں نائب وزیراعظم مسٹر اٹیلی اور لارڈ چانسلر لارڈ سائمن وغیرہ موجود تھے یہ تجویز پیش کی کہ برطانیہ اپنی نیک نیتی کا ثبوت اس واضح اعلان سے پیش کر سکتا ہے کہ اگر فلاں تاریخ تک ہندوستان کی طرف سے ہندو مسلم اختلافات کا متفقہ حل تجویز نہ کیا گیا تو حکومت برطانیہ اپنی طرف سے ایک قرین انصاف (عارضی) حل تجویز کر کے اس کی بنا پر ہندوستان کو نو آبادیات کا درجہ دے دے گی۔

چوہدری صاحب اپنی خودنوشت سوانح "تحدیث نعمت" میں لکھتے ہیں۔

" دو دن بعد لبرل پارٹی کے لیڈر مسٹر کلیمنٹ ڈیوس نے ... مجھے دیکھتے ہی کہا:۔

"۔ مبارک ہو! آپ کی تقریروں کے نتیجے میں کیبنٹ کے زور دینے پر وائسرائے ہند لارڈ ویول کو مشورہ کے لئے لندن بلا لیا گیا ہے۔ لیکن ابھی یہ خبر بصیغہ راز ہے۔"

"ٹرانسفر آف پاور" کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی تقریروں کے بعد انگلستان کے سرکاری حلقوں میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ حکام کی انفرادی ملاقاتیں اور اجتماعی مذاکرات کا اہتمام ہونے لگا۔ "وار کابینہ" کے متعدد اجلاس منعقد ہوئے۔ ہم نمونۃً "چند اقتباس درج کرتے ہیں۔

O وار کابینہ ۔ انڈیا کمیٹی ۔ اجلاس ۲۸ فروری ۴۵ ۔ نوٹ ۲۸۹

صدارت ۔ لارڈ اٹیلی

"۔ آئندہ اجلاس میں سر ظفر اللہ خاں کی تقریر کا مسودہ پیش کیا جائے۔ (ملخص)

O سیکرٹری آف سٹیٹ کا خفیہ نوٹ نمبر ۲۹۱ مورخہ ۲۸ فروری ۴۵ بنام لارڈ ویول

۱۔ "میں نے سنا ہے کہ ہندوستانی وفد نے خوب کام کیا ہے اور یہ کہ ظفر اللہ بہت ممتاز رہے ہیں۔

۲۔ مجھے اعتراف ہے کہ ان (ظفر اللہ خاں) کے (آزادی ہند کے) مطالبہ کو تسلیم کرنے میں کوئی ہرج کی بات نہیں کہ ہم ایک مخصوص تاریخ مقرر کر دیں کہ اگر ہندوستانیوں نے اس تاریخ تک خود دستور وضع نہ کیا۔ تو ہم ایک عارضی دستور وضع کر دیں۔"

راقم عرض کرتا ہے۔ بعد کے واقعات کے مطابق حکومت برطانیہ کی طلبی پر لارڈ ویول وائسرائے ہند ۲۳ مارچ ۴۵ کو انگلستان پہنچے اور ۷۲ دن تک سرکاری ارباب حل و عقد کے ساتھ مذاکرات کرنے کے بعد ۴؍جون کو واپس دہلی لوٹ گئے۔

اس طرح ہندوستان کی آئینی جدوجہد کا آخری مرحلہ شروع ہو گیا۔ (تحدیث نعمت ص ۴۹۳)

چوہدری صاحب کی تجویز کی اہمیت اور آزادی ہند کے لئے آپ کے جوش و جذبہ اور اہالیان ہند کی جرات و بے باکی سے وکالت کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا کہ مسٹر ایمرس سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا و برما نے وائسرائے ہند لارڈ ویول کو جو پرائیویٹ اور خفیہ مکتوب روانہ کیا اس میں چوہدری صاحب کے متعلق لکھا کہ آپ ' دولت مشترکہ کے اجلاس میں Outspoken یعنی سب سے نمایاں اور ممتاز رہے ہیں۔ آپ کی تجویز اور آزادی ہند کے بارے میں آپ کے حریت پرور مطالبے کے لئے Rather Outspoken Demand کے الفاظ استعمال کئے۔ یعنی چوہدری صاحب نے بے باکی کے ساتھ بے لاگ اور کھرے کھرے مطالبے کئے۔ (ٹرانسفر آف پاور جلد نمبر ۵ نوٹ نمبر (خفیہ) ۲۹۱ پیرا ۵۰)

یہ تھی قادیان کی بیت اقصیٰ سے بلند ہونے والی ایک کمزور سی آواز جس کے ایک حصے کو

وائسرائے ہند لارڈ ویول کا تاریخی نوٹ

۵ر جنوری ۱۹۴۶ء۔ مسٹر جناح کے ساتھ وائسرائے ہند کا اہم انٹرویو

مسٹر جناح اور قادیان کے ووٹ (۱۹۴۶ء)

وائسرائے ہند' نے اپنے نوٹ میں لکھا:۔

آزاد ترجمہ: آج صبح مسٹر جناح سے میں نے ایک گھنٹہ ملاقات کی۔ وہ ٹھیک ٹھاک نظر آرہے تھے مگر الیکشنوں کے ہنگاموں کا ذہن پر کافی بوجھ تھا۔ مسٹر جناح نے پنجاب یونی نسٹ گورنمنٹ کے خلاف شکایات کا سلسلہ شروع کیا۔ کہ گورنمنٹ اپنے سرکاری کارندوں کے ذریعے انتخابات پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ آپ نے کہا کہ یونی نسٹ گورنمنٹ نے معین شکل میں اپنے سرکاری ملازموں کو الیکشن میں دخل اندازی نہ کرنے کے متعلق کوئی واضح ہدایات جاری نہیں کیں۔

..... میں نے مسٹر جناح سے کہا کہ میں ان کی شکایات گورنر پنجاب تک پہنچا دوں گا۔ پھر میں نے مسٹر جناح سے پوچھا کہ یونی نسٹ گورنمنٹ کی جانب سے انتخابات میں دخل اندازی کی کوئی مثال؟ مسٹر جناح بولے۔ قادیان' جہاں **مسلم لیگ کی حمایت کا فیصلہ ہو چکا تھا** اور جہاں ۲۰۰۰ ووٹ مقامی حکام نے ' حکام بالا سے ہدایات حاصل کرنے کے بہانے وقت گزار کر ضائع کر دیئے۔"

آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر مسٹر جناح کو اپنے وسیع و عریض دوروں میں بیسیوں مقامات پر یونی نسٹ گورنمنٹ کی طرف سے دھاندلیوں کی شکایت ملیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو سب سے زیادہ ہمدردی ' قادیان کے ووٹوں سے تھی۔ جہاں کے ووٹ ضائع ہونے سے آپ کو اتنا دکھ ہوا کہ آپ نے وائسرائے سے ملاقات میں سب سے پہلے اسی شکایت کا ذکر کیا۔ اور یہ ذکر کچھ اس دردمند دل کے ساتھ کیا کہ وائسرائے ہند نے اسے اہم تاریخی انٹرویو کے طور پر نوٹ کیا اور گفتگو کے نکات برطانیہ بھجوا دیئے۔ جو ٹرانسفر آف پاور میں شائع کر دیئے گئے۔ (قادیان کے بعد آپ نے شکار پور (سندھ) کا ذکر کیا۔) (ٹرانسفر آف پاور ص ۷۳۷ انٹرویو نمبر ۱۰۴۳۔ پی پی ۔ ۱۰۴۔ ۶ مورخہ ۵ر جنوری ۱۹۴۶ء)

تصور پاکستان کے محرکات

بعض نکات میں مصنف " زندہ رود " نے جناب محمد احمد خاں کی کتاب " اقبال کا سیاسی کارنامہ۔ پر خاصا انحصار کیا ہے۔ " تصور پاکستان کے محرکات " کے زیر عنوان جناب محمد احمد خاں فرماتے ہیں:۔

" اقبال کے خطبہ صدارت مسلم لیگ (الہ آباد۔ دسمبر ۱۹۳۰ء۔ ناقل) میں صرف ایک ہی فقرہ ہے۔ جس کو ہم اس سلسلے میں " ان کے ذہن کی کلید " قرار دے سکتے ہیں۔ اسلامی ہند کی تشکیل کے جواز و ضرورت کی سب سے بڑی دلیل کو علامہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔۔ "

" ہندوستان دنیا میں سب سے بڑا مسلم ملک ہے۔ اس ملک میں اسلام کی زندگی بحیثیت ایک " تمدنی قوت " کے بڑی حد تک اس امر پر منحصر ہے کہ اس کو ایک مخصوص رقبہ میں مرکز کر دیا جائے۔ "

اسلام کا ایک " تمدنی " قوت کی حیثیت سے ہندوستان کے ایک مخصوص خطہ میں ارتکاز (Centralization) اقبال کے " تصور پاکستان کی روح " ہے۔ (صفحہ ۵۱۲ " اقبال کا سیاسی کارنامہ ")

اس سلسلہ میں علیحدہ تمدن ' علیحدہ مذہب اور علیحدہ روایات کی بنیاد پر علیحدہ خطہ ارض میں علیحدہ مسلم حکومت کی ضرورت کے حق میں ' قادیان کی سرزمین سے خطبہ الہ آباد سے دو سال قبل (۱۹۲۸ء میں) بلند ہونے والی آواز ' نظر انداز کر دی جاتی ہے۔ حضرت امام جماعت احمدیہ (اللہ ان سے راضی ہو) فرماتے ہیں۔

" اس امر کی ضرورت کو تمام دنیا تسلیم کر چکی ہے کہ جن اقوام کے مذہب اور تمدن میں اختلاف ہو۔ انہیں آزادانہ نشوونما کا موقع ضرور ملنا چاہئے۔ ورنہ فساد اور فتنہ کا

دروازہ وسیع ہو جاتا ہے۔ اور صلح اور امن حاصل نہیں ہوتا۔ یورپ میں جہاں جہاں زبان اور تمدن کا اختلاف ہے۔ ان علاقوں کو الگ علاقہ کی صورت میں نشوونما پانے کا موقع دیا جاتا ہے۔ زیکو سلیویکا کا واقعہ میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ اس میں رو تھینیا کو الگ اور اندرونی طور پر آزاد حکومت عطا کی گئی ہے ریاست ہائے متحدہ کی ریاستوں کا قیام بھی اسی اصل پر ہے کہ چونکہ وہ الگ الگ پہلے سے قائم تھیں اور ہر اک کا ایک خاص طریق تمدن قائم ہو چکا تھا۔ اور مذہب کا بھی اختلاف تھا۔ اس لئے ریاستوں کو توڑ کر ایک حکومت قائم کرنے کی بجائے انہیں علیحدہ ہی رہنے دیا گیا۔ پس یہ مطالبہ بالکل عقل کے مطابق ہے۔ اور اس کی ضرورت مسلمانوں کو یہ ہے کہ وہ اپنے مخصوص تمدن اور اپنی روایات کو قائم رکھ سکیں اور ان کی قومی روح تباہ نہ ہو جائے۔ جو ضرورت ہندوستان کو انگریزی اثر (یعنی مغربی تصورات کی بیڑیوں سے۔ ناقل) سے آزاد ہونے کی ہے۔ وہی ضرورت مسلمانوں کو ان کی کثرت رکھنے والے صوبوں میں ایک حد تک آزاد رہنے میں ہے۔ اگر یہ ضرورت غیر حقیقی ہے تو پھر ہندوستان کی آزادی کی ضرورت بھی غیر حقیقی ہے۔" (مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ مطبوعہ ۱۹۲۸ء ص ۶۹)

"۔ مسلمانوں کے سامنے مذہب اور قومیت کا سوال ہے۔ سیاست کا سوال ہوتا تو وہ یہ سمجھ لیتے کہ رائے ہر معاملہ میں بدلتی رہے گی۔ لیکن یہاں دو مختلف قومیں اور زبردست قومیں بستیں ہیں جن کے مذہب الگ ہیں اور جن کے تمدن کے اصول الگ ہیں۔ پس ایک مستقل اکثریت کے مقابلہ میں مسلمان ایک مستقل اقلیت بن کر رہنے کے لئے کس طرح تیار ہو سکتی ہے۔" (ایضاً صفحہ ۹۸)

وضاحت

چوکھٹا۔ ۹،۱۰ صفحہ قرارداد مقاصد کے بعد کا فقرہ یوں پڑھا جائے
بنیادی اصولوں کی ۲۴ رکنی کمیٹی کے پہلے دس ارکان
۸ ویں نمبر پر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی

پانچ مسلم صوبے

مسلم مطالبہ

مسلمانوں کی طرف سے برصغیر میں پانچ اسلامی صوبوں (پنجاب۔ سندھ۔ سرحد۔ بلوچستان اور بنگال) کے قیام کا مطالبہ' خطبہ الہ آباد دسمبر ۱۹۳۰ء سے بہت پہلے پیش کیا جا چکا تھا چنانچہ مصنف "زندہ رود" خود فرماتے ہیں:۔

"تجاویز دہلی (۱۹۲۷ء) کے ذریعہ مسلم لیگی قائدین دو کی بجائے پانچ مسلم اکثریتی صوبے بنانا چاہتے تھے تاکہ سات ہندو اکثریتی صوبوں کے ساتھ توازن قائم ہو جائے (صفحہ ۳۱۰)

۱۹۲۸ء میں حضرت امام جماعت احمدیہ نے پانچ مسلم اکثریتی صوبوں کے اسی مطالبہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

حضرت امام جماعت احمدیہ کی تجویز

"پس موجودہ صورت حال یہ ہے کہ مسلمانوں نے چاہا تھا کہ پنجاب۔ بنگال۔ سرحدی صوبہ۔ سندھ اور بلوچستان' آزاد اور خود مختار اسلامی صوبے ہوں ... (لیکن) نہرو رپورٹ کے نتیجہ میں۔ ایک نیم آزاد سندھ ایک ہندو بنگال۔ ایک ہندو پنجاب مسلمانوں کو دیا گیا ہے" ۲۔ (مسلمانوں کے حقوق۔ ص ۶۹)

پانچ مسلم صوبوں کی سکیم درج کر کے حضور ۱۹۲۸ء میں "کامل خود اختیاری" کی درج ذیل تجویز پیش کرتے ہیں۔

"فیڈرل گورنمنٹ کا اصول کوئی غیر مجرب اصول نہیں ہے ... ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے علاوہ جنوبی افریقہ۔ آسٹریلیا ... میں بھی اسی قسم کی حکومت ہے .... ان کے علاوہ ایک اور نئی حکومت ہے۔ یعنی زیگوسلویکا جس میں نئی قسم کا تجربہ کیا گیا ہے یعنی سارے ملک میں تو فیڈریشن نہیں ہے لیکن رو تھینیا کے علاقہ کو ان لوگوں کے خوف کی وجہ سے کامل خود اختیاری حکومت دے دی گئی ہے۔ مسلمانوں کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اگر اسی طریق پر ہندو راضی ہو جائیں یعنی پانچوں مسلم صوبے فیڈریشن کے اصول پر ہندوستان سے ملحق رہیں اور ہندو صوبے' مضبوط مرکزی حکومت کے ماتحت رہیں" (ایضاً ص ۴۳)

(اخبار جنگ لاہور۔ "نقطہ نظر" مضمون خلیل احمد۔ گوجرانوالہ۔ ۱۳ نومبر ۱۹۸۳ء)

خطبہ الہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء)

علامہ اقبال کی تجویز

حضرت امام جماعت احمدیہ کی مندرجہ بالا تجویز کے دو سال بعد علامہ اقبال نے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الہ آباد کے صدارتی خطبہ میں درج ذیل تجویز پیش کی۔

" میری خواہش ہے کہ پنجاب۔ سرحد۔ سندھ اور بلوچستان کو یکجا کر کے ایک واحد ریاست بنا دی جائے۔ خود مختار حکومت۔ برطانوی سلطنت کے اندر یا برطانوی سلطنت کے باہر (زندہ رود صفحہ ۴۱۵)

آپ نے اپنی تجویز کی تعبیرو تشریح کرتے ہوئے

(۱) ڈاکٹر ٹامسن کو بتایا:۔

" میں نے برطانوی سلطنت سے باہر مسلم ریاست کا مطالبہ پیش نہیں کیا۔" (زندہ رود صفحہ ۴۱۵)

(۲) ایڈورڈ ٹامسن کے نام خط محررہ ۴ مارچ ۱۹۳۴ء میں تحریر فرمایا:۔

" پاکستان میری تجویز نہیں ہے۔ جو تجویز میں نے خطبہ آلہ آباد میں پیش کی تھی وہ ایک مسلم صوبہ کے قیام کی تجویز تھی۔ یعنی شمال مغربی ہند میں ایک ایسے صوبے کی تشکیل جہاں مسلمانوں کی واضح اکثریت ہو..... یہ نیا صوبہ آئندہ کی انڈین فیڈریشن کا حصہ ہو گا لیکن پاکستان سکیم مسلم صوبوں کی ایک علیحدہ فیڈریشن کے قیام کی سفارش کرتی ہے۔ (زندہ رود صفحہ ۴۲۱)

(۳) پھر نمبر ۲ کے دو دن بعد ۶ مارچ ۳۴ کو جناب راغب احسن کے نام اپنے مکتوب میں فرمایا:۔

" میری تجویز انڈین فیڈریشن کے اندر ایک مسلم صوبہ کی تخلیق ہے۔ لیکن پاکستان کی اسکیم انڈین فیڈریشن سے باہر ہندوستان کے شمال مغرب میں مسلم صوبوں کی ایک علیحدہ فیڈریشن قائم کرنے کی سفارش کرتی ہے جس کا تعلق براہ راست انگلستان سے ہو گا (ایضاً صفحہ ۴۲۲)

ظاہر ہے۔ حضرت امام جماعت احمدیہ کی تجویز میں " بنگال " بھی شامل ہے اور علامہ کی تجویز سے " بنگال " خارج ہے۔ دراصل علامہ نے خطبہ الہ آباد میں خود ہی وضاحت فرما دی تھی کہ میری تجویز نئی سکیم نہیں ہے۔ بلکہ مولانا حسرت موہانی کی تجویز ہی کا اعادہ ہے جو نہرو کمیٹی کے سامنے بھی پیش کی گئی تھی۔ قائداعظم کے پرائیویٹ سیکرٹری لکھتے ہیں:۔

"۔ اس طرح (یعنی خطبہ الہ آباد والی تجویز سے۔ ناقل) مولانا حسرت موہانی اور لالہ راجپت رائے کی تجویزیں پھر زندہ ہو گئیں۔"

(ہمارے قائداعظم ص ۳۳۔ مطبوعہ نیشنل بک فاؤنڈیشن کراچی۔ اسلام آباد۔ لاہور)

کیا اقبال کا خطبہ حضرت امام جماعت احمدیہ کی تجویز کی تعبیرو تشریح ہے

بعض مبصرین حضور کی ۱۹۲۸ء کی تجویز اور علامہ کے ۱۹۳۰ء کے خطبہ الہ آباد کا موازنہ کر کے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ خطبہ الہ آباد ' سرزمین قادیان سے اٹھنے والی تجویز کی ہی تعبیرو تشریح ہے۔ چنانچہ پروفیسر ریاض صدیقی صاحب اپنی کتاب " قرارداد پاکستان کا منظرو پس منظر " میں فرماتے ہیں:۔

"۔ اس سال (یعنی ۱۹۲۸) میں نہرو رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے قادیانی فرقے کے رہنما مرزا بشیرالدین محمود احمد نے ایک تجویز پیش کی اور بنگال..... اور شمال مغربی علاقوں پر مشتمل ایک آزاد مسلمان علاقہ قائم کرنے کا مشورہ دیا ان کا خیال تھا کہ ہندو اور مسلمان دونوں اس قابل نہیں ہیں کہ آزادی کا بار حسن و سلیقے سے اٹھا سکیں۔ اس لئے مسلمان اکثریت والے علاقوں کا وفاق سرکار برطانیہ کے زیر انتظام اپنا کام کرے۔ اقبال کا خطبہ الہ آباد اس تجویز کی تعبیرو تشریح ہے (صفحہ ۳۶)

ہو سکتا ہے۔ ان تجاویز پر مزید غور کے نتیجہ میں کسی نکتہ پر بحث کی گنجائش نکل آئے۔ ہم اس سکیم کی اولیت کا کریڈٹ حضرت امام جماعت احمدیہ کو نہیں دے رہے۔ لیکن مصنف " زندہ رود " سے یہ پوچھنے کا حق تو رکھتے ہیں کہ اگر ۱۹۳۰ء میں خطبہ الہ آباد والی سکیم پیش کرنے سے علامہ اقبال ' تحریک آزادی کے ہیرو " بن سکتے ہیں تو اسی نوعیت کی سکیم اس سے دو سال قبل پیش کرنے والے کے متعلق آپ یہ فتویٰ کیسے صادر کر سکتے ہیں کہ وہ جدوجہد آزادی کو

حرام سمجھتے تھے۔

خطبہ الہ آباد کا تقسیم ہند سے کوئی تعلق نہیں

اقبال۔ جناح خط و کتابت ۱۹۳۷ء پر ایک نظر

مصنف " زندہ رود " نے تسلیم کیا ہے کہ اقبال نے وفاق کے اندر " خود مختار ریاست کا تصور (خطبہ الہ آباد (۱۹۳۰) میں نہیں بلکہ ۔ ناقل) ۱۹۳۷ء میں پیش کیا تھا۔ چنانچہ مصنف فرماتے ہیں :۔

" اقبال اب (یعنی ۱۹۳۷ء میں اپنے مکتوب بنام جناح میں) ہندوستان کے وفاق کے اندر خود مختار مسلم ریاست یا صوبہ کے قیام کی تجویز سے آگے نکل کر شمال مغربی اور شمال مشرقی ہندوستان (یعنی بنگال سمیت ۔ ناقل) مسلم اکثریتی صوبوں پر مشتمل ایک علیحدہ فیڈریشن کی تخلیق کا ذکر کر رہے تھے (زندہ رود صفحہ ۲۲۳)

راقم عرض کرتا ہے ۔ علامہ نے اس خط میں یہ وضاحت بھی کر دی تھی ۔ کہ اب کس چیز نے انہیں خطبہ الہ آباد سے " آگے نکلنے پر " مجبور کر دیا ہے ' فرماتے ہیں :

" ۔ ہندو مہا سبھا ' جسے میں ہندو عوام کی حقیقی نمائندہ سمجھتا ہوں ' نے بارہا اعلان کیا ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کی " متحدہ قومیت " کا وجود ہندوستان میں ناقابل عمل ہے (صفحہ ۳۰)

ان حالات کے پیش نظر علامہ نے ملک کو مذہبی اور لسانی میلانات کی بنا پر تقسیم کرنے پر زور دینا شروع کیا ملک امجد حسین ایڈووکیٹ (" نوائے وقت ") کراچی میں لکھتے ہیں :۔

علامہ کے خطبہ الہ آباد کو تقسیم ہند سے کوئی تعلق نہیں ۔ وہ خطبہ صرف مغربی پاکستان کی حد تک ہی تھا اور اس میں بنگال و آسام کا بھی کوئی ذکر نہیں ۔ علامہ نے قائداعظم کی واپسی کے بعد ۳۷-۱۹۳۶ کے خطوط میں (اس تجویز کو) واضح صورت دی ۔ (پرچہ ۲۳ نومبر ۱۹۸۷ء)۔

خواجہ حسن نظامی ' اپنے رسالہ " منادی ۔ " دہلی میں لکھتے ہیں ۔

" ۔ اقبال نے بارہا مجھے پاکستان کا منصوبہ سنایا تھا ۔ مگر اس منصوبے میں ہندوستان کی تقسیم کا خیال نہ تھا ۔ " (پرچہ جون ۱۹۵۰ء)

باب نمبر ۶ فصل نمبر ۷

قرار داد لاہور اور سر محمد ظفر اللہ خاں

لاہور کے ایک مقامی ہفت روزہ میں جناب عبدالولی خاں کا ایک انٹرویو شائع ہوا ۔ جس سے پریس میں قرار داد لاہور یا قرار داد پاکستان کے متعلق ایک نئی بحث نے جنم لیا ۔ انٹرویو کا لب لباب یہ تھا کہ تقسیم ہند یا قیام پاکستان کا اقدام ' مسلمانان ہند سے غداری کے مترادف تھا ۔ انگریز اس ذریعے سے " ۔ اسلام کے گھر میں نقب لگا کر مسلمانوں کی اجتماعی رسوائی کا سامان فراہم کرنا چاہتا تھا ۔ " انگریز کے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جماعت احمدیہ کے ایک ممتاز ممبر ' چوہدری ظفر اللہ خاں ' میدان میں اترے ۔ انہوں نے برصغیر کی تقسیم کا " قابل عمل فارمولا " تیار کر کے وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو کے حوالے کر دیا ۔ جنہوں نے ۱۲ مارچ ۴۰ کو اس مسودہ کی نقل لارڈ زٹلینڈ (وزیر ہند) کو برطانیہ بھجوا دی (اس نوٹ کی ایک کاپی قائداعظم کو بھی بھیج دی گئی) ۷ سے

خان عبدالولی خاں کا کہنا ہے ۔ کہ (۱۱ دن بعد ۔ ناقل) " ۲۳ مارچ ۴۰ کو یہی ریزولیوشن (قرارداد لاہور کی صورت میں ۔ ناقل) پاس ہو گیا ۔ " ۔ بقول جناب ولی خاں صاحب ۔ :

" انگریز ' مسلمانوں کی قوت کو ان کے اپنے ہاتھوں فنا کے گھاٹ اتارنے میں کامیاب ہو گیا "

پاکستان کا منصوبہ مسلمانوں کے لئے موت کا پیغام تھا یا زندگی کی نوید ؟ اس پر محب وطن صاحبان علم و فضل کی جانب سے بہت کچھ لکھا گیا ہے اور آئندہ بھی لکھا جاتا رہے گا ۔ ہمیں اس وقت اس پر بحث مقصود نہیں ۔

بہرحال حضرت چوہدری صاحب نے اپنی علیحدگی کی سکیم پر روشنی ڈالتے ہوئے " پاکستان ٹائمز لاہور (۱۳ فروری ۱۹۸۲ء) میں طویل مضمون لکھا ۔ اس کا ایک حصہ ملاحظہ ہو ۔ چوہدری

صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نوٹ (قابل عمل فارمولا) میں لکھا تھا کہ :-

ا- (میری) "علیحدگی کی سکیم" یہ ہے کہ ایک شمال مشرقی فیڈریشن بنائی جائے۔ جس میں بنگال اور آسام کے موجودہ صوبے شامل ہوں اور ایک شمال مغربی فیڈریشن بنائی جائے۔ جس میں پنجاب، سندھ، سرحدی صوبہ، بلوچستان اور سرحدی علاقے شامل ہوں ..... جیسا کہ میں نے واضح کیا ہے میں پورے اعتماد سے قطعی طور پر کہتا ہوں کہ میرا نوٹ جس کا ذکر لارڈ لنلتھگو کے ۱۲ر مارچ ۴۰ کے خط میں ہے۔ اس حقیقت کو ظاہر کر رہا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان واضح طور پر علیحدہ قوم ہیں اور یہ کہ ان کے لئے "واحد تسلی بخش قابل قبول آئینی حل" یہ ہے کہ شمال مشرقی اور شمال مغربی فیڈریشنز قائم کی جائیں اور یہ قطعی طور پر وہی مطالبہ تھا جو کہ چند ہی دنوں (۱۱ دنوں۔ ناقل) بعد، ۲۳ر مارچ ۴۰ کی قرارداد میں پیش کیا گیا۔ دو قومی نظریہ اور شمال مشرقی اور شمال مغربی فیڈریشنوں کے قیام کا نظریہ جس تفصیل اور وضاحت سے میرے نوٹ میں پیش کیا گیا۔ یہ بات میرے ہمعصروں یا مجھ سے پہلے آنے والوں کی کسی دستاویز یا بیان میں قطعاً موجود نہیں ...... اس حقیقت کے باوجود قائداعظم اکیلے ہی تھے جن پر قیام پاکستان کا سہرا بندھ سکتا ہے۔"

ب- یہ نوٹ میں نے ذاتی طور پر پہل کر کے لکھا تھا۔ اور اس کے تمام مندرجات کا میں اکیلا ذمہ دار تھا۔ لارڈ لنلتھگو کا یہ نوٹ لکھوانے میں کوئی کردار نہیں تھا۔"

ج- اس سکیم کو سرکاری طور پر مسلم لیگ نے "پاکستان" کا نام اپنے ۹ر اپریل ۴۶ کے کنونشن میں دیا۔ جس کو "قرارداد دہلی" کہا جاتا ہے۔ ۱۷

مرکزی و صوبائی انتخابات (۴۶-۱۹۴۵ء) اور جماعت احمدیہ

جب فرقہ وارانہ مفاہمت کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو لارڈ ویول وائسرائے ہند نے ۱۹ر ستمبر ۴۵ کو برصغیر میں نئے انتخابات کا اعلان کر دیا۔ یہ انتخابات "پاکستان یا اکھنڈ بھارت" کی بنیاد پر لڑے گئے۔ اگر ان انتخابات میں مسلم لیگ کی تائید نہ کی جاتی تو آنے والے چالیس پچاس سال تک مسلمانوں کا سنبھلنا مشکل ہو جاتا۔ ہندوستان میں کانگرس راج قائم ہو جاتا۔ ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا جداگانہ قوم کا تخیل پاش پاش ہو جاتا اور علیحدہ اسلامی مملکت کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوتا۔۔۔ قائداعظم نے اس موقع پر مسلمانان ہند کے نام پیغام دیا کہ "اب ہمارے پیش نظر اہم مسئلہ آئندہ انتخابات کا ہے" اس پیغام کے نتیجہ میں مسلمانان برصغیر جو پہلے ہی "نظریہ پاکستان" پر دو گروپوں میں تقسیم تھے۔ زیادہ نمایاں ہو کر دو الگ الگ کیمپوں میں کھڑے ہو گئے۔ ایک کیمپ میں **مسلم لیگ اور جماعت احمدیہ (من حیث الجماعت)** جبکہ دوسرے کیمپ میں مجلس احرار اسلام۔ جمعیتہ العلماء ہند۔ خاکسار۔ کیمونسٹ مسلمان۔ نیشنلسٹ مسلمان اور مودودی صاحب کے ہم خیال وغیرہ نے ڈیرے جما لئے۔

آیئے! دیکھتے ہیں۔ ان انتخابات میں جماعت احمدیہ نے کیا کردار ادا کیا؟

ممتاز مورخ اور ادیب جناب رئیس احمد جعفری اپنی گراں قدر کتاب "قائداعظم اور ان کا عہد" میں لکھتے ہیں۔

"۔ قادیانی گروہ کے امام جماعت، مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے ۲۱ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو ایک طویل بیان دیا۔ جس میں اپنی جماعت کے اصحاب کو ہدایت دیتے ہوئے فرمایا :-

"۔ آئندہ انتخابات میں ہر احمدی کو مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہئے تاکہ انتخابات کے بعد مسلم لیگ بلاخوف تردید، کانگریس سے یہ کہہ سکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ ہے۔ اگر ہم اور دوسری جماعتیں ایسا نہ کریں گے تو مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کمزور ہو جائے گی اور ہندوستان کے آئندہ نظام میں ان کی آواز بے اثر ثابت ہو گی اور ایسا سیاسی اور اقتصادی دھکا مسلمانوں کو لگے گا کہ اور چالیس پچاس سال تک ان کا سنبھلنا مشکل ہو جائے گا اور میں

نہیں کہہ سکتا کہ کوئی عقلمند آدمی اس حالت کی ذمہ داری اپنے اوپر لینے کو تیار ہو۔ پس میں اس اعلان کے ذریعہ تمام صوبہ جات کے احمدیوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی جگہ پورے زور اور قوت کے ساتھ آئندہ انتخابات میں مسلم لیگ کی مدد کریں۔ "

حضرت امام احمدیہ کی اس مخلصانہ پالیسی سے متاثر ہو کر جناب رئیس احمد جعفری مزید لکھتے ہیں:

"۔ مسلم قوم کی مرکزیت ' پاکستان یعنی ایک آزاد اسلامی مملکت کے قیام کی تائید ' مسلمانوں کے یاس انگیز مستقبل پر تشویش ۔ عامتہ المسلمین کی فلاح نجاح و مرام کی کامیابی ---۔ تفریق بین المسلمین کے خلاف برہمی اور غصہ کا اظہار کون کر رہا ہے؟ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور جماعت حزب اللہ کا داعی اور امام الہند؟ نہیں پھر کیا۔ جانشین شیخ الہند اور دیوبند کا شیخ الحدیث؟ ۔ وہ بھی نہیں پھر کون؟ ۔ وہ لوگ جن کے خلاف کفر کا فتوؤں کا پشتارہ موجود ہے --- جن کی نامسلمانی کا چرچا گھر گھر ہے --- جن کا ایمان ۔ جن کا عقیدہ مشکوک و مشتبہ اور محل نظر ہے۔ " ۲ ے سے

حضرت بابا نانکؒ

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے حضرت بابا نانکؒ کو توحید پرست ۔ نیک مرد اور صاحب الہام لکھا ہے
(ست بچن ص ۴۱ ۔ ۴۵ مطبوعہ ۱۸۹۵ء)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے اس دعویٰ کے بعد سکھوں میں ایک تغیر یہ پیدا ہوا کہ انہوں نے گوردواروں سے بت نکال دیئے ۔ اور ہندو ہونے سے انکار کر دیا ۔ جوں جوں سکھ صاحبان اصل حقیقت سے واقف ہوتے جائیں گے وہ اسلام کی صف میں شامل ہوتے جائیں گے۔

جماعت اسلامی کی قومی تحریک (پاکستان سے) کنارہ کشی

قیام پاکستان کے کچھ عرصہ بعد شائع ہونے والے " ترجمان القرآن " اگست ۴۸ء میں اعتراف کیا گیا ہے کہ۔

"جماعت اسلامی ، مسلمانوں کی قومی تحریک (پاکستان) سے "کنارہ کش" تھی اور (اس وجہ سے ۔ ناقل) قوم کی قوم ، جماعت سے شاکی اور ناخوش تھی " (صفحہ ۱۳۶)

بعد میں اس بے تعلقی اور کنارہ کشی بلکہ مخالفت ا ۔ پر پردہ ڈالنے کے لئے سابق امیر جماعت اسلامی میاں محمد طفیل صاحب نے ایک نیا نکتہ پیدا کیا۔ فرماتے ہیں۔

" ۔ ۱۹۴۱ء میں قائداعظم اور مودودی صاحب کے مابین طے پا چکا تھا۔ اس سمجھوتہ کی رو سے قائداعظم نے کہا تھا کہ میں اسلامی سٹیٹ بنانے کی کوشش کرتا ہوں ۔ مودودی صاحب اس اسٹیٹ کو چلانے کے لئے اسلامی کارکن مہیا کریں گے۔ " ۳ ے سے

راقم عرض کرتا ہے کہ یہ افسانہ سازی اس لئے درست نہیں کہ نہ مودودی صاحب ۱۹۴۱ء کے بعد قائداعظم و مسلم لیگ سے کنارہ کشی یا مخالفت کی صف سے باہر نکلے ' نہ قائداعظم نے حصول پاکستان کے بعد جماعت اسلامی کے کسی آدمی کو کسی وزارت کے قریب پھٹکنے دیا ۔ اس کے مقابل جماعت احمدیہ جس نے قیام پاکستان کی مہم میں قائد کا بھرپور ساتھ دیا تھا ۔ کے رکن کو قائد نے طلب کر کے اس سے کہا کہ آپ کی ہمیں ضرورت ہے ۔ آپ اس مملکت اسلامی میں سینئر وزیر کا عہدہ سنبھال لیں۔

راقم کی رائے میں یہ امر ویسے بھی قرین قیاس نہیں کہ قائداعظم ایسا کھرا اور راست باز شخص کسی ایسی جماعت سے جو تحریک پاکستان سے کنارہ کش رہی ہو اور جس سے قوم کی قوم شاکی اور ناخوش ہو خفیہ سمجھوتہ کر لے۔ ۴ ے سے

عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت اور جماعت احمدیہ

ہندو مسلم مفاہمت کیلئے ۱۹۴۶ء کے موسم بہار میں ایک وزارتی مشن ولایت سے ہندوستان آیا۔ وزارتی مشن نے وائسرائے ہند کے مشورہ سے ۱۶ر جون ۴۶ء کو ملک میں ایک عارضی حکومت کے قیام کا اعلان کیا۔ اس اعلان میں کہا گیا تھا کہ جو سیاسی جماعت ' عارضی حکومت میں شامل نہ ہو گی۔ اس سے صرف نظر کر کے دوسری جماعت کے اشتراک سے عارضی حکومت بنا دی جائے گی۔ مسلم لیگ نے ایک قرار داد کے ذریعہ اس حکومت میں شرکت پر آمادگی ظاہر کر دی۔ مگر کانگریس نے یہ دعوت رد کر دی۔ اس موقع پر چاہئے تو یہ تھا کہ وعدہ کے مطابق عنان حکومت مسلم لیگ کے سپرد کر دی جائے مگر انگریزوں نے حکومت بنانے کی دعوت واپس لے لی۔ اس پر مسلم لیگ کونسل کو بطور احتجاج اپنی رضامندی منسوخ کرنا پڑی۔ وائسرائے ہند جو غالباً اسی موقع کی تاک میں تھے۔ کانگریس سے گٹھ جوڑ کر کے پنڈت نہرو صدر آل انڈیا کانگریس کو عبوری حکومت کی تشکیل کی دعوت دی۔ انہوں نے ۲ر ستمبر ۴۶ء کو عبوری حکومت کا چارج سنبھال لیا۔ اب حکومت کے نظم و نسق کی ساری مشینری کانگریس کے قبضہ میں چلے جانے کا خدشہ پیدا ہو گیا۔ اس بات کا بھی قوی امکان تھا۔ کہ جن مسلمانوں پر قوم کو اعتماد اور بھروسہ نہیں ' کانگریس انہیں شامل کر کے ان پر مسلم نمائندگی کا لیبل چسپاں کر دے۔ اس طرح مسلمانوں کی جیتی ہوئی جنگ بظاہر شکست میں بدل گئی۔ مسلم لیگ کا وقار معرض خطر میں پڑ گیا۔ تحریک پاکستان کا خاتمہ اور مسلم سیاست کی بربادی کا منظر آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا ــــ اس نازک موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت امام جماعت احمدیہ کو خبر دی گئی کہ اس مشکل کا حل آپ کے ساتھ وابستہ ہے۔ چنانچہ آپ بعض خدام سمیت ۲۲ر ستمبر ۴۶ء کو دہلی کے لئے روانہ ہوئے اور ۱۴ر اکتوبر ۴۶ تک وہاں تشریف فرما رہے۔ اور قائداعظم محمد علی جناح ' نواب صاحب بھوپال ' خواجہ ناظم الدین ۔ سردار عبدالرب نشتر۔ نواب سر احمد سعید خاں چھتاری کے علاوہ مسٹر گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو سے تبادلہ خیال کیا۔ حضور کی دعاؤں اور ان مادی تدابیر نے بالاخر کامیابی کی راہ کھول دی۔ وائسرائے ہند نے یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مسلم لیگ ہائی کمان نے نہایت درجہ فہم و فراست کا ثبوت

دیتے ہوئے اور کانگریس سے کسی قسم کا سمجھوتہ کئے بغیر عبوری حکومت میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سے کانگریس کے حلقوں میں کھلبلی مچ گئی اور انہیں بھی پاکستان کی منزل صاف قریب دکھائی دینے لگی۔ چنانچہ ہندو اخبار " ملاپ " نے صاف لفظوں میں اس رائے کا اظہار کیا

میں سمجھتا ہوں کہ یہ جواہر لال جی اور ان کے ساتھیوں کے جوش آزادی کو تارپیڈو کرنے کا جتن ہے۔ (بحوالہ نوائے وقت ۱۶ر اکتوبر ۴۶ء صفحہ ۳) [75]

ظاہر ہے اگر حضرت امام جماعت احمدیہ مذکورہ بالا جدوجہد نہ کرتے تو پاکستان کا وجود ' مسلم سیاست کا مستقبل ' تباہی سے ہمکنار ہو جاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضور کے بروقت اور موثر اقدامات کے طفیل مسلم لیگ کو اس مخمصہ سے نجات حاصل ہو گئی۔

اتحاد المسلمین کے سب سے بڑے داعی امام جماعت احمدیہ حضرت بشیر الدین محمود احمد (اللہ ان سے راضی ہو) اپنے مضمون (شائع شدہ الفضل ۱۳ر نومبر ۴۶ء) میں نواب صاحب چھتاری ۔ سر سلطان احمد ۔ نواب صاحب بھوپال اور سر آغا خاں کے تعاون کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی قربانی اور ایثار کا بدلہ دیئے بغیر نہیں رہے گا کیونکہ " خدا کسی کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ " [76]

Dr Abdus Salam with the President of Italy
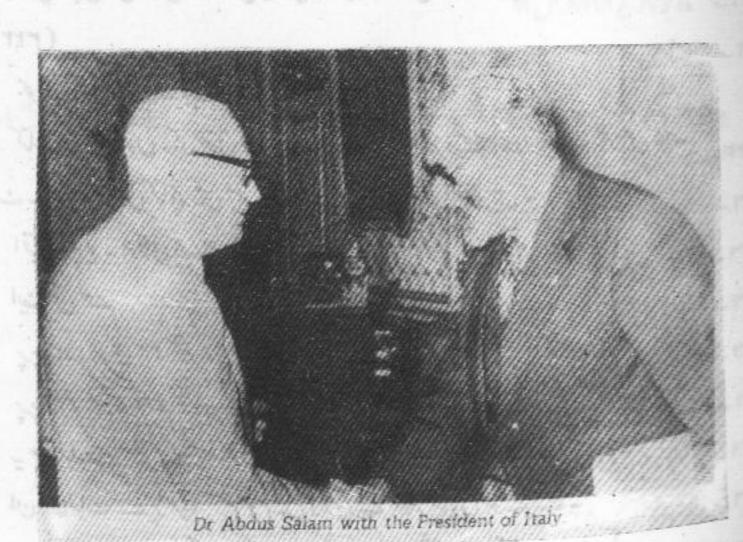
نوبیل انعام یافتہ ڈاکٹر سلام اور اٹلی کے صدر

باب نمبر۶

۱۔ خلاصہ مندرجات کتاب سوانح فضل عمر جلد دوم

۲۔ ص ۔ ۵۹۰

۳۔ الحکم ۔ ۲۸ نومبر ۱۹۱۰ء بحوالہ اخبار ملت

۴۔ ص ۔ ۷

۵۔ ص ۔ ۸۲ مطبوعہ ۱۹۵۲ء ' ا/ ۵ = ص ۲۹۱

۶۔ مظلوم اقبال ص ۳۱۴

۷۔ ص ۔ ۲۵۱

۸۔ زندہ رود ص ۲۹۱

۹۔ ص ۔ ۱۶

۱۰۔ ص ۔ ۱۳

۱۱۔ اقبال ریویو ۔ جولائی ۷۸ صفحہ ۵۸

۱۲۔ زندہ رود صفحہ ۳۲۳ (نوٹ : زندہ رود کے مطابق یادداشت کا مسودہ تیار کرنے والی کمیٹی (مئی ۱۹۲۸ء) میں اقبال بھی شامل تھے لیکن بیماری کے باعث حتمی مسودے کی ترتیب میں شریک نہ ہوسکے (صفحہ ۳۲۲)

۱۳۔ بحوالہ تاریخ احمدیت جلد نمبر۶ ص ۷

۱۴۔ کتاب ۔ مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ ص ۱۴ نیز دیکھئے ہندو مسلم پرابلمز ص ۱۵۔

نوٹ ۔ اس انگریزی کتابچہ میں ۳/۲ کی جگہ ۴/۳ حصہ کے الفاظ ہیں۔

۱۵۔ اقبال ریویو ۔ جولائی ۱۹۷۸ء ص ۶۵

۱۶۔ ایضاً ص ۴۷

۱۷۔ پرچہ ہمدرد دہلی ۲۴ ستمبر ۱۹۲۷ء

۱۸۔ پرچہ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۷ء

۱۹۔ یہ مطالبات برصغیر کے مسلمانوں کے مستقبل کا خاکہ تیار کرنے میں معاون بنے۔

۔ ان مطالبات سے پژمردہ مسلم قوم میں زندگی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔

۔ ان مطالبات سے ہندو اکثریت کی غلامی کے امکانات ختم ہونے کی امید پیدا ہوئی۔

۔ ان مطالبات سے مسلمانوں کی "جداگانہ ہستی" واضح ہوئی۔

پھر غیر مسلموں کی طرف سے کئی مخالفانہ ہواؤں اور احرار ۔ خاکسار ۔ جمعیتہ العلماء اور نیشلسٹ مسلمانوں کے پیدا کردہ طوفانوں سے گزرتے ہوئے آہستہ آہستہ ' مطالبات کے اسی شجر کو پاکستان کا شیریں ثمر لگا۔

۲۰۔ مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ پر تبصرہ ۔ ص ۱۱۶

۲۱۔ اخبار سیاست ۳۱ جولائی ۲۹ء

۲۲۔ مسلم کانفرنس کے اجلاس ۳۱ر دسمبر ۱۹۲۸ تا ۲ر جنوری ۱۹۲۹ دہلی میں منعقد ہوئے۔

۲۳۔ نہرو رپورٹ تبصرہ ص ۶۴

۲۴۔ زندہ رود ص ۳۲۹

۲۵۔ نہرو رپورٹ ۔ تبصرہ ص ۵۷

ا/۲۵ = حضرت امام جماعت احمدیہ کا تبصرہ بر نہرو رپورٹ ۲ر اکتوبر ۲۸ سے ۲ر نومبر ۲۸ تک الفضل اخبار قادیان کی سات قسطوں میں شائع ہوا پھر نومبر ۲۸ میں ہی کتابی شکل میں طبع ہوا

۲۶۔ ایضاً ص ۵۹

۲۷۔ ایضاً ص ۶۳

۲۸۔ نہرو رپورٹ تبصرہ ص ۶۴

۲۹۔ زندہ رود ص ۳۲۴

۳۰۔ ماہ نو مارچ ۱۹۶۸ء ص ۹۹

۳۱۔ ایضاً ص ۱۰۸

قائداعظم کے چودہ نکات اور خطبہ الہ آباد کا خلاصہ ہم نے "ماہ نو تحریک پاکستان نمبر" مارچ ۱۹۶۸ء سے نقل کیا ہے۔

۳۲۔ نہرو رپورٹ ۔ تبصرہ ص ۶۵

۳۳۔ ایضاً ص ۷۰

۳۴۔ ایضاً ص ۷۰

۳۵۔ ایضاً ص ۷۱

۳۶۔ زندہ رود ص ۳۲۵

۳۷۔ نہرو رپورٹ تبصرہ ص ۹۹

۳۸۔ زندہ رود ص ۳۲۵

۳۹۔ نہرو رپورٹ ۔ تبصرہ ص ۱۰۵

۴۰ ۔ ایضاً ص ۱۰۴

۴۱ ۔ ایضاً ص ۱۰۵

۴۲ ۔ زندہ رود ص ۳۲۵

۴۳ ۔ نہرو رپورٹ ۔ تبصرہ ص ۱۴

۴۴ ۔ ایضاً ص ۲۵

۴۵ ۔ ایضاً ص ۱۱۰

۴۶ ۔ نہرو رپورٹ ۔ تبصرہ ص ۱۳

۴۷ ۔ ایضاً ص ۱۳

۴۸ ۔ زندہ رود ص ۳۲۹

۴۹ ۔ نہرو رپورٹ ۔ تبصرہ ص ۱۰۸

۵۰ ۔ زندہ رود ص ۳۲۹

۵۱ ۔ نہرو رپورٹ ۔ تبصرہ ص ۵۳

۵۲ ۔ ایضاً ص ۹۸

۵۳ ۔ ایضاً ص ۲۳

۵۴ ۔ ایضاً ص ۶۹

۵۵ ۔ ایضاً ص ۱۰۷

۵۶ ۔ زندہ رود ص ۳۲۵

۵۷ ۔ جناب شورش کاشمیری ۔ گاندھی جی اور پنڈت نہرو کے بارے میں اپنے عقیدہ کا یوں اظہار کرتے ہیں :۔

" ۔ مہاتما گاندھی کو واقعی میں اس صدی کا رشی سمجھتا ہوں ۔ اپنے قاتل کے سامنے ہاتھ باندھ کر رام رام کہنا اور شہید ہو جانا معمولی بات نہیں ۔ جواہر لال نہرو ' ہندوستان کے سب سے بڑے ہیرو تھے (کتاب شورش کاشمیری صفحہ ۹۰ از انور عارف)

۵۸ ۔ ص ۴۵۲

۵۹ ۔ بحوالہ سرگذشت اقبال از عبدالسلام خورشید ص ۴۰۷

۶۰ ۔ ص ۴۹۱

۶۱ ۔ مصنف ' اقبال کی کارکردگی پر پردہ ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ کانفرنس میں اس لئے نہ بولے کہ اس میں بیشتر مباحث وفاق کے بارہ میں تھے ۔ اور اقبال کو وفاق سے کوئی دلچسپی نہ تھی (صفحہ

۴۹۱) راقم عرض کرتا ہے کہ جہاں قوم کی تقدیروں کے فیصلے ' بولنے یا نہ بولنے پر منحصر ہوں ۔ وہاں جس موقف کو آپ ملک و قوم کے لئے سودمند تصور کرتے ہوں ۔ اس موقف کے حق میں کوئی کلمہ خیر کہنے میں کیا ہرج ہے ؟

۶۲ ۔ منادی ۔ ۲۴ ر اکتوبر ۱۹۳۴ء

۶۳ ۔ بحوالہ الفضل ۷ ر فروری ۱۹۵۲ء

۶۴ ۔ " ادبی دنیا " فروری ۱۹۳۱ء اداریہ از علامہ تاجور نجیب آبادی ۔ ڈائریکٹر آنریبل جسٹس سر عبدالقادر

۶۵ ۔ راقم کی رائے میں " شدید تنقید " کا اصل میدان تو گول میز کانفرنس اور انگلستان کا مقام تھا ۔ جہاں تقدیروں کا فیصلہ ہو رہا تھا ۔ گھر واپس پہنچ کر کسی تبصرہ کو وہ اہمیت نہیں دی جا سکتی جو موقع کی تنقید کو حاصل ہوتی ہے ۔

قارئین کرام ۔ مناسب ہو گا ۔ یہاں ہم چودھری محمد ظفر اللہ خاں کی برموقعہ تنقید ' اس کی عظمت و وقعت اور اس کے اعتراف کی دو ایک جھلکیاں قارئین کرام کے سامنے پیش کریں ۔

مسٹر چرچل پر تنقید

۱ ۔ گول میز کانفرنسوں کے نتیجہ میں حکومت برطانیہ نے اپنی تجاویز ایک قرطاس ابیض کی شکل میں پارلیمنٹ میں پیش کیں اور پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی ایک مشترکہ کمیٹی ان پر غور کرنے کے لئے قائم ہوئی ۔ اس کمیٹی کے صدر لارڈ لنگھتو تھے جو بعد میں وائسرائے ہند ہوئے ۔ اراکین میں تین سابق وائسرائے لارڈ ہارڈنگ ۔ لارڈ ریڈنگ اور لارڈ ارون شامل تھے ۔ ان کے علاوہ مارکوئیس آف سالسبری ' آرچ بشپ آف کنٹربری ' سر آسٹن چیمبرلین ' لارڈ ڈاربی ' لارڈ ز ٹلینڈ اور پارلیمنٹ کے اور بہت سے نمائندے بھی اراکین میں سے تھے ۔ جو اصحاب کمیٹی کے روبرو شہادت دینے کے لئے آئے ۔ ان میں موثر ترین شخصیت مسٹر چرچل کی تھی ۔ مسٹر چرچل کا موقف یہ تھا کہ ہندوستان نہ آزادی کا طالب ہے نہ اس کے لئے تیار ہے ۔ جب ان پر جرح اور تنقید کا موقع آیا ۔ تو وزیر ہند ۔ سر تیج بہادر سپرو و مسٹر جیکار ' سر ہری سنگھ گاوڑ وغیرہم نے سب جتن کر لئے مگر مسٹر چرچل اپنے موقف سے ذرا بھی ادھر ادھر نہ کئے جا سکے ۔ چودھری صاحب کی باری آئی ۔ تو آپ فرماتے ہیں :۔

" اس دن ان پر میری جرح گھنٹہ بھر جاری رہی اور ختم نہ ہوئی تھی کہ اجلاس دوسرے دن پر ملتوی ہو گیا ۔ دوسرے دن گھنٹہ بھر اور اسی پر صرف ہوا ...... جب چوتھے دن کے آخر میں مسٹر چرچل کی شہادت مکمل ہو چکی تو ساری کمیٹی نے دیر تک چیئرز کے ساتھ انہیں خراج تحسین پیش کیا مسٹر چرچل اپنی کرسی سے اٹھ کر میرے پاس تشریف لائے ' مصافحہ کیا اور مسکراتے ہوئے فرمایا

Your have given me two most difficult hours before this Committe

آپ کی جرح نے اس کمیٹی کے روبرو دو گھنٹے تک میرا ناک میں دم کئے رکھا (خلاصہ صفحات تحدیث نعمت طبع دوم صفحہ ۳۳۳ تا صفحہ ۳۳۷)

سر فضل حسین کی ڈائری

راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے اجلاسوں میں حصول آزادی اور مسلم مفاد کے لئے چودھری صاحب کی اس نوع کی بیباکانہ اور جرات مندانہ تنقید و جرح سے متاثر ہو کر سر فضل حسین نے اپنی پرائیویٹ ڈائری میں لکھا:

At the Round Table Conference Zafarulla is badly needed

یعنی گول میز کانفرنس میں ظفراللہ (خاں) کی موجودگی اشد ضروری ہے۔

Dairy and Notes of Sir Fazal -e- Hussain Dated 2.5.32 P.132

شائع کردہ ریسرچ سوسائٹی پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

ب۔ امریکہ کے صدر اور برطانیہ کے وزیراعظم پر تنقید

قیام پاکستان کے بعد فلسطین اور کشمیر کے قضیوں کے ضمن میں امریکہ کے صدر اور برطانیہ کے وزیراعظم کی غیر منصفانہ روش پر تنقید کرتے ہوئے چودھری صاحب نے اپنی خود نوشت سوانح عمری میں لکھا ہے:۔

"۔ انسانی تاریخ میں ان دو پستہ قد اور بظاہر بے اثر شخصیتوں (امریکہ کے صدر) ٹرومین اور (برطانیہ کے وزیراعظم) مسٹر اٹیلی کا شمار ان اشخاص میں ہو گا جن کی انصاف کشی نے امن عالم کو تباہ کر دیا۔" (تحدیث نعمت طبع دوم ص ۵۵۳)

سردار محمد ابراہیم خاں کے تاثرات

ج۔ سردار محمد ابراہیم خاں سابق صدر حکومت آزاد کشمیر، چودھری صاحب کی امریکہ پر نکتہ چینی کے بارے میں اپنے مشاہدہ کو یوں قلمبند کرتے ہیں۔

"۔ ۱۹۴۸ میں سلامتی کونسل میں .... سارا نیویارک اور (اس کے) نمائندے پاکستان کے

خلاف اس لئے ہو گئے تھے کہ سر محمد ظفراللہ خاں صاحب نے فلسطین کے مسلمانوں کی حمایت کی تھی (متاع زندگی۔ سرگذشت ص ۱۱۶)

۶۶۔ ص ۴۸۸

۶۷۔ ایضاً ص ۵۹۷

۶۸۔ حرف اقبال ص ۶۱

نوٹ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلم کانفرنس کے انعقاد کے دوران راست اقدام کا پروگرام بنایا گیا تھا مگر مصنف "زندہ رود" کے مطابق علامہ نے ۶ر جولائی کو اس ضمن میں ایک اور اعلان جاری فرمایا تھا کہ

"۔ میں مسلمانوں کو یہ مشورہ نہیں دوں گا کہ وہ کسی قسم کا راست اقدام محض اس لئے شروع کر دیں کہ حکومت نے ایک مقررہ مدت کے اندر فرقہ وارانہ فیصلے کے اعلان کے نہ کرنے کے جرم کا ارتکاب کیا ہے (صفحہ ۴۸۳) نیز دیکھئے اقبال کا سیاسی کارنامہ صفحہ ۱۵۹)

بعد میں عاملہ کے بعض دیگر ارکان نے بھی علامہ کے اس اعلان کی حمایت کر دی اور راست اقدام کا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا (خلاصہ صفحہ ۴۸۳)

۶۹۔ اداریہ الفضل۔ قادیان ۳ر اپریل ۱۹۳۲ء

۷۰۔ چٹان۔ لاہور ۲۱ دسمبر ۱۹۸۱ء

۷۱۔ تلخیص ماہنامہ انصار اللہ۔ ربوہ نومبر۔ دسمبر ۱۹۸۵ء ص ۵۷ - ۶۳

۷۲۔ ص ۴۲۱

۷۳۔ ملاحظہ ہو۔ ہمقدم۔ ستمبر ۱۹۸۷ء صفحہ ۲۳ و جنگ کراچی ۳۰ اگست ۱۹۸۷ء

۷۴۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں حکومت پاکستان کی طرف سے "پندرھویں صدی ہجری" بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔ جو مجلہ اس موقع پر عالم اسلام کے لئے تیار کیا گیا۔ اس میں زیر عنوان۔ "ابو الاعلیٰ مودودی" کہا گیا ہے کہ جنرل ضیاء الحق جنہوں نے ۵ر جولائی ۱۹۷۷ء کو بھٹو کو ہٹا کر عنان حکومت سنبھالی، جماعت اسلامی کی آئیڈیالوجی پر پورا اترتے دکھائی دیتے ہیں۔ اگست ۱۹۷۸ میں جماعت اسلامی نے ضیاء عبوری وزارت میں شمولیت اختیار کر لی (ص ۴۲)

میاں طفیل محمد صاحب سابق امیر جماعت اسلامی کے نزدیک جہاد افغانستان کی وجہ سے اسلامی تاریخ میں صلاح الدین ایوبی کے بعد جنرل ضیاء الحق کا نمبر ہے۔" (دیکھئے کتاب شہید الاسلام ضیاء الحق از سالم عظام سیکرٹری جنرل اسلامک کونسل لندن مطبوعہ ۱۹۹۰ ص ۵۱) حالانکہ افغانستان میں جہاد کے نام پر مسلمان، مسلمان کا گلا کاٹ رہا ہے اور امریکہ اور روس ایسی غیر اسلامی طاقتوں کی پشت

پناہی کے بغیر یہاں جنگ جاری ہی نہیں رکھی جا سکتی ۔ غور طلب امر یہ ہے کہ ایسی جنگ کو جہاد کا نام دینا کس حد تک جائز ہے ؟

ضیاء دور کے اس تاریخی مجلہ میں تسلیم کیا گیا ہے کہ جماعت اسلامی نے پاکستان کی مخالفت (Opposed) کی (ص ۳۰) نیز ۴۸-۱۹۴۷ء میں جہاد کشمیر کو جہاد تسلیم کرنے سے انکار کرنے پر مودودی صاحب عوامی ہمدردی کھو بیٹھے (صفحہ ۴۲) (دیکھئے مسلم ورلڈ ٹوڈے ۔ شائع کردہ نیشنل ہجرہ کونسل اسلام آباد ۱۹۸۵ء)

عجیب بات ہے کہ جب کشمیر میں غیر مسلموں کے ساتھ جنگ کی جائے تو یہ جہاد نہیں مگر جب افغانستان میں مسلمان ' مسلمان کا گلا کاٹے اور امریکہ کا یہودی سرمایہ پشت پناہی کر رہا ہو تو یہ جہاد ہے ۔

۷۵ ۔ تحریک پاکستان میں جماعت احمدیہ کا کردار (تلخیص بادنی تصرف) صفحہ ۵۶

۷۶ ۔ پاکستان کیسے بنا ؟ ۔ اس عنوان سے بزرگ صحافی جناب زاہد چودھری (مرحوم) نے اپنی بارہ سال کی ریسرچ پیش کی ہے ۔ اخبار جنگ لاہور کے فیچر سیکشن نے اس کتاب کے حوالے سے لکھا ہے :-

کتاب میں بے شمار دستاویزات کے ذریعے یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ جناح ایک کمزور مرکز کے تحت پورے برصغیر کو ایک ڈھیلے ڈھالے وفاق پر مبنی گروپنگ سکیم پر عمل درآمد کے لئے ۱۹۴۶ء کے اواخر تک کوشش کرتے رہے ۔ (دیکھئے ایڈیشن جنگ جمعہ میگزین ۱۵ ۔ ۲۱ ستمبر ۱۹۸۹ء)

چودھری ظفراللہ خاں کی آزادی ہند کی تجویز پر وار کابینہ کے اجلاسوں میں غور و خوض

- ٹرانسفر آف پاور کے حوالے سے ۔

O وار کابینہ انڈیا کمیٹی ۱۲واں اجلاس ۔ مورخہ ۱۶ ر مارچ ۴۵ صدارت ۔ لارڈ اٹیلی

لارڈ پریذیڈنٹ نے انڈیا کمیٹی کو دعوت دی کہ سر محمد ظفراللہ خاں کی طرف سے کامن ویلتھ کے اجلاس میں کی جانے والی تقریر (کاغذات ا ۔ (۴۵) ۳۲ ۔ کو زیر غور لایا جائے ۔

O وار کابینہ ۔ انڈیا کمیٹی ۔ اجلاس ۱۹ ر مارچ ۴۵ نوٹ ۳۲۶

مسٹر ایمری سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا اینڈ برما کا نوٹ --

" ۔ ہندوستان کے لئے عارضی یا وقتی دستور کا مسئلہ ۔ سر ظفراللہ خاں کی تقریر کے حوالے سے

-- انڈیا کمیٹی کے مطالعہ کے لئے (ملخص)

O وار کابینہ ۔ انڈیا کمیٹی ۔ اجلاس ۲۴ ر مارچ ۴۵ ۔ نوٹ ۳۳۷

زیر غور ۔ سر ظفراللہ خاں کی تجویز کا خاکہ ۔ ۔ سیکرٹری آف سٹیٹ کی یادداشت ۔

O وار کابینہ ۔ انڈیا کمیٹی ۔ ۱۵واں اجلاس مورخہ ۲۹ مارچ ۔ نوٹ ۳۴۸ ' صدارت مسٹر اٹیلی

سر ظفراللہ خاں کی سکیم کی حمایت و مخالفت میں اظہار خیال

War Cabinet

اس موقع پر مناسب ہو گا کہ وار کمیٹی کے ارکان کے اسماء بھی درج کر دیئے جائیں ۔ جو آزادی ہند کے بارے میں چوہدری ظفراللہ خاں کی طرف سے پیش کردہ تجاویز پر مختلف اجلاسوں میں غور کرتے رہے ۔

- ممبرز آف دی انڈیا کمیٹی آف دی وار کیبنٹ ۔

O C.R.Attlee مسٹر سی ۔ آر ۔ اٹیلی ۔ لارڈ پریذیڈنٹ آف دی کونسل ایٹ " وار کیبنٹ " (نائب وزیر اعظم)

O L.S.Amery مسٹر ایل ۔ ایس ایمری سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا اینڈ برما

O L. Simon لارڈ سائمن ۔ مشہور برطانوی سیاستدان ۔ جنہوں نے سائمن کمشن کی رپورٹ مرتب کی تھی ۔

O John Anderson سر جان اینڈرسن ۔ سابق گورنر بنگال

O James Grigg سر جیمز گرگ ۔ سابق رکن وائسرائے ہند کونسل ۔ نائب وزیر جنگ بعد میں وزیر جنگ

O Stafford Cripps سر سٹیفورڈ کرپس ۔ منسٹر آف ائر کرافٹ پروڈکشن ایٹ وار کیبنٹ

O R.A.Butler مسٹر آر ۔ اے ۔ بٹلر ۔ پریذیڈنٹ بورڈ آف ایجوکیشن ۔ بعد میں وزیر ہو گئے

حضرت امام جماعت احمدیہ کے نام قائداعظم کا پیغام

" ۔ یہی وہ دور ہے جب قائداعظم نے ممتاز سیاستدان سردار شوکت حیات خاں کو حضرت امام جماعت احمدیہ کے پاس بھیجا کہ وہ انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے دعا بھی کریں اور دوا بھی -- سردار شوکت حیات کے مطابق :-

"۔ ۱۹۴۶ء کے عام انتخابات میں قائداعظم کی ہدایت پر میں قادیان گیا تھا۔ وہاں (مرزا) بشیر الدین احمد سے میں نے کہا کہ میں قائداعظم کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ انہوں نے کہا ہے کہ ۔۔۔ ہمارے لئے دعا کریں اور دوا بھی۔ جس پر (مرزا) بشیرالدین احمد نے کہا کہ

"۔ صاحب دعا تو ہم ہروقت کر رہے ہیں اور دوا یہ ہے کہ قادیانی جماعت کا کوئی بھی آدمی مسلم لیگ کے امیدوار کے خلاف کھڑا نہیں ہو گا۔ چنانچہ میاں ممتاز دولتانہ، نواب محمد دین قادیانی کی نشست پر کامیاب ہوئے۔ اور قادیانیوں نے انہیں ووٹ دیئے۔"

قائداعظم کا یہی پیغام لے کر سردار شوکت حیات خاں صاحب جب مولانا مودودی کے پاس پہنچے ۔ تو بقول ان کے مودودی صاحب نے فرمایا۔

لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ جناب میں پاکستان کے لئے کس طرح دعا کر سکتا ہوں؟ (لندن۔ ریڈیو رپورٹ) بحوالہ ہفت روزہ لاہور ۵ ر ستمبر ۱۹۸۷ء

مسٹر اصفہانی بنام قائداعظم

New York,
January 22, 1948.

My dear Quaid-e-Azam,

I thank you for your letters from Lahore.

We are busy with the Security Council and Government is being kept informed by telegram of the developments. India is obstinate and Inshallah she will be made to learn the lesson of her life. Zafrullah Khan is working like a Trojan; his presentation of our case before the Security Council was masterly and his negotiations across the table with the Indians are a feast for us who sit on his side. Every time he beats the best talent of India arrayed opposite us. There is a deadlock brought about by India. The Security Council meets this afternoon.

I trust you are taking a little more rest these days.

With kind regards to Miss Jinnah and yourself,

Very sincerely yours,
Hassan

علامہ اقبال نے ۱۹۳۵ء میں احمدیت کے متعلق اپنی رائے بدل لی

علامہ کے بیان کردہ وجوہ کا تجزیہ

۱۹۱۰ء میں علامہ اقبال نے اپنے انگریزی مقالہ بعنوان۔ "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر" میں جماعت احمدیہ کے متعلق فرمایا تھا کہ

"پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ جسے "فرقہ قادیانی" کہتے ہیں۔"[1]

۱۹۳۵ء میں جب اخبار زمیندار اور مجلس احرار کی ہمنوائی کرتے ہوئے علامہ نے احمدیہ جماعت کو غیر مسلم قرار دیئے جانے کا مطالبہ کیا تو پریس کے نمائندہ نے آپ سے انٹرویو لیا اور دریافت کیا کہ ۱۹۱۰ء میں آپ نے جماعت احمدیہ کے متعلق جو کچھ فرمایا۔ اب آپ کی رائے اس سے مختلف ہے۔ اس سے آپ پر تناقض (Inconsisting) کا الزام لگتا ہے۔

علامہ نے جواباً فرمایا۔

"یہ تقریر میں نے ۱۹۱۱ء یا اس سے قبل کی تھی اور مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ اب سے ربع صدی پیشتر مجھے اس تحریک سے اچھے نتائج کی امید تھی ..... کسی مذہبی تحریک کی اصل روح ایک دن میں نمایاں نہیں ہو جاتی۔ اسے اچھی طرح ظاہر ہونے کے لئے برسوں چاہئے ..... ذاتی طور پر میں اس تحریک سے اس وقت بیزار ہوا تھا جب ایک نئی نبوت ۔۔ بانی اسلام کی نبوت سے بھی برتر نبوت۔ کا حتمی طور پر دعویٰ کیا گیا۔[2] اور تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا گیا۔ بعد میں یہ بیزاری، بغاوت کی حد تک پہنچ گئی جب میں نے تحریک کے ایک رکن کو اپنے کانوں سے آنحضرتؐ کے متعلق نازیبا کلمات کہتے سنا۔ درخت جڑ سے نہیں، پھل سے پہچانا جاتا ہے ۔۔۔ اگر میرے موجودہ رویہ میں کوئی تناقض ہے تو یہ بھی ایک زندہ اور سوچنے والے انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے بدل سکے۔ بقول ایمرسن صرف پتھر

* * * * * * * *

علامہ اقبال کا ابتدائی کلام

احمدیت کے مخالف ایک مولوی کی ہجو

بانی تحریک احمدیہ ۱۸۹۳ء میں " شہادت القران میں اپنے دعویٰ " مسیح موعود " کے حق میں دلائل بیان کر چکے ہیں۔ " برکات الدعا " میں وحی کی کیفیت اور قبولیت دعا کے ضمن میں اپنے تجربات اور مشاہدات پر مفصل مضمون رقم فرما چکے تھے۔ آپ نے ۱۸۹۳ء میں پادریوں سے " جنگ مقدس " کا آغاز فرمایا۔ پادری آپ کے دلائل کے سامنے عاجز ہو رہے تھے۔ مگر ساتھ ہی بعض علماء نے آپ کے مخالفت شروع کر دی۔ لدھیانہ کے ایک مولوی سعد اللہ سعدی اپنے اشعار کے ذریعہ بانی سلسلہ کی توہین کے مرتکب ہو رہے تھے۔ علامہ اقبال جو ان دنوں ایف اے کے طالب علم تھے یہ توہین ' برداشت نہ کر سکے۔ آپ نے مولوی صاحب کی گالیوں کے جواب میں درج ذیل ہجو لکھی جسے نصرت حق کے سلسلہ میں آپ کی پہلی کاوش کہا جا سکتا ہے۔ اس ہجو میں آپ نے احمدیت کے مخالف مولوی کو " قوم عیسائی کے پگڑی بدل بھائی " اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو **" آفتاب صدق "** قرار دیا۔

واہ سعدی دیکھ لی گندہ دہانی آپ کی
بیت ساری آپ کی بیت الخلا سے کم نہیں
تیلیاں جاروب کی لیتے وہ خامہ کے عوض
راہ اپنی چھوڑ کر نکلے دہن کی راہ سے
ان دنوں کو فصل گل کہیے وہ دن پھول کے
آپ کے اشعار موتی ہیں مگر لے تغییر
گوہر ہے را جھڑتے ہیں آپ کے منہ سے سبھی
ہر طرف سے آ رہی ہے یوں جو در در کی صدا
آپ سے بڑھ کر عروضی کوئی دنیا میں نہیں
خاک کو ہم چاٹ کر یہ بات کہہ دیتے ہیں آج
جب ادھر سے بھی پڑیں گے آپ کو سابن کے ڈھیلے
کھاؤ گے فرمائشی سر پلپلا ہو جائے گا

خوب ہو گی مہتروں میں قدردانی آپ کی
ہے پسند خاکروبان شعر خوانی آپ کی
کھینچتے تصویر گر بہزاد و مانی آپ کی
ہے مگر باد مخالف نغمہ خوانی آپ کی
ہر طرف ہوتی ہے سعدی گل فشانی آپ کی
گوش عالم تک یہ پہنچے ہیں زبانی آپ کی
جان سے تنگ آ گئی ہے مہترانی آپ کی
بھا گئی اہل سخن کو ترغانی آپ کی
واہ صاحب شعر خوانی شعر دانی آپ کی
تلخ کامی ہو گی یہ شیریں دہانی آپ کی
آپ پر کھل جائے گی رنگیں بیانی آپ کی
پھر اگل جائے گی سر سے شعر خوانی آپ کی

دین اور ایمان کی دُم میں وہ نمدہ دیدیا
آفتاب صدق کی گرمی سے گھبراؤ نہیں
اشتہار آخری اک آفت ہے شیطان کی
وہ مثل ہے ہے طویلے کی بلا بندر کے سر
خر کمہاروں کا ہوا دھوبن سستی ہوتی ہے مفت
رانڈ کے چرخے کی صورت کیوں چلے جلتے ہیں آپ
نیلے پیلے یوں نہ ہو پھر کیا کرو گے اس گھڑی
بات رہ جاتی ہے دنیا میں نہیں رہتا ہے وقت
قوم عیسائی کے بھائی بن گئے پگڑی بدل

سارے عالم کی زباں پر ہے کہانی آپ کی
حضرت شیطان کریں گے سائبانی آپ کی
سر بسر جن سے عیاں ہے خوش بیانی آپ کی
ہو گیا ہم کو یقیں شامت ہے آئی آپ کی
ہے مگر قوم نصاریٰ یار جانی آپ کی
اہل عالم نے سبھی لکھوا اس جانی آپ کی
جب خبر لیویگا قہر آسمانی آپ کی
آپ کو نادم کریگی بد زبانی آپ کی
واہ کیا اسلام پر ہے مہربانی آپ کی

الراقم

شیخ محمد اقبال ایف۔ اے کلاس سکاچ مشن سکول سیالکوٹ

از ص ۲۶۱

اپنے آپ کو نہیں جھٹلا نہیں سکتے۔ ۳۔

۱۹۱۰ء کے مذکورہ بالا انگریزی مقالہ پر ربع صدی بعد آپ نے درج ذیل نوٹ بھی دیا۔

" یہ لیکچر علی گڑھ میں ۱۹۱۱ء (۱۹۱۰ء۔ ناقل) میں دیا گیا۔ مقالہ میں قادیانیوں کی طرف اشارہ۔ اس تحریک کی ۱۹۱۱ء (۱۹۱۰ء۔ ناقل) سے بعد کی صورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے نظر ثانی کا محتاج ہے -- قادیانی اب بھی بظاہر مسلمانوں کی طرح دکھائی دیتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کے معاملہ میں خصوصی توجہ بھی دیتے ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ جس طرح اس تحریک کا اصلی روپ سامنے آیا ہے۔ اس سے عیاں ہے کہ وہ کلی طور پر اسلام کی دشمن ہے۔ پس بظاہر قادیانی مسلمان نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کی ذہنیت میگین (مجوسی) ہے۔ عین ممکن ہے اس تحریک کا اختتام بالآخر بہائی مذہب میں ہو جائے۔ جس

سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیانی تحریک ابتداً اثر قبول کر کے ابھری ہے۔

محمد اقبال ۳۱ ر اکتوبر ۳۵ء

ملت بیضا پر ایک نظر

بانی تحریک احمدیہ کی وفات کے دو سال بعد، اقبال کے نظریات

it is our aim to secure a continuous life of the community we must produce a type of character which at all costs, holds fast to its own, and while it readily assimilate all that is good in other types, it carefully excludes from its life all that is hostile to its cherished traditions and institutions. A careful observation of the Muslim Community in India reveals the point on which the various lines of moral experience of the community are now tending to converge. In the Punjab the essentially Muslim type of character has found a powerful expression in the so-called Qadiani-sect ۵۹ء

ربع صدی پر ایک امکانی نظر

راقم عرض کرتا ہے کہ اگر اس ربع صدی میں علامہ پر تدریجاً یہ ظاہر ہوتا کہ وہ جماعت جو ۱۹۱۰ء میں "اسلام کا ٹھیٹھ نمونہ" تھی۔ ۱۹۳۵ء تک اسلامی نکتہ نگاہ سے بے عمل، غیر مستعد اور روحانی اعتبار سے مردہ ہو چکی ہے اور اس کے برعکس اسی ربع صدی میں غیر احمدی عامۃ المسلمین کا گروہ دین کی سمجھ رکھنے والا۔ اسلامی روح سے سرشار اور اسلامی سیرت کا بہترین نمونہ بن کر ابھرا ہے تو علامہ کی اس بات میں وزن ہوتا کہ اب وہ جماعت احمدیہ کو "ملت اسلامیہ کے استحکام" کے لئے ایک خطرہ سمجھتے ہیں ۵۔ اور اسے ملت کے وجود سے علیحدہ کر دینے میں ہی ملت کی بقا ہے۔ اور اگر معاملہ کی صورت یہ نہیں تھی تو ظاہر ہے علامہ کا عذر لائق اعتنا نہیں۔

آیئے دیکھتے ہیں اس ربع صدی میں علامہ، اسلامی نقطہ نگاہ سے احمدی و غیر احمدی کردار کی جو دو تصویریں تدریجاً دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے۔ ان کے نقوش اور خدوخال کیا تھے؟

غیر احمدی مسلمانوں کی حالت

۱۹۱۰ء کے آغاز میں علامہ نے علی گڑھ میں مذکورہ بالا مضمون بزبان انگریزی پڑھا تھا۔ اس میں آپ نے احمدیوں اور غیر احمدیوں کی سیرت کا خاکہ ۔۔۔۔ الگ الگ پیش کیا ہے۔ غیر احمدی طلبا اور اسلامی تہذیب کے علمبرداروں کی سیرت کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"آجکل کے طالب العلماء زندگی سے چونکہ دس بارہ سال کی مدت سے مجھے سابقہ پڑ رہا ہے اور میں ایک ایسے مضمون کا درس دیتا رہا ہوں۔ جس کو مذہب سے قریب کا تعلق رہا ہے۔ لہٰذا میں اس بات کا تھوڑا بہت استحقاق رکھتا ہوں کہ میری باتیں سنی جائیں گی۔ مجھے رہ رہ کر یہ رنج وہ تجربہ ہوا ہے کہ مسلمان طالب علم اپنی قوم کے عمرانی۔ اخلاقی اور سیاسی تصورات سے نابلد، روحانی طور پر بمنزلہ ایک بے جان لاش کے ہے اور اگر موجودہ صورت اور بیس سال تک قائم رہی تو وہ اسلامی روح جو قدیم اسلامی تہذیب کے چند علمبرداروں کے فرسودہ قالب میں ابھی تک زندہ ہے۔ ہماری جماعت کے جسم سے بالکل ہی نکل جائے گی۔" ۶۔

جماعت احمدیہ کا روپ

علامہ، جماعت احمدیہ کے متعلق اپنے اس مضمون میں اپنے تجربہ کا یوں اظہار فرماتے ہیں

"۔ اگر ہمارا مقصد یہ ہو کہ ہماری قومی ہستی کا سلسلہ ٹوٹنے میں نہ آئے تو ہمیں ایک ایسا اسلوب تیار کرنا چاہئے جو اپنی خصوصیات مختصہ سے کسی صورت میں بھی علیحدگی اختیار نہ کرے اور خذ ما صفا ودع ما کدر کے زریں اصول کو پیش نظر رکھ کر دوسرے اسالیب کی خوبیوں کو اخذ کرتے ہوئے ان تمام عناصر کی آمیزش سے اپنے وجود کو کمال احتیاط کے ساتھ پاک کر دے جو اس کی روایات مسلمہ، قوانین منضبط کے منافی ہوں۔ پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں ۔ ۷۔

گویا علامہ کے نزدیک جماعت احمدیہ کسی تحریک کا اثر قبول کر کے نہیں ابھری بلکہ یہی وہ جماعت ہے جو ہر قسم کے غیر اسلامی عناصر کی آمیزش سے اپنے وجود کو کمال احتیاط سے پاک رکھے ہوئے ہے۔

غیر احمدی گروہ کا روپ

ظاہر ہے۔ ۱۹۱۰ء میں علامہ نے دنیا کے سامنے جو دو تصویریں پیش کیں۔ ان میں احمدیوں

کی تصویر " اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ " اور عامتہ المسلمین خصوصا طلبا کی تصویر " بے روح اور بے جان لاش " تھی ۔ اب دیکھنے والی بات یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آنے والی ربع صدی میں اقبال کو اس " بے جان لاش " میں زندگی کی کوئی رمق نظر آئی ؟ بالکل نہیں ۔ چنانچہ آپ نے بعد میں ان کی روحانی مردنی کا یوں رونا رویا ۔

ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں   امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں
بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں   تھا براہیم پدر اور پسر آذر ہیں

جس طرح احمد مختار ہے نبیوں میں امام   اس کی امت بھی ہے دنیا میں امام اقوام
کیا تمہارا بھی نبی ہے وہی آقائے انام   تم مسلماں ہو ؟ تمہارا بھی وہی ہے اسلام
اس کی امت کی علامت تو کوئی تم میں نہیں
ے جو اسلام کی ہوتی ہے وہ اس خم میں نہیں

اس گروہ سے اسلامی روح کے غائب ہو جانے کا ماتم کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔

قلب میں سوز نہیں ' روح میں احساس نہیں   کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں
رہ گئی رسم اذاں ' روح بلالی نہ رہی   فلسفہ رہ گیا ' تلقین غزالی نہ رہی

پھر فرماتے ہیں ۔

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود   ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود   یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود
(جواب شکوہ)

یہ علامہ کی صرف ایک نظم کے چند اشعار ہیں جن سے عیاں ہے کہ علامہ کے نزدیک وقت گزرنے کے ساتھ ' آنے والے برسوں میں عامتہ المسلمین میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ تو کجا ' ان میں امت محمدیہؐ کی علامت کے کوئی بھی آثار باقی نہیں رہے ۔ یہ مسلمان ، مسلمان کہلانے کے بھی حقدار نہیں ۔ ان کے اسلام سے یہود بھی شرم کھاتے ہیں ۔

جہاں تک ۔ " قدیم اسلامی تہذیب کے علمبرداروں کی اسلامی روح " کا تعلق ہے ۔ علامہ یوں واویلا کرتے ہیں ۔

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی   برق طبعی نہ رہی ' شعلہ مقالی نہ رہی

علامہ کے نزدیک پیشہ ور ملا طبقہ ' کیا روپ اختیار کر چکا ہے ؟ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم پی ایچ ڈی لکھتے ہیں ۔

" ۔ علامہ ایک روز مجھ سے فرمانے لگے ۔ اکثر پیشہ ور ملا ' عملاً اسلام کے منکر ' اس کی شریعت سے منحرف اور مادہ پرست دہریہ ہوتے ہیں ۔۸ ۔

علامہ کے مطابق ۔

دین کافر فکر تدبیر و جہاد   دین ملا ' فی سبیل اللہ فساد

غیر احمدی مسلمانوں کی عمومی کیفیت

" جواب شکوہ " کے بعد بھی علامہ کو عامتہ المسلمین میں ' علماء میں اور صوفیا میں اسلامی سیرت کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی ۔ آپ اس امر کا اظہار فرماتے رہے کہ مسلمان دینی اعتبار سے مردہ ہے ۔

۱۹۱۵ء ۔ علامہ اپنے مکتوب بنام اکبر الہ آبادی میں رقم فرماتے ہیں ۔

" پنجاب میں علماء کا پیدا ہونا بند ہو گیا ہے ۔ اور اگر خدا تعالیٰ نے خاص مدد نہ کی تو آئندہ بیس سال نہایت خطرناک نظر آتے ہیں ۔ صوفیاء کی دوکانیں ہیں مگر وہاں " اسلامی سیرت " کی متاع نہیں بکتی ۔ " ۹ ۔

۱۹۱۶ء ۔ مکتوب بنام سراج دین صاحب پال میں لکھتے ہیں ۔

" حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے ۔ افسوس ہے ۔ مسلمان مردہ ہے " ۔ ۱۰ ۔

۱۹۲۶ء ۔ سید سلیمان ندوی کے نام اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں ۔

" میں دیکھتا ہوں کہ اسلامی ممالک میں عوام اور تعلیم یافتہ (دونوں طبقے ۔ ناقل) علوم اسلامی سے بے خبر ہیں ۔ " ۱۱ ۔

۱۹۳۱ء ۔ مسلمانوں کی نئی پود کے بارے میں ایک مکتوب میں لکھتے ہیں ۔

" مذہبی مسائل کے فہم کے لئے ایک خاص تربیت کی ضرورت ہوتی ہے ۔ افسوس کہ مسلمانوں کی نئی پود اس سے بالکل کوری ہے ۔ " ۱۲ ۔

۱۹۳۳ء ۔ " ۔ اکابر امت یعنی علماء و صوفیہ کا پیشہ اب وہ نہیں جو ان کے اسلاف کا تھا ۔ نئے

تعلیم یافتہ گروہ کے نزدیک منافقت سب سے بڑا اصول زندگی ہے"۔ ۱۳ھ

۱۹۳۳ء۔ "۔ علماء کا اختلاف عامتہ المسلمین سے بھی زیادہ ہے اور ان کا وجود (خاص طور پر جو پالسٹیشن ہو گئے ہیں) منصب پرست مسلمانوں سے زیادہ مضر ہے"۔۔۔ ۱۳/ا

احمدیوں کی عمومی کیفیت

اب اسی ربع صدی میں علامہ کی زبانی احمدیوں کی سیرت کا حال سنئے۔

اقبال، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان مبارکہ اور قوت قدسیہ کے بارے میں کہتے ہیں۔

"مجھے یقین ہے کہ اگر نبی کریمؐ بھی دوبارہ پیدا ہو کر اس ملک میں "اسلام کی تعلیم" دیں تو غالبا اس ملک کے لوگ اپنی موجودہ کیفیات اور اثرات کے ہوتے ہوئے حقائق اسلامیہ کو نہ سمجھ سکیں۔ ۱۴/A

دوسری طرف ۱۹۱۰ء میں بانی تحریک احمدیہ کی قوت قدسیہ کے متعلق آپ کو یہ اعتراف ہے کہ مرزا صاحب نے جو جماعت پیدا کر دی ہے وہ خالصتا مسلم طرز کے کردار کا طاقتور مظہر ہے۔ "گویا وہ نہ صرف "حقائق اسلامیہ" کو سمجھتی ہے بلکہ اس پر عمل پیرا بھی ہے۔

۱۹۱۱ء

۱۹۱۰ء والے علی گڑھ میں دیئے گئے مندرجہ بالا لیکچر کو مئی ۱۹۱۱ء میں محمڈن ہال لاہور کے ایک جلسہ ء عام میں بھی پڑھ کر سنایا گیا جس میں علامہ خود موجود تھے۔"

۱۹۱۱ء

اولاد کی بہتری کے لئے کون فکرمند نہیں ہوتا۔ علامہ کو نظر آ رہا تھا کہ غیر احمدی مسلمان' نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ علماء صوفیا کے ہاں "اسلامی سیرت" عنقا ہے۔ آپ نے فیصلہ کیا کہ اس صورت حال میں' میں اپنے لخت جگر کو جو سیالکوٹ کے ایک مشن اسکول میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ قادیان بھجوا دوں تاکہ وہ وہاں رہ کر اسلامی سیرت کے ٹھیٹھ نمونہ سے کچھ حصہ لے سکے۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا اور چار پانچ سال تک اسے وہاں کے تعلیم الاسلام سکول میں داخل کرائے رکھا۔

۱۹۲۷ء

حضرت امام جماعت احمدیہ نے ۳ر مارچ ۲۷ء کو حبیبیہ ہال لاہور میں ' قرآن و حدیث کو " سائنس اور علوم جدیدہ " کی بعض نئی تحقیقاتوں کے بالمقابل رکھ کر " مذہب اور سائنس " کے موضوع پر ڈھائی گھنٹہ تک لیکچر دیا۔ صدارت کے فرائض علامہ اقبال نے ادا کئے۔ قرآنی علوم سے متعلق آپ کی بصیرت اور اکتشافات اثریہ سے آپ کی آگہی سے ' علامہ اس درجہ متاثر ہوئے کہ آپ نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا۔

"ایسی پر از معلومات تقریر بہت عرصہ کے بعد لاہور میں سننے میں آئی ہے۔ اور خاص کر جو قرآن شریف کی آیات سے مرزا صاحب نے استنباط کیا ہے۔ وہ تو نہایت عمدہ ہے.... میں اپنی تقریر کو زیادہ دیر تک جاری نہیں رکھ سکتا تا مجھے اس تقریر سے جو لذت حاصل ہو رہی ہے۔ وہ زائل نہ ہو جائے۔ اس لئے میں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔ ۱۵ھ

یہ تھا جماعت کے امام کا وہ روپ جو وقت گزرنے کے ساتھ علامہ کے سامنے آیا۔ اور علامہ پر واضح ہوتا چلا گیا کہ یہ جماعت عاشق قرآن و حدیث ہے اور " بہائی تحریک کے جدید احیاء " (ص ۵۵۱) سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتی۔

مکتوب اقبال ۱۹۳۰ء

۱۹۲۷ء کے جلسہ عام میں " قرآن و حدیث کے معارف اور امام جماعت احمدیہ " کے بارے میں علامہ کا مندرجہ بالا مختصر مگر جامع خطاب بہت کچھ روشنی ڈالتا ہے جبکہ ۱۹۳۰ء کا درج ذیل مکتوب اس اخوت و محبت اور دلی ہمدردی کے جذبات کا عکاس ہے جو علامہ کے نزدیک افراد جماعت احمدیہ کے دلوں میں مسلم قوم کے لئے پائے جاتے تھے۔

اس دور میں حضرت امام جماعت احمدیہ ' برصغیر میں اسلامی مفادات کے تحفظ کے لئے ایک مسلم بورڈ کے قیام کی تجویز پر غور فرما رہے تھے اور اس کی صدارت کے لئے علامہ کی شخصیت حضور کے ذہن میں تھی۔ علامہ کو جب خبر ہوئی تو علامہ نے حضور (کے پرائیویٹ سیکرٹری) کو درج ذیل خط لکھا۔

۵ ستمبر ۱۹۳۰ء

"۔ چونکہ آپ کی جماعت منظم ہے۔ نیز بہت سے مستعد آدمی اس جماعت میں موجود ہیں اس واسطے آپ بہت " مفید کام " مسلمانوں کے لئے انجام دے سکیں گے۔

باقی رہا بورڈ کا معاملہ سو یہ خیال بھی نہایت عمدہ ہے۔ میں اس کی ممبری کے لئے حاضر ہوں۔ صدارت کے لئے کوئی زیادہ مستعد اور مجھ سے کم عمر کا آدمی ہو تو زیادہ موزوں ہوگا۔ لیکن اگر اس بورڈ کا مقصد حکام کے پاس وفود لے جانا ہو تو ہمیں اس سے معاف فرمایا جائے۔ وفد بے نتیجہ ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ مجھ میں اس قدر چستی اور مستعدی بھی باقی نہیں رہی۔ ١٦؎

۱۹۳۱ء

علامہ کے اس خط کے قریباً ١٠ ماہ بعد کشمیری مسلمانوں کے لئے "مفید کام" کرنے کا ایک اہم موقعہ نکل آیا۔ جس کے لئے مستعد قیادت اور چست کارکنوں کی بھی ضرورت تھی۔ بات یہ ہوئی کہ کشمیری مسلمانوں کی حالت زار پر غور کرنے کے لئے مسلم لیڈروں کا ایک اہم اجلاس ٢٥ ر جولائی ۱۹۳۱ء کو شملہ میں ہوا۔ اجلاس میں علامہ اقبال۔ خواجہ حسن نظامی۔ سر میاں فضل حسین۔ نواب صاحب کنج پورہ۔ مولوی میرک شاہ صاحب نمائندہ کشمیر۔ اللہ رکھا صاحب ساغر (نمائندہ جموں) اور بہت سے دیگر لیڈر حاضر تھے۔ کانفرنس کے نامہ نگار کے مطابق حضرت امام جماعت احمدیہ اور علامہ اقبال ایک ہی صوفہ پر بیٹھے تھے۔ طے پایا کہ ایک "آل انڈیا کشمیر کمیٹی" کی تشکیل عمل میں لائی جائے۔ جب اس کی صدارت کا نازک مرحلہ سامنے آیا۔ تو علامہ چونکہ جانتے تھے کہ "مسلمانوں کے لئے "بہت مفید کام" انجام دینے والی جماعت صرف جماعت احمدیہ ہے اور اس کے سربراہ میرے ساتھ بیٹھے ہیں۔ آپ نے صدارت کے لئے امام جماعت احمدیہ کا نام تجویز کیا اور پھر اس پر اصرار کیا۔ اس کے بعد خواجہ حسن نظامی اور دوسرے ارکان نے بھی علامہ کی مکمل تائید و حمایت کی۔ جب ہر طرف سے یہی آوازیں بلند ہوئیں تو حضور نے بتیس لاکھ مسلمانوں کو بنیادی حقوق دلانے اور انہیں اقتصادی غلامی سے نجات دلانے کے لئے صدارت کی ذمہ داری قبول کرلی۔ ١٧؎

علامہ، قریباً دو سال (یعنی ۱۹۳۳ء تک) آپ کے ماتحت ایک ممبر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

۱۹۳۱ء

اسی سال علامہ نے مسلمانوں کی نئی پود کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ مذہبی مسائل کے فہم سے بالکل کوری ہے۔ لیکن اسی سال جب آپ احمدیہ بیت الصلوۃ

انگلستان تشریف لے گئے تو وہاں آپ کو خالص اسلامی ماحول نظر آیا۔ آپ نے نومسلم انگریزوں کی نئی پود سے قرآن مجید کی تلاوت، نماز اور دیگر مذہبی مسائل سنے تو اتنے متاثر ہوئے کہ انہیں مخاطب کر کے اپنی تقریر میں فرمایا۔

"۔ میں نومسلموں سے مخاطب ہو کر کہتا ہوں کہ آپ اپنی قلت تعداد سے دل شکستہ نہ ہوں۔ دنیائے اسلام کے چالیس کروڑ فرزندان توحید آپ کے بھائی ہیں۔" ١٨؎

اس صورت حال میں علامہ کا یہ دعویٰ کیونکر قبول کیا جا سکتا ہے کہ قادیانی بظاہر مسلمان ہیں۔ اور دیگر مسلمان، حقیقی مسلمان' یا یہ کہ قادیانی تحریک بہائی اثر حاصل کر کے ابھری ہے۔

۱۹۳۲ء

اپریل ۱۹۳۲ء میں چودھری محمد احسن صاحب نے علامہ کو اطلاع دی کہ ان کے بڑے بھائی نے جن کا تعلق "جماعت احمدیہ لاہور" سے ہے، انہیں جماعت میں شمولیت کی دعوت دی ہے۔ احسن صاحب نے علامہ سے دریافت کیا کہ آپ کی "تحریک احمدیہ" کے بارہ میں کیا رائے ہے اور کیا میں اس جماعت میں شامل ہو جاؤں؟ علامہ نے دونوں امور کا تفصیلی جواب دیا۔ اس جواب میں کہیں اشارہ تک نہیں کہ یہ جماعت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلام دشمن جماعت کے روپ میں سامنے آئی ہے۔ یا یہ کہ میں ان کی تبلیغ کو "اشاعت اسلام" کا درجہ نہیں دیتا۔ بلکہ اس کے برعکس آپ نے فرمایا۔

١۔ میرے نزدیک لاہور کی جماعت میں بہت سے ایسے افراد ہیں جن کو میں غیرت مند مسلمان جانتا ہوں اور ان کی اشاعت اسلام کی مساعی میں ان کا ہمدرد ہوں۔

٢۔ کسی جماعت میں شریک ہونا یا نہ ہونا انسان کی ذاتی افتاد طبیعت پر بہت کچھ انحصار رکھتا ہے۔ تحریک میں شامل ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ آپ کو خود کرنا چاہئے۔

٣۔ اشاعت اسلام کا جوش جو ان (یعنی بانی سلسلہ احمدیہ) کی جماعت کے اکثر افراد میں پایا جاتا ہے۔ قابل قدر ہے۔" ١٩؎

۱۹۳۳ء

۱۹۳۳ء میں جماعت احمدیہ میں شمولیت کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں استفسار کرنے والے کو علامہ نے جو مشورہ دیا اس کا مفہوم یہ تھا کہ مرزا صاحب کا دعویٰ الہام و وحی اور دعویٰ مامور من اللہ ایسا امر نہیں کہ جماعت میں شمولیت کے لئے روک بنے آپ صرف اپنی افتاد طبع

گاباصاحب کے اسلام قبول کرنے پر آپ کا اسلامی نام علامہ اقبال نے تجویز کیا۔
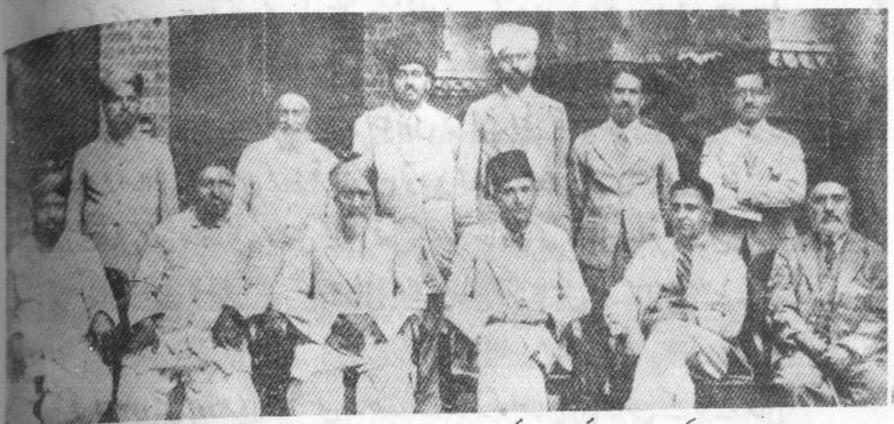
کرسیوں پر (دائیں سے بائیں)

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب ۔ مسٹر خالد لطیف گابا ۔ بیرن عمر۔ مولانا محمد علی صاحب

ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب ۔

چوہدری شاہ نواز صاحب ۔ چوہدری بشیر احمد صاحب

(چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی صاحبزادی

امتہ الحی کے ساتھ)

کو مد نظر رکھیں اگر آپ کی افتاد طبع جماعت میں شمولیت کی اجازت دیتی ہے تو آپ بے شک شامل ہو جایئے ۔ پس ظاہر ہے ۔ اگر اس کے بعد آپ نے جماعت کی مخالفت کی تو اس کی بنیاد "مذہبی" نہ تھی ۔ بلکہ سراسر سیاسی تھی اور وہ بھی بالخصوص احرار کے زیر اثر۔

یکم مارچ ۱۹۳۳ء کو لاہور کے ایک بہت بڑے ہندو رئیس لالہ ہرکشن لال گابا کے بڑے لڑکے کنہیا لال گابا' یا کے ایل گابا نے بمعہ اپنی اہلیہ کے مولانا محمد علی صاحب (امیر جماعت احمدیہ لاہور شاخ) کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا ۔ اور ان کا اسلامی نام "خالد لطیف گابا" رکھا گیا ۔ اس تقریب میں لاہور کے غیر احمدی عمائد بھی شامل ہوئے ۔ یعنی علامہ عبداللہ یوسف علی ۔ علامہ اقبال ۔ نواب ممدوٹ ۔ ملک فیروز خاں نون ۔ مولانا سید ممتاز علی وغیرہ ۲۰ ؎

راقم اس ضمن میں چند مزید امور بیان کرنا چاہتا ہے :۔

(۱) مسٹر کے ایل گابا کا اسلامی نام علامہ اقبال نے خود تجویز کیا K کی جگہ خالد اور L کی جگہ لطیف

(۲) مولانا ظفر علی خاں نے موچی دروازہ لاہور میں اپنی پر جوش مخالفانہ تقریر میں کہا کہ "مسٹر گابا مرزائی ہونے کی بجائے اگر ہندو ہی رہتے تو یہ زیادہ بہتر تھا ("مسلم پریس" کا موقف تھا کہ وہ ایک احمدی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں ۔ فرقوں سے واسطہ نہیں)

(۳) ۱۰ / مارچ جمعہ کے روز تاریخی بادشاہی مسجد لاہور میں "اپنے نئے اسلامی بھائی" کا خطاب سننے کے لئے ۱۰ ہزار مسلمانوں کا جم غفیر جمع ہوا ۔ دروازہ پر انجمن حمایت اسلام اور خاکساروں کے رضاکاروں نے مسٹر گابا کو خوش آمدید کہا ۔ مولوی ظفر علی کے موقف کو غلط سمجھتے ہوئے ان دس ہزار مسلمانوں کی قیادت علامہ اقبال اور ملک فیروز خان نون نے کی ۲۱؎ ۔

یہ اس ربع صدی کے تدریجی حقائق ہیں ۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے کوئی بھی غیر جانبدار محقق یہ قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ' تحریک احمدیہ 'علامہ کے سامنے ' "اسلام دشمنی" کے روپ میں ظاہر ہوئی یا علامہ کو اس میں بہائیت کے اثرات دکھائی دینے لگے یا علامہ احمدیوں کو صرف ظاہراً مسلمان سمجھنے لگے تھے ۔ دونوں

نکلے ہوئے نازیبا الفاظ سے دنیا یہ سمجھ لے کہ بانی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مسلمانوں کو یہی تعلیم دی ہے اور پھر کیا اسی بنیاد پر کسی کے لئے جائز ہو گا کہ وہ تحریک اسلام سے بیزاری و بغاوت کا اعلان کر دے۔

جو شاعر آج رب العالمین کے حضور عالم تصورات میں گستاخی کا مرتکب ہے۔ کیا یہ قیاس کر لیا جائے کہ اس کی یہ گستاخی کل کو حقیقی طور پر خدا اور اس کے رسولؐ کی گستاخی کی "طرح" ڈالنے کا موجب ہو سکتی ہے۔ اس لئے پیش بندی کے طور پر اسے ابھی سے دائرہ اسلام سے خارج کر دیا جائے؟

دیکھئے مصنف اس پیش بندی کے بارے میں کس رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

پتھر ہی اپنے آپ کو نہیں بدلتے

اپنے انٹرویو میں علامہ نے یہ ارشاد بھی فرمایا ہے کہ ہر سوچنے والے انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے بدل لے۔ بقول ایمرسن صرف پتھر ہی اپنے آپ کو نہیں بدلتے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ گذشتہ صفحات میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ کے سب اعتقادات بہ سلسلہ نبوت و ختم نبوت اور دعاوی بہ سلسلہ مسیح و مہدی کے باوصف علامہ جماعت احمدیہ کو سیرت اسلامی کا ٹھیٹھ نمونہ اور اشاعت اسلام کا قابل قدر کام کرنے والی جماعت قرار دیتے رہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ۳۵ء میں وہ کونسی قیامت ٹوٹ پڑی تھی جس نے علامہ کو اپنی رائے بدلنے پر مجبور کر دیا۔ اس کا ہمیں کوئی معقول جواب نہیں مل سکا۔۔ باقی رہا پتھروں کے نہ بدلنے کے متعلق علامہ کی طرف سے ایمرسن کے قول کا سہارا لینا تو یہ کوئی مستحسن امر نظر نہیں آتا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ باقی دنیا بھی ایمرسن کے قول کی تائید کرے۔۔ قرآن میں تو لکھا ہے۔

"۔ اور پتھروں میں سے تو یقیناً بعض ایسے ہوتے ہیں جن سے دریا بہتے ہیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں تو ان میں سے پانی نکلنے لگتا ہے اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ اللہ کی خشیت سے گر جاتے ہیں۔ ۳۶؎

بہرحال علامہ کا جواب بہت ناکافی ہے۔ علامہ کے بیانات میں معمولی اختلاف نہیں بلکہ کفر و اسلام کا فرق ہے۔ کچھ دن قبل وہ جس تحریک کی اشاعت اسلام کی کاوشوں کو قابل قدر

کہتے تھے چند دن بعد اسے دائرہ اسلام سے ہی خارج قرار دیتے ہیں اور اس کی معقول وجہ بتانے سے قاصر ہیں۔

راقم عرض کرتا ہے کہ بنیادی طور پر "علامہ" ایک شاعر ہیں اور قرآن نے شعراء دنیا کی جو تعریف کی ہے اس نقطہ نظر سے ہم انہیں دیکھیں گے۔ لہٰذا ان کے خیالات میں تغیر اور ان کے موقف میں تناقض ایک قدرتی امر ہے۔ علامہ کی شاعری میں تناقضات کا ایک ڈھیر لگا ہوا ہے۔ لہٰذا جماعت احمدیہ کے بارہ میں اگر تناقض ہے تو اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں بلکہ شعراء کے ہاں یہ ایک **قدرتی عمل** ہے۔

مولوی چراغ علی اور براہین احمدیہ

علامہ نے اپنے انٹرویو میں بانی تحریک احمدیہ کی شہرہ آفاق کتاب "براھین احمدیہ" کے متعلق فرمایا ہے۔ "جہاں تک مجھے معلوم ہے کتاب موسومہ "براھین احمدیہ" میں مولوی چراغ علی صاحب نے بانی تحریک کو بیش قیمت مدد بہم پہنچائی۔"

راقم عرض کرتا ہے کہ اس ضمن میں علامہ کی معلومات صحیح نہیں۔ حضرت امام جماعت احمدیہ فرماتے ہیں۔۔ "۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ مولوی چراغ علی صاحب کو کیا ہو گیا تھا کہ انہیں جو اچھا نکتہ سوجھتا وہ حضرت بانی سلسلہ کو لکھ کر بھیج دیتے اور ادھر ادھر کی معمولی باتیں اپنے پاس رکھتے۔ آخر مولوی چراغ علی صاحب مصنف ہیں۔ براھین احمدیہ کے مقابلہ میں ان کی کتابیں رکھ کر دیکھ لیا جائے کہ آیا کوئی بھی ان میں نسبت ہے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ دوسرے کو تو ایسا مضمون لکھ کر دے سکتے ہیں۔ جس کی کوئی نظیر ہی نہیں ملتی ۔۔۔۔ اور جب اپنے نام پر کوئی مضمون شائع کرنا چاہتے تو اس میں وہ بات ہی پیدا نہ ہوتی ...... انہوں نے تو اپنی کتابوں میں صرف بائبل کے حوالے جمع کیے ہیں اور حضرت بانی سلسلہ نے قرآن حکیم کے وہ معارف پیش کیے جو تیرہ سو سال میں کسی مسلمان کو نہیں سوجھے اور ان معارف اور علوم کا سینکڑوں بلکہ ہزارواں حصہ بھی ان کی کتابوں میں نہیں۔ ۳۷؎

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت امام جماعت احمدیہ نے فرمایا۔

"۔ سر محمد اقبال صاحب کو کچھ عرصہ سے میری ذات سے خصوصا اور جماعت احمدیہ سے عموما بغض پیدا ہو گیا ہے۔ اور اب ان کی حالت یہ ہے کہ یا تو کبھی وہ انہی عقائد کی موجودگی میں جو ہماری جماعت کے اب ہیں۔ جماعت احمدیہ سے تعلق موانست اور مواخات رکھنا برا نہیں سمجھتے تھے یا اب کچھ عرصہ سے وہ اس کے خلاف، خلوت و جلوت میں آواز اٹھاتے رہتے ہیں۔ میں ان وجوہ کے اظہار کی ضرورت محسوس نہیں کرتا جو اس تبدیلی کا سبب ہوئے ہیں جس نے ۱۹۱۰ء کے اقبال کو جو علی گڑھ میں مسلمان طلبا کو تعلیم دے رہا تھا کہ ۔۔ "پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں" ۳۵ میں ایک دوسرے اقبال کی صورت میں بدل دیا جو یہ کہہ رہا ہے کہ۔ "میرے نزدیک قادیانیت سے بہائیت زیادہ ایماندار ہے ..... " یعنی ۱۹۱۰ء کی احمدیہ جماعت آج ہی کے عقائد کے ساتھ صحابہؓ کا خالص نمونہ تھی لیکن ۳۵ کی احمدیت، بہائیت سے بھی بدتر ہے۔ اس بہائیت سے جو صاف لفظوں میں قرآن مجید کو منسوخ کہتی ہے۔ جو واضح عبارتوں میں بہاء اللہ کو ظہور الٰہی قرار دیتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کو فضیلت دیتی ہے۔ گویا ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے نزدیک اگر ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو منسوخ قرار دیتا ۔۔۔ قرآن مجید سے بڑھ کر تعلیم لانے کا مدعی ہوتا ۔۔۔ نمازوں کو تبدیل کر دیتا اور قبلہ کو بدل دیتا ہے ۔۔ اور نیا کلمہ بناتا اور اپنے لئے خدائی کا دعویٰ کرتا ہے حتیٰ کہ اس کی قبر پر سجدہ کیا جاتا ہے تو بھی اس کا وجود ایسا برا نہیں ۔۔۔ مگر جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین قرار دیتا ۔۔۔ آپ کی تعلیم کو آخری تعلیم بتاتا ۔۔۔ قرآن کریم کے ایک ایک لفظ، ایک ایک حرکت کو آخر تک خدا تعالیٰ کی حفاظت میں سمجھتا ہے۔ اسلامی تعلیم کے ہر حکم پر عمل کرنے کو ضروری قرار دیتا ہے اور آئندہ کے لئے سب روحانی ترقیات کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور غلامی میں محصور سمجھتا ہے۔ وہ برا اور بائیکاٹ کرنے کے قابل ہے ..... ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا" ۲۲/۸

بہائی عقائد کی ایک جھلک

"۔ محفل روحانی ملی بہایان پاکستان" کی طرف سے شائع کردہ بہائی عقائد کے مطابق۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے انجینئر اور مالک نہیں تھے۔ وہ تو بہاء اللہ (ظہور خداوندی) کی بشارت دینے والے تھے۔ بہائی عقیدہ کے مطابق، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، نے بہاء اللہ کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا۔ ۔

جو ہے قصر نبوت، اس کی خشت آخری میں ہوں — مکمل اور مرتب آج وہ ایوان اعظم ہے
بشارت ہو بشارت، مالک قصر آنے والا ہے۔ — وہی ہے میزباں سب کا وہی مہمان اعظم ہے

بہائیوں کے نزدیک محمد رسول اللہ صلعم کا دین "پرانی روشنی" تھی۔ بہاء اللہ "دین جدید" کی بشارت لایا ہے (نعوذ باللہ) چنانچہ اپنے عقائد کا یوں اظہار کرتے ہیں۔

اب "پرانی روشنی" کچھ کام دے سکتی نہیں — اس نئی ظلمت میں بے شک چاہئے تنویر نو
آج "آئین کہن" بیکار ہو کر رہ گئے — اب نئے حالات میں لازم ہے اک تدبیر نو
حق تعالیٰ نے ہمیں بخشا ہے وہ "دین جدید" — جو زمانے کے لئے لایا ہے اک تبشیر نو ۲۳

راقم عرض کرتا ہے کہ اس کے مقابل حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے فرمایا۔

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے — کوئی دیں، دین محمدؐ سا نہ پایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا — نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے
تیرے منہ کی ہی قسم ہے میرے پیارے احمد — تیری خاطر سے یہ سب بار اٹھایا ہم نے
چھو کے دامن ترا ہر دام سے ملتی ہے نجات — لاجرم در پہ ترے سر کو جھکایا ہم نے
مصطفےٰ پر ترا بے حد ہو سلام اور رحمت
اس سے یہ نور لیا بار خدایا ہم نے ۲۴

غرض دور حاضر میں تو بہائیت کا توڑ ہی احمدیت ہے۔

مولانا عبدالحلیم شرر کا تبصرہ

یہی وجہ ہے۔ مولانا عبدالحلیم صاحب شرر نے جب "بہائیت اور احمدیت" کے عقائد کا تقابلی جائزہ لیا تو وہ دیانتداری کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچے کہ

"بابیت۔ اسلام کے مٹانے کو آئی ہے اور احمدیت اسلام کو قوت دینے کے لئے۔ اور اسی کی برکت ہے کہ باوجود چند اختلافات کے احمدی فرقہ والے، اسلام کی جیسی سچی اور پرجوش

خدمت ادا کرتے ہیں۔ دوسرے مسلمان نہیں کرتے۔" [۲۵]

راقم عرض کرتا ہے کہ کسی دباؤ کے تحت یا محاذ آرائی کے شوق میں علامہ نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ قادیانیت 'میں بہائی اثرات موجود ہیں۔ آپ نے اس قیاس کا اظہار فرمایا کہ ممکن ہے۔ احمدیت کا اختتام بہائی مذہب میں ہو جائے۔ ورنہ اس سے قبل بہائیت کے بارہ میں علامہ کے بھی وہی نظریات تھے جس کا اظہار شرر کے ہاں ملتا ہے۔ چنانچہ علامہ 'صوفی غلام مصطفیٰ صاحب تبسم کے نام اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں۔

".... ایران میں مجتہدین شیعہ کی تنگ نظری اور قدامت پرستی نے بہاء اللہ کو پیدا کیا جو سرے سے احکام قرآنی کا ہی منکر ہے۔" [۲۶]

غرض اقبال کے ہاں 'احمدیت کی مخالفت کی کہانی' زیادہ تر امکانات و قیاسیات کے تانے بانے سے بنی ہوئی ملتی ہے۔

بانی اسلام سے برتر نبوت کے دعویٰ کا اتہام

بانی سلسلہ احمدیہ پر بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے بھی برتر نبوت کا اتہام لگاتے ہوئے علامہ اقبال اور مصنف زندہ رود کا فرض تھا کہ وہ بانی سلسلہ احمدیہ یا امام جماعت احمدیہ کی ایسی تحریریں پیش کرتے جن میں برتری کا دعویٰ موجود ہوتا مگر انہوں نے ایسا کرنا ضروری نہیں سمجھا۔

راقم عرض کرتا ہے کہ یہ اتہام ہے اور اس کے رد میں بانی سلسلہ کی بیسویں تحریریں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر اختصار کی خاطر یہاں دو ایک حوالے درج کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔

بانی سلسلہ اپنی کتاب "توضیح مرام" میں فرماتے ہیں۔

"۔ اگر اس جگہ یہ استفسار ہو کہ .... جناب سیدنا و مولانا سید الکل افضل الرسل خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کون سا درجہ باقی ہے۔ سو واضح ہو کہ وہ ایک اعلیٰ مقام اور برتر رتبہ ہے جو اس کی ذات کامل الصفات پر ختم ہو گیا جس کی کیفیت کو پہنچنا بھی کسی دوسرے کا کام نہیں چہ جائیکہ وہ کسی اور کو حاصل ہو سکے۔" [۲۷]

پھر اپنی جماعت کو مخاطب کر کے یہ تعلیم دیتے ہیں۔

"عقیدہ کی رو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ

علیہ وسلم اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے۔" [۲۸]

بانی سلسلہ کی اس تعلیم کی روشنی میں امام جماعت احمدیہ نے ۲۷ مارچ ۱۹۳۵ء کو سپیشل مجسٹریٹ گورداسپور کی عدالت میں مرزا صاحب کے مقام نبوت کے متعلق بیان دیتے ہوئے کہا

"۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا رتبہ رکھنا تو درکنار وہ ان کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔" [۲۹]

حیرت ہے کہ اس عدالتی بیان کی اشاعت کے قریباً ڈیڑھ ماہ بعد علامہ اقبال نے مئی ۳۵ء میں اپنے انٹرویو میں فرمایا کہ میں تحریک احمدیہ سے اس وقت بیزار ہوا تھا جب بانی سلسلہ احمدیہ (وفات ۱۹۰۸ء) نے بانی اسلام کی نبوت سے برتر نبوت کا دعویٰ کیا۔

شیخ اعجاز احمد صاحب کا نوٹ

"زندہ رود" میں اشاعت کے لئے شیخ اعجاز احمد صاحب نے جو نوٹ بھجوایا۔ اس میں انہوں نے لکھا تھا۔

"-- بانی سلسلہ احمدیہ نے کبھی حضور رسالت مآب ﷺ کی نبوت سے برتر نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ کوئی احمدی بانی سلسلہ احمدیہ کو سرکار دو عالم ﷺ سے برتر یقین کرتا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن حکیم میں خاتم النبیین کہا گیا ہے اور انہیں خاتم النبیین تسلیم کرنا ہر احمدی کا جزو ایمان ہے۔" یہ تہمت احراریوں اور اقبال کے حاشیہ نشینوں نے اقبال کو احمدیت کے خلاف بھڑکانے کے لئے تراشی تھی۔ علامہ نے اس افترا کو سچ سمجھ لیا حالانکہ اس کی تحقیق کچھ مشکل نہ تھی اور تحقیق کے لئے گھر سے باہر جانے کی بھی ضرورت نہ تھی۔" [۳۰]

مصنف "زندہ رود" کو شاید 'بانی سلسلہ احمدیہ اور احمدیوں کے عقیدہ سے آگاہی حاصل ہے کہ وہ ہرگز برتر نبوت کے قائل نہیں اس لئے وہ "ممکن ہے" کے پردے میں اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں -- مگر ساتھ ہی بجائے بحث کو ختم کرنے کے ایک دور کی کوڑی لائے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

"ممکن ہے۔ بقول شیخ اعجاز احمد 'بانی سلسلہ احمدیہ نے کبھی حضور رسالت مآب کی نبوت

سے برتر نبوت کا دعویٰ نہ کیا ہو اور نہ کوئی احمدی ' بانی سلسلہ احمدیہ کو سرکار دوعالم ؐ سے برتر یقین کرتا ہو۔ مگر کسی بھی مفہوم میں ختم نبوت کے عقیدے کو تسلیم نہ کرنے میں یہی تو قباحت ہے کہ یوں بعد کی نئی نبوت کی برتری کے اظہار کی " طرح " ڈالی جا سکتی ہے۔ یا ایسے منفی انداز فکر کے لئے دروازہ کھل جانے کا امکان ہے۔ " ۳۱

راقم عرض کرتا ہے کہ یہ امر مصنف کے سامنے ہے کہ احمدیوں نے ایک صدی گزرنے کے باوجود بانی سلسلہ احمدیہ کی نبوت کی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے برتری چھوڑ برابری کی طرح بھی نہیں ڈالی -- اب انہیں یہ اندیشہ لاحق ہے کہ ہو سکتا ہے ' بعد میں آنے والی صدیوں میں احمدی ایسی طرح ڈال دیں ۔ اس قیاس و اندیشہ کی بنیاد پر وہ ضروری سمجھتے ہیں کہ پیش بندی کے طور پر ابھی سے احمدیوں کو دائرہ اسلام سے خارج کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔

راقم کی رائے میں مصنف کو اتنا بوجھ اپنے کندھوں پر نہیں ڈالنا چاہئے۔ آنے والی صدیوں میں بھی کوئی احمدی انشاء اللہ ' برتری چھوڑ برابری کی طرح ڈالنے کی بھی مذموم حرکت نہیں کرے گا اور اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو ہمارا مشورہ ہے کہ اس سے نمٹنے کے لئے تکفیری شغل آنے والے علماء پر چھوڑ دیا جائے۔

آپ فی الحال " اقبال اور سواد اعظم " کے باہمی تکفیر کے مسئلہ کو نمٹا لیں تو یہی بہت غنیمت ہے۔ اقبال کے عقیدہ کے مطابق۔ " آمد مسیح کے متعلق جو احادیث ہیں ان کا قرآن کریم کی صحیح سپرٹ سے کوئی سروکار نہیں ۳۲ ۔ اور مسلمانوں کے سواد اعظم کے عقیدہ کے مطابق جو شخص نزول مسیح یا ان کی آمد ثانی کا قائل نہ ہو۔ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے ۳۳۔

یہ بدبخت کون تھا؟

جماعت احمدیہ سے بیزاری ' بغاوت کا اظہار کرتے ہوئے علامہ اپنے انٹرویو کے آخر میں فرماتے ہیں۔

میں نے تحریک احمدیہ کے ایک رکن کو اپنے کانوں سے پیغمبر اسلام کے بارے میں نازیبا زبان استعمال کرتے ہوئے سنا۔

یہ بدبخت رکن کون تھا؟ جماعت احمدیہ میں اس کا مقام و مرتبہ کیا تھا؟ اس کا نام و پتہ؟ علامہ ان تمام ضروری کوائف کے بارے میں خاموش ہیں۔

راقم کو یقین ہے کہ ٹھیٹھ اسلامی نمونہ کی حامل اور اشاعت اسلام کا جوش و جذبہ رکھنے والی جماعت کا کوئی فرد اس قسم کی نازیبا حرکت کا مرتکب نہیں ہو سکتا اور اگر بفرض محال کسی بدبخت سے یہ مکروہ فعل سرزد ہوا تھا تو علامہ کا فرض تھا کہ اس کے نام و پتہ سے امام جماعت احمدیہ یا لاہور کے احمدی اکابرین میں سے کسی کو مطلع کرتے تا جماعت اس کے متعلق تحقیقات کرتی اور ثبوت مہیا ہو جانے پر جماعت سے فوراً خارج کر کے اسے غیر احمدی حلقے میں دھکیل دیا جاتا جہاں کئی " رشدی " دندناتے پھرتے ہیں۔

علامہ خود بھی اسے یہ کہہ کر اس کا منہ بند کر سکتے تھے کہ میرے نزدیک جماعت احمدیہ کے اکثر افراد میں اشاعت اسلام کا قابل قدر جوش پایا جاتا ہے جو ان کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دلالت کرتا ہے تم مجھے ان کی جماعت کے رکن معلوم نہیں ہوتے۔

اس ضمن میں جس پہلو کی طرف راقم توجہ دلانا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ کسی بین الاقوامی جماعت کی اکثریت کے عشق رسول ؐ کو نظر انداز کر کے ' اس کے ٹھیٹھ اسلامی نمونہ سے صرف نظر کر کے صرف ایک گمنام شخص کے انفرادی فعل کو پوری عالمگیر جماعت کا عقیدہ قرار دینا اور پھر اس بنیاد پر اس جماعت سے بیزاری و بغاوت کا اظہار کرنا۔ اسے دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دینا۔ کہاں کا اصول ہے ؟ -- کیا اتنے بڑے فیصلے ایسے ہی کمزور اور بودے سہاروں پر کئے جاتے ہیں۔ اور یہ دیکھا ہی نہیں جاتا کہ بانی تحریک کی تعلیم کیا ہے؟ جماعت میں داخلہ کے لئے شرائط بیعت کیا ہیں؟ اس کے جانشینوں اور خلفاء کے بیانات کیا ہیں؟ تحریک میں شامل افراد کا انداز فکر و عمل کیا ہے؟ کتنا انوکھا معیار ہے جسے بار بار سامنے لایا جاتا ہے۔

علامہ کی خدا سے گستاخی

مصنف زندہ دور کا کہنا ہے کہ۔ " اقبال (اپنے تصورات کے عالم میں) خدا سے گستاخی کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ " ۳۴،۳۵

راقم عرض کرتا ہے کہ یہ حرکت ہر مسلمان کے نزدیک نازیبا ہے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کا موجب۔ لیکن قطع نظر اس کے کیا صرف ایک شاعر کی زبان سے

نکلے ہوئے نازیبا الفاظ سے دنیا یہ سمجھ لے کہ بانی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مسلمانوں کو یہی تعلیم دی ہے اور پھر کیا اسی بنیاد پر کسی کے لئے جائز ہو گا کہ وہ تحریک اسلام سے بیزاری، بغاوت کا اعلان کر دے۔

جو شاعر آج رب العالمین کے حضور عالم تصورات میں گستاخی کا مرتکب ہے۔ کیا یہ قیاس کر لیا جائے کہ اس کی یہ گستاخی کل کو حقیقی طور پر خدا اور اس کے رسولؐ کی گستاخی کی "طرح" ڈالنے کا موجب ہو سکتی ہے۔ اس لئے پیش بندی کے طور پر اسے ابھی سے دائرہ اسلام سے خارج کر دیا جائے؟

دیکھئے مصنف اس پیش بندی کے بارے میں کس رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

پتھر ہی اپنے آپ کو نہیں بدلتے

اپنے انٹرویو میں علامہ نے یہ ارشاد بھی فرمایا ہے کہ ہر سوچنے والے انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے بدل لے۔ بقول ایمرسن صرف پتھر ہی اپنے آپ کو نہیں بدلتے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ گذشتہ صفحات میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ کے سب اعتقادات بہ سلسلہ نبوت و ختم نبوت اور دعاوی بہ سلسلہ مسیح و مہدی کے باوصف علامہ جماعت احمدیہ کو سیرت اسلامی کا ٹھیٹھ نمونہ اور اشاعت اسلام کا قابل قدر کام کرنے والی جماعت قرار دیتے رہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ۳۵ء میں وہ کونسی قیامت ٹوٹ پڑی تھی جس نے علامہ کو اپنی رائے بدلنے پر مجبور کر دیا۔ اس کا ہمیں کوئی معقول جواب نہیں مل سکا۔۔ باقی رہا پتھروں کے نہ بدلنے کے متعلق علامہ کی طرف سے ایمرسن کے قول کا سہارا لینا تو یہ کوئی مستحسن امر نظر نہیں آتا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ باقی دنیا بھی ایمرسن کے قول کی تائید کرے۔۔ قرآن میں تو لکھا ہے۔

"۔ اور پتھروں میں سے تو یقیناً بعض ایسے ہوتے ہیں جن سے دریا بہتے ہیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں تو ان میں سے پانی نکلنے لگتا ہے اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ اللہ کی خشیت سے گر جاتے ہیں۔ ۳۶ ؎

بہرحال علامہ کا جواب بہت ناکافی ہے۔ علامہ کے بیانات میں معمولی اختلاف نہیں بلکہ کفر و اسلام کا فرق ہے۔ کچھ دن قبل وہ جس تحریک کی اشاعت اسلام کی کاوشوں کو قابل قدر

کہتے تھے چند دن بعد اسے دائرہ اسلام سے ہی خارج قرار دیتے ہیں اور اس کی معقول وجہ بتانے سے قاصر ہیں۔

راقم عرض کرتا ہے کہ بنیادی طور پر "علامہ" ایک شاعر ہیں اور قرآن نے شعراء دنیا کی جو تعریف کی ہے اس نقطہ نظر سے ہم انہیں دیکھیں گے۔ لہٰذا ان کے خیالات میں تغیر اور ان کے موقف میں تناقض ایک قدرتی امر ہے۔ علامہ کی شاعری میں تناقضات کا ایک ڈھیر لگا ہوا ہے۔ لہٰذا جماعت احمدیہ کے بارہ میں اگر تناقض ہے تو اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں بلکہ شعراء کے ہاں یہ ایک قدرتی عمل ہے۔

مولوی چراغ علی اور براہین احمدیہ

علامہ نے اپنے انٹرویو میں بانی تحریک احمدیہ کی شہرہ آفاق کتاب "براھین احمدیہ" کے متعلق فرمایا ہے۔ "جہاں تک مجھے معلوم ہے کتاب موسومہ "براھین احمدیہ" میں مولوی چراغ علی صاحب نے بانی تحریک کو بیش قیمت مدد بہم پہنچائی ہے"

راقم عرض کرتا ہے اس ضمن میں علامہ کی معلومات صحیح نہیں۔ حضرت امام جماعت احمدیہ فرماتے ہیں۔۔ "۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ مولوی چراغ علی صاحب کو کیا ہو گیا تھا کہ انہیں جو اچھا نکتہ سوجھتا وہ حضرت، بانی سلسلہ کو لکھ کر بھیج دیتے اور ادھر ادھر کی معمولی باتیں اپنے پاس رکھتے۔ آخر مولوی چراغ علی صاحب مصنف ہیں۔ براھین احمدیہ کے مقابلہ میں ان کی کتابیں رکھ کر دیکھ لیا جائے کہ آیا کوئی بھی ان میں نسبت ہے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ دوسرے کو تو ایسا مضمون لکھ کر دے سکتے ہیں۔ جس کی کوئی نظیر ہی نہیں ملتی ۔۔۔۔ اور جب اپنے نام پر کوئی مضمون شائع کرنا چاہتے تو اس میں وہ بات ہی پیدا نہ ہوتی ...... انہوں نے تو اپنی کتابوں میں صرف بائیبل کے حوالے جمع کیے ہیں اور حضرت بانی سلسلہ نے قرآن حکیم کے وہ معارف پیش کئے جو تیرہ سو سال میں کسی مسلمان کو نہیں سوجھے اور ان معارف اور علوم کا سینکڑوں بلکہ ہزارواں حصہ بھی ان کی کتابوں میں نہیں۔ ۳۷ ؎

اقبال نئے مسیحا کی آمد کے متمنی تھے

مسیح و مہدی و مجددیت کی احادیث کے متعلق اقبال کا عقیدہ اپنی جگہ لیکن ان کی بعض تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی کسی روحانی مصلح کی آمد کے منتظر نہ سہی لیکن اس کی ضرورت ضرور محسوس کرتے تھے اور ایسے مصلح کے آنے کی خواہش کرتے تھے۔ اصل میں عقل و دل کی کشمکش میں ان کی راتیں ہی نہیں، دن بھی گزرتے تھے۔ عقل مسیح و مہدی کے آنے کی احادیث کو عجمی تخیلات کا نتیجہ قرار دیتی لیکن ان کا دل امت محمدیہ کی اصلاح کی فکر میں --.... جب دیکھتا کہ --- "وضع میں یہ ہیں نصاریٰ تو تمدن میں ہنود۔" "یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود" -- اور جب اس دور کے ملا انہیں "ننگ مسلمانی" نظر آتے تو پکار اٹھتا۔ "۔ کاش کہ مولانا نظامی کی دعا اس زمانے میں مقبول ہو اور رسول اللہ صلعم پھر تشریف لائیں اور ہندی مسلمانوں پر اپنا دین بے نقاب کریں۔" [۳۸]

جب دیکھتے کہ۔ "موجودہ زمانہ روحانیت کے اعتبار سے بالکل تہی دست ہے۔" تو فرماتے۔ "لیکن تاریکی کا انجام سفید ہے۔ کیا عجب اللہ تعالیٰ جلد اپنا فضل کرے اور بنی نوع انسان کو پھر ایک دفعہ "نور محمدی" عطا کرے۔ بغیر کسی بڑی شخصیت کے اس بدنصیب دنیا کی نجات نظر نہیں آتی" [۳۹]

ایک مغربی دانشور پروفیسر میکنزی نے اپنی کتاب "انٹروڈکشن ٹو سوشیالوجی" کے آخری دو پیراگرافس میں درج ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے۔

"۔ کامل انسانوں کے بغیر سوسائٹی معراج کمال تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور اس غرض کے لئے محض عرفان اور حقیقت آگاہی کافی نہیں بلکہ ہیجان اور تحریک کی قوت بھی ضروری ہے۔ .... ہمیں معلم بھی چاہئے اور پیغمبر بھی .... غالبا ہمیں ایک نئے مسیحا (A New Christ) [۴۰] کی ضرورت ہے۔ اس عہد کے پیغمبر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس ہنگامہ زار میں وعظ و تبلیغ کرے۔"

.... علامہ نے اپنے خط محررہ ۲۴ر جنوری ۱۹۲۱ء بنام ڈاکٹر نکلسن (جس نے "اسرار خودی

" کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا) میں پروفیسر میکنزی کے ان دو پیراگرافس کو لفظ بہ لفظ نقل کر کے لکھا ہے۔

How very true are the last two paragraphs of prof: Mackenzees introduction to social philosophy.

یعنی پروفیسر میکنزی کی کتاب انٹروڈکشن ٹو سوشیالوجی" کے یہ دو آخری پیراگرافس کس قدر صحیح ہیں۔" [۴۱]

غیر شرعی نبی کے الہامات

مصنف زندہ رود نے سرسید کا مکتوب ۹ر دسمبر ۱۸۹۱ء پیش کیا ہے۔ ایک استفسار کے جواب میں سرسید لکھتے ہیں۔

۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے کیوں لوگ پیچھے پڑے ہیں۔ اگر ان کے نزدیک ان کو الہام ہوتا ہے تو بہتر۔ ہم کو اس سے کیا فائدہ ..... دینیات میں کسی کا الہام جب تک اس کو شارع تسلیم نہ کرلیا جائے۔ کسی کام کا نہیں۔ [۵]

راقم عرض کرتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام غیر شرعی نبی تھے۔ کیا آپ کے الہامات کسی کام کے نہیں تھے؟

ماہنامہ ترجمان القرآن (مرتبہ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی) میں سید قطب شہید" کی کتاب "المستقبل لھذا الدین" کے ایک باب کا ترجمہ شائع ہوا ہے۔ لکھا ہے۔

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے بلکہ انہیں شریعت موسوی کی تجدید کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔"

اس کی صراحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"حضرت مسیح نے دیکھا کہ شریعت موسوی اپنی جگہ پر موجود ہونے کے باوجود یہودیوں کی زندگی پر کوئی پاکیزہ اثرات مرتب نہیں کر رہی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عوام کے دلوں سے محبت الٰہی ختم ہو گئی تھی اور وہ باطنی پاکیزگی جاتی رہی تھی جو کسی شریعت کی پیروی کے لئے بنیادی ضرورت ہے۔ چنانچہ مسیح علیہ السلام نے اپنا زور لوگوں کے اندر یہی چیز پیدا کرنے پر صرف کیا [۴۲]

گویا قوم میں بگاڑ ہو جائے تو صرف اصلاح کے لئے غیر شرعی نبی آ سکتا ہے۔

اسماعیلیت اور احمدیت

جماعت احمدیہ کو آغا خانی مسلک اپنانے کی تلقین کرتے ہوئے مصنف زندہ رود فرماتے ہیں کہ اقبال کو "تحریک احمدیہ" سے یہ توقع تھی کہ یہ تحریک:

"۔ ممکن ہے عامتہ المسلمین کی تکفیر کے جوش و خروش سے نکل کر اسی میں واپس آ جائے ... اس کے رہنما بھی آغا خاں (اسمٰعیلی فرقہ کے روحانی رہنما۔ ناقل) کی طرح اپنی جماعت کے اراکین کو ہدایت دیں کہ تم مسلمان ہو۔ مسلمانوں ہی کے ساتھ مل کر رہو اور سب مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھو۔ اپنے کردار کو اسلامی سیرت کا نمونہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرو تاکہ اشاعت اسلام کے لئے تمہارے جوش سے ہر کوئی متاثر ہو۔ بہرحال اس خوش فہمی کا وجود بھی اقبال کی ملت اسلامیہ کے ساتھ گہری وابستگی اور ناقابل بیان محبت کا آئینہ دار تھا" (صفحہ ۵۸۵)

مصنف کے نزدیک یہ "اچھے نتائج" ظاہر نہ ہوئے۔ یا اقبال کی یہ توقع پوری نہ ہوئی۔ اس لئے آپ کی احمدیت سے بے زاری حق بجانب تھی۔

راقم عرض کرتا ہے جماعت احمدیہ کی مخالفت سے پہلے علامہ اقبال، اسماعیلی تحریک اور اس کے عقائد اور طرز فکر و عمل سے بیزار نظر آتے ہیں اور اسے اسلامی ممالک کے لئے ایک خطرہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ سید سلیمان ندوی کے نام اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"۔ میں نے سنا ہے کہ البانیا کے مسلمانوں نے وضو اڑا دیا ہے .... ایران کو بابیت سے اندیشہ ہے ۔۔۔ مجھے اندیشہ ہے کہ "اسمٰعیلی تحریک" کہیں پھر زندہ نہ ہو جائے (اقبال نامہ نمبر ۱، صفحہ ۱۴۴)

آغا خانیوں (اسمٰعیلیوں) کے ہاں اسلام کا کیا تصور ہے جس کے باعث علامہ کو خدشہ لاحق ہے کہ اس کا کہیں پھر احیاء نہ ہو جائے۔ امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی زبانی اس فرقہ کے عقائد سنئے۔ فرماتے ہیں۔

اسماعیلی عقائد

اصل اسماعیلی ۔ دنیا کے مختلف علاقوں کے علاوہ پاکستان میں بھی موجود ہیں ۔ یہ اب "آغا خانی" بھی کہلاتے ہیں ۔ پرنس آغا عبدالکریم صاحب، ان کے حاضر امام ہیں ۔ وہ ان کے نزدیک معصوم عن الخطاء ہیں ۔ وہ مامور من اللہ ہیں ۔ قرآن کا حقیقی مفہوم وہی جانتے ہیں .... نماز ۔ روزہ ان کے ہاں فرض عبادات سے اب خارج ہے (صفحہ ۸۵)

.... آغا خانی شیعوں کے ہاں سرے سے مسجد کا تصور ہی نہیں ہے ۔ ان کے ہاں عبادت خانے ہوتے ہیں ۔ (صفحہ ۸۵) آغا خاں کی تصویر سامنے رکھ کر اسماعیلی سجدے کرتے ہیں (صفحہ ۷۰، ماہنامہ میثاق مئی ۸۵)

اسماعیلی کتاب کے حوالے سے

اب اسماعیلی نصاب کی کتاب کے حوالے سے چند اسماعیلی عقائد ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ ہمارا حقیقی کلمہ اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ و اشہد ان امیر المومنین علی اللہ ہے ۔ (آخری حصہ یعنی علی اللہ کا ترجمہ یہ لکھا گیا ہے کہ علی اللہ ہیں ۔ یا علی، اللہ میں سے ہیں)

۲۔ ہمارا امام حاضر، بولتا قرآن ہے ۔

۳۔ نبی محمد، گرو برہما کے اوتار ہیں ۔ ست گرو برہما اور محمد ایک ہی ہیں (ایضاً صفحہ ۷۰ ۔ ۷۱)

قارئین کرام! یہ ہیں وہ عقائد جن پر مصنف زندہ رود نہ جانے کیوں فریفتہ ہیں ۔ اور یہ ہے وہ اسلام جس پر عمل پیرا ہو کر ایک انسان، مصنف زندہ رود کے نزدیک "اسلامی سیرت کا نمونہ" بن سکتا ہے پھر جماعت احمدیہ کو یہ تلقین کی جا رہی ہے کہ اس اسلامی کردار کو دنیا کے سامنے پیش کرو تاکہ تمہارے اشاعت اسلام کے جوش سے ہر کوئی متاثر ہو۔ یہ تمنا خواہ کسی جانب سے ہو۔ ظاہر ہے جماعت احمدیہ پوری کرنے سے قاصر ہے۔

مصنف کی طرف سے یہ تاثر کہ احمدی تو عامتہ المسلمین کی تکفیر میں جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں درست معلوم نہیں ہوتا۔ مصنف کے علم میں ہے کہ اب تو علماء چھوڑ، حکومتی سطح پر بھی احمدیوں کے خلاف تکفیری جوش و خروش کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے ۔۔۔ پھر یہ تاثر کہ عقائد کے اعتبار سے احمدی اور عامتہ المسلمین میں بُعد ہے اور عامتہ المسلمین اور آغا

خانی باہم شیر و شکر ہیں۔ حقائق کے خلاف ہے۔ اسمعیلی عقائد کا نمونہ اوپر پیش کیا جا چکا ہے۔
سواد اعظم علماء کرام کے فتاوئی جس طرح احمدیوں کے خلاف ہیں اسی طرح آغا خانیوں کے بھی خلاف ہیں اور "آغا خاں فاؤنڈیشن نامی کتابچہ" میں مطالعہ کئے جا سکتے ہیں۔ مدیر "بینات" کراچی مولانا محمد یوسف لدھیانوی کا فتوئی ہے۔

"آغا خانی' قادیانی جماعت کی طرح زندیق و مرتد ہے۔" (صفحہ ۷)

علماء کے کم ازکم ۵۰ فتوے جن میں اسماعیلیوں کو کافر و مرتد قرار دیا گیا ہے اس وقت ہمارے سامنے پڑے ہیں۔ علاوہ ازیں دیکھئے ہفت روزہ "ندا" لاہور پرچہ ۲۰ ر اپریل ۸۹ صفحہ ۴۲)

راقم عرض کرتا ہے۔ جب علامہ نے جماعت احمدیہ کی مخالفت شروع کی۔ جماعت کو استحکام اسلام کے لئے خطرہ گردانا۔ ان کے ساتھ اتحاد عمل سے انکار کر دیا۔ تو مسلم پریس میں یہ سوال اٹھایا گیا۔ کہ

"۔ اگر توحید' رسالت سے بالاتر ہے تو علامہ اقبال' خدائی کے دعویدار آغا خاں کے ساتھ اتحاد عمل کرتے ہوئے کس طرح مرزائیوں سے اتحاد عمل کو ناروا قرار دے سکتے ہیں۔"
(اخبار سیاست ۱۴۔ ۱۵ مئی ۱۹۳۵ء)

اقبال اور سر آغا خاں کا وظیفہ

راقم عرض کرتا ہے۔ جس دور میں علامہ نے آغا خاں یا اسمعیلی فرقہ کو مسلمان اور امام جماعت احمدیہ یا جماعت احمدیہ کو غیر مسلم قرار دیا۔ اس دور میں علامہ شدید مالی پریشانیوں میں مبتلا تھے۔ سر راس مسعود کی کاوشوں سے نواب بھوپال نے علامہ کے لئے پانچ سو روپیہ ماہوار تاحیات وظیفہ مقرر کر دیا (زندہ رود صفحہ ۵۵۰)۔

اس کے بعد سر راس مسعود کوشاں تھے کہ اسمعیلی فرقہ کے سربراہ سر آغا خاں سے بھی اقبال کے لئے ایسا ہی کوئی وظیفہ مقرر کرا دیں۔

علامہ نے اپنے مکتوب (محررہ ۱۸ر ستمبر ۳۵ء) میں نواب بھوپال کے عطا کردہ وظیفہ یا پنشن کے متعلق سر راس مسعود کو لکھا۔ "اخباروں میں اس (پنشن) کا چرچا مناسب نہیں اور اس کی ادائیگی بھی معرفت اعلیٰ حضرت (نواب بھوپال) ہی ہونی چاہئے (مکاتیب اقبال صفحہ

۳۶۷)
جہاں تک سر آغا خاں سے وظیفہ کے متعلق سر راس مسعود کی کاوشوں کا تعلق ہے۔ علامہ نے اپنے خط (محررہ ۱۱ر دسمبر ۳۵) میں راس مسعود کو لکھا کہ میں ایک سادہ اور درویشانہ زندگی بسر کرنے والا ہوں۔ اب اگر اس تجویز کو ڈراپ کرنا قرین مصلحت نہیں ہے تو پھر

"۔ میں ایک اور تجویز پیش کرتا ہوں اور وہ یہ کہ ہزہائی نس (سر آغا خاں) یہ پنشن جاوید (اب مصنف زندہ رود۔ ناقل) کو عطا کر دیں ..... بعض پرائیویٹ وجوہ کی بنا پر جن کا کچھ نہ کچھ حال آپ کو معلوم ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کی تعلیم کی طرف سے بھی اطمینان ہو جائے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ہزہائی نس آغا خاں میری اس تجویز کی نسبت کیا خیال کریں گے۔.... آخری فیصلے تک اس بارے میں پریس میں جانا مناسب نہیں ہے۔" (۱۱ر دسمبر ۳۵) ۴۴ ب
علامہ اس کے بعد ایک اور خط میں سر راس مسعود کو لکھتے ہیں۔

"۔ کیا تم نے سر آغا خاں والے معاملہ (وظیفہ طلبی۔ ناقل) کا اعلیٰ حضرت (نواب بھوپال۔ ناقل) سے ذکر کیا تھا؟ -- یہ بات میرے دل میں کھٹک رہی ہے۔ معلوم نہیں اعلیٰ حضرت کیا خیال کریں۔ زیادہ کیا لکھوں۔" (مکاتیب اقبال صفحہ ۳۷۷)

راقم عرض کرتا ہے کہ سر آغا خاں سے جاوید اقبال کی تعلیم کی تکمیل کے لئے پنشن والی تجویز کا حامل خط ۱۱ر دسمبر ۳۵ء کا ہے۔ اسی دور میں علامہ نے آغا خاں یا اسماعیلیوں کے عقائد کا تحفظ کرتے ہوئے پنڈت نہرو کو لکھا:۔

اسماعیلی' اسلام کے بنیادی اصولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ قادیانی اور اسماعیلی ایک ہی زمرے میں شامل نہیں کئے جا سکتے۔ میرے لئے اس امر کا معلوم کرنا دشوار ہے کہ آپ نے سر آغا خاں (کے عقائد پر۔ ناقل) کیوں حملہ کیا (مضمون علامہ اقبال ۲۲ر جنوری ۱۹۳۶ء)

پنڈت جواہرلال نہرو کے مضامین اور علامہ اقبال کے خطوط

۔ بہ سلسلہ احمدیت ۔

احمدیت کے خلاف علامہ اقبال کے مضامین پر پنڈت جواہرلال نہرو نے زیادہ تر سیاسی رنگ میں تبصرہ کیا (رسالہ ماڈرن ریویو کلکتہ (دسمبر ۱۹۳۵ء)۔۔ مصنف زندہ رود لکھتے ہیں۔ کہ پنڈت نہرو "احمدیت کی حمایت کی خاطر اس بحث میں آکودے (صفحہ ۵۹۶)

حالانکہ علامہ کے اپنے مکتوب بنام پنڈت جواہرلال نہرو سے اس حمایت و ہمدردی کی تردید ہو رہی ہے علامہ لکھتے ہیں:

میرے محترم پنڈت جواہرلال نہرو۔

"..... آپ کے مضامین پڑھ کر آپ کے مسلمان عقیدت مند خاصے پریشان ہوئے۔ ان کو یہ خیال گزرا کہ آپ کو احمدیہ تحریک سے ہمدردی ہے ..... بہرحال مجھے خوشی ہے کہ میرا یہ تاثر غلط ثابت ہوا ("کچھ پرانے خطوط" مرتبہ پنڈت جواہرلال نہرو صفحہ ۲۹۳ خط محررہ اقبال ۲۱ رجون ۱۹۳۶ء ناشر کتاب مکتبہ جامع لمیٹڈ۔ نئی دہلی)

پنڈت نہرو نے یہ مضامین کیوں لکھے؟۔ مولانا عبدالمجید سالک کی تحقیق یہ ہے کہ

"پنڈت نہرو کے مضامین کا اصل مقصد، محض فتنہ خیزی اور افتراق انگیزی تھا۔" (ذکر اقبال ص ۲۱۱)

۔۔۔ جماعت احمدیہ نے ترک موالات کی تحریک کی مخالفت کی تھی۔۔۔ نہرو رپورٹ کے خلاف ملک گیر مہم چلائی تھی۔ مخلوط انتخاب کے خلاف زبردست محاذ قائم کیا تھا۔ اس لئے یہ تاثر کہ پنڈت نہرو احمدیوں کے حامی تھے۔ وزن دار نہیں سمجھا جا سکتا۔

پنڈت نہرو کے تبصرہ کا ایک نکتہ

گذشتہ سطور میں ہم نے اسماعیلیوں کے عقائد درج کئے ہیں۔ پنڈت نہرو نے علامہ کے احمدیت کے خلاف مضامین پر اپنے رنگ میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔ کہ سر آغا خاں کے متبعین ان کی طرف خدائی یا نیم خدائی اوصاف منسوب کرتے ہیں۔ اور ان کی جماعت کے بعض مبلغ انہیں اوتار یعنی خدائی صفت کا مظہر مجسم قرار دیتے ہیں۔ ان کے غسل کا پانی نہایت

احتیاط سے رکھا جاتا ہے۔ اور ہر سال آگرہ ہال بمبئی میں منعقد ہونے والے جشن کے موقعہ پر اسے فروخت کیا جاتا ہے۔ اس مقدس پانی کی قیمت لحیم و شحیم آغا خاں کے جسم کے مساوی الوزن سونے کی قیمت کے برابر ہوتی ہے ۔۔۔ خدائی صفات کے حامل وجود کے غسل کے پانی کا استعمال ان کے پیروکاروں کے اخلاص و ایمان میں زیادتی کا موجب سمجھا جاتا ہے۔۔

پنڈت نہرو نے علامہ اقبال سے پوچھا۔ بتایئے! اگر احمدیہ تحریک سے "استحکام اسلام" کو خطرہ لاحق ہے تو اسماعیلی نظریات سے "استحکام اسلام" کو کس زاویہ سے تقویت ملتی ہے ۔۔۔ علامہ، اپنے جوابی مضمون میں پنڈت نہرو کے اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ صرف یہ کہنے پر اکتفا کی کہ آغا خاں نے "اپنے مریدوں کو ہدایت کی تھی کہ تم سب مسلمان ہو" ۴۵ے

مطلب یہ تھا کہ جب کسی جماعت کا سربراہ اپنے پیروکاروں کو مسلمان کہہ رہا ہے تو کسی اور کا کیا حق ہے کہ وہ انہیں غیر مسلم قرار دے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ نے کیا اپنے مریدوں کو یہ کہا تھا کہ تم سب غیر مسلم ہو؟

مصنف زندہ رود کے بیان سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ احمدیت کے موضوع پر علامہ کے جوابی مضمون کے نتیجہ میں علامہ اور پنڈت نہرو کے درمیان شدید اختلاف یا دوری پیدا ہو گئی تھی۔ راقم عرض کرتا ہے کہ علامہ نے اس مضمون کے بعد اپنائیت کا انداز اختیار کرتے ہوئے پنڈت جی کو اپنے قریب ۴۶ے کرنے کی کوشش کی تھی تاکہ اگر ان کی طبیعت پر کوئی ناخوشگوار اثر ہو تو وہ دور ہو جائے۔ علامہ، پنڈت جی کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں:۔

"۔ دراصل آپ کے مضامین کے جواب میں میری بنیادی غائت یہ تھی کہ اس امر پر روشنی ڈالی جائے۔ بطور خاص آپ کے لئے کہ (ہندوستان میں انگریزوں کے ساتھ۔ ناقل) مسلمانوں کی وفاداریاں۔ اول اول کس طرح پیدا ہوئیں اور ان وفاداریوں نے بالاخر کس طرح احمدیت کی شکل میں اپنے لئے ایک "الہامی اساس" فراہم کرلی۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ لاہور میں آپ کی ملاقات سے محروم رہا ..... مجھے مطلع کیجئے کہ آئندہ آپ کب پنجاب آ رہے ہیں"۔ ۴۷ے

یہ بات توجہ طلب ہے کہ انگریزی حکومت کے عدل و انصاف کی وجہ سے اول اول، علامہ اور علامہ کے استاد مولانا میر حسن اور دیگر مسلم زعماء، قرآن و حدیث کے حوالوں یا

الہامی اساس پر انگریزوں کی اطاعت و وفاداری کو مذہبی فریضہ قرار دیتے رہے لیکن جب ۳۶-۱۹۳۵ء میں علامہ نے احمدیت کے خلاف محاذ آرائی میں شرکت کی تو علامہ کی جانب سے یہی "الہامی اساس" اپنوں میں "ذریعہ ء تمسخر" اور غیروں کے سامنے بطور "علامت نفرت" پیش کی جانے لگی۔

اسماعیلی لٹریچر سے حاصل کردہ فوٹو۔

علامہ نے احمدیوں کے خلاف ۱۹۳۵ء سے قبل زبان کیوں نہ کھولی؟

مصنف زندہ رود لکھتے ہیں۔

"برصغیر کے بیشتر علماء نے تو ابتدا ہی سے مرزا غلام احمد کے دعویٰ نبوت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور .... ان کا مطالبہ تھا کہ احمدیوں کو ایک علیحدہ مذہبی فرقہ قرار دے دیا جائے .... علاوہ ازیں عام مسلمان بھی احمدیوں کو غیر مسلم سمجھنے لگے تھے ..... یہ سب حقائق اقبال کے علم میں تھے ----- لیکن اس کے باوجود وہ خاموش کیوں رہے ۸ا ے مصنف کے نزدیک اس خاموشی کا کیا جواز ہے؟ ملاحظہ فرمایئے۔ لکھتے ہیں۔

"۔ اقبال' سرسید کے مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے اور چونکہ سرسید' مولانا سید میر حسن اور اقبال کے والد شیخ نور محمد کے نزدیک احمدیوں سے متنازعہ مسائل پر جھگڑا یا تکرار یا مناظرہ کرنا' ملت اسلامیہ میں مزید انتشار کا سبب بن سکتا تھا اس لئے اقبال نے کم از کم مولانا سید میر حسن (وفات ۱۹۲۹ء) یا شیخ نور محمد (وفات ۱۹۳۰ء) کی زندگی میں احمدیوں سے کسی بھی قسم کا مناظرہ کرنے سے احتراز کیا۔ ۹م

راقم عرض کرتا ہے کہ مصنف کی طرف سے پیش کردہ جواز کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ اقبال' اتحاد اسلامی کے ان علمبرداروں سے خائف تھے اور منتظر تھے کہ کب بزرگوں کا یہ قافلہ دنیا سے رخصت ہو تو میں خاموشی کی مہر توڑ کر انتشار کے اسی میدان میں کود پڑوں جس میں علماء' ابتداء سے اپنے جوہر دکھا رہے ہیں --- لیکن راقم کی رائے میں یہ عذر پھر بھی تشنہ رہ جاتا ہے کیونکہ اس قافلہ کے آخری فرد شیخ نور محمد تو ۱۹۳۰ء میں رخصت ہو گئے۔ اور علامہ نے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی مناظرانہ مہم میں ۱۹۳۵ء میں شرکت کی۔ جب بقول ایڈیٹر "سیاست" چوہدری ظفر اللہ خاں وائسرائے کونسل کے رکن بنا دیئے گئے -- سوال پیدا ہوتا ہے علامہ ۵ سال کیوں خاموش رہے اور اس سارے عرصہ میں انہوں نے احمدیوں کے غیر مسلم ہونے کے متعلق زبان کیوں نہ کھولی۔

مصنف نے اس سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ اس عرصہ میں بعض سیاسی امور (مثلاً

مسلم لیگ کا احیاء ۔ صوبائی خود مختاری ۔ یونی نسٹ پارٹی کا پروگرام وغیرہ[50] ۔ پیش آگئے ۔ مصنف کے نزدیک اقبال کے احمدیت کے خلاف پہلے بیان کا محرک پنجاب میں "مسلم سیاست" کا مستقبل تھا ۔ (ص ۵۹۳)

راقم عرض کرتا ہے کہ سیاسی امور یا سیاسی اختلافات خواہ کیسے ہی شدید نوعیت اختیار کر جائیں ۔ کسی فرد یا جماعت کو یہ حق نہیں دیتے کہ وہ مخالف فرد یا جماعت کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دے ۔ علامہ کا یونی نسٹ پارٹی کے سلسلہ میں قائداعظم سے اختلاف تھا ۔ بقول مصنف " ۔ اقبال کی رائے میں "سکندر جناح میثاق" صوبائی لیگ کے لئے ایک نقصان دہ معاہدہ تھا[51] ۔ جمعیتہ العلماء احرار خاکسار اور جماعت اسلامی کی قائداعظم سے برسوں آویزش رہی ۔ آجکل (۱۹۹۰ء میں) مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کی سیاست میں بعد المشرقین ہے ۔ مگر اس نوع کے سیاسی امور کی بنا پر کسی پارٹی کے لئے مخالف فریق کو کافر ٹھہرا کر اسے دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا جائز ہے ؟ اگر نہیں تو پھر علامہ کے لئے ۱۹۳۵ء میں یہ فعل کیوں کر روا ہو گیا ؟

خاموشی اختیار کرنے کا ایک اور عذر

احمدیوں کی تکفیر کے معاملہ میں علامہ نے علماء اور دیگر مسلمانوں کا ساتھ ۳۵ء سے قبل کیوں نہ دیا ۔ مصنف ایک اور عذر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

" ۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی (قیام ۱۹۳۱ء) سے پیشتر چونکہ احمدی ، مسلمانان برصغیر کی تعلیمی ، معاشرتی اور سیاسی ترقی کے لئے جدوجہد میں شامل تھے ۔ اس لئے اقبال نے ان پر کوئی اعتراض نہ کیا ۔ [52]"

فرض کیجئے ۱۹۳۱ء کے بعد احمدیوں نے فی الواقع مسلمانان برصغیر کی "تعلیمی ، معاشرتی اور سیاسی ترقی" کے لئے جدوجہد میں حصہ لینا ترک کر دیا تھا تو یہ امر علامہ کے لئے احمدیوں کو "غیر مسلم" قرار دینے کا جواز بن سکتا ہے ؟ ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہے ۔ پھر یہ بات کہ ۱۹۳۱ء یا اس کے بعد احمدیوں نے مسلم ترقی کی جدوجہد سے ہاتھ کھینچ لیا تھا ۔ واقعات و حقائق سے بھی مطابقت نہیں رکھتی ۔

واضح رہے کہ خود کشمیر کمیٹی کے قیام کا ایک مقصد کشمیری مسلمانوں کی آزادی کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیمی اور معاشرتی بہبود تھا ۔ علامہ نے اس کی سربراہی کے لئے حضرت امام

جماعت احمدیہ کا نام تجویز کیا کیونکہ علامہ سمجھتے تھے کہ کشمیری مسلمانوں کی معاشرتی ، تعلیمی اور سیاسی ترقی کے لئے آپ موزوں ترین شخصیت ہیں ۔

"مسلم لیگ" اور "مسلم کانفرنس" کی تنظیموں کی بھی یہی غرض تھی کہ مسلمانان برصغیر کی تعلیمی ، معاشرتی اور سیاسی ترقی کو فروغ دیا جائے ۔ جماعت احمدیہ ۱۹۳۱ء سے پیشتر اور ۱۹۳۱ء کے بعد بھی ان ہر دو مسلم جماعتوں کی بھرپور مدد کرتی رہی ۔ چنانچہ ۹ ر جولائی ۱۹۳۳ء کے الفضل اخبار میں علامہ ہی کے ایک بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ انکشاف کیا گیا کہ ۔

" ۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب خود آل انڈیا مسلم پارٹیز کانفرنس کے صدر ہیں اور اس حیثیت میں انہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ جس باڈی کے وہ صدر ہیں اس کے کام کو کامیاب بنانے کے لئے سب سے زیادہ مالی امداد حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ نے دی ہے ۔ یعنی ۱۹۳۰ء سے اس وقت (جولائی ۱۹۳۳ ۔ ناقل) تک آپ اس مجلس کے لئے تین ہزار روپے دے چکے ہیں ۔ اگر احمدی (مسلمانوں کی ترقی سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے ناقل) دوسروں کے ماتحت کام کرنا ، ناپسند کرتے تو اس قدر مالی امداد جو دوسرے (قریباً آٹھ کروڑ ۔ ناقل) مسلمانوں کی امداد کے غالباً برابر ہو گی وہ اس انجمن کو کیوں دیتے جس کے صدر سر محمد اقبال صاحب ہیں ۔ مسلم لیگ کے رجسٹرات سے بھی یہ امر ثابت ہو سکتا ہے کہ اس کی امداد میں بہت بڑا حصہ حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کا ہے ۔"[53]

راقم عرض کرتا ہے کہ جماعت احمدیہ کی طرف سے ان مسلم تنظیموں کی مدد اتنی آشکارا تھی کہ ہندو اس پر برہمی کا اظہار کرتے تھے ۔ اور یہ امداد ان کو بہت ناگوار گزرتی تھی ۔ چنانچہ اخبار "پرتاپ" یہ لکھے بغیر نہ رہ سکا ۔

" ۔ مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ نے جو روش اختیار کر رکھی ہے ۔ اس کے لئے جماعت احمدیہ کا روپیہ ذمہ دار ہے ۔ "[54] ۔

یہ مضمون اس امر کا متحمل نہیں کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے بعد جماعت احمدیہ کی طرف سے مسلم بہبود کے کاموں میں شرکت کی تفاصیل بیان کی جا سکیں ۔ البتہ دو ایک مزید حقائق بیان کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے ۔

مسلم کیس ، وائسرائے کی خدمت میں

۲۴ ر مارچ ۱۹۳۴ء کو جماعت احمدیہ کا ۲۳ ر ارکان پر مشتمل وفد وائسرائے ہند لارڈ اروِن

سے ملا اور ان کی خدمت میں ایک ایڈریس پڑھا گیا۔ جس میں انہیں، مسلمانوں کے اقتصادی، سیاسی اور تعلیمی حقوق کی طرف توجہ دلائی گئی تھی۔ نیز تحریک کی گئی تھی کہ سرکاری ملازمتوں اور نئی مالی تجاویز کے اجراء کے وقت، مسلمانوں کا خاص خیال رکھا جائے۔ ۵۵ ے

۱۹۲۷ء سے ۱۹۴۴ء تک کا دور

مسلم پرچہ انقلاب، جماعت احمدیہ کی اس مسلسل جدوجہد کا جو اس نے مسلمانان برصغیر کی ہر نوع کی ترقی کے لئے جاری رکھیں ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"سائمن کمشن (۱۹۲۷ء۔ ناقل) سے لے کر اب تک (۱۹۴۴ء۔ ناقل) انہوں (یعنی امام جماعت احمدیہ) نے مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور جداگانہ حیثیت کے قیام میں ملت اسلامی کے ساتھ جس کامل ہم آہنگی کا ثبوت دیا ہے اس کی ہم دل سے قدر کرتے ہیں۔ ۵۶ ے

۱۹۶۵ء تک کا دور

۱۹۶۵ء میں حضرت امام جماعت احمدیہ کی وفات ہوئی تو کشمیر کے مورخ جناب کلیم اختر صاحب نے لکھا۔

"۔ میرزا صاحب نے .... اپنی زندگی میں ہندی مسلمانوں کی سماجی، تعلیمی اور معاشرتی زندگی سنوارنے کے لئے جو کچھ کیا وہ لائق صد تحسین ہے۔" ۵۷ ے

ان حقائق سے عیاں ہے کہ مصنف زندہ رود کا یہ عذر کہ جماعت احمدیہ صرف کشمیر کمیٹی (۱۹۳۱ء) کے قیام سے پیشتر ہی مسلمانان برصغیر کی بہبودی کے لئے جدوجہد کرتی تھی۔ (اس لئے علامہ نے احمدیوں کے خلاف زبان نہ کھولی) ایک بے بنیاد عذر ہے۔

خاموشی کا عرصہ ۲ سال یا ۳۲ سال

مصنف کا کہنا ہے کہ اقبال ختم نبوت کے مسئلہ پر احمدی عقائد کو ۱۹۰۲ء سے اپنی تنقید کا نشانہ بنا رہے تھے۔ ۵۸ ے

اس مرحلہ پر راقم یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہے کہ جب ختم نبوت کا منکر علامہ کے نزدیک قطعی طور پر دائرہ اسلام سے خارج ہے تو علامہ ۱۹۰۲ء سے ۱۹۳۴ء تک یعنی ۳۲ سال کا عرصہ احمدیوں کے بارے میں کیوں خاموش رہے اور کیوں انہیں ۱۹۳۵ء میں جا کر احمدیوں کو دائرہ اسلام سے

خارج قرار دیئے جانے کا خیال آیا۔

مصنف زندہ رود نے علامہ پر اس وزنی سوال کا بوجھ کم کرنے کے لئے ۳۲ سال کے عرصہ خاموشی کو کم کر کے اسے صرف دو سال تک محدود کر دینے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"۔ اقبال، احمدیوں سے من حیث الجماعت ۱۹۳۳ء میں مایوس ہوئے لیکن انہوں نے تحریک احمدیہ کے خلاف اپنا پہلا بیان دو سال بعد ۱۹۳۵ء میں جاری کیا" ۵۹ ے

راقم عرض کرتا ہے یہاں سوال دو برس کا نہیں ۳۲ برس کا ہے اور یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ اقبال نے ۳۲ برس انتظار کے بعد اپنی رائے کیوں بدلی؟

"۔ بقول مصنف، اقبال، "مظاہر الٰہی" میں سے تھے اور ایسے نوابغ روزگار خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدیہ کے طور پر ہی انسانوں میں نمودار ہوتے ہیں اور وہ آرڈر دے کر نہیں بنوائے جا سکتے۔" ۶۰ ے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ہر صدی کے سر پر ایک یا ایک سے زائد "مجددین" کے آنے کی بشارت دی ہے۔ اس حدیث کا حوالہ دے کر جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امیر تنظیم اسلامی لکھتے ہیں کہ اقبال۔ چودھویں صدی کے میدان تجدید و اصلاح کے شاہسوار تھے" ۶۱ ے بقول مصنف زندہ رود

"۔ برصغیر کے بیشتر علماء نے تو ابتداء سے ہی .... احمدیوں کو علیحدہ مذہبی فرقہ قرار دیئے جانے کا مطالبہ کیا ۶۲ ے مگر یہ کیا بات ہوئی کہ "ہدیہ کے طور پر نمودار ہونے والا مظہر الٰہی" اور میدان تجدید و اصلاح کا شاہسوار ۳۲ برس تک خاموشی سے "سیاسی مصلحت" یا "پنجاب کی مسلم سیاست کے مستقبل" (ص ۵۹۳) کا منہ تکتا رہا اگر زبان کھولی تو جماعت کی تعریف و تحسین کے لئے۔ بلکہ اس عرصہ میں اپنے لخت جگر کو بھی "شرک فی النبوت" کے گڑھ میں دینی تعلیم کے حصول کے لئے بھجوا دیا۔

زندہ رود میں بیان کردہ یہ صورت حال حلقہ اقبال کے لئے قابل فکر ہے۔

بانی تحریک کا دعویٰ نبوت

اپنے انٹرویو میں علامہ نے سلسلہ احمدیہ کے بانی کے دعویٰ نبوت کی بات کی ہے۔ واضح

رہے کہ آپ کا دعویٰ محض نبی کا نہیں بلکہ بروزی نبی کا ہے سلسلہ احمدیہ کے بانی نے دنیا کو بتایا کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں ۔ اور آپ کا ارشاد ہے ۔ لا نبی بعدی (میرے بعد کوئی نبی نہیں) اس لئے آپ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمیت کوئی نیا یا پرانا نبی نہیں آسکتا ۔ فرماتے ہیں ۔

بروزی نبوت

" ۔ خاتم النبیین کا لفظ ایک الٰہی مہر ہے ۔ اب ممکن نہیں کہ کبھی یہ مہر ٹوٹے ۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ایک دفعہ بلکہ **ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ** میں آجائیں ... یہ بروز خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قرار یافتہ عہدہ تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ **وآخرین منھم لما یلحقو بھم (الجمعہ ۔ ۴)** ۶۳

(اور ان کے سوا ایک دوسری قوم میں بھی وہ اس (رسول) کو بھیجے گا جو ابھی تک ان سے ملی نہیں ۔) اور انبیاء کو اپنے بروز پر غیرت نہیں ہوتی کیونکہ وہ انہی کی صورت اور انہی کا نقش ہے لیکن دوسرے پر ضرور غیرت ہوتی ہے ... غرض بروزی رنگ کی نبوت سے ختم نبوت میں فرق نہیں آتا اور نہ مہر ٹوٹتی ہے لیکن کسی دوسرے (مثلاً حضرت عیسیٰ ۔ ناقل) کے آنے سے اسلام کی بیخ کنی ہو جاتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں سخت اہانت ہے کہ عظیم الشان کام دجّال کشی کا عیسیٰ سے ہوا نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ۔ "۶۴

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ۔ **ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمی** (یہ مٹھی جب تو نے پھینکی تو اسے تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا) اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو بروزی رنگ میں خدا تعالیٰ کا ہاتھ قرار دیا گیا ہے ۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں ۔

" ۔ عوام سمجھتے ہیں کہ مسیح محمدی جب زمین پر نزول فرما ہو گا تو وہ محض ایک امتی ہو گا بلکہ وہ تو اسم جامع محمدی کی پوری تشریح اور اس کا (دوسرا) نسخہ ہو گا ۔ ۶۵ "

یہ بروز محمدی کا عارفانہ تخیل ہے ۔

۔ " غرض عارف اور بزرگان دین ، بروز کے قائل ہیں " ۶۶

راقم عرض کرتا ہے کہ احمدیت کے خلاف محاذ آرائی سے قبل علامہ اقبال ، بروز محمدی ،

کے امکان کو تسلیم کرتے تھے ۔ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں ۔

" ۔ حال کے ہیئت دان کہتے ہیں کہ بعض سیاروں میں انسان یا انسانوں سے اعلیٰ تر مخلوق کی آبادی ممکن ہے اگر ایسا ہو تو رحمۃ اللعالمین کا ظہور وہاں بھی ضروری ہے ۔ اس صورت میں کم از کم محمدیت کے لئے ... بروز لازم آتا ہے ۔ " ۶۷

علامہ اپنے تئیں " حافظ " کا بروز سمجھتے تھے ۔ فرماتے ہیں ۔

" جب میرا ذوق جوش پر آتا ہے تو حافظ کی روح مجھ میں حلول کر جاتی ہے اور میں خود حافظ بن جاتا ہوں ۔ " ۶۸

احمدیت کی مخالفت کے جوش میں علامہ نے ۳۶-۱۹۳۵ء میں بغیر پوری تحقیق کئے مسئلہ بروز کو

" ۔ اسلام سے منحرف تحریکوں کی اختراع " قرار دے دیا ۶۹ مگر جب احمدیہ لٹریچر میں اس کا معقول جواب دیا گیا تو علامہ کو فکر لاحق ہوئی ۔ آپ نے محسوس کیا کہ آپ کو جماعت احمدیہ کے عقائد اور دلائل کے جوابات سیکھنے چاہئیں ۔ آپ نے علماء سے رابطہ پیدا کیا ۔ ۷ / اگست ۳۶ء کے مکتوب میں سید سلیمان ندوی کو لکھتے ہیں کہ لفظ " بروز " کے متعلق اگر کوئی نقطہ آپ کے ذہن میں ہو یا کہیں صوفیا کی کتابوں میں اس پر بحث ہو تو اس کا پتہ ----- دیجئے ۔ نہایت شکر گزار ہوں گا ۔ ۷۰ پروفیسر الیاس برنی کا نام لکھتے ہیں ۔

قادیانی تحریک یا یوں کہئے کہ بانی تحریک کا دعویٰ سلسلہ " بروز پر مبنی ہے ۔ مسئلہ مذکور کی تحقیق تاریخی لحاظ سے ازبس ضروری ہے ۔ " ۷۱

ظاہر ہے علامہ کا ذہن " بروز " کے مسئلہ میں آخر تک صاف نہ تھا ۔ ان کے نزدیک یہ مسئلہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا تھا خود احمدیوں کا ایجاد کردہ نہ تھا ۔

علامہ نے مندرجہ بالا خط میں سید سلیمان ندوی کو یہ بھی لکھا کہ --- " میں تیسرا بیان انشاء اللہ جلد لکھوں گا اس کا موضوع ہو گا ۔ " بروز " ۸/۷۲ مگر شاید وفات تک آپ اس موضوع پر اپنی تحقیق مکمل نہ کر سکے یا شاید آپ پر واضح ہو گیا ہو کہ " بروز " اسلامی تعلیم سے ثابت ہے ، اسلام سے منحرف تحریکوں کی اختراع نہیں ، اس لئے آپ تیسرا بیان جاری نہ کر سکے ۔

اقبال کی وفات کے بعد اب تک نصف صدی کے عرصہ میں تحریک احمدیہ کی مخالفت میں

کئی طوفان اٹھے۔ مارشل لاء کے نفاذ تک کی نوبت آئی مگر افسوس کہ حلقہ اقبال کے کسی فرد کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ وہ اس مسئلہ پر تسلی بخش تحقیق پیش کرے۔ حالانکہ اقبال کے نزدیک ۔"بروز کے مسئلہ کی تاریخی تحقیق' قادیانیت کے خاتمہ کے لئے کافی ہے۔"۲۰

راقم کی تجویز

راقم کی تجویز ہے کہ مصنف زندہ رود اور اقبال اکادمی وغیرہ کوشش کریں کہ اپریل ۹۱ء اور نومبر ۹۱ء کے یوم اقبال کے مواقع پر اقبالیات کے ماہروں اور دانشوروں سے صرف انہی دو موضوعات پر کتب لکھوائی جائیں۔ جن کی تحقیق اقبال کے نزدیک' قادیانیت کے خاتمہ کے لئے ضروری ہے۔ یعنی اول "بروز" کے مسئلہ کی تاریخی تحقیق اور دوسرے قرآن کو معیار قرار دے کر مرزا صاحب کے الہامات کی تحلیل۔۔ اور اگر کسی اقبال شناس کو فرصت ہو تو ایک تیسرے موضوع پر بھی کام کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ اور وہ یہ کہ سید حبیب صاحب ایڈیٹر "سیاست" کی تجویز کے مطابق علماء پر ثابت کر دیا جائے کہ اقبال کا یہ عقیدہ کہ بعثت مسیح و مہدی محض ایک ڈھکوسلہ ہے۔ اس سے علماء اور اقبال ایک دوسرے کے قریب آجائیں گے اور اقبال کی پیشانی سے فتویٰ کفر کا داغ بھی دھل جائے گا۔ نیز مرزا صاحب کے دعاوی مسیح و مہدی کی عمارت ازخود زمیں بوس ہو جائے گی۔

امید ہے مصنف زندہ رود اور اقبال اکادمی والے راقم کی اس تجویز پر مثبت انداز میں غور فرمائیں گے۔

مسیح کے پاس ختم نبوت کا پاور ہو گا

واضح رہے کہ علماء اسلام آمد مسیح کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک دجال کا اصل مقابلہ مسیح سے نہیں بلکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس لئے آنے والا مسیح "ختم نبوت کا پاور" لے کر آئے گا۔ اس صورت میں اگر اس کا نام بروز محمدؐ۔ ظل محمدؐ یا عکس محمدؐ ہو تو یہ ہر لحاظ سے موزوں نام ہے۔ حافظ قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں۔

"۔ دجال اعظم کا اصل مقابلہ ذات بابرکات نبویؐ سے ہے کہ آپ تمام قرون دنیا کے خاتم کمالات اور وہ خاتم فسادات ..... پھر سوال یہ ہے کہ ..... اس مقابلہ کے لئے نہ حضور کا دنیا میں دوبارہ تشریف لانا مناسب نہ صدیوں تک باقی رکھا جانا شایان شان ..... ادھر اس ختم

دجالیت کے استحصال کے لئے چھوٹی موٹی روحانیت تو کیا بڑی سے بڑی ولایت بھی کافی نہ تھی ... جب تک نبوت کی روحانیت مقابل نہ آئے (بلکہ) جب تک اس کے ساتھ ختم نبوت کا پاور شامل نہ ہو تو پھر شکست دجالیت کی صورت بجز اس کے اور کیا ہو سکتی تھی کہ اس دجال اعظم کو نیست و نابود کرنے کے لئے امت میں ایک ایسا خاتم المجددین آئے جو خاتم النبیینؐ کی غیر معمولی قوت اپنے اندر جذب کئے ہوئے ہو ... اور اس کا مقابلہ خاتم النبیین کا مقابلہ ہو.... اس انعکاس کے لئے ایک ایسے نبوت آشنا قلب کی ضرورت تھی جو فی الجملہ خاتمیت کی شان بھی اپنے اندر رکھتا ہو تاکہ خاتم مطلق کا عکس اس میں اتر سکے اور ساتھ میں اس خاتم مطلق کی ختم نبوت میں فرق بھی نہ آئے۔۳

راقم کو حیرت ہے کہ علامہ بڑے جوش و جذبہ کے ساتھ انگریز ملکہ کو "سایہء خدا"۴ یا دوسرے لفظوں میں "ظل اللہ" یا عکس الٰہی قرار دیتے ہیں۔ لیکن اگر۔ "موجودہ دور کے سب سے بڑے دینی مفکر"۵ کو ظل محمدؐ یا بروز محمدؐ یا عکس محمدؐ کہہ دیا جائے تو برافروختہ ہو جاتے ہیں۔

سب مسلمانوں کو کافر قرار دینا

علامہ نے اپنے انٹرویو میں کہا کہ میں تحریک احمدیہ سے اس وقت بیزار ہوا۔ جب بانی تحریک نے تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ بانی تحریک نے کسی شخص کو کافر کہنے میں ابتدا نہیں کی۔ آپ فرماتے ہیں۔

"اس جھوٹ کو تو دیکھو کہ ہمارے ذمہ یہ الزام لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے بیس کروڑ مسلمان کلمہ گو کو کافر ٹھہرایا۔ حالانکہ ہماری طرف سے تکفیر میں کوئی سبقت نہیں ہوئی خود ہی ان کے علماء نے ہم پر کفر کے فتوے لکھے اور تمام پنجاب اور ہندوستان میں شور ڈالا کہ یہ لوگ کافر ہیں اور نادان لوگ ان کے فتووں سے ایسے ہم سے متنفر ہو گئے کہ ہم سے سیدھے منہ سے کوئی نرم بات کرنا بھی ان کے نزدیک گناہ ہو گیا۔ کیا کوئی مولوی یا کوئی اور مخالف یا کوئی سجادہ نشین یہ ثبوت دے سکتا ہے کہ پہلے ہم نے لوگوں کو کافر ٹھہرایا تھا۔"۶

بانی تحریک بارہ سال تک مخالفین کی منت سماجت کرتے رہے کہ یہ تعدی نہ کرو۔ مجھے غیر

مسلم نہ کہو اور بارہ سال تک ان کی مساجد میں احمدی نمازیں پڑھتے رہے ۔ لیکن علماء نہ مانے اور وہ برابر یہی لکھتے چلے گئے کہ

" مرزا (قادیانی) کافر ہے ۔ چھپا مرتد ہے ۔ ملحد ہے ۔ دجال ہے ۔ (فتوی ۱۸۹۲ء) ۷۷
بارہ سال تک ان فتووں کو سننے کے بعد اگر بانی سلسلہ نے ان مخالفوں یا ان سے متفقین کے متعلق کوئی فتوی دیا تو کیا غضب ہو گیا ۔

نئی امت کا قیام

پھر یہ نکتہ بھی پیش نظر رہے کہ نئی امت ' نئی شریعت کے ظہور سے پیدا ہوتی ہے ۔ حضرت بانی سلسلہ کا دعوی شرعی نبوت کا نہیں بلکہ بروزی نبوت یا امتی نبوت کا ہے ۔ امتی نبوت کو ماننے والے الگ امت نہیں ہوتے ۔ اور نہ امتی نبوت کے انکار سے کوئی مسلمان ' امت محمدیہ سے خارج ہو سکتا ہے ۔ بانی تحریک کی کتب میں سب مسلمانوں کو جو جماعت احمدیہ میں شامل نہیں ۔ مسلمان کہہ کر ہی خطاب کیا گیا ہے ۔ حدیثوں میں آتا ہے ۔

من ترک الصلوہ متعمدا فقد کفر جھرا ۷۸ ۔

" ۔ جو شخص جانتے بوجھتے ہوئے نماز کو چھوڑتا ہے وہ اپنے کفر کا خود اعلان کر دیتا ہے "
علماء کو تسلیم ہے کہ یہاں لفظ کفر سے ' دائرہ اسلام سے اخراج مراد نہیں کہ ایسا شخص ہندو ۔ عیسائی یا یہودی یا زرتشتی کھاتے میں شامل ہو گیا اور قومی اسمبلی لسٹ تیار کر کے ایسے مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ ٹانک دے ۔ بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ گو وہ ملت میں ہی شامل ہے لیکن حقیقی دائرہ اسلام میں نہ رہا ۔ جب کہا جائے کہ ۔ " ملا کی اذاں اور ہے غازی کی اذاں اور " تو مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ ملا اذان کے رسمی الفاظ دہراتا ہے اور غازی کی اذان میں حقیقی روح جلوہ گر ہوتی ہے اسی طرح اگر شاذو نادر کے طور پر احمدیہ لٹریچر میں غیر احمدیوں کے لئے کافر کے الفاظ آ گئے ہوں تو اس سے یہی مراد ہے کہ وہ مسلمانوں کے عام شیرازہ یا امت محمدیہ میں شامل ہیں مگر حقیقی دائرہ اسلام سے خارج ہیں ۔ جس طرح بے نماز یا ظالم مسلمان کو حقیقی دائرہ اسلام سے تو خارج کیا جا سکتا ہے مگر انہیں امت محمدیہ سے خارج کرنے کا کسی کو حق نہیں ۔

علامہ کا کہنا ہے کہ میں اس وقت تحریک احمدیہ سے بیزار ہوا جب تمام مسلمانوں کا کافر

قرار دیا گیا ۔ مرزا صاحب تو ۱۹۰۸ء میں وفات پا گئے ۔ انہوں نے اگر سب مسلمانوں کو کافر (بہ معنے دائرہ اسلام سے خارج) قرار دیا ہو گا تو ۱۹۰۸ء سے قبل ہی قرار دیا ہو گا ۔ مصنف زندہ رود کا فرض تھا کہ وہ ۱۹۰۸ء سے پیشتر سے لے کر ۱۹۳۵ء تک سن وار علامہ کی تحریک احمدیہ سے بیزاری ثابت کرتے اور شیخ اعجاز احمد صاحب نے اس کے مقابل ۱۹۰۰ء سے ۱۹۳۲ء تک سن وار علامہ کی موانست و مواخات اور عقیدت کے جو واقعات ۷۹ درج کئے ہیں ۔ ان کی تردید کرتے ۔ مگر مصنف زندہ رود تو جماعت سے گہری وابستگی کے ان واقعات یا بیانات میں سے کسی ایک کی بھی تردید نہیں کر سکے ۔

تکفیری جوش و خروش

مصنف کے نزدیک علامہ کو توقع تھی کہ جب احمدیہ جماعت سن بلوغ کو پہنچے گی تو عامتہ المسلمین کی تکفیر کے جوش و خروش سے باز آ جائے گی ۔ مگر علامہ کی یہ توقع پوری نہ ہو سکی (ص ۵۸۵)

واضح رہے کہ احمدیوں نے کبھی بھی تکفیری غیض و غضب کی مہم کا آغاز نہیں کیا ۔ ۳۶-۱۹۳۵ء میں بھی علامہ نے احراریوں کے ساتھ مل کر احمدیت کے لئے برگ حشیش ۔ غارت گر اقوام ۔ فتنہ ملت بیضا ۔ یہودیت کا ثنی ۔ قوت فرعون کی درپردہ مرید ۔ سٹہ باز وغیرہ الفاظ استعمال کئے ۔ پھر ایک طرف احمدیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کی مہم میں شرکت کر کے اس میں اور بھی شدت پیدا کر دی ۔ دوسری طرف پنڈت نہرو کی خدمت عالیہ میں لکھا ۔

مائی ڈیر نہرو! احمدی ' اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں ۔

اس کے مقابل احمدیوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں علامہ کی تحریروں کا جواب ضرور دیا ۔ مگر اس جواب میں نہ تو انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کی کوئی مہم چلائی نہ ان پر وطن کی غداری کا الزام لگایا ۔

اس صورت حال سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ غیض و غضب کا دھارا ۸۰ کس جانب سے کس جانب بہہ رہا تھا اور اس غیظ و غضب میں پہل کس نے کی ؟

حضرت امام جماعت احمدیہ مخالفین کو بار بار سمجھاتے رہے کہ سیاسی معاملات میں کفرو

اسلام کا سوال اٹھانا غیر متعلق بات ہے۔ چنانچہ آپ نے ۱۹۳۵ء میں ہی فرمایا۔

"۔ تمدن اور معاشرت کا اس سے کیا تعلق کہ ہم تمہیں کیا سمجھتے ہیں اور تم ہمیں کیا سمجھتے ہو۔ ہمیں تو یہ دیکھنا چاہئے کہ جس حد تک ہم آپس میں تعاون کر سکتے ہیں۔ اس حد تک کریں اور عقائد کے سوال کو باہمی معاشرت کے وقت نہ چھیڑیں۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ جب کوئی ہم سے لڑکی کا رشتہ مانگنے آئے یا لڑکی کا رشتہ دینے آئے تو ہم اس سے پوچھ لیں کہ تمہارے کیا عقائد ہیں۔ لیکن سیاسیات میں ان امور کا کیا تعلق کہ تم ہمیں کافر سمجھتے ہو یا نہیں۔ پس یہ سوال پیدا ہی ان (یعنی مخالفین احمدیت ۔ ناقل) کی وجہ سے ہوا ہے ورنہ ہمیں یہ سوال اٹھانے کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی"۔ ۸۱؎

احمدیوں کے مخالفوں نے احمدیوں کو مسجدوں سے نکالا۔ قبرستانوں سے نکالا۔ انجمن حمایت اسلام سے نکالا۔ مسلم لیگ سے نکالا ۔۔ اور پھر اسلام سے نکالا۔ یہ تو آپ کے نزدیک اتحاد کے علمبردار ہیں اور احمدیہ جماعت انتشار پسند۔ یہ منطق ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

ہائیڈل برگ میں علامہ اقبال، عطیہ بیگم فیضی سے مصروف گفتگو ہیں (فوٹو ۱۹۰۷ء)

بروزی کیفیت

مکاتیب اقبال کے مطابق، اقبال نے عطیہ فیضی کو لکھا:۔

"جب میرا ذوق، جوش پر آتا ہے۔ تو حافظ کی روح مجھ میں حلول کر جاتی ہے۔ اور میں خود حافظ بن جاتا ہوں۔" (مکاتیب حصہ نمبر ۲ ص ۱۰۶)

احمدی صوبائی لیجسلیچر میں مسلمانوں کی تھوڑی اکثریت کو شدید نقصان پہنچا سکتے تھے!

احمدیوں کے سیاسی عزائم

مصنف زندہ رود کے مطابق ایک طبقہ فکر کی رائے ہے کہ جب احمدیوں کے سیاسی عزائم واضح طور پر سامنے آگئے تو اقبال نے احمدیت سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔ آخر احمدیوں کے سیاسی عزائم تھے تو کیا تھے؟

مصنف لکھتے ہیں:۔

"۔ پنجاب میں غیر مسلموں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی اکثریت تھوڑی سی تھی اور اس اکثریت کے بل بوتے پر یہاں کسی مستحکم وزارت تشکیل دے سکنے کا سوال پیدا نہ ہوتا تھا" ۸۲؎

"۔ اقبال کو خدشہ تھا کہ اگر احمدیوں کی تعداد میں خاطر خواجہ اضافہ ہو گیا تو وہ انگریزی حکومت کے اشارے پر یا یونینسٹ کے اثر و رسوخ کے ذریعہ مسلمانوں کی تھوڑی سی اکثریت کو صوبائی لیجسلیچر میں "شدید نقصان" پہنچا سکتے تھے۔" ۸/۸۲؎

راقم عرض کرتا ہے کہ ۳۵ء سے ۴۷ء تک ۱۲ سال کے طویل عرصہ میں احمدیوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو چکا تھا۔ مصنف کو بتانا چاہئے تھا کہ احمدیوں نے اس عرصہ میں لیجسلیچر میں مسلمانوں کو کس نوعیت کا "شدید نقصان" پہنچایا۔ اس عرصہ میں بے شمار غیر احمدی مسلمانوں نے کانگریس یا غیر مسلموں کے اشارہ ءابرو پر کام کیا۔ مگر احمدیوں نے کبھی کسی مرحلہ پر بھی کانگریس یا غیر مسلموں کا ساتھ نہیں دیا۔ اس لئے یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ علامہ کے خدشات ایک موہوم بنیاد پر قائم تھے۔

واضح رہے۔ مولانا ابو الکلام آزاد کانگریس کے نقیب بن کر ابھرے۔ یوپی میں کانگریس نے رفیع احمد قدوائی کو وزارت کا منصب سونپ دیا۔ مدراس میں سیٹھ یعقوب حسن کو، بہار میں سید محمود کو وزیر بنا دیا گیا۔۔۔۔ بمبئی اور صوبجات متوسط میں یٰسین نوزی اور یوسف شریف کو لیگ سے توڑ کر کانگریس میں شامل کر کے وزیر بنا لیا گیا۔ اب وہی جداگانہ انتخاب جسے مسلمان

اپنی قومی ہستی کو برقرار رکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھتے تھے۔ کانگرس کی ایک شاطرانہ ضرب سے پارہ پارہ ہوگیا۔۸۳ ؎

مصنف زندہ رود تو "صوبائی لیجسلیچر" کی چند سیٹوں کی بات کر رہے ہیں۔ تقسیم ہند کے موقع پر جماعت احمدیہ کو غیر مسلموں کی جانب سے قادیان اور اس کے ماحول میں نیم آزاد حکومت کی آفر بھی کی گئی۔ مگر جماعت کے یہاں قومی اور ملی مفاد کی خاطر ہر پیشکش کو نفرت سے ٹھکرا دیا جاتا ہے۔

۱۹۴۶ء میں ایک سکھ لیڈر سردار وریام سنگھ نے حضرت امام جماعت احمدیہ کے بھائی اور جماعت کے نمائندے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سے کہا۔

"۔ اب ملک بٹ رہا ہے اور آپ کی پوزیشن بہت نازک ہے۔ مسلمان آپ کو اپنانے کے لئے تیار نہیں۔ پس آپ ان کی وجہ سے سکھوں اور ہندوؤں سے نہ بگاڑیں۔ میں آپ کی ہمدردی کے خیال سے کہتا ہوں کہ آپ مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر ہمارے ساتھ سمجھوتہ کرلیں۔ ہم آپ کی جماعت کو قادیان اور اس کے ماحول میں ایک قسم کی نیم آزاد حکومت دینے کو تیار ہیں۔"

آپ نے اس پیش کش کے جواب میں فرمایا:۔

"۔ سردار صاحب! آپ ہمیں معاف فرمائیں۔ ہم دوسرے مسلمانوں کے ساتھ غداری کر کے آپ کے ساتھ جوڑ نہیں ملا سکتے۔ پس میرا مشورہ آپ کو یہ ہے کہ آپ اس ناکام کوشش پر مزید اصرار نہ کریں۔" ۸۴ ؎

ایک اور سکھ اخبار "شیر پنجاب" نے جماعت احمدیہ کو ہشیار کیا۔ کہ مسلمان گذشتہ زمانہ میں آپ پر بہت ظلم کرتے رہے ہیں۔ اس لئے اب آپ کو سکھوں کے ساتھ اتحاد کرلینا چاہئے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے جماعت احمدیہ کی طرف سے اس کو جواب دیا:۔

"۔ میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ مسلمانوں کا ایک حصہ احمدیوں کی مخالفت میں پیش پیش رہا ہے...... مگر باوجود اس کے مجھے افسوس ہے کہ آپ کا یہ داؤ ہم پر نہیں چل سکتا۔ کیونکہ ہماری گھٹی میں یہ تعلیم پڑی ہوئی ہے کہ مخالفت میں فرد کی طرف نہ دیکھو بلکہ اصول کی طرف دیکھو اور دشمنی انسانوں کے ساتھ بھی نہ رکھو۔ بلکہ صرف برے خیالات کے ساتھ رکھو۔ کیونکہ کل کو یہی مخالف لوگ اچھے خیالات اختیار کر کے دوست بن سکتے ہیں۔ چنانچہ احمدیوں

کا ۹۵ فی صد حصہ دوسرے مسلمانوں میں سے ہی نکل کر آیا ہے۔" ۸۵ ؎

قارئین کرام! یہ کیسی عجیب و غریب صورت حال ہے کہ یونینسٹ پارٹی جس میں مسلمانوں کی اکثریت تھی وہ تو "مسلمان" تھی اور اس کے ساتھ تعاون کرنے والی چھوٹی سی احمدیہ جماعت "تعاون کی وجہ سے "غیر مسلم" ہوگئی۔ پھر جن مسلم رہنماؤں نے کانگرس سے ملی بھگت کر کے عملاً مسلم اتحاد کو پارہ پارہ کیا وہ بھی مسلمان تھے مگر احمدی، جنہوں نے کبھی اس گٹھ جوڑ میں شرکت نہ کی وہ "غیر مسلم" ہوگئے۔

غیر مسلم اپنی شیرازہ بندی کی فکر میں تھے

ہم پھر ۱۹۳۵ء کے دور کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب ہندو اپنی شیرازہ بندی کی فکر میں تھے۔ ان کے نزدیک مذہبی اعتبار سے "اچھوت" ان میں سے نہیں تھے۔ وہ اچھوتوں کے سایہ تک کو ناپاک سمجھتے تھے۔ ہندو پہلے ہی اکثریت میں تھے۔ انہیں 'اچھوتوں کو اپنے ساتھ ملانے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ مگر پھر بھی اس خیال سے کہ ممکن ہے۔ مسلمان یا کوئی اور اقلیت انہیں اپنے ساتھ ملا لے یا اس خیال سے کہ ہمیں اور بھی بھاری اکثریت حاصل ہو جائے انہوں نے۔ "شدید بنیادی مذہبی اختلافات۔" کے باوجود اچھوتوں کو اپنے ساتھ ملائے رکھا۔ دوسری طرف مسلمانوں کے ایک طبقہ کو یہ پٹی پڑھائی کہ وہ "احمدی جماعت" ایسی فعال جماعت کو مذہبی اختلاف کی آڑ میں اپنے سے الگ کردیں۔

بنیادی مذہبی اختلاف

ہندوؤں اور شودریوں کا آپس میں اتنا بنیادی مذہبی اختلاف ہے کہ ستیارتھ پرکاش کی رو سے ---"شودروں کو مقدس منتر پڑھنے تک سے مذہبی طور پر روک دیا گیا ہے" (صفحہ ۴۹)

اوروں کی عیاری

ہندوؤں نے کبھی ان کو اس جاتی کے بچے نہ سمجھا۔ مگر اس دور میں ان کی عیاری ملاحظہ ہو۔ وہ اچھوتوں کو اپنے ساتھ ملانے کیلئے کیا کیا جتن کرنے لگے تھے۔

ہندو اخبار "ملاپ" لکھتا ہے۔

"ہندوستان کے اچھوت یک زبان ہو کر اعلان کر دیں کہ ہم ہندوؤں سے الگ کسی قسم

کے خاص حقوق نہیں چاہتے۔ ہم اپنے لئے جداگانہ انتخاب اور جداگانہ نشستیں نہیں چاہتے۔ ہم ہندوؤں کے رنگ سنگ رہیں گے ہم اسی جاتی کے بچے ہیں۔ اسی جاتی میں پیدا ہوئے۔ اسی جاتی میں مرجائیں گے" ۸۶ ؎

احمدیوں کے خلاف مشترکہ محاذ

مگر احمدیوں کو علیحدہ حیثیت دینے کے مطالبہ کے بارے میں ہندو۔ سکھ اور عیسائی سب نے مشترکہ محاذ قائم کرلیا۔ چنانچہ سکھوں کے اخبار "شیر پنجاب" نے لکھا:۔

سکھ اخبار "شیر پنجاب" کی تائید

"۔ ہم اس کی بزور تائید کرتے ہیں۔ اور گورنر صاحب بہادر سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر پنجاب میں کم ازکم ۵ فی صدی نشستیں کونسل میں اور دو نشستیں مرکزی اسمبلی میں دی جائیں۔ اس سے کئی پولیٹکل پیچیدگیاں سلجھ جائیں گی" ۸۷ ؎

ہندو اخباروں کی تائید

ہندوؤں کے اخبار "ملاپ" اور "آریہ گزٹ" نے لکھا۔

"۔ چونکہ احمدی، مسلمانوں میں سے ہیں اس لئے ان ---- کیلئے مسلمانوں کی نشستوں میں سے کچھ نشستیں مخصوص کردی جائیں۔ ۸۸ ؎

ہندوؤں، سکھوں کی اس منطق پر اخبار "الفضل" نے یہ تبصرہ کیا:۔

الفضل کا تبصرہ

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جماعت احمدیہ جداگانہ اقلیت بن کر مسلمانوں میں سے ہی اپنا حصہ لے گی۔ کیونکہ مسلمانوں کی نیابت کی جو نسبت قرار دی گئی ہے وہ مشمول جماعت احمدیہ قرار دی گئی ہے اور خواہ وہ حصہ کتنا ہی قلیل ہو اس کی وجہ سے مسلمانوں کی نشستوں میں یقیناً کمی واقع ہوگی۔ ۔۔ اس میں جماعت احمدیہ کا تو فائدہ ہی ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ بھی چکے ہیں اور خود "ملاپ" نے بھی اپنے مندرجہ بالا الفاظ میں تسلیم کیا ہے۔ مگر مسلمانوں کے لئے سخت نقصان رساں ہے۔ پنجاب میں مسلمانوں کو ناخنوں تک زور لگانے کے بعد جو اکثریت حاصل

ہوئی ہے اور وہ بھی اس لئے کہ تمام مسلمانوں نے متحد ہو کر اس کا مطالبہ کیا وہ نہایت ہی قلیل ہے اور جماعت احمدیہ کے جداگانہ اقلیت قرار پا جانے کی صورت میں وہ قطعاً قائم نہ رہ سکے گی ـــــ یہی غرض ان لوگوں کے مدنظر ہے جو احراریوں کی تائید کر رہے ہیں۔" ۸۹ ؎

مسلم اخبار "سیاست" نے براہ راست بھی علامہ کو یہ نکتہ سمجھانے کی کوشش کی اور لکھا کہ احمدیوں کے سیاسی لحاظ سے علیحدہ ہو جانے کے بعد پنجاب کی وہ (تھوڑی سی) مسلم اکثریت جس کے لئے ہم گذشتہ دس سال سے لڑ رہے ہیں۔ برباد ہو جائے گی ۹۰ ؎

اسی طرح روزنامہ "حق" لکھنؤ نے علامہ کی خدمت میں گذارش کی:۔

"۔ احمدیوں کو اپنے حلقہ سے جدا کرنے کے بعد ہم کو سب سے پہلا نقصان تو یہ پہنچے گا کہ ہماری جماعت کا ایک عنصر گویا ہم سے علیحدہ ہو گیا۔ ہماری اقلیت اور بھی اقل ہو کر رہ جائے گی ..... حکومت نے ایک نشست کی زیادتی سے مسلم اکثریت تسلیم کی ہے ..... اب مسلمانوں کی طرف سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ احمدیوں کو ان سے علیحدہ کر کے ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے .... کیا مسلمان اپنے پیر پر خود کلہاڑی نہیں مار رہے۔" ۹۱ ؎

ظاہر ہے احمدیوں کو مسلمانوں میں شامل رکھنے سے ہی مسلمانوں کی تھوڑی سی اکثریت قائم رکھی جا سکتی تھی اور اسی طریق پر، صوبائی لیجسلیچر کو کسی متوقع نقصان سے بچایا جا سکتا تھا۔ مگر افسوس کہ علامہ اس تجویز کی ہمنوائی کرنے لگے۔ جس سے صوبائی لیجسلیچر میں مسلمانوں کی معمولی سی اکثریت کو شدید نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔ علامہ کے اس نوع کے سیاسی عزائم سے ملت کے بہی خواہ طبقہ اور جماعت احمدیہ کو دکھ پہنچنا ایک طبعی امر تھا۔

مسلم کی سادگی

قارئین کرام! نومبر ۳۴ء میں اخبار "زمیندار" کے ایڈیٹر مولانا ظفر علی خاں نے ایک مکتوب مفتوح کے ذریعہ جارج پنجم شہنشاہ ہندو تاجدار انگلستان کو احمدیہ جماعت کے خلاف ایکشن لینے کی ترغیب دی تھی۔ (صفحہ ۶۴) اور عذر یہ تراشہ تھا کہ بانی سلسلہ احمدیہ انگریزی حکومت کا دراصل غیر وفادار تھا اور مسیح ابن مریم کی عظمت کو داغدار کرنے والا تھا (نعوذ باللہ) اور اس کا بیٹا (مرزا بشیر الدین محمود) حکومت پنجاب سے دست و گریباں ہے۔۔

"زمیندار" نے مزید لکھا تھا کہ ---... (احمدیوں کو علیحدہ کرنے کے) سلسلہ میں جو

تدابیر عمل میں لائی جائیں۔ مسلمان بہ دل و جان سپاس گزار ہوں گے۔" ۹۲؎

ہندوؤں، سکھوں کے علاوہ عیسائی، بھی ان کاروائیوں سے بڑے خوش ہو رہے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اسلام کے مقابلہ میں احمدیت کی یہ مخالفت، عیسائیت کے لئے تقویت کا باعث ہے۔ چنانچہ عیسائیوں کے ایک ذمہ دار اور خاص نمائندہ پادری احمد مسیح نے لکھا:۔

عیسائیوں کی تائید

"زمیندار" اور اس کے ہمنواؤں نے مرزا جی اور قادیانیوں کے بالمقابل وہ کام کیا اور کر رہے ہیں۔ جو قابل ستائش ہے۔ خداوند کے نام کی بڑائی ہو جس نے مسلمانوں میں اپنے کام کے لئے کام کرنے والے کو چن لیا۔ قادیان کی دل کھول کر تردید کرنا۔ "زمیندار" اور اس کے ہمنواؤں کا نہایت اچھا کام ہے۔ ہم زمیندار اور اس کے معاونین کی اس کام میں قدر کرتے ہیں ... مبارک ہیں ایڈیٹر زمیندار اور ان کے معاون جو میرے خداوند (یسوع مسیح) کے بالمقابل کسی کو نہیں دیکھ سکتے۔" ۹۳؎

یہ تھے حالات جن میں علامہ اقبال نے بھی زمیندار کی ہمنوائی کا اعلان کر دیا۔ اور مطالبہ شروع کر دیا کہ احمدیوں کو ملت اسلامیہ سے علیحدہ کر کے الگ فرقہ قرار دے دیا جائے اور اس امر کا کوئی خیال نہ کیا کہ اس اقدام سے صوبائی لیجسلیچر میں مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا۔

جس طرح سکھوں کو علیحدہ سیاسی یونٹ تصور کر لیا گیا
..... اقبال

مصنف "زندہ رود" رقمطراز ہیں:۔

اقبال نے اسٹیٹسمین کے لیڈنگ آرٹیکل میں اپنے بیان پر تبصرہ کا جواب ایک خط کے ذریعہ دیا جو ۱۰؍ جون ۱۹۳۵ء کو اسٹیٹسمین میں شائع ہوا۔ جواب کا اہم نکتہ یہ تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں کی طرف سے کسی رسمی یادداشت کی وصولی کا انتظار کئے بغیر برٹش گورنمنٹ کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں اور احمدیوں کے عقائد میں بنیادی اختلاف کا انتظامی طور پر نوٹس لے۔ ا۔ جیسے کہ سکھوں کو ۱۹۱۹ء تک انتظامی اعتبار سے ایک علیحدہ سیاسی یونٹ نہ سمجھا جاتا تھا۔ مگر بعد میں بغیر، ان کی طرف سے کسی رسمی عرض داشت کی وصولی کے، انہیں ایسا تصور کیا گیا۔" ۹۴؎

راقم عرض کرتا ہے کہ بقول آپ کے سکھوں کو تو "انتظامی طور پر علیحدہ سیاسی یونٹ" قرار دیا گیا تھا مگر احمدیوں کے بارے میں آپ کا مطالبہ "علیحدہ مذہبی جماعت" کا ہے۔ اس لئے سکھوں کی مثال یہاں چسپاں نہیں ہوتی۔ پھر سکھ موحد قوم ہے اور ہندو غیر موحد۔۔۔ حضرت بابا نانک "مسلمان تھے۔ حقیقتاً مذہبی اعتبار سے سکھ، ہندوؤں سے کہیں دور ہیں۔ گرنتھ کی رو سے بابا نانک الہام کے بھی مدعی تھے۔ وہ ہندو مذہب اور اسلام میں صلح کرانا چاہتے تھے۔ مگر پنڈتوں نے ان کی مخالفت کی۔

دراصل سکھوں کو اپنی زبردست عسکری اور سیاسی اہمیت کا احساس ہو چکا تھا۔ ان کی اپنی خواہش تھی کہ ان کا علیحدہ تشخص قائم ہو۔ اور وہ ہندوؤں کے ساتھ یا ان میں مدغم ہو کر نہ رہیں۔ ہندوؤں کی ان کو اپنے ساتھ ملانے کی کاوشیں سکھوں کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں ۔۔۔۔ چنانچہ ۱۹۱۰ء کا اخبار اس صورت حال کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"سکھوں میں اپنے علیحدہ قومیت قائم کرنے کی زوردار لہر بہ رہی ہے۔ اور وہ اپنی جداگانہ شخصیت اور ہستی کو محسوس کرنے لگے ہیں۔ ہندو قوم کے لیڈر کوشش کر رہے ہیں کہ سکھوں کو اپنے ساتھ ملائے رکھنے کی ہر تجویز اور تدبیر کو ہاتھ سے نہ دیں مگر خالصہ قوم کے رتن اور فہیم لوگ یقین کر چکے ہیں کہ وہ علیحدہ قوم ہیں ..... گورنمنٹ نے اعلان کر دیا ہے کہ "سکھ ہندو نہیں"۔ ۹۵؎

اسی طرح "انڈین اینویل رجسٹر" لکھتا ہے :-

"- سکھ جو صوبے کی مجموعی آبادی کا گیارہ فی صد ہیں - ابھی تھوڑا عرصہ ہوا - ہندوؤں کا ہی ایک فرقہ سمجھے جاتے تھے - لیکن گذشتہ دس بارہ سال سے ان میں ایک زبردست انقلاب آ گیا ہے جس سے وہ اپنے آپ کو ایک "جداگانہ قوم" تصور کرنے لگے ہیں - اس کے علاوہ ان میں اپنی سیاسی اور عسکری اہمیت کا شعور بھی بیدار ہوگیا ہے -" ۹۶ ے

راقم عرض کرتا ہے کہ سکھوں نے اس دور میں "خالصہ ایڈووکیٹ، خالصہ سماچار، پنجاب درپن اور لائل گزٹ" کے ذریعہ اپنی قوم کے لئے ہندوؤں سے مذہباً علیحدہ قرار دئے جانے کی نہیں بلکہ separate electorates یعنی اسمبلی کے علیحدہ انتخابات یا علیحدہ نشستوں کے حصول کے لئے زبردست مہم چلا رکھی تھی "خالصہ ایڈووکیٹ" نے لکھا کہ سکھ اپنی اہمیت، فوجی بھرتی اور برٹش گورنمنٹ سے لامتناہی وفاداری کے باعث اسمبلیوں میں اپنے لئے Loin share کے حقدار ہیں. علیحدگی کی اتنی زبردست لہر اور جد و جہد اور اپیلوں کے باوجود علامہ فرماتے ہیں کہ سکھوں نے تو کوئی رسمی یادداشت تک پیش نہیں کی - اور انہیں ہندوؤں سے علیحدہ کر دیا گیا -

مصنف زندہ رود کے مطابق علامہ کا خصوصی اہمیت کا حامل نکتہ یہ تھا کہ ۱۹۱۹ء میں سکھوں کی سیاسی علیحدگی کے نوٹ کی روشنی میں بلا تاخیر احمدیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ کر دیا جائے (زندہ رود ص ۵۵۲) حالانکہ یہی نوٹ علامہ کے مطالبہ کو رد کرنے کے لئے کافی ہے کیونکہ حکومت پنجاب کے اس نوٹ میں کہا گیا تھا - کہ جو امیدوار اپنے آپ کو جس مذہب (مسلمان - ہندو - سکھ) کی طرف منسوب کرے گا - اس کا وہی مذہب تسلیم کیا جائے گا - اور اس سلسلہ میں کوئی سرکاری جانچ پڑتال نہیں کی جائے گی - بتائیے اس نوٹ کے تحت احمدیوں کو "غیر مسلم" کیسے قرار دیا جا سکتا تھا - حکومت کے نوٹ کے چند فقرات ملاحظہ ہوں -

separate electorates —— Punjab government note

It would of course be necessary to maintain three separate electoral rolls ... where Muhammadans, Hindus and Sikhs have separate representation. Anyone claiming to be a Sikh, a Hindu or a Muhammadan, and being prima facie what he represents himself to be, would if possessed of the other qualifications be entered in the appropriate roll . . . . It is not proposed that there should be any official inquisition into a candidate's claim to belong to a particular religion.

ALLEN & UNWIN London بحوالہ سکھ سیپریشن - ص ۷۹ - راجیو اے کپور.

Boston Sydney

باب نمبر ۷ فصل نمبر ۶

جماعت احمدیہ اور یونینسٹ پارٹی

مصنف زندہ رود فرماتے ہیں'

"اقبال نے سر فضل حسین (بانی یونینسٹ پارٹی) کی سیاست کو کبھی بھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا (ص ۵۱۴) --- نیز لکھتے ہیں کہ'

"سر ظفر اللہ خاں نے مرزا بشیر الدین محمود کی ہدایت کے تحت یونینسٹ پارٹی میں شمولیت اختیار کی اور یہ تعلق آخر تک قائم رہا (صفحہ ۵۹۱)

یونینسٹ پارٹی کے تین ادوار

راقم عرض کرتا ہے کہ یونینسٹ پارٹی کے دور کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں

اول- سر فضل حسین کا دور

اس دور میں علامہ اقبال ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۰ء تک یونینسٹ پارٹی کے معزز ممبر رہے اور اس کے پروگراموں کو فروغ دینے کی کاوش کرتے رہے - علامہ کے اس تعلق کو پیش نظر رکھنا چاہئے -

دوئم- سر سکندر حیات خاں کا دور

اس دور میں "سکندر جناح پیکٹ" ہوا --- بعد میں قائداعظم محمد علی جناح نے اس پارٹی سے اس حد تک گہرا تعلق قائم کر لیا کہ --- "یونینسٹ پارٹی کے ارکان کے ہاتھوں میں صوبائی مسلم لیگ پنجاب کی باگ ڈور دے دی"

مصنف زندہ رود کے نزدیک یہ "دانشمندانہ فیصلہ" تھا - (صفحہ ۶۴۷) ا-

سوئم- سر خضر حیات خاں کا دور

یہ دور یونینسٹ پارٹی کا آخری دور تھا - جب ان کی پارٹی پالیسی سے مسلم مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ پیدا ہوا تو امام جماعت احمدیہ نے جماعت احمدیہ کے افراد کو ہدایت فرمائی کہ'

ا۔ "۔ آئندہ انتخابات میں ہر احمدی کو مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہئے تاکہ انتخابات کے بعد مسلم لیگ بلاخوف تردید' کانگریس سے یہ کہہ سکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ ہے۔۔۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی احمدی کو یونینسٹ ٹکٹ پر کھڑا نہیں ہونا چاہئے۔" (۲۱ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

سر خضر حیات خاں کا استعفیٰ

ب۔ قیام پاکستان کے اعلان کے وقت یعنی ۱۹۴۷ء میں خضر حیات خاں ہی پنجاب کے وزیراعظم تھے۔ آپ یونسٹ پارٹی کے لیڈر بھی تھے۔ اس پارٹی میں خاصی تعداد میں غیر مسلم تھے۔ اگر یہی پارٹی برسراقتدار رہتی تو مسلم لیگ اور قیام پاکستان کی راہ میں ایک بڑی روک پیدا ہو جاتی۔ قائداعظم اس صورت حال سے سخت پریشان تھے۔ قائداعظم اور مسلم لیگی ارکان کی کاوشوں کے باوجود سر خضر حیات خاں نہ تو مسلم لیگ میں شامل ہوئے نہ اپنے عہدہ سے فوری مستعفی ہوئے۔

تاریخ قیام پاکستان کا یہ انتہائی اہم واقعہ ہے جس نے ہندوستان کی سیاست کا رخ پلٹ کے رکھ دیا کہ سر خضر حیات خاں نے گورنر پنجاب کو اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ انگریز گورنر نے اسی روز وائسرائے ہند فیلڈ مارشل ویول کو اس تاریخی واقعہ کی اطلاع دی۔ گورنر کا یہ سرکاری مکتوب' حکومت برطانیہ کی جانب سے "ٹرانسفر آف پاور" نامی جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔

گورنر پنجاب سر ای جینکنز نے لارڈ ویول کو خضر حیات خاں کے فوری استعفیٰ کے محرک کے بارے میں اطلاع دیتے ہوئے لکھا'

گورنر پنجاب کا نوٹ

Para.4-On the morning of 2nd March (1947)...he (Khizar) said (to me) that he had consulated Zafrulla...and had come to the conclussion that the Muslim League must be brought up against reality without delay..."

یعنی خضر (حیات خاں) نے مجھے بتایا کہ وہ ظفر اللہ خاں سے مشورہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مجھے (استعفیٰ دے کر) بلاتاخیر مسلم لیگ کو حقائق کا سامنا کرنے کا موقعہ دینا چاہئے"۔ ۹۷ ؎

قائداعظم کا اظہار تشکر

"۔ ۲ مارچ ۱۹۴۷ء بروز اتوار صبح ۹ بجے حضرت امام جماعت احمدیہ لاہور سے سندھ تشریف لے جا رہے تھے۔ آنریبل چوہدری ظفراللہ خاں صاحب بھی حضور کو الوداع کہنے کے لئے تشریف لائے اور یہ خوشخبری سنائی کہ آج انشاء اللہ ملک خضر حیات خان صاحب کے استعفیٰ کا اعلان ہو جائے گا۔ چنانچہ اوکاڑہ یا کسی اور ریلوے اسٹیشن سے حضور نے قائداعظم محمد علی جناح کو تار دلوایا کہ آج شام آپ ایک خوشخبری سنیں گے۔ اور اسی روز استعفیٰ کا اعلان ہو گیا۔ ۹۸ ؎

ہفت روزہ "پیسہ اخبار" لاہور لکھتا ہے

"اطلاع ملی ہے ..... کہ موجودہ خوشگوار صورت حالات پیدا کرنے میں سر ظفراللہ خاں نے بہت بڑا پارٹ ادا کیا ہے۔ لاہور کے مسلمان بے حد خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔ شہر اور نواحی بستیوں میں پٹاخے چھوڑے جا رہے ہیں۔" ۹۹ ؎

اور یوں "قیام پاکستان" کی راہ کا ایک سنگ گراں ہٹا دیا گیا۔ مولانا عبدالرحیم صاحب درد ناظر امور خارجہ جماعت احمدیہ کو قائداعظم نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔۔" آپ کی جماعت نے نہایت آڑے وقت میں ہماری مدد کی ہے اور کہا

I can never forget it یعنی میں (قیام پاکستان کے ضمن میں جماعت احمدیہ کی۔ ناقل) اس خدمت کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ ۲

پنتھک پارٹی کی قرارداد

ماسٹر تارا سنگھ اور ان کی پنتھک پارٹی کے لئے یہ خبر سخت حیرت و پریشانی کا موجب بنی۔

بارہ بجے پنجاب اسمبلی چیمبر میں پنتھک پارٹی کے اجلاس میں درج ذیل قرارداد پاس کی گئی۔

"ہم نے وزارت کے استعفے کی خبر کو زبردست تعجب سے سنا ہے۔ ملک خضر حیات خاں وزیراعظم نے ایسے وقت میں استعفیٰ داخل کیا ہے جبکہ کولیشن پارٹی (یونی نسٹ پارٹی) کو کہ جس کے وہ رہنما تھے اس ایوان میں واضح اکثریت حاصل تھی۔ اور ہماری پارٹی پوری قوت کے ساتھ ان کی حمایت پر تلی ہوئی تھی ..... ہمارے احساسات یہ ہیں کہ وزیراعظم نے اس ارادے

سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ عنانِ حکومت ' انگریز کے ہاتھ سے ہندوستانیوں کے ہاتھ میں منتقل ہونے سے پہلے پہلے مسلم لیگ کو برسر اقتدار آ جانے کی سہولت بہم پہنچائیں۔" [۱۰۰]

یونینسٹ پارٹی کے خلاف سر ظفر اللہ خاں کے اس تاریخی معرکہ کے بعد جب نواب ممدوٹ (جنہوں نے بعد میں مسلم لیگ کی وزارت عظمیٰ سنبھالی) قائداعظم سے ملاقات کے لئے نئی دہلی گئے۔۔۔ تو قائد نے فرمایا '

پاکستان کی منزل اب بالکل ہمارے سامنے ہے اور پنجاب پاکستان کا دل ہے۔ [۱۰۱]

پاکستان کی منزل کو قریب تر لانے والے اور یونینسٹ پارٹی کا جنازہ نکالنے والے احمدی کے متعلق مصنف زندہ رود کی تحقیق کہ

"۔ سر ظفر اللہ خاں نے یونینسٹ پارٹی سے تعلق آخر تک قائم رکھا" [۱۰۲]

راقم کی رائے میں نظر ثانی کے لائق ہے۔

اسی طرح اقبال کے خدشہ کو دہرانے کی بجائے مصنف زندہ رود کے لئے زیادہ بہتر یہ تھا کہ وہ قارئین کو بتاتے کہ احمدیوں کے طرز عمل سے اقبال کا یہ خدشہ بے حقیقت ہو کر رہ گیا کہ

"۔ احمدی یونینسٹ پارٹی کے اثر و رسوخ کے ذریعہ 'مسلمانوں کی تھوڑی سی اکثریت کو 'صوبائی لیجسلیچر میں (یا کسی اور موقعہ پر۔ ناقل) شدید نقصان پہنچا سکتے ہیں۔" [۱۰۳]

۔ حواشی ۔

۱۔ زندہ رود ص ۔ ۵۷۶

۲۔ Superior even to the prophethood of the Founder of Islam was definately put forward.

۳۔ کتابچہ "احمدیت اور اسلام" ختم نبوت ۔ ادارہ طلوع اسلام مطبوعہ ۱۹۵۲ء

۴۔ زندہ رود ص ۲۹۶ (حیات اقبال کا وسطی دور) ۔ مقالہ کے اصل مسودہ پر اقبال کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا نوٹ ۔ اصل مسودہ "مسلم کمیونٹی ۔ ایک معاشرتی مطالعہ" کے عنوان سے اقبال میوزیم میں محفوظ ہے۔

۵۔ زندہ رود ص ۵۵۱

۶۔ ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر ص ۹۳

۷۔ ایضاً ص ۹۳

۸۔ اقبال اور ملا ص ۱۳

۹۔ کلیات مکاتیب اقبال خط مورخہ ۲۵ ر اکتوبر ۱۵ء

۱۰۔ اقبال نامہ حصہ اول ص ۳۴

۱۱۔ ایضاً ص ۱۳۶

۱۲۔ ایضاً ص ۲۵۸ خط بنام نیاز الدین ۱۱ فروری ۱۹۳۱ء

۱۳۔ مکتوب بنام راغب صاحب ۳۰ ر مئی ۱۹۳۳ء جہان دیگر ۔ کراچی ۱۹۸۳ء ص ۴۳

۱۴۔ ایضاً ص ۴۹ مکتوب ۱۵ ستمبر ۱۹۳۳ء

۱۴/۱ مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین ص ۴۷ خط ۲۰ ر جنوری ۲۵ ناشر پروفیسر محمد منور ۔ اقبال اکادمی پاکستان

۱۵۔ الفضل ۱۵ مارچ ۱۹۲۷ء

۱۶۔ تاریخ احمدیت جلد نمبر ۶ ص ۴۶۵ مولفہ مولانا دوست محمد صاحب شاہد مطبوعہ ۱۹۶۵ء۔ ربوہ

۱۷۔ ایضاً ص ۴۶۵

۱۸۔ روزنامہ انقلاب ۲۹ر اکتوبر ۳۱ء

۱۹۔ اقبال نامہ ص ۲۳۰

۲۰۔ مجاہد کبیر ص ۱۹۰ مطبوعہ دسمبر ۱۹۶۲ء

۲۱۔ K.L.Gauba 'Friends and Foes P.103 (People Publishing House. LHR.)

۲۲۔ خط بنام اکبر الٰہ آبادی کلیات مکاتیب اقبال ص ۴۲۱

22/A. الفضل ۱۸ر جولائی ۱۹۳۵ء

علامہ کی تبدیلی رائے پر اخبار سیاست کا تبصرہ

راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت امام جماعت احمدیہ نے ان وجوہ کے اظہار سے گریز کیا ہے جو احمدیت کے بارہ میں علامہ کی تبدیلی رائے کا موجب ہوئے مگر مسلم پریس میں ان وجوہ کی جانب اشارہ ملتا ہے۔ مسلم اخبار "سیاست" لکھتا ہے۔

۱۔ "۔ علامہ سرڈاکٹر محمد اقبال صاحب امت مرحومہ کے ایسے فرد ہیں۔ جن کے وجود پر ہر مسلمان فخرو ناز کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے احتیاج اور اس سے زیادہ حاشیہ نشینوں کے گمراہ مشورہ نے سر موصوف کو ایسے راستہ پر لگا دیا ہے جو ڈاکٹر صاحب کو کعبہ مفاد ملت کے خلاف لے جا رہا ہے۔ (پرچہ ۱۴ر مئی ۱۹۳۵ء)

یہی پرچہ لکھتا ہے:۔

۲۔ "۔ شیعہ اور سنی اور حنفی اور وہابی اسی طرح یکجا نماز نہیں پڑھتے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات ازدواج قائم نہیں کرتے جیسے احمدی اور غیر احمدی۔ تاہم اس دلیل کو ترک کر کے میں علامہ ممدوح سے استصواب کرنے کی جرات کرتا ہوں کہ کیوں چودھری ظفر اللہ خاں کے (وائسرائے کونسل میں۔ ناقل) تقرر کے بعد ان کی محبت ختم رسل (فداہ ابی وامی) میں جوش آیا اور کیوں اس سے پہلے وہ میدان میں نہ اترے۔ حالانکہ اس فتنہ کی عمر "کشمیر کمیٹی" اور "چودھری صاحب" کے تقرر سے کوئی تیس سال کے قریب زیادہ ہے" (پرچہ سیاست بحوالہ الفضل ۱۸ر مئی ۱۹۳۵ء)

۳۔ "۔ سیاست اخبار نے یہ بھی لکھا کہ جب علامہ بعثت مسیح اور ظہور مہدی علیہ السلام کو ڈھکوسلہ قرار دیتے ہیں۔ اور اسے مجوسیوں' یہودیوں اور نصرانیوں کا خیال ظاہر فرما رہے ہیں تو کیوں علماء احناف وغیرہ کو بلوا کر ان کے سامنے اپنا نظریہ پیش نہیں کرتے اگر علماء کا آپ کے ساتھ اتفاق ہو

جائے تو تحریک قادیان کو اس قدر ضرر پہنچے گا جو احرار کی فتنہ آرائی اور افتراق پروری اور دشنام طرازی سے ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ تعجب ہے سالہا سال سے احمدیوں غیر احمدیوں میں عقائد کی جنگ جاری ہے اور علامہ ایک رسالہ تک اس موضوع پر نہیں لکھ سکے۔"

"سیاست" نے منت درخواست کی کہ علامہ اس طرف توجہ کریں۔ مگر افسوس کہ علامہ وفات تک اس طرف راغب نہ ہوئے۔ دیکھئے سیاست بحوالہ الفضل ۱۸ مئی ۱۹۳۵۔ تاریخ احمدیت جلد نمبر ۸ صفحہ ۱۷۶

جس تقرر کا اوپر ذکر ہے اخبارات میں وائسرائے کونسل میں اس تقرری کے لئے علامہ اقبال اور سر ظفر اللہ خاں کا نام بھی لیا جا رہا تھا۔ مگر حکومت نے سر ظفر اللہ خاں کا تقرر کر دیا۔ آپ نے مئی ۳۵ میں چارج لے لیا۔ "مئی ۳۵ میں ہی علامہ کی طرف سے احمدیت کے خلاف پہلا بیان جاری ہوا" (زندہ رود ص ۵۹۸)

۲۳۔ صور اسرافیل ملی بہایان ص ۱۵۰۔ (نغمات علمی)

۲۴۔ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۲۴ مطبوعہ ۱۸۹۳ء

۲۵۔ رسالہ دلگداز جون ۱۹۲۶ء

۲۶۔ خط نمبر ۱۹ محررہ ۲ ستمبر ۱۹۲۵ مکاتیب اقبال نمبر ۱ ص ۵۱

۲۷۔ ص ۲۰

۲۸۔ کشتی نوح ص ۲۰

۲۹۔ الفضل ۳۰ مارچ ۱۹۳۵ء

۳۰۔ مظلوم اقبال ص ۲۰۸۔ شیخ اعجاز احمد صاحب کا اشارہ اپنے والد یعنی علامہ کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد صاحب کی طرف ہے جو ان دنوں علامہ کے ہاں مقیم تھے۔ آپ احمدی تھے۔ آپ سے باآسانی دریافت کیا جا سکتا تھا۔

۳۱۔ زندہ رود ص ۵۸۷

۳۲۔ اقبال نامہ نمبر ۲ ص ۲۳۰

۳۳۔ رسالہ تحفظ ختم نبوت ملتان

۳۴۔ ص۔ ۲۲۶

۳۵۔ نوائے وقت لاہور۔ (۲۳ جون ۱۹۹۰ء) کے کالم نویس میاں عبد الرشید نے اپنے کالم "نور بصیرت" میں بھی اسی قسم کے نظریہ کا اظہار کیا ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ماہنامہ "دعوت" لکھتا ہے۔ "کالم نویس میاں عبد الرشید اور ان جیسے لوگوں کے بارہ میں حضرت نوح نے فرمایا تھا۔"

تمہیں کیا ہو گیا ہے ۔ تم اللہ کے وقار کا کوئی خیال نہیں کرتے ۔ حالانکہ اس نے کئی اطوار سے تمہیں پیدا فرمایا ہے ۔ " (ماہنامہ " دعوت " ستمبر ۱۹۹۰ء ص ۳۶)

۳۶۔ البقر آیت ۷۵

۳۷۔ لیکچر فضائل القرآن ص ۳۶۸

۳۸۔ اقبال نامہ حصہ اول مکتوب ۱۹ ر جولائی ۱۹۱۶ ص ۴۱

۳۹۔ مکتوب اقبال بنام والد صاحب محررہ ۳ ر جنوری ۱۹۲۰ء مظلوم اقبال

۴۰۔ علامہ کا خط ۔ تھاٹس اینڈ ری فلیکشن ز آف اقبال ص ۹۳ تا ۱۰۲ (مطبوعہ ۱۹۷۳ء)

۴۱۔ مظلوم اقبال ص ۱۹۲

۴۲۔ زندہ رود ص ۵۷۴

۴۳۔ ترجمان القرآن اپریل ۱۹۶۷ ص ۸۳ ۔ ۸۶ مضمون نگار جناب عبدالحمید صدیقی ۔

۴۴۔ وظیفہ کے حصول کی خواہش ---- علامہ کے مکتوب محررہ ۱۲ ر مئی ۱۹۳۵ء میں ہے (زندہ رود صفحہ ۵۵۰) انہی ایام میں انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں احمدی ۔ غیر احمدی کا سوال اٹھا کر چوہدری ظفر اللہ خاں کے خلاف ریزولیوشن پاس کرایا گیا تھا ۔

اس پر مسلم پرچہ " سیاست " نے لکھا : ---- " افسوس ہے کچھ عرصہ سے احتیاج اور اس سے زیادہ حاشیہ نشینوں کے گمراہ کن پروپیگنڈا نے سر موصوف (علامہ اقبال) کو ایسے راستہ پر لگا دیا ہے جو علامہ کو کعبہ مفاد ملت کے خلاف لے جا رہا ہے ۔ (اقبال ۔ انجمن کے صدر تھے (پرچہ سیاست ۱۴ ر مئی ۳۵)

۴۵۔ زندہ رود ص ۵۵۳ ۔

۴۶۔ مصنف زندہ رود کی چشم دید گواہی ہے کہ ---- " اقبال ، نہرو خاندان بالخصوص پنڈت جواہر لال نہرو سے تو واقعی محبت کرتے تھے ۔ راقم نے اپنی آنکھوں سے انہیں پنڈت جواہر لال نہرو سے شفقت کا اظہار کرتے دیکھا ہے (زندہ رود ص ۴۱۸)

۴۷۔ بحوالہ خطوط اقبال ص ۲۵۶ ۔ مرتبہ رفیع الدین ہاشمی ۔ خط محررہ ۲۱ ر جون ۱۹۳۶ء

نوٹ ۔ اس خط سے تو قاری کی طبیعت میں یہ تاثر پیدا ہوتا ہے جیسے علامہ کا مخاطب " اسلام اور ہندوستان " دونوں کا زبردست موید و محافظ ہے ۔ اور ایک کلمہ گو جماعت کی بیخ کنی کے لئے علامہ کو اس کی مدد اور تعاون درکار ہے ۔

۴۸۔ ص ۵۷۵ و ۵۸۴

۴۹۔ ص ۵۸۴

۵۰۔ ص ۵۸۹

۵۱۔ ص ۶۳۰

۵۲۔ زندہ رود ص ۵۸۵ ۔

۵۳۔ آج کل تین ہزار روپے کی امداد شاید قابل تذکرہ نہ ہو ۔ لیکن ۱۹۳۰ء میں یہ رقم خاصی اہم تھی ۔ اس دور میں مسلم لیگ کی آمد و خرج کا حساب کچھ یوں تھا ۔

During the year 1931-3
Muslim League's annual expenditure did not exceed Rs.3000/-. In 1933 with a total income of Rs.1319/- its annual expenditure showed deficit of Rs.564/-.
(A history of Indian people.P.374 By D.P.Singhal 1983 Published in Great Britian).

۵۴۔ پرچہ ۳۰ جون ۱۹۳۳ء بحوالہ الفضل ۹ ر جولائی ۱۹۳۳ء

۵۵۔ تاریخ احمدیت جلد نمبر ۷ ص ۱۶۷

۵۶۔ اداریہ ۲۹ ر جون ۱۹۴۴ء

۵۷۔ ہفت روزہ لاہور بحوالہ فاروق سوونیئر مجلس خدام الاحمدیہ لاہور دسمبر ۱۹۶۵ ص ۵۲

۵۸۔ زندہ رود ص ۵۷۳

۵۹۔ ایضاً ص ۵۸۹

۶۰۔ ایضاً ص ۶۵۷

۶۱۔ جنگ کراچی ۲۱ فروری ۸۶

۶۲۔ زندہ رود ص ۵۸۴

۶۳۔ اس آیت کے ذریعہ آخرین میں بھی محمد رسول اللہ ؐ کے بروزی رنگ میں آنے کی پیشگوئی کی گئی تھی جس کی تفسیر حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ ۔ " اگر کسی زمانہ میں ایمان ثریا پر بھی چلا گیا تو اہل فارس کی نسل سے ایک یا ایک سے زیادہ لوگ اسے واپس لے آئیں گے اور ایمان کو از سر نو دنیا میں قائم کر دیں گے (بخاری کتاب التفسیر)

۶۴۔ ایک غلطی کا ازالہ مطبوعہ ۱۹۰۱ء ص ۱۴

۶۵۔ الخیرا کثیر

۶۶۔ ماہنامہ فکر و نظر جنوری ۸۴ صفحہ ۱۵ ۔ ۳۹ ادارہ تحقیقات اسلامی ۔ اسلام آباد

۶۷۔ مکاتیب اقبال حصہ اول ص ۱۱۷

۶۸۔ اقبال نامہ حصہ دوئم ص ۱۰۶

۶۹۔ زندہ رود ص ۵۵۱

۷۰۔ مکاتیب اقبال حصہ اول ص ۴۱۹

۷۱۔ مکاتیب حصہ اول ص ۱۹۹۔ خط ۷ ر اگست ۱۹۳۷ء A/1 ۔

۷۲۔ دیکھئے مکتوب ۲۷ ر مئی ۱۹۳۷ء

۷۳۔ کتاب تعلیمات اسلام لحہ مسیحی اقوام ص ۲۲۸۔ ۲۳۰

۷۴۔ سرود رفتہ

۷۵۔ رسالہ انڈین اینٹی کویری ستمبر ۱۹۰۰ ص ۲۳۹

۷۶۔ حقیقتہ الوحی ص ۱۲۰

۷۷۔ از مولوی عبدالحق غزنوی اشاعتہ السنہ جلد نمبر ۱۳ ص ۷ و ص ۱۰۴

۷۸۔ جامع الصغیر سیوطی جلد نمبر ۲ ص ۱۵۱

۷۹۔ زندہ رود صفحہ ۵۷۵ تا ۵۷۸

۸۰۔ ایضاً ص ۵۷۹

۸۱۔ الفضل یکم مئی ۱۹۳۵ء

۸۲۔ ص ۵۹۰ ' A ۸۲ ر ص ۵۹۶

۸۳۔ اقبال کے آخری دو سال صفحہ ۴۲۸

۸۴۔ الفضل ۲۱ ر اپریل ۱۹۵۵ء

۸۵۔ الفضل ۲۰ جون ۱۹۴۷ء بحوالہ حیات بشیر از مولانا شیخ عبدالقادر صاحب مربی مرحوم (ص ۸۸)

۸۶۔ پرچہ ۲۷ فروری ۱۹۳۲ء

۸۷۔ بحوالہ زمیندار ۱۴ ر مئی ۱۹۳۵ء ص ۳

۸۸۔ بحوالہ الفضل ۲۴ ر مئی ۱۹۳۵ء

۸۹۔ ایضاً

۹۰۔ الفضل ۱۸ مئی ۳۵ء ص ۹

۹۱۔ بحوالہ الفضل یکم جولائی ۱۹۳۵ء ص ۸

۹۲۔ ظفر علی خاں اور ان کا عہد ص ۴۷۵

۹۳۔ الفضل ۱۴ ر فروری ۱۹۳۵ء

۹۴۔ زندہ رود ص ۵۵۲

۹۵۔ الحکم ۲۸ نومبر ۱۹۱۰ء ص ۶

۹۶۔ اقبال کے آخری دو سال ص ۱۵۲

۹۷۔ ٹرانسفر آف پاور جلد ۹ ص ۸۳۰

۹۸۔ لاہور تاریخ احمدیت ص ۵۲۵ مصنفہ مولانا شیخ عبدالقادر مربی مرحوم سابق سوداگر مل ناشر شیخ عبدالشکور (مطبوعہ ۱۹۶۶ء)

۹۹۔ ہفتہ روزہ پیسہ اخبار لاہور ۱۰ ر مارچ ۱۹۴۷ء

۱۰۰۔ ایضاً

۱۰۱۔ ایضاً ۲۴ اپریل ۴۷ء

۱۰۲۔ زندہ رود ص ۵۹۱

۱۰۳۔ زندہ رود ص ۵۹۶

بانی سلسلہ احمدیہ کے پہلے جانشین حضرت الحاج مولوی حکیم نور الدین صاحب

آپ ہی کے دور میں علامہ اقبال نے علی گڑھ میں اعلان کیا تھا کہ :-

"قادیانی جماعت ، خالصتاً "مسلم کردار کا طاقتور مظہر ہے"

مسلم لیگ اور قائداعظم محمد علی جناح سے روابط

اقبال اور جماعت احمدیہ

زندہ رود کے مطالعہ سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے ۔ کہ اقبال اپنے تئیں مسلم لیگ اور قائداعظم کا ایک ادنیٰ سپاہی سمجھتے تھے ۔ اقبال اور جناح کی یہ کوشش تھی کہ مسلمانوں کو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع کیا جائے ۔۔۔ مگر جماعت احمدیہ کی روش اس کے برعکس تھی ۔
راقم کے نزدیک یہ تو درست ہے کہ " اقبال اور جناح " کے نظریات میں کچھ عرصہ ہم آہنگی رہی مگر مورخین کے نزدیک اسے عمر بھر کی ہم آہنگی قرار نہیں دیا جا سکتا ۔
مؤرخ پاکستان جناب عاشق حسین بٹالوی " اقبال ، جناح "روابط پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں :-

" ۔ ڈاکٹر اقبال اور مسٹر جناح کے درمیان اس (۱۹۳۵ء) سے قبل کبھی گہرا ربط و ضبط قائم نہیں ہوا تھا ۔ ڈاکٹر صاحب ۱۹۲۷ء تک سیاسیات میں عملی حصہ لینے سے ہمیشہ گریزاں رہے ۔ یہاں تک کہ تحریک عدم تعاون کے زوال کے بعد جب آل انڈیا مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ کا دور شروع ہوا اور اس دور کا پہلا اجلاس مئی ۱۹۲۴ء میں لاہور کے گلوب تھیٹر میں منعقد ہوا تو علامہ اقبال کے مکان واقعہ میکلوڈ روڈ اور گلوب تھیٹر کی دیواریں ساتھ ساتھ تھیں لیکن اس قرب مکانی کے باوجود ڈاکٹر صاحب نے مسلم لیگ کے جلسے میں قدم رکھنا بھی گوارا نہ کیا ۔ " [۱]
یہ وہ دور ہے جب شدھی اور سنگٹھن کی تحریکوں نے ملک کا امن برباد کر دیا تھا ۔ اور مسلمانوں کا مسلم لیگ کے جھنڈے تلے یکجا ہونا بہت ضروری تھا ۔ اس نازک مرحلہ پر حضرت امام جماعت احمدیہ مضطرب ہو کر میدان عمل میں آئے اور آپ نے قادیان سے لاہور تشریف لا کر

۱۴ر نومبر ۱۹۲۳ء کو بریڈ لا ہال کے ایک پبلک لیکچر میں مسلمانوں کو آمادہ عمل ہونے کی ترغیب و تلقین کرتے ہوئے سب سے پہلی نصیحت یہ فرمائی کہ

مسلمان اپنے تئیں مضبوط کریں۔ جس کے لئے مسلم لیگ جیسی تنظیموں کا زندہ و قائم رکھنا ضروری ہے تا مسلمانوں کے قومی حقوق کا تحفظ ہو۔ (ریویو آف ریلجنز جون ۱۹۲۴ء)

۱۹۲۷ء میں حضور کی شملہ میں مسٹر جناح سے ملاقات ہوئی اور آپ کو ان کے ساتھ گھنٹوں مل کر کام کرنے کا موقع ملا۔ تو حضور نے فرمایا:۔

"۔ میں مسٹر جناح کو ایک بہت ہی زیرک۔ قابل اور مخلص خادم قوم سمجھتا ہوں۔"[۲]

ادھر علامہ اقبال کا جو ربط و ضبط ۱۹۳۵ء میں قائم ہوا۔ اس کی ۱۹۳۸ء میں کیا کیفیت ہو چکی تھی ؟ اگلی سطور میں ملاحظہ ہوں

اقبال کی بستر مرگ سے اپنے قائد کے خلاف جنگ

گذشتہ سطور میں بیان شدہ حقائق سے ظاہر ہے کہ پنجاب مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے علامہ اقبال کی عملی سیاست یا ان کی قائدانہ صلاحیتوں کو خراج تحسین ادا کرنا بڑے دل گردہ کا کام ہے۔ علامہ کے سیاسی اثر و رسوخ کا یہ حال تھا کہ ۔۔۔ "پنجاب کے مسلمانوں میں کانگریس کی موافقت کے جذبات ' سرعت کے ساتھ بڑھنے لگے۔"[۳]

علامہ کی وفات کے قریب اقبال جناح کشمکش کے سلسلہ میں علامہ کی آخری تحریر کو پیش کیا جاتا ہے۔ جس میں کہا گیا تھا کہ ۔۔۔ "سکندر جناح میثاق کو کالعدم سمجھا جائے۔ مسٹر جناح نے علامہ کی وفات سے ۱۷ دن پیشتر بذریعہ تار اس کی اشاعت رکوا دی۔ مولانا عبدالمجید سالک لکھتے ہیں۔ " یہ چیز علامہ کے لئے بہت مایوس کن تھی (ذکر اقبال ص ۲۰۹) اس کشمکش کی دوسری شق یہ تھی کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے دفتر سے مسٹر جناح کے دستخطوں سے سرکلر جاری ہوا کہ ۱۵ر مارچ ۱۹۳۸ء سے پیشتر تمام صوبائی لیگوں کی طرف سے مرکز میں الحاق کی درخواستیں بھجوائی جائیں ۔۔۔ درخواستیں پہنچیں۔ تو پنجاب لیگ کے متعلق بعد از غور فیصلہ ہوا کہ مرکز اس کا الحاق کرنے سے معذور ہے۔ یہ خط ۵ر اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ تک پہنچا دیا گیا (علامہ کی جگہ اب نواب ممدوٹ صدر ہو چکے تھے مگر علامہ روزمرہ کے کاموں میں دلچسپی لے رہے تھے) بستر علالت پر یہ خبر' علامہ کے لئے بہت صدمہ کا موجب بنی اور علامہ پیچ و تاب کھا کر

رہ گئے۔ کیونکہ قائداعظم اور آل انڈیا مسلم لیگ کے مرکز نے وہی کچھ کیا۔ جو یونینسٹ پارٹی چاہتی تھی۔ اس پر علامہ کے دست راست ملک برکت علی نے قائداعظم مسٹر جناح کے نام ایک ناملائم خط روانہ کیا۔ جس میں لکھا:۔

"۔ ہم یہ تو برداشت نہیں کر سکتے کہ ہماری اس لیگ کا الحاق نامنظور کر دیا جائے جو گذشتہ ربع صدی سے آل انڈیا مسلم لیگ کی ایک ملحقہ شاخ چلی آ رہی ہے اور جس کے ممبران کی فہرست میں ڈاکٹر سر محمد اقبال ایسے عظیم المرتبت اور ہندوستان گیر شہرت کے آدمی کا نام نامی بھی موجود ہے"[۴]

مگر قائداعظم کے پیش نظر مسلم مفاد تھا۔ "ہندوستان گیر شہرت کے آدمی" کا حوالہ آپ کو قائل کرنے کے لئے ناکافی ثابت ہوا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا خصوصی اجلاس ۱۸، ۱۹ اپریل کو کلکتہ میں ہونے والا تھا۔ ۱۴ر اپریل کو علامہ نے اپنے رفقاء (ملک برکت علی' خلیفہ شجاع الدین۔ غلام رسول خاں۔ پیر تاج الدین۔ ملک زمان مہدی اور عاشق حسین بٹالوی) کو حکم دیا کہ کلکتہ جا کر (جناح و مرکزی لیگ سے) اپنی جنگ لڑو۔ وفد رخصت ہونے لگا تو پھر فرمایا۔ کسی کی پروا نہ کرنا (تلخیص صفحہ ۶۰۹)

اس وفد کے پاس الحاق کی نئی درخواست بھی تھی۔ مگر وہ بیکار گئی کیونکہ جب وفد کلکتہ پہنچا تو قائداعظم نے فرمایا ۔۔۔ پنجاب میں ایک نئی پراونشل مسلم لیگ قائم کی جائے گی۔ جسے مرتب کرنے کے لئے ۳۵ر آدمیوں کی آرگنائزنگ کمیٹی مقرر کی جاتی ہے۔ ۲۵ر آدمی یونینسٹ پارٹی کے اور ۱۰ر آدمی پنجاب لیگ سے لئے جائیں گے ۔۔۔ علامہ کی طرف سے تیار کردہ یہ وفد ۲۱ر اپریل کو قائداعظم سے ناکام جنگ لڑنے کے بعد جب لاہور ریلوے اسٹیشن پر پہنچا تو ایک اخبار فروش لڑکا چلا چلا کر کہہ رہا تھا کہ علامہ اقبال وفات پا گئے۔ اور یوں اقبال کی بستر مرگ سے اپنے قائد کے خلاف یہ جنگ تاریخ کا حصہ بن کر رہ گئی۔

اقبال جناح مفاہمت۔ عدم مفاہمت۔ ایک اور پہلو

یہ ذکر ہو چکا ہے کہ اپنی کتاب "اقبال کے آخری دو سال" میں ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی لکھتے ہیں:۔

"جہاں تک میری ناچیز معلومات کا تعلق ہے ڈاکٹر اقبال اور مسٹر جناح کے درمیان اس (۱۹۳۶ء۔ ناقل) سے قبل کبھی گہرا ربط و ضبط قائم نہیں ہوا تھا۔ (ص ۲۹۳) اس مفاہمت کی کہانی کچھ یوں ہے۔ کہ ۱۹۳۶ء میں مسٹر جناح لاہور تشریف لائے اور یونینسٹ پارٹی کے بانی سر فضل حسین سے ملاقات کی اور خواہش ظاہر کی کہ مسلمان، امیدواروں کو لیگ کے ٹکٹ پر الیکشن میں حصہ لینا چاہئے۔ سر فضل حسین کا کہنا تھا۔ کہ یہ طریقہ کار پنجاب میں مسلمانوں کے لئے مفید نہیں رہے گا کیونکہ اسمبلی میں مسلمانوں کی اکثریت اس صوبہ میں برائے نام ہے۔ جو کسی وقت بھی خطرہ میں پڑ سکتی ہے۔ اول تو یہ بات بعید از قیاس ہے کہ تمام مسلمان ایک ہی ٹکٹ پر کھڑے ہوں۔ پھر اگر ان میں سے تین چار بھی علیحدہ ہو گئے تو مسلمان، اقلیت میں ہو جائیں گے جو ہندوؤں اور سکھوں کی فتح ہو گی۔۔۔ مسٹر جناح نے بھی اپنے موقف کے حق میں دلائل دیئے۔ مگر اس بحث کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔۔

اس کے بعد مسٹر جناح، علامہ اقبال سے ملے جو بعض وجوہ کے باعث سر فضل حسین اور ان کی پارٹی کے شدید مخالف تھے۔ سر فضل حسین اور ان کی پارٹی کو چت گرانے کے شوق میں آپ نے مسٹر جناح کی امداد کی حامی بھرلی۔ مولانا ظفر علی خاں کی مجلس "اتحاد ملت" سے کسی قسم کی خیر کی توقع نہ تھی۔ مولانا کانگرسی رحجان رکھتے تھے۔ "مجلس احرار بھی کانگریس کی ہمنوا تھی" (زندہ رود ص ۵۸۵)۔ مسٹر جناح کو تو یہاں کے حالات کا تفصیلی اور جامع علم نہ تھا۔ علامہ نے مسٹر جناح کو مشورہ دیا کہ وہ ان پارٹیوں کو بھی مسلم لیگ میں شامل کرنے کی غرض سے ان کے لیڈروں سے ملیں (ص ۵۸۵)۔ مجلس احرار نے مسلم لیگ کے پارلیمانی بورڈ میں شریک ہونے کے لئے یہ "لایعنی مطالبہ" پیش کر دیا کہ کسی قادیانی کو لیگ میں شامل نہ کیا جائے۔ مگر مسٹر جناح نے یہ شرط تسلیم کرنے کا وعدہ نہ کیا۔ بہرحال ان دونوں جماعتوں

کے لیڈروں نے پارلیمانی بورڈ میں شرکت پر رضامندی کا اظہار کر دیا تو مسٹر جناح نے چار نشتیں "احرار" کو اور تین "اتحاد ملت" والوں کو دیں۔

۔۔۔ احرار کا خیال تھا کہ جناح فنڈ سے پنجاب کو جو ایک لاکھ روپیہ ملے گا۔ اس کا بیشتر حصہ انہی کی مرضی اور صوابدید سے خرچ ہو گا۔ جب ایسا نہ ہو سکا تو انہوں نے لیگ سے علیحدگی کے لئے ایک تدبیر یہ نکالی۔ کہ مسلم لیگ کے امیدواروں کے حلف نامے میں یہ شق داخل کرنے کی تجویز پیش کر دی کہ کامیاب ممبر، پنجاب اسمبلی میں جا کر قادیانیوں کو علیحدہ اقلیت قرار دیئے جانے کے لئے انتہائی کوشش کرے گا۔

۔۔۔ ظاہر ہے یہ شق قائداعظم کے منشاء کے خلاف تھی۔

۔۔۔ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی۔ لکھتے ہیں:۔

"۔ سچی بات یہ ہے کہ (احراری لیڈر) مولانا حبیب الرحمٰن نے یہ نئی شق پیش کر کے ہمیں حیران ہی نہیں پریشان کر دیا تھا۔ ہم میں سے کوئی شخص مرزائیت یا غیر مرزائیت کے جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ یوں بھی مسلم لیگ جیسی قومی اور سیاسی جماعت سے توقع رکھنا کہ مرزائیت کے بارہ میں اپنے عقیدے کا اعلان کرے ایک "لایعنی بات" تھی (اقبال کے آخری دو سال ص ۳۲۵)

قائداعظم کو تو اس امر پر آمادہ نہ کیا جا سکا کہ وہ احمدیوں کو علیحدہ اقلیت قرار دے دیں۔ مگر علامہ اقبال اس دور میں احمدیوں کے بارہ میں تعصب کا شکار ہو چکے تھے۔ انہیں قائداعظم کے نقطہ نظر کی پروا نہ تھی۔ وہ احرار سے مفاہمت کر چکے تھے اور ہر طرح ان کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ چنانچہ اگلے دن جب یہ حلف نامہ، علامہ کو دکھایا گیا تو علامہ نے۔۔

"مرزائیت کے متعلق نئی شق بڑھائی جانے پر کسی تعجب کا اظہار نہ فرمایا اور نہ کوئی اعتراض کیا (ایضاً ص ۳۲۶)

بہرحال کچھ عرصہ بعد بقول مصنف زندہ رود" دونوں جماعتوں کے (خود غرض۔ ناقل) لیڈر، اپنی اپنی اغراض حاصل نہ ہو سکنے کے سبب مسلم لیگ سے علیحدہ ہو گئے۔" (ص ۵۸۹)

بعد میں جب پنجاب لیگ نے مرکزی آل انڈیا لیگ سے الحاق کی درخواست دی تو قائداعظم نے یہ درخواست مسترد کر دی۔ یہ ایک علیحدہ کہانی ہے۔

اقبال نے اپنے مکتوب ۱۰ر نومبر ۱۹۳۷ء بنام قائداعظم میں لکھا تھا کہ اگر لیگ پارلیمینٹری

بورڈ کی نئے سرے سے تشکیل ہوئی اور اس میں یونی نسٹ پارٹی کے آدمیوں کو اکثریت عطا ہوئی تو اس کاروائی کا مقصد یہ ہو گا کہ کسی نہ کسی طرح لیگ پر قبضہ کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے (اقبال کے آخری دو سال صفحہ ۵۰۵) اقبال کا موقف تھا کہ مسلم لیگ اور یونی نسٹ پارٹی کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا جائے بلکہ آپ نے اس مضمون کا ایک اعلان بھی اشاعت کے لئے تیار کر لیا تھا مگر قائداعظم نے اس کی اشاعت رکوا دی۔ (زندہ رود صفحہ ۳۶۴) زاں بعد قائداعظم نے نہ صرف پنجاب لیگ کی مرکز سے الحاق کی درخواست مسترد کر دی بلکہ لیگ پارلیمنٹری بورڈ کی نئے سرے سے تشکیل کر دی اور اس میں سر سکندر حیات کی زیر قیادت یونی نسٹ پارٹی کے آدمیوں کو اکثریت عطا کر دی (زندہ رود صفحہ ۶۴۵) واضح رہے کہ یونی نسٹ پارٹی کو پنجاب کے مسلمانوں کی اکثریت کی حمایت حاصل تھی اور اس میں ۹۰ مسلمان " تھے (اقبال کے آخری دو سال صفحہ ۴۶۱) جبکہ لیگ کو اس دور میں عوامی جماعت کا مقام حاصل نہ ہو سکا تھا۔ اور وسائل کے اعتبار سے بھی اس کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ایسے حالات میں قائداعظم ایسے دور اندیش لیڈر کے نزدیک اقبال کے موقف سے ہم آہنگی کا اظہار مسلم اتحاد کو پارہ پارہ کرنے یا اسے موت کے گھاٹ اتارنے کے مترادف تھا۔ خود مصنف زندہ رود نے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے قائداعظم کے اقدام کو "دانشمندانہ" قرار دیا ہے۔ (ص ۶۴۷)

قارئین کرام! علامہ بار بار کہہ رہے ہیں کہ مسلم اتحاد کو توڑنے کی ذمہ داری یونی نسٹ پارٹی پر عائد ہوتی ہے۔ ان کے ہاتھ میں صوبائی لیگ کی باگ ڈور دینا ان کو اکثریت دینا' لیگ کو موت کے گھاٹ اتارنے کے مترادف ہے۔ علامہ اس خدشہ کا بھی اظہار کر رہے ہیں۔ کہ اگر احمدیوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو وہ "یونی نسٹ پارٹی کے اثر و رسوخ کے ذریعہ مسلمانوں کی تھوڑی سی اکثریت کو صوبائی لیجسلیچر میں شدید نقصان پہنچا سکتے ہیں۔" (زندہ رود صفحہ ۵۹۶)۔ مگر جب قائداعظم صوبائی لیگ کی باگ ڈور یونی نسٹ پارٹی کے ہاتھ میں تھما کر اس کے اثر و رسوخ کو سہ آتشہ بنا دیتے ہیں تو مصنف زندہ رود فرماتے ہیں کہ یہ ایک "دانشمندانہ" فیصلہ تھا۔۔۔۔

ان حالات میں کچھ عرصہ کے لئے اگر جماعت احمدیہ نے علامہ اقبال کے "غیر دانشمندانہ" طرز عمل کی حمایت کرنے کی بجائے قائداعظم کے "دانشمندانہ" فیصلہ کو وقعت دی تو جابجا'

کیا غضب ہو گیا۔ اسے لیگ دشمنی پر معمول کرنا یا یہ پروپیگنڈا کرنا کہ مسلم اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی ذمہ داری جماعت احمدیہ پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکر درست قرار دیا جا سکتا ہے!

جماعت احمدیہ پر بلاوجہ۔ برہمی

راقم کی رائے میں مصنف' جماعت احمدیہ کے اس دور کے طرز فکر و عمل پر بلاوجہ برہم ہیں۔

0 مصنف کو قائداعظم سے کوئی شکوہ نہیں۔ جنہوں نے سکندر جناح پیکٹ کر کے ایسے اقدام کئے جو اقبال کے نقطہ نگاہ سے لیگ کو موت کے گھاٹ اتارنے والے تھے۔

0 مصنف کو پنجاب کے مسلمانوں سے بھی کوئی شکایت نہیں۔ جنہوں نے یونی نسٹ امیدواروں کے حق میں ووٹ دے کر انہیں بھاری اکثریت سے کامیاب کرایا۔

0 مصنف' اقبال کی قائدانہ صلاحیتوں پر بھی انگشت نمائی کے لئے تیار نہیں جن کے صدارتی دور کے اختتام کے قریب لیگ کی مقبولیت کا گراف اس بری طرح گر گیا کہ آپ نے (اپنے مکتوب ۲۲ر اپریل ۱۹۳۷ء میں) خود مسٹر جناح کو اطلاع دی کہ۔۔ "پنجاب کے مسلمانوں میں کانگریس کی موافقت کے جذبات سرعت کے ساتھ بڑھ رہے ہیں۔"

0 مصنف کو "شیعوں" سے بھی کوئی شکوہ نہیں۔ جنہوں نے :۔

"بورڈ میں یہ مطالبہ پیش کیا کہ مجالس قانون ساز اور انتخابی ادارت میں مسلمانوں کی نشستوں میں سے "شیعوں" کا حصہ الگ مخصوص کر دیا جائے (اداریہ انقلاب لاہور ۲۷ جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۳)

0 مصنف کو "اہل حدیثوں" پر کوئی غصہ نہیں۔ جنہوں نے اس دور میں علیحدہ نیابت اور مخلوط انتخاب پر زور دے رکھا تھا۔

0 مصنف احراریوں کو بھی معصوم سمجھتے ہیں۔ جنہوں نے خاص طور پر لکھنؤ میں شیعوں کے خلاف فتنہ خوابیدہ' بیدار کیا اور یوں مسلم اتحاد کو ٹھیس پہنچانے کی سازشیں کیں۔

مصنف کے نزدیک مذکورہ بالا جماعتوں یا شخصیتوں کا کوئی اقدام ایسا نہیں' جس کی وجہ سے ان پر مسلم اتحاد توڑنے کا الزام عائد کر کے انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کا مطالبہ

جائز ہو۔

مصنف کو اگر غصہ ہے تو صرف جماعت احمدیہ پر، جس کی تعداد علامہ کے نزدیک صوبہ بھر میں صرف ۵۶ ہزار تھی ۔۔۔ مصنف کے نزدیک اس جماعت نے چونکہ یونی نسٹ پارٹی کے ساتھ تعاون کیا۔ اس لئے ان کے متعلق اقبال کے دل میں ایک خدشہ پیدا ہوا کہ یہ یونی نسٹوں کے کہنے پر غیر مسلموں کے ساتھ مل جائے گی۔ اس لئے اس پر مسلم اتحاد کو پارہ پارہ کرنے اور پھر اسے غیر مسلم قرار دے دینا ضروری تھا ۔۔۔۔ یہ سوچ کس حد تک معقول ہے؟

قارئین کرام خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔

باب نمبر۸

۔حواشی۔

۱۔ اقبال کے آخری دو سال ص ۲۹۳

۲۔ مسلمانان ہند کے امتحان کا وقت ص ۹

۳۔ علامہ کا خط بنام قائداعظم ۲۲ ر اپریل ۱۹۳۷ء

۴۔ اقبال کے آخری دو سال ص ۶۰۹

باب نمبر۹

فصل نمبر۱

سر فضل حسین پر نکتہ چینی

مصنف زندہ رود فرماتے ہیں :۔

"۔اقبال' کے سر فضل حسین سے تعلقات .... ان کی .... انگریز کے ساتھ ذلت آمیز وفاداری کے باعث خراب ہوئے تھے" (صفحہ ۶۴۷)

اس الزام میں کوئی وزن دکھائی نہیں دیتا۔

سر فضل حسین کے ملی کارناموں پر مجموعی اعتبار سے نظر ڈال جائے تو کوئی غیر متعصب محقق، آپ کی معاملہ فہمی' سیاسی بصیرت اور بے غرضانہ خدمات کی داد کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ نے ہر مرحلہ پر مسلم حقوق کے تحفظ کے لئے ہندو' سکھ اور انگریز کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

سر فضل حسین کی ملی خدمات

مورخہ پاکستان جناب عاشق حسین بٹالوی" کی رائے میں :۔

"۔۔۔ سر فضل حسین سے پہلے تین مسلمان علی الترتیب وائسرائے کی کونسل کے ممبر رہ چکے تھے۔ سر علی امام' سر محمد شفیع اور سر حبیب اللہ ۔۔۔ لیکن تدبر' معاملہ فہمی' سیاسی بصیرت اور مسلمانوں کی حیثیت کو مضبوط کرنے کے لحاظ سے ان تینوں میں سے کوئی شخص میاں (فضل حسین) صاحب کے برابر کام نہ کر سکا۔" ۱۔

پھر لکھتے ہیں :۔

"۔بڑے بڑے فرعون صفت انگریزوں سے سر فضل حسین کا واسطہ پڑا۔ لیکن انہوں نے ہر فرعون کی اکڑی ہوئی گردن کو جھک جانے پر مجبور کر دیا" ۲۔

عبدالمجید سالک "سرگذشت" میں لکھتے ہیں :۔ سر فضل حسین کوئی چودہ سال اقتدار کے عہدوں پر فائز رہے اور اس مدت میں زمینداران پنجاب۔ مسلمانان پنجاب۔ مسلمانان ہند اور اہل ہند کے لئے جو کچھ انہوں نے کیا۔ اس کی داستان بہت طویل ہے۔ لارڈ ولنگڈن نے کہا تھا کہ میں تمام مسلمانان ہند کے دو ہی لیڈروں کو مانتا ہوں۔ جنہوں نے اس قوم کی مستقل و پائدار خدمت کی ہے۔ ایک سر سید احمد خاں اور دوسرے سر فضل حسین'۔ میرے نزدیک بھی یہ خراج تحسین بالکل حق بجانب تھا۔ ۳

مصنف زندہ رود کی تحقیق کے مطابق انگریز حاکم نے اواخر جنگ عظیم میں ۔۔ " اقبال کو ایک نظم تحریر کرنے کی فرمائش کی جس کو ٹالنے کی کوئی صورت نہ نکل سکتی تھی ۔ اقبال نے مجبوراً نظم لکھی ۔ ۴۰ ۔

دوسری طرف سر فضل حسین کا کردار یہ تھا کہ آپ نے ۔۔ " ہر فرعون (انگریز) کی اکڑی ہوئی گردن کو جھک جانے پر مجبور کر دیا ۔

ان حقائق کے ہوتے ہوئے مصنف زندہ رود کا یہ دعویٰ کہ ۔۔ " سر فضل حسین انگریز کے ذلت آمیز وفادار تھے ۔۔ " ۔ کتنا عجیب لگتا ہے ۔

قابل فخر خدمت گزاری

سر فضل حسین کے کام اور مقام کا اندازہ کرنے کے لئے ۱۹۳۵ء کے انقلاب کا ایک اداریہ کافی ہے جس کا عنوان ہے " ملک و ملت کا ایک قابل فخر خدمت گزار "

" ۔۔ آنریبل سر فضل حسین چودہ پندرہ برس تک حکومت پنجاب اور حکومت ہند کے بلند ترین عہدوں پر فائز رہنے کے بعد اواخر مارچ (۱۹۳۵ء) میں اپنی گراں بہا ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو رہے ہیں ۔ انہوں نے اپنے رنگ میں اپنے دائرہ عمل کے حدود کو مدنظر رکھتے ہوئے ملک ۔ قوم اور ملت کی جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں ۔ بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ کوئی دوسرا ہندوستانی ان کی نظیر اور امثال پیش نہیں کر سکتا .....

مسلمانوں پر انہوں نے جو گراں بہا احسان کئے ان کے تشکر اور سپاس گزاری سے ہماری ملت کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی ۔ اسلامی حکومت کے زوال کے بعد ، مسلمان ہر لحاظ سے تباہ ہو چکے تھے ۔ اس دور زوال میں سب سے پہلے سرسید احمد خاں مرحوم اٹھے ۔ جنہوں نے بدلے ہوئے حالات اور بدلی ہوئی فضا کے مطابق مسلمانوں کو از سر نو اٹھنے اور زندہ ہونے کی راہیں بتائیں ۔۔۔۔ مولانا ابو الکلام آزاد اور مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے مسلمانوں میں مذہبیت اور ملیت کے بے پناہ جذبات پیدا کئے ۔۔ بلکہ یہ کہنا بجا ہو گا کہ ایک جوہڑ میں جوش و تموج پیدا کر کے اسے ایک اتھاہ سمندر بنا دیا ۔۔۔۔ لیکن ملی و قومی زندگی کا ایک اہم دائرہ یہ بھی تھا کہ مسلمان ایک قوم کی حیثیت میں ایک مستقل پروگرام کو لے کر بہ حالت سکوں کیونکر آگے بڑھیں ۔ بلند مقاصد کے لئے مجاہدانہ اقدامات ۔ بڑے قیمتی ۔ بڑے بیش بہا اور بڑے قابل قدر

ہیں ۔ لیکن مجاہدانہ اقدامات قوموں کے اندر ہر وقت جاری نہیں رہ سکتے ۔ اس امر کی ضرورت تھی کہ مسلمان کے سامنے ، سکون ۔ اطمینان اور استقلال کے ساتھ تعمیری اور اصلاحی کاموں کا راستہ پیش کیا جاتا ۔ یہ وظیفہ میاں سر فضل حسین نے انجام دیا ۔ اور حق یہ ہے کہ بڑی قابلیت ۔ بڑی خوبی اور بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا .....

مسلمانوں نے گذشتہ پندرہ سال کی مدت میں جتنی ترقی کی ہے ۔ اس میں سب سے بڑھ کر میاں سر فضل حسین کی شاندار اور صحیح ملکی خدمات کا حصہ ہے ۔ مسلمان اگر آج ملک کے اندر ایک مستقل اور عزت مند قوم نظر آ رہے ہیں تو اس استقلال اور عزت مندی کے لئے انہیں سب سے بڑھ کر میاں صاحب ہی کی مساعی مشکور کا ممنون ہونا چاہئے .....

بلاشبہ میاں صاحب فرشتے نہیں ہیں بلکہ انسان ہیں ۔ ممکن ہے ان سے گذشتہ پندرہ سال کی مدت میں غلطیاں بھی سرزد ہوئی ہوں ..... لیکن ان سے ان کی شاندار اور مستقل و محکم ملی و قومی خدمات پر قطعاً کوئی اثر نہیں پڑتا ۔ وہ اس دور میں مسلمانوں کے ہی نہیں بلکہ (سارے) ملک کی ایک بہت بڑی اور قابل قدر ہستی ہیں ۔

خواجہ حسین نظامی صاحب نے اعلان کیا ہے کہ ۲۹ مارچ کو ہندوستان بھر میں " یوم فضل حسین " منایا جائے اور اس روز بعد نماز جمعہ ہر مسجد میں میاں صاحب کی صحت و سلامتی کے لئے پروردگار عالم کے دربار میں دعائیں کی جائیں ۔ ہمیں امید ہے کہ مسلمان خواجہ صاحب کی اس تجویز پر پورے جوش کے ساتھ عمل کریں گے ۔ ۴۱ ۔

مسلمانوں کے " اورنگ زیب "

سر فضل حسین کے دل میں مسلم قوم کے لئے بڑا درد تھا ۔ انہوں نے مسلم مفاد کے لئے بڑا کام کیا ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ

0 ۔ اسلامی انجمنوں نے قراردادیں منظور کر کے برملا سر فضل حسین کی تائید کی ۔

0 ۔ مسجدوں تک میں فضل حسین کی تندرستی اور درازی عمر کی دعائیں مانگیں جانے لگیں ۔

0 ۔ اپنی قوم میں فضل حسین کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ۱۳ / مارچ ۱۹۳۳ء کو راجہ نریندر ناتھ نے پنجاب کونسل میں ان کے خلاف مسلسل کئی گھنٹے تک تقریر کی ..... انہوں نے فضل حسین کو فرقہ پرستی کا بانی ، ہندو مسلم اتحاد کا دشمن اور ہندوؤں کا بدخواہ قرار دیا ۔ آخر میں

انھوں نے میاں صاحب کو مخاطب کر کے کہا:

اورنگ زیب مت بنو۔ اکبر بننے کی کوشش کرو۔

جواباً (میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ کے والد جناب احمد یار خاں دولتانہ نے اپنی پرجوش تقریر کے آخر میں کہا:۔

O "۔ راجہ صاحب نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا ہے کہ وزیر تعلیمات (میاں سر فضل حسین) اورنگ زیب کی پالیسی اختیار کر رہے ہیں۔ میں راجہ صاحب کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس وقت بہت سے "سیوا جی" ہمارے مدمقابل بن کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہمیں "اکبر" پیدا کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں "اورنگ زیب" پیدا کرنے چاہئیں ۔۔۔۔ مجھے یہ کہنے میں مسرت اور فخر ہے کہ خواہ کتنے ہی "سیوا جی" ہمارے سامنے آجائیں۔ میاں سر فضل حسین تنہا ان کا مقابلہ کرنے کو کافی ہیں" ۔[۵]

جہاں تک بیرون ملک مسلم حقوق کی نگہداشت کا تعلق ہے۔ جناب عاشق حسین بٹالوی کے لفظوں میں

O "۔ گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کو جس قدر کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کا سہرا میاں فضل حسین کے سر ہے۔" ۔[۶]

مصنف زندہ رود لکھتے ہیں۔

" مرزا بشیر الدین محمود نے ظفر اللہ خاں کو ہدایت کی کہ کونسل میں اور سیاسی میدان عمل میں سر فضل حسین کے ساتھ پورا تعاون کیا جائے ۔[۷]

اگر یہ اظہار تنقیدی پہلو لئے ہوئے ہے تو سر فضل حسین کی بے غرضانہ ملی خدمات کے پیش نظر، سوچ کا یہ رخ قابل ستائش قرار نہیں دیا جا سکتا۔

چودھری ظفر اللہ خاں صاحب اپنی خود نوشت سوانح عمری "تحدیث نعمت" میں رقمطراز ہیں:۔

"۔ ۱۹۲۶ء میں جب میں پنجاب کی کونسل کے لئے منتخب ہو گیا۔ تو حضرت امام جماعت احمدیہ (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو) نے مجھے ہدایت فرمائی کہ میں کونسل اور سیاسی میدان عمل میں میاں سر فضل حسین کے ساتھ پورا تعاون کروں۔ حضور نے فرمایا کہ مسلمانوں میں قیادت کی کمی تو ہے ہی۔ اس پر مستزاد یہ کمزوری ہے کہ جب کوئی کام کا شخص آگے آتا ہے تو بجائے

اس کے ساتھ تعاون کرنے کے اور اس کی پوزیشن مضبوط کرنے کے اس کی مخالفت کر کے اسے کمزور کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ میاں صاحب اس وقت قوم کی دانشمندانہ اور مخلصانہ خدمت کر رہے ہیں اس لئے ان کی تائید اور ان کے ساتھ تعاون لازم ہے۔ میں تو پہلے ہی میاں صاحب کا مداح اور ممنون احسان تھا۔ اس لئے حضور کے ارشاد کی تعمیل میرے لئے آسان تھی[۸]۔

ظفر اللہ خاں کی دو کمزوریاں

مصنف "زندہ رود" کو چوہدری صاحب کی ایک خامی تو یہ نظر آئی کہ آپ نے سر فضل حسین کے ساتھ سیاسی میدان میں تعاون کیا۔ دوسری خامی سر فضل حسین کی زبانی آپ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ:۔

"۔ ان (ظفر اللہ خاں ۔ ناقل) کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے سر فضل حسین اپنے خط محررہ یکم ستمبر ۱۹۳۰ء میں فرماتے ہیں:۔

"۔ ظفر اللہ خاں ایک اچھا خاموش شخص ہے جو اپنے آپ کو آگے کرنے کی خواہش نہیں رکھتا اور ہر وہ کام کرنے کے لئے تیار ہے جو اسے کرنے کو کہا جائے۔" (زندہ رود صفحہ ۵۹۱)

گویا مصنف کے نزدیک ظفر اللہ خاں، میاں سر فضل حسین کی رائے سے اتفاق کرتے تھے ۔ خاموش شخص تھے۔ اسی سبب سے "ان کے منظور نظر" تھے ۔[۹]

غالب قیاس یہی ہے کہ سر فضل حسین نے اپنے خط میں ظفر اللہ خاں کی "شرافت اور خاموشی" کا ذکر ایک خوبی کے طور پر کیا ہو گا نہ کہ ایک ایسے شخص کے طور پر کہ جسے بات کرنا نہیں آتی۔ کیونکہ بات کر سکنے کے سلیقے اور پھر اسے بہ دلائل منوا لینے کے ملکہ کا مظاہرہ تو آپ سر فضل حسین کی زندگی میں ہی کر چکے تھے اور کون حقیقت پسند و منصف مزاج انسان اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے کہ چودھری صاحب نے لیجسلیٹو اسمبلی میں ۔۔۔ فیڈرل کورٹ میں۔ سنٹرل اسمبلی میں ۔۔۔ پاکستان کی پارلیمینٹ میں ۔۔۔ اقوام متحدہ میں ۔۔۔ حتیٰ کہ عالمی عدالت انصاف، غرض کہ کہاں کہاں بات کرنے کا لوہا نہیں منوایا۔

آپ کے بولنے کے انداز و اظہار کا اعتراف تو صرف اپنوں کو ہی نہیں بلکہ آپ کے

مخالفین و معاندین تک کو ہے ۔۔۔ اور اگر مصنف زندہ رود کے نزدیک " خاموشی " ایک وصف نہیں ۔ کمزوری اور خامی ہے تو مصنف کا حضرت اقبال کے بارے میں کیا خیال ہے جنہوں نے اپنی وفات سے چند برس پیشتر اپنے صاحبزادے کو وصیت فرمائی تھی (جسے مصنف نے اپنی کتاب زندہ رود میں بھی درج کیا ہے) اور جس کا پہلا فقرہ یہ ہے ۔

" ۔ جاوید کو میری نصیحت یہی ہے کہ وہ دنیا میں شرافت اور " خاموشی " کے ساتھ اپنی عمر بسر کرے "۱۰ ۔

ہاں ظفر اللہ خاں خاموش شخص تھا ۔۔۔ سر فضل حسین کی ان کے متعلق یہ رائے اس اعتبار سے سو فی صد درست ہے کہ ظفر اللہ خاں کو حضرت قائداعظم کی طرح بلاوجہ اور بغیر سوچے سمجھے بیان بازی کا شوق نہیں تھا ۔

" کردار قائداعظم " ۔ کے مصنف قائداعظم کے متعلق لکھتے ہیں : ۔

" ۔ عام لیڈروں کی طرح قائداعظم کو بیان بازی کا شوق نہ تھا ۔ آپ نے " کم گوئی " کو ہمیشہ اپنا شعار بنائے رکھا ۔ آپ اپنی زندگی اور اپنی صلاحیتوں کو قوم کی امانت سمجھتے تھے اور اسے اشد ضرورت کے بغیر خرچ کرنا خیانت تصور کرتے تھے ۔ "۱۱ ۔

ظفر اللہ خاں بھی ایک کم گو ۔ شریف اور بظاہر خاموش انسان تھے ۔ لیکن جب مسلم مفاد کی وکالت و ترجمانی کے لئے بولنے کی ضرورت پڑتی تھی تو وہ خاموش نہیں رہتے تھے ۔ بولتے تھے اور خوب بولتے تھے اور باون تولے پاؤ رتی بات کہتے تھے ۔

اہل فکر و نظر کے نزدیک سر فضل حسین کا یہ فتویٰ کہ

" ۔ ظفر اللہ خاں ہر وہ کام کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں جو انہیں کرنے کو کہا جائے ۔ "

بھی تعریف ہی کا رنگ رکھتا ہے ۔ جو ان کی پارٹی لیڈر کے احکامات کی تعمیل ' وفاداری اور مستعدی کو دیکھتے ہوئے کہا گیا ہو گا ۔۔ " روح الاجتماع " کے نقطہ نظر سے تو جب کسی رکن کو اپنے پارٹی لیڈر کی سیاسی فراست ' بصیرت ' اخلاقی دیانتداری اور خلوص نیت کا یقین و اعتبار ہو جائے تو پھر اس کے لئے یہ بات فرض کا حکم رکھتی ہے کہ وہ اس کی ہر ہدایت پر بے چوں و چرا عمل پیرا ہو ۔۔ پارٹی کے ڈسپلن کا خیال رکھے ۔۔ اپنے آپ کو اس کا ایک " سپاہی " سمجھے

سر فضل حسین پارٹی کے لیڈر تھے اور ظفر اللہ خاں پارٹی کے ایک رکن ۔۔ حیرت ہوئی یہ

بڑھ کر کہ خلوص نیت پر مبنی اپنے پارٹی لیڈر کے ہر حکم کی تعمیل بھی مصنف زندہ رود کو خامی اور کمزوری محسوس ہوئی ۔ جبکہ مصنف ' علامہ اقبال کے بارے میں (جنہوں نے ایک طویل عرصہ تک قائداعظم سے لاتعلقی اختیار کئے رکھی) اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں : ۔

" ۔ اقبال کو محمد علی جناح کی سیاسی بصیرت اور اخلاقی دیانتداری پر پورا اعتماد تھا اور اس اعتماد کی بنا پر اپنے آپ کو ان کا معمولی " سپاہی " تصور کرتے تھے " ۔۔۔ نیز ان کے حکم کی تعمیل میں سر سکندر کے خلاف اپنا فروری ۱۹۳۸ء کا بیان جاری نہ کیا ۔ یہ اقبال کے پارٹی ڈسپلن کے احترام کی ایک نہایت عمدہ مثال ہے ۔ " ۱۲

چوہدری ظفر اللہ خاں نے سر فضل حسین کو شاندار خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا ہے ۔

" ۔ اگر آج قوم میں زندگی کے آثار نظر آ رہے ہیں اور قوم ترقی کی راہ پر گامزن ہے تو یہ تمام تر واجب الاحترام خادمان ملت کی مساعی اور ان کی مسلسل قربانیوں کا ثمرہ ہے ۔ میاں سر فضل حسین صاحب اس گروہ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور ۱۹۲۱ء تا ۱۹۳۶ء کے دور میں ان کی تعمیری خدمات ' مسلمانان ہند کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی تھیں ۔ اس صدی کے چھٹے اور ساتویں عشرے کے سیاسی نقاد اور مؤرخ بھول جاتے ہیں کہ صدی کے آغاز میں مسلمان باوجود پنجاب میں اکثریت رکھنے کے دوسری قوموں کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتے تھے ۔ اگر ۱۹۲۱ء کے بعد بھی وہی حالات جاری رہتے تو ترقی کے راستے کھلنے پر غیر مسلم عناصر کا قدم ترقی کی شاہراہ پر مسلمانوں کے مقابلہ میں تیز سے تیز تر ہوتا جاتا اور ہر سال مسلمانوں کی نسبتی حالت گرتی چلی جاتی ۔۔۔ قیاس غالب ہے کہ ان نقادوں اور مؤرخوں میں سے اکثر کو کالج میں داخلہ بھی نصیب نہ ہو سکتا ۔ "۱۳ ۔

سر فضل حسین پر احمدیوں کو آگے بڑھانے کا الزام

مصنف زندہ رود کے نزدیک سر فضل حسین نے کوشش کی کہ مسلمانوں کی بجائے احمدیوں کو ترجیح دی جائے اور انہیں زندگی میں آگے بڑھایا جائے۔ اس وجہ سے بھی اقبال کے ان کے ساتھ تعلقات خراب ہوئے (ص ۶۲۷)

ترجیحی سلوک کا تجزیہ

راقم عرض کرتا ہے کہ مسلمانوں کی بجائے احمدیوں کو ترجیح دینے یا مسلمانوں کے لئے مخصوص مناصب احمدیوں کو دینے کے الزام (ص ۵۹۲) کا تقاضا تھا کہ سو پچاس احمدیوں کے اسماء درج کئے جاتے جنہیں سر فضل حسین نے مسلمانوں پر ترجیح دیتے ہوئے اعلیٰ مناصب سے نوازا تھا۔۔۔ پھر یہ بھی بتانا چاہئے تھا کہ اہلیت کے اعتبار سے یہ احمدی اپنے ہم رتبہ غیر احمدی امیدواروں سے کم تر تھے۔ مختلف محکموں کے احمدیوں کی تعداد کا جائزہ لے کر ثابت کرنا چاہئے تھا۔ کہ اس دور میں یہ سو پچاس احمدی نہ انتخاب کے ذریعہ آئے نہ امتحان میں پاس ہوئے۔ بلکہ مسلمانوں کی حق تلفی کرتے ہوئے سر فضل حسین کے دباؤ کی وجہ سے رعایتاً مخصوص مناصب پر فائز کر دیئے گئے۔ مگر مصنف نے اس قسم کی جانچ پڑتال کرنا ضروری نہیں سمجھا اور اس ضمن میں صرف ایک ہی نام درج کرنے پر اکتفا کیا ہے اور وہ ہے سر محمد ظفر اللہ خاں کا اسم گرامی۔ مصنف لکھتے ہیں۔ "اس منصب (وائسرائے کونسل کی رکنیت۔ ناقل) پر سر ظفر اللہ خاں کی متوقع تقرری کے خلاف "اخبار زمیندار" اور دیگر (احراری۔ ناقل) اخباروں میں سخت احتجاج ہو رہا تھا اور کہا جا رہا تھا کہ ایک احمدی کی بجائے کسی جلیل القدر مسلمان کو یہ منصب دیا جائے۔ (ص ۸۹۵)۔ گویا اقبال کے سر فضل حسین سے تعلقات اس لئے بھی بگڑے کہ آپ نے ایک احمدی کو زندگی میں آگے بڑھانے کی کوشش کی۔

اقبال نے امام جماعت احمدیہ کو آگے بڑھایا

قبل اس کے کہ ہم اس اکلوتے احمدی کی اہلیت کے بارے میں کچھ عرض کریں۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ خود اقبال نے ۱۹۳۱ء میں برصغیر کے قابل ذکر لیڈروں کی موجودگی میں "آل

اردن کے شاہ حسین کی تصویر

۵۴-۱۹۵۳ء کے دور میں جب چودھری **محمد ظفر اللہ خاں** کو عالم اسلام کا بدخواہ قرار دیا جا رہا تھا۔ عالم اسلام میں آپ کی اسلامی خدمات کے غلغلے بلند ہو رہے تھے۔ اسی دور میں **اردن کے شاہ حسین** نے اپنی یہ تصویر چودھری صاحب کی خدمت میں پیش کی اور اس پر لکھا:۔

"۔ عزت ماب **ظفر اللہ خاں** کی طرف، ہماری پاکیزہ محبت کے ساتھ اور ان عظیم الشان کاوشوں کے اعتراف کے طور پر جو وہ **عالم اسلام** کی خدمت میں صرف کرتے ہیں۔"

انڈیا کشمیر کمیٹی " کی تشکیل کے موقعہ پر امام جماعت احمدیہ کو سب حاضر زعماء پر ترجیح دی تھی اور علامہ کی تحریک و ترغیب پر ہی شملہ میں اس مسلم کمیٹی کی صدارت کے لئے امام جماعت احمدیہ کے انتخاب پر ' اتفاق کیا گیا - سوال یہ ہے کہ کیا " امام جماعت احمدیہ " کو " آگے بڑھانے " کی وجہ سے مسلمانان برصغیر کے لئے یہ جائز تھا کہ وہ اپنے تعلقات علامہ سے بگاڑ لیتے

حقیقت یہ ہے کہ علامہ کو اپنے گذشتہ تجربات کی بناء پر یقین ہو چکا تھا کہ احمدیہ جماعت میں بہت سے مستعد آدمی موجود ہیں جو مسلمانوں کے لئے "بہت مفید کام" سر انجام دے سکتے ہیں - اس کا اظہار آپ نے اپنے خط محررہ ۵ ستمبر ۱۹۳۰ء میں بھی کیا تھا -

انہی مستعد آدمیوں میں ایک سر ظفر اللہ خاں بھی تھے - سر فضل حسین نے کیا برا کیا کہ جن احمدی مخلصین کو علامہ " مسلمانوں کے لئے مفید کام کرنے والے " سمجھتے تھے ۱۴، انہی میں سے ایک کو ۱۹۳۲ء میں چار ماہ کے لئے اپنی جگہ عارضی طور پر کام کرنے کی سفارش کر دی -

چلئے ! مان لیا کہ چودھری ظفر اللہ خاں کی وجہ سے پنجاب کے ڈیڑھ کروڑ مسلمانوں کے حصہ میں آنے والے اعلیٰ مناصب میں سے ایک عہدہ کم ہو گیا - مگر یہ بھی سوچنا چاہئے کہ اس ایک منصب کے طفیل "مسلم مناصب کے شجر" کو کتنے شیریں پھل لگے - چودھری صاحب نے تو صرف اور صرف " مسلم حقوق " کی حفاظت کے جذبہ سے وائسرائے کونسل کی رکنیت قبول کی تھی - آپ کے ہمہ گیر کارناموں میں سے ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ آپ نے وائسرائے کی عاملہ کا رکن بنتے ہی یہ جدوجہد شروع کر دی - کہ مسلمان ' اعلیٰ مناصب سے محروم نہ رہیں - چودھری صاحب کی اس کاوش کا حال ' غیر مسلموں کی زبانی سنئے - ایک ہندو اخبار لکھتا ہے -

ممبر فار مسلم

" سر ظفر اللہ خاں کے متعلق ایک دلچسپ بات معرض وجود میں آئی ہے - جس جوش و خروش سے وہ مسلم حقوق پر زور دے رہے ہیں - وہ ضرب المثل بن گئی ہے - سیکرٹریٹ میں سر ظفر اللہ خاں کو اب مذاق کے طور پر " ممبر فار مسلم " کہا جاتا ہے - سب سے پہلا عظیم الشان کارنامہ ان کا یہ ہے کہ انہوں نے ایک " خاں صاحب " کو ایک ہندو کی جگہ پر سل اسسٹنٹ بنوا دیا ہے - " ۱۵ ؎

یہ طنز صاف بتا رہا ہے کہ غیر مسلموں کو حضرت چودھری صاحب کی کونسی ادا ناپسند تھی -

انہیں یقین تھا کہ اس شخص کو " آگے بڑھانا " درحقیقت مسلم مناصب کے تحفظ کا سامان پیدا کرنا ہے - اسی لئے غیر مسلم حضرت چوہدری صاحب کے اعلیٰ مناصب پر تقرریوں کے ہمیشہ مخالف رہے ہیں -

چین سے مکتوب

۱۹۴۲ء میں جب چودھری صاحب چین میں برطانوی حکومت کی طرف سے پہلے نمائندہ یا سفیر مقرر ہوئے ۱ ۔ تو آپ نے چنگ کنگ سے وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو کو ذاتی اور خفیہ مراسلہ لکھا کہ اب جبکہ وائسرائے کونسل میں ممبران کی تعداد گیارہ ہو چکی ہے - مسلمانوں کی تعداد ۳ کی بجائے ۴ ہونی چاہئے - آپ نے تجویز کیا کہ

(ا) - ایم - ایس - حیدری یا (ب) سر مرزا اسماعیل کو بطور ممبر لیا جائے - نیز لکھا کہ اگر (ا) اور (ب) پر عمل نہ ہو سکتا ہو تو پھر مسٹر غلام محمد (جو بعد میں گورنر جنرل پاکستان بنے) کا نام زیر غور لایا جا سکتا ہے - " ۱۶ ؎

میں مستعفی ہو جاؤں گا

راقم عرض کرتا ہے کہ جب چوہدری صاحب وائسرائے کونسل میں تھے - پنجاب اور بنگال کی مجالس میں مسلم نشستوں میں کمی کرنے کی تجویز پیش ہوئی - تو مسلم حقوق کے اس پاسبان نے وائسرائے ہند پر واضح کر دیا کہ اگر کوئی تخفیف عمل میں لائی گئی - تو میں " وائسرائے کونسل " سے مستعفی ہو جاؤں گا - چنانچہ آپ کی مخلصانہ کاوشوں کے نتیجہ میں یہ تجویز عملی جامہ نہ پہن سکی - ۱۷ ؎

ان حالات میں قائداعظم - سر فضل حسین - برطانوی حکومت - اقوام متحدہ یا کسی بھی انجمن پر یہ نکتہ چینی کرنا کہ اس نے چودھری صاحب کو " احمدی " ہونے کی وجہ سے " آگے بڑھایا " --- راقم کی رائے میں نظرثانی کے لائق ہے -

حقیقت یہ ہے کہ حضرت چودھری صاحب کی ذاتی قابلیت ' حسن تدبر ' دور اندیشی ' سیاسی سوجھ بوجھ ' دیانتداری ' محنت اور خلوص کی وجہ سے ہر حلقہ آپ کی قیادت تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا -
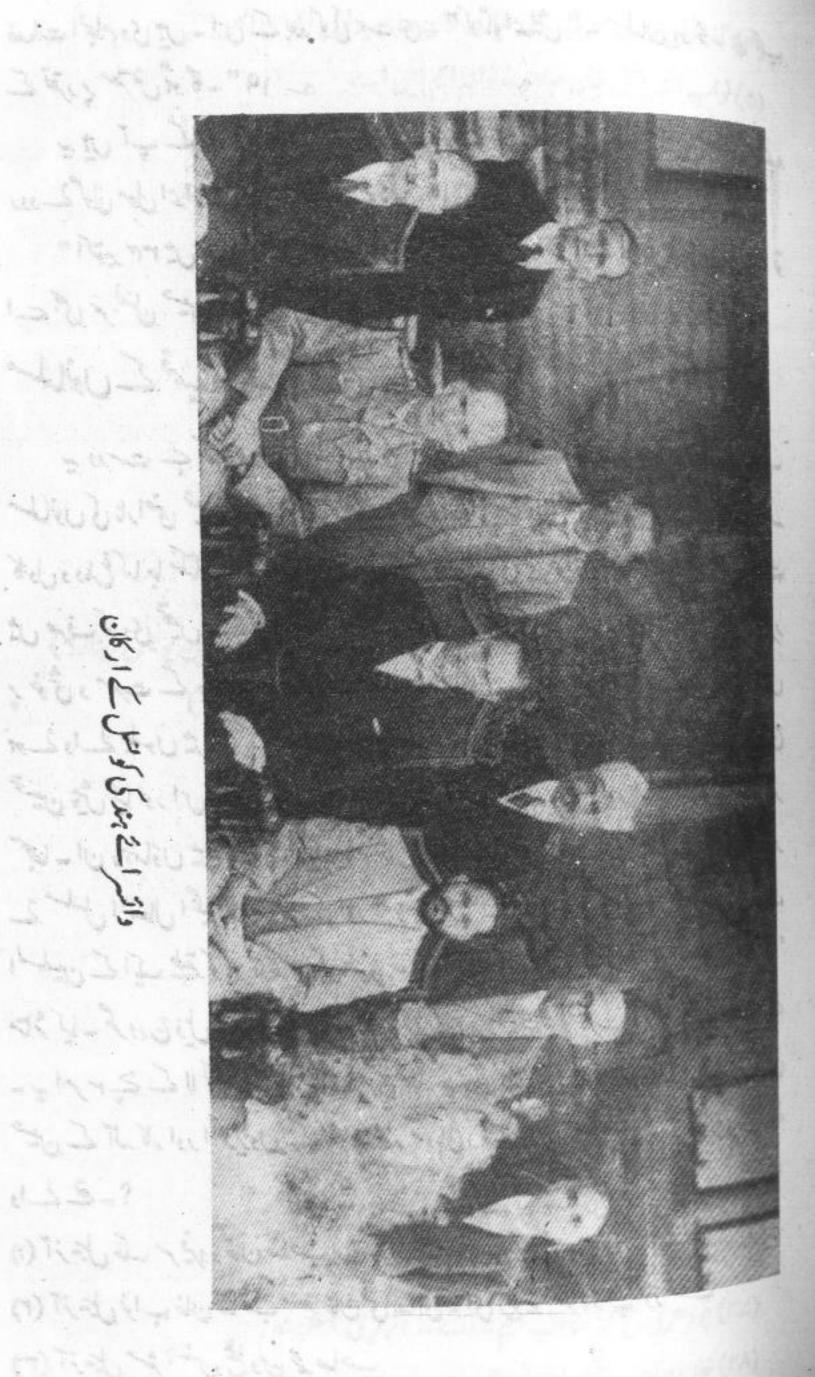
دونوں مرتبہ کی تقرریوں کے متعلق چند حقائق

اس ضمن میں راقم ایک اور گذارش کرنے کی جسارت کرتا ہے۔ بقول مصنف زندہ رود علامہ اقبال ۱۹۳۵ء سے قبل جماعت احمدیہ کو مسلمانوں کا ہی ایک فرقہ سمجھتے تھے۔" ۱۸۰ ص

پہلی تقرری ۔ حضرت چوہدری صاحب کا وائسرائے کونسل میں پہلا (عارضی تقرر (چار ماہ کے لئے) ۱۹۳۲ء میں ہوا۔ اس وقت چوہدری صاحب، علامہ اقبال کے نزدیک "مسلمان" تھے۔ ظاہر ہے سر فضل حسین نے "ایک مسلمان" کو ہی آگے بڑھایا۔

دوسری تقرری ۔ دوسری مرتبہ اکتوبر ۱۹۳۴ء میں چوہدری صاحب کی مستقل تقرری کا اعلان بھی ۱۹۳۵ء سے قبل ہوا جبکہ چوہدری صاحب، علامہ اقبال کے نزدیک "مسلمان" تھے۔ اس موقعہ پر بھی سر فضل حسین نے ایک مسلمان کو ہی آگے بڑھا ---- لیکن راقم یہاں ایک گذارش اور بھی کرنا چاہتا ہے اور وہ یہ کہ مستقل تقرری کے لئے وزیر ہند نے چودھری صاحب کے قیام انگلستان کے دوران ازخود ہی آپ کو اس منصب کی آفر کی تھی۔ چودھری صاحب نے اس موقعہ پر وزیر ہند کے روبرو تین عذر پیش کئے۔

چودھری صاحب کے تین عذر

اول یہ کہ -- میرا تعلق پنجاب سے ہے۔ گذشتہ چار میں سے دو "ممبران وائسرائے کونسل" کا تقرر پنجاب سے ہوا ہے۔ مناسب ہے کہ اب بنگال۔ یوپی یا بمبئی کے مسلمانوں میں سے کسی کا انتخاب کیا جائے۔

دوم یہ کہ -- اس منصب کے لئے نواب صاحب چھتاری اور سر سکندر حیات کی موزونیت پر غور کر لیا جائے۔

لیکن --- وزیر ہند نے ان تجاویز کو کوئی وقعت نہ دی اور اپنی پیشکش کو منظور کرنے پر اصرار کیا۔ اس پر حضرت چودھری صاحب نے -- "ایک اور عذر" -- وزیر ہند کے سامنے رکھ دیا۔

آپ نے فرمایا -- میرے گذشتہ عارضی تقرر پر بعض مسلمانوں نے جنہیں میرے عقائد سے اختلاف ہے۔ میرے تقرر پر اعتراض کیا تھا۔

وزیر ہند نے کہا۔ آپ نے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے سلسلے میں اب تک جو

وائسرائے کی کونسل کے ارکان

خدمات انجام دی ہیں - اس کے بعد کوئی بت ہی - "کوتاہ اندیش" - مسلمان ہو گا - جو آپ کے تقرر پر معترض ہو گا - "19 ؎

یہ ہیں آپ کے دوسری مرتبہ کے تقرر کے بارے میں حقائق --- جنہیں مصنف زندہ رود نے گول مول انداز میں یوں پیش کیا ہے :-

" اکتوبر ۳۴ میں جب مستقل طور پر سر ظفراللہ خاں کا وائسرائے کونسل میں تقرر ہوا تو اسے بھی سر فضل حسین کی کوششوں کا نتیجہ سمجھا گیا" ۲۰ ؎

مسلمانوں کے فہمیدہ طبقہ کی سوچ

یہ درست ہے کہ چودھری صاحب کی تقرری کے خلاف احتجاج ہوا مگر اسے سب مسلمانوں کی ناراضی نہیں کہا جا سکتا - حقیقت یہ ہے - مسلمانوں کا وہ طبقہ جنہیں امت مسلمہ کا دل و دماغ کہا جا سکتا ہے - جنہوں نے اپنی عمریں ، ملت کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی خدمت میں صرف کر دی تھیں --- جس طبقہ کو منتخب شدہ طبقہ شمار کیا جاتا تھا - ان کے دل اس تقرر پر خوشی و مسرت کے جذبات سے پر تھے - ان رہنماؤں نے چودھری صاحب کے اعزاز میں ہونے والے جلسوں میں شریک ہو کر چودھری صاحب کی قومی و ملکی خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش کیا اور اس تقرر کو ملک و قوم کے لئے ایک نعمت عظمیٰ اور اپنے لئے باعث فخر سمجھا - ان رہنماؤں میں سے چند ایک نام شائع شدہ موجود ہیں - ا - یہ درست ہے کہ احرار نے مسلسل اشتعال انگیز تقاریر کر کے اور " زمیندار " نے پے در پے ایڈیٹوریل لکھ کر عامتہ المسلمین کے ایک طبقے کو جو قائدین کی طرح سوچنے سمجھنے کی خاطر خواہ صلاحیت نہیں رکھتا تھا ، متاثر کیا - مگر درج ذیل قسم کے فہمیدہ و سنجیدہ لیڈر اس پراپیگنڈا کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے - یہ امر سوچنے کے لائق ہے کہ کیا چودھری صاحب کی تقرری کے یہ سب مداح ، سر فضل حسین کے آلہ کار اور انگریزوں کے ایجنٹ اور صوبائی لیجسلیچر میں مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والے تھے - ؟

(۱) آنریبل ملک سر فیروز خان صاحب نون وزیر تعلیم پنجاب گورنمنٹ
(۲) آنریبل نواب خان صاحب مظفر خان سی - آئی - ای ریونیو ممبر پنجاب گورنمنٹ
(۳) آنریبل مسٹر جسٹس شیخ دین محمد صاحب

(۴) آنریبل نواب سر ملک محمد حیات خان صاحب نون ایم سی ایس
(۵) نواب اللہ بخش خان صاحب ٹوانہ ایم ایل اے
(۶) نواب سر سید محمد مہر شاہ صاحب ایم - ایل - اے
(۷) کیپٹن راجہ شیر محمدؒ خان صاحب سی - آئی - ای ، ایم - ایل - اے
(۸) خانصاحب شیخ فضل حق صاحب پراچہ ایم - ایل - اے
(۹) میاں غیاث الدین صاحب ایم - ایل - اے
(۱۰) نواب محمدؒ شاہنواز خان صاحب نواب آف ممدوٹ
(۱۱) میجر سردار محمد نواز خان صاحب آف کوٹ فتح خان
(۱۲) نواب زادہ کیپٹن ملک خضر حیات خان صاحب ٹوانہ
(۱۳) نواب نثار علی خان صاحب قزلباش
(۱۴) خان بہادر حاجی رحیم بخش سیکرٹری آل انڈیا مسلم کانفرنس
(۱۵) خان بہادر شیخ عبدالعزیز صاحب سی آئی - ای او - بی - ای (انڈین پولیس ریٹائرڈ)
(۱۶) شیخ افتخار علی صاحب او - بی - ای - آئی - سی - ایس - (ریٹائرڈ)
(۱۷) خان بہادر سید احسن علی آف آشیانہ لاہور
(۱۸) خان بہادر شیخ محمد نقی صاحب آنریری مجسٹریٹ - لاہور
(۱۹) خانصاحب مولوی فیروز دین صاحب مالک "ایسٹرن ٹائمز" لاہور
(۲۰) نواب زادہ خورشید علی خان صاحب
(۲۱) سید حبیب شاہ صاحب مالک روزنامہ "سیاست" لاہور -
(۲۲) فقیر سید نجم الدین صاحب جاگیردار لاہور
(۲۳) خان بہادر سید مراتب علی صاحب آشیانہ لاہور
(۲۴) چودھری عبدالکریم صاحب آنریری مجسٹریٹ لاہور
(۲۵) شیخ عبدالحمید صاحب پروپرائٹر انگلش ویر ہاؤس
(۲۶) سید امجد علی صاحب
(۲۷) چودھری فتح محمد صاحب ایم - اے - آنریری مجسٹریٹ
(۲۸) خاں صاحب حکیم احمد شجاع صاحب

(۲۹) خان بہادر شیخ چراغدین صاحب

(۳۰) ملک محمد دین صاحب ایم ۔ ایل ۔ سی پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی لاہور

(۳۱) خان صاحب چودھری فتح شیر خان جونیئر وائس پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی

(۳۲) خان صاحب میاں امیرالدین صاحب میونسپل کمشنر لاہور

(۳۳) میاں جلال الدین صاحب میونسپل کمشنر لاہور

(۳۴) مولوی حاجی سر رحیم بخش صاحب کے سی ۔ آئی ۔ ای ۔ ایم ۔ ایل ۔ سی

(۳۵) نواب میاں محمد حیات صاحب قریشی ۔ سی ۔ آئی ۔ ای ۔ ایم ۔ ایل ۔ سی

(۳۶) نواب محمد جمال خان صاحب ایم ۔ ایل ۔ سی

(۳۷) خان بہادر میاں احمد یار خان صاحب دولتانہ ایم ایل سی

(۳۸) نواب فضل علی صاحب او ۔ بی ۔ ای ' ایم ۔ ایل ۔ سی

(۳۹) خان بہادر ملک محمد امین خان صاحب ایم ایل سی

(۴۰) خان بہادر سردار حبیب اللہ خاں صاحب ایم ۔ ایل ۔ سی

(۴۱) خان بہادر ملک زمان مہدی خان صاحب ایم ۔ ایل ۔ سی

(۴۲) خان بہادر کیپٹن ملک مظفر خان صاحب ایم ۔ ایل ۔ سی

(۴۳) خان بہادر میاں مشتاق احمد کرمانی صاحب ایم ۔ ایل ۔ سی

(۴۴) خان صاحب شیخ فضل الٰہی صاحب ڈائریکٹر انفرمیشن بیورو

(۴۵) بیگم صاحبہ شاہ نواز ۲۱ ص

سالوں کا کام دنوں میں

پھر یہ امر بھی سنجیدہ توجہ کا مستحق ہے کہ چودھری صاحب کو جس دور میں بھی کوئی منصب دیا گیا ۔ آپ نے اپنے مفوضہ فرائض کو اس محنت ' خلوص اور بصیرت سے سرانجام دیا کہ اگر اس پر متعدد عہدیدار ان بھی مقرر کئے جاتے تو شاید وہ مل کر بھی اپنے فرائض کو اس خوبی سے نہ نبھا سکتے جس خوبی سے آپ نے نبھایا ۔ ہم یہاں باؤنڈری کمشن میں چودھری صاحب کی طرف سے مسلم لیگ کی وکالت کے کام کو بطور مثال پیش کرتے ہیں ۔

مورخ پاکستان جناب عاشق حسین بٹالوی مرحوم "ہماری قومی جدوجہد" میں لکھتے ہیں :۔

فوٹو ۔۔ بہ شکریہ جنرل چوہدری ناصر احمد صاحب ۔

۶ ستمبر ۱۹۵۴ء ۔ آٹھ ملکوں کے اعلیٰ مندوبین = بائیں سے دائیں = ہز ایکسی لینسی رچرڈ جی کیسے ۔ آسٹریلیا = ہز ایکسی لینسی گے لاچیمبر ۔ فرانس = ہز ایکسی لینسی ٹی کلفٹن گب نیوزی لینڈ ۔ سر محمد ظفراللہ خاں ۔ پاکستان ۔ آنریبل کارلوس ۔ پی گارسیا ۔ فلپائن ۔ پرنس وان وا ۔تھایا کون ۔ تھائی لینڈ ۔ ہز ایکسی لینسی مارکوئس آف ریڈنگ ۔ برطانیہ ۔ آنریبل جان فاسٹر ڈلز ۔ امریکہ

معاہدہ سیٹو میں جارحانہ اقدام کی دو صورتیں بیان کی گئی تھیں ۔ ایک ایسا جارحانہ اقدام جو کسی اشتراکی ملک کی طرف سے کیا جائے ۔ اس صورت میں سیٹو کے تمام ممالک کا فرض تھا کہ وہ ایسے اقدام کو روکیں اور متعلقہ ملک کے دفاع کے ذمہ دار ہوں ۔۔۔۔ دوسرے ایسا اقدام جو کسی اور ملک کی طرف سے کیا جائے ۔ اس صورت میں سیٹو ممالک کا صرف یہ فرض قرار دیا گیا ۔ کہ ان کے نمائندے اکٹھے ہوں اور جارحانہ اقدام کو روکنے کے لئے باہمی مشورہ کریں ۔ کہ دفاع کے لئے کیا طریق اختیار کیا جائے ۔ چوہدری ظفراللہ خاں (پاکستان) کے نزدیک یہ صورت قابل قبول نہ تھی ۔ اس لئے آپ نے صرف یہ ذمہ داری قبول کی کہ معاہدے کا مسودہ حکومت پاکستان کو بھیج دیا تاکہ وہ فیصلہ کرے ۔ چوہدری صاحب کی عدم موجودگی میں یہ مسئلہ کابینہ کے سامنے پیش ہوا اور فیصلہ ہوا کہ پاکستان کو سیٹو میں شمولیت اختیار کرنی چاہئے ۔

In an impassioned plea at the Manila conference, the Pakistan delegate, Foreign Minister Zafrullah Khan, insisted that "aggression is evil and there are no varieties of aggression and it is necessary to resist it wherever it comes from."[25]

[J.R.S.P., Vol. XXVIII, No. 2, 1991]

جرنل ۔ آف ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان نمبر ۲ ۔ ۱۹۹۱ء

"۔ ۱۹۴۲ء کے نومبر میں ملک برکت علی نے قائداعظم کو لکھا کہ اگر واقعی مسلم لیگ کی قرارداد لاہور کے مطابق ' ہندوستان کی تقسیم ہمارے پیش نظر ہے۔ تو ہمیں چاہئے کہ ابھی سے ایک کمیٹی بنالیں ' جس میں مسلم لیگی لیڈروں کے علاوہ چند جغرافیہ دان ' مورخ ' قانون دان ' ماہر اقتصادیات ' زبان دان ' انجینئر ' ریٹائرڈ مسلمان فوجی افسر وغیرہ شامل ہوں۔ تاکہ ہندوستان کا نقشہ سامنے رکھ کر مختلف پہلوؤں پر غور کیا جائے کہ ' تقسیم کی نوبت آئی تو حد بندی کی لائن کہاں پڑنی چاہئے ۔۔۔۔ ملک صاحب کا یہ خط میں نے پڑھا ضرور تھا لیکن کچھ معلوم نہیں ' قائداعظم نے اس کا جواب کیا دیا تھا۔ یہ احساس مجھے اب تک پریشان کر رہا ہے کہ ہم نے سات سالوں میں تقسیم ہند کا کوئی نقشہ ' کوئی فارمولا ' کوئی بلیو پرنٹ تیار نہ کیا۔ سات سال مسلسل نعروں ' تقریروں اور بیان بازیوں میں صرف کر دیئے۔ بالآخر جب قرارداد لاہور کو عملی جامہ پہنانے کا وقت آیا تو چودھری ظفراللہ خاں کو صرف تین دن کی مدت دی گئی کہ اس قلیل عرصہ میں تن تنہا بیٹھ کر کیس بھی تیار کریں اور گذشتہ ایک سو سال کا تاریخی مواد بھی فراہم کریں۔ " ۲۲ ؎

راقم عرض کرتا ہے ان تین دنوں کی تیاری میں چودھری صاحب نے گذشتہ ایک سو سال کے ریکارڈ کا مطالعہ کر کے مسلم لیگ کا کیس کس خوبی و ہنرمندی اور خلوص سے پیش کیا؟ سابق سفیر پاکستان متعینہ مصر ' سابق صوبائی وزیر خزانہ ' سابق صدر بار ہائی کورٹ لاہور کی زبانی سنئے !۔ جناب سید احمد سعید کرمانی فرماتے ہیں :۔

سابق سفیر پاکستان برائے مصر کے تاثرات

" جب میں نے چودھری صاحب کو (باؤنڈری کمشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے ضمن میں۔ ناقل) بولتے سنا تو پتہ چلا کہ وہ کیا چیز ہیں۔ انہوں نے سارے حاضرین کو مسحور کر کے رکھ دیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ وقت رک گیا ہے۔ شاید وقت یہ عظیم تاریخی لمحات اپنے دامن میں سمونے کے لئے تھم ہی گیا تھا۔ جب وقفہ ہوا تو میری یہ حالت تھی اور جذبات ایسے ہو گئے تھے کہ میں بار بار چودھری صاحب کے ہاتھ چومتا تھا۔ مختصر سے وقت میں وہ شخص میرے لئے عظمت اور ذہانت کا مینار بن گیا..... (گھر جا کر میں نے اپنی والدہ محترمہ سے کہا۔ ناقل) وہ تو کوئی مافوق البشر Super Human شخص ہے۔ میں حیران ہوں وہ

کہاں سے الفاظ لاتا ہے۔ کوئی خیالات تھے۔ کوئی زبان تھی۔ کوئی روانی اور الفاظ کی شوکت تھی۔ کوئی ادائیگی تھی۔ کوئی منطق کا زور تھا۔ غرض کیا کیا تھا میں کیا بتاؤں۔ ..... جب دلائل ختم ہوئے تو کانگریس کے وکیل سر سیتلواڈ نے جو بڑا ماہر اور مشہور وکیل تھا۔ چودھری صاحب کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ مجھے پتہ نہیں کہ کیا فیصلہ ہو گا۔ لیکن ایک فیصلہ میں ابھی کر جاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اگر صرف دلائل سے فیصلہ ہونا ہے تو میں فیصلہ دیتا ہوں کہ ظفراللہ خاں کیس جیت گیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے بڑی قابلیت سے یہ کیس پیش کیا ہے۔ یہ باتیں انہوں نے کمشن کے اجلاس میں سب لوگوں کے روبرو کہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ میرا دوسرا ساتھی سر ٹیک چند (سابق جج لاہور ہائی کورٹ) بھی میرے خیالات سے متفق ہے۔"

لیکن چودھری ظفراللہ خاں کو جسٹس دین محمد نے یہ بتا دیا کہ " ریڈ کلف " کانگریس سے مل گیا ہے اور قائداعظم کے علم میں بھی یہ بات لائی گئی۔ ۲۲ ؎

اب اگر کوئی قائداعظم کے انتخاب میں کیڑے نکالے کہ انہوں نے چودھری صاحب کو کیوں آگے بڑھایا؟ تو ہم کسی کی زبان یا قلم کو تو روک نہیں سکتے۔

پنجاب حد بندی کمیشن کے ممبران چوہدری محمد ظفراللہ خان کے ہمراہ

ممبران۔ جسٹس دین محمد ' جسٹس محمد منیر (چوہدری محمد ظفراللہ خان) جسٹس تیجا سنگھ۔ جسٹس مہرچند مہاجن

باب نمبر۹

۔ حواشی ۔

۱۔ اقبال کے آخری دو سال ص ۔ ۱۳۷
۲۔ ایضاً
۳۔ " سرگذشت " ص ۳۶۱ مطبوعہ جنوری ۱۹۵۵ء
۴۔ اخبار " انقلاب " ۱۰ مارچ ۱۹۳۵ء
۵۔ اقبال کے آخری دو سال ص ۱۴۰
۶۔ ایضاً ص ۲۵۴ مطبوعہ ۱۹۷۸ء
۷۔ زندہ رود ص ۔ ۵۹۱
۸۔ طبع دوئم ص ۔ ۲۳۹
۹۔ زندہ رود ص ۔ ۵۹۱
۱۰۔ زندہ رود ص ۔ ۶۷۰
۱۱۔ " کردار قائداعظم " ص ۱۰۶
۱۲۔ زندہ رود ص ۶۴۷
۱۳۔ تحدیث نعمت طبع دوئم ص ۲۳۵
۱۴۔ مکتوب اقبال بنام (پرائیویٹ سیکرٹری) حضرت امام جماعت احمدیہ ' تاریخ احمدیت جلد نمبر۶
۱۵۔ بحوالہ الفضل ۱۳ جولائی ۱۹۳۵ء
۱۶۔ ٹرانسفر آف پاور نمبر۲ نمبر۴۱۲ ۔ مورخہ ۴ ر اگست ۱۹۴۲ء
۱۷۔ تحدیث نعمت طبع دوئم ص ۳۱۷
۱۸۔ زندہ رود ص ۔ ۵۷۸

نوٹ ۔ واضح رہے کہ سر فضل حسین نے جب وائسرائے کے سامنے چوہدری ظفر اللہ خاں کا نام کونسل میں تقرری کے لئے پیش کیا ۔ تو وائسرائے نے فوراً ہی خوش دلی سے آمادگی کا اظہار نہیں کیا ۔ سر فضل حسین اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ

He was at first opposed to it but gradually gave in and eventually said' he would think over it' (Dairy dated 12-5-31)

یعنی وائسرائے نے شروع میں تو چودھری صاحب کی تقرری کی تجویز کی مخالفت کی ۔ آہستہ آہستہ یہ مخالفت ترک کردی ۔ بالاخر اس نے کہا کہ اچھا ! میں اس نام پر غور کروں گا ۔ "

سر فضل حسین نے اپنی جانشینی کے لئے چودھری صاحب کا نام کیوں پیش کیا ؟ اس سوال کا جواب بھی سر فضل حسین کی ڈائری میں موجود ہے ۔ آپ لکھتے ہیں :۔

Merits should be the sole test and I really Can't think of a more competent man. (Dated 17 May)

یعنی کسی منصب پر تقرری کا معیار محض استحقاق ہونا چاہئے ۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ (مسلمانوں کی نمائندگی کے اس اعلیٰ منصب کے لئے) ظفر اللہ خاں سے بہتر کوئی آدمی مل سکتا ہو ۔ (ڈائری شائع کردہ " ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان " ۔ لاہور)

۱۹۔ خلاصہ ۔ تحدیث نعمت طبع دوئم ص ۳۵۵
۲۰۔ ص ۵۹۷

نوٹ ۔ یہاں شاید یہ سوال پیدا ہو کہ " اخبار زمیندار " اور " احرار " سر فضل حسین کی مخالفت کیوں کرتے تھے ۔ مولانا عبدالمجید سالک اپنی کتاب " سرگزشت " میں لکھتے ہیں :۔

" ۔۔۔ زمیندار اور احرار ' سر فضل حسین کو لیڈری کی سند سے اتارنا چاہتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے آگے ہماری دال نہ گلے گی ۔ وہ ان کی جگہ سر سکندر حیات کو پنجاب کا لیڈر بنانا چاہتے تھے ۔ (ان کے نزدیک) سر سکندر سے معاملہ خوب رہے گا ۔ " (ص ۳۵۸)

۲۱۔ بحوالہ الفضل ۲۱ ر اپریل ۱۹۳۵ء
۲۲۔ ص ۔ ۱۳۴
۲۳۔ ماہنامہ " انصار اللہ " نومبر دسمبر ۱۹۸۵ء ص ۵۰

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورج ہیں۔ اور آنے والے امتی یا ظلی نبی کی حیثیت سورج سے روشنی حاصل کر کے اس کے طابع ہو کر چاند سی ہے۔ جس طرح چاند کے نکلنے سے سورج کی حکومت ختم نہیں ہوتی بلکہ سورج کی حکومت کا اقتدار اور بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مرزا صاحب کے دعویٰ ظلی و بروزی یا امتی نبی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت میں کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ آپؐ کی نبوت کا دامن قیامت تک پھیلا ہوا ہے۔ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بہرحال "آخری نبی" ہیں۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں جہاں اسلام کی ظاہری تشریح یا تعریف فرمائی ہے وہاں صرف کلمہ طیبہ کو اسلام کا مرکزی نقطہ قرار دیا ہے۔ اس لئے ابتدائی مسلمانوں نے بلکہ ہر زمانہ کے محقق علماء نے ختم نبوت کے عقیدہ کی بحث میں پڑنے کے بغیر اسلام کی ظاہری حد بندی صرف کلمہ طیبہ قرار دی ہے۔

باب نمبر ۱۰

مسلم اتحاد کو توڑنے کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے

مصنف زندہ رود فرماتے ہیں :-

"۔ پنجاب کے مسلمانوں میں اتحاد کی شدید ضرورت تھی ..... اس اتحاد کو سیاسی طور پر توڑنے کی ذمہ داری اقبال کی رائے میں سر فضل حسین اور ان کی یونینسٹ پارٹی پر عائد ہوتی تھی۔ ..... دوسری طرف مذہبی طور پر اس اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی ذمہ داری اقبال کے نزدیک جماعت احمدیہ پر عائد ہوتی تھی" !

مسلم سیاسی اتحاد کی کیفیت

راقم یہ پوچھنے کی جسارت کرتا ہے کہ پنجاب سمیت برصغیر کے مسلمانوں میں وہ کونسا سیاسی اتحاد تھا۔ جسے یونینسٹ پارٹی نے توڑا؟ جواب دیتے وقت "زندہ رود" میں اسی دور سے متعلق درج شدہ مندرجہ ذیل حقائق سامنے رکھنے چاہئیں۔

--- مصنف لکھتے ہیں :

"۔ قائداعظم ۴ر مارچ ۱۹۳۴ء کو مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے ..... اس دور میں برصغیر میں مسلم سیاسی جماعتوں کی تعداد بیس سے اوپر جا چکی تھی اور ہر مسلم سیاسی جماعت کا مسلک دوسری سے مختلف تھا۔ خلافت کمیٹی کے رہنماؤں کا آپس میں اختلاف تھا..... جمعیتہ علماء ہند ' کانگریس کی ہمنوا تھی۔ پنجاب کی مجلس احرار ' جمعیتہ علماء ہند سے وابستہ تھی۔ خان عبدالغفار خاں نے صوبہ سرحد میں ایک سیاسی خدائی خدمت گار قائم کر رکھی تھی۔ لکھنؤ میں کانگریس کی شہ پر شیعہ مسلمانوں نے شیعہ پولیٹکل کانفرنس قائم کر رکھی تھی۔ کشمیر میں مسلمان مختلف دھڑوں میں یا سیاسی گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ عنایت اللہ مشرقی نے پنجاب میں خاکسار پارٹی کی بنیاد رکھی۔ ان مسلم سیاسی جماعتوں کے علاوہ کئی اور علاقائی یا فرقہ وارانہ بنیاد پر جماعتیں بھی موجود تھیں۔ مثلاً کلکتہ میں مومن کانفرنس ' بنگال میں مسلم پرجا پارٹی۔ پنجاب میں زمینداروں کے حقوق کے تحفظ کے لئے سر فضل حسین کی یونینسٹ پارٹی۔ دیگر سیاسی جماعتوں کا یہاں ذکر غیر ضروری ہے۔ مگر ان کی تعداد سے ظاہر ہے کہ اس دور میں مسلم

سیاسی رہنماؤں کے ذہنی انتشار کی کیا کیفیت تھی۔" ۲؎

---پھر لکھتے ہیں :۔

"۔گورنمنٹ کا انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں مسلمانوں کا صوبائی مختاری کا مطالبہ کچھ حد تک تسلیم کر لیا گیا..... یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمانوں میں سیاسی انتشار اپنی انتہا تک پہنچ چکا تھا اور وہ مختلف سیاسی گروہوں اور ٹولیوں میں بٹے ہوئے تھے۔" ۳؎

کیا مسلمانوں میں مذہبی اتحاد موجود تھا؟

کس نے توڑا؟

سیاسی اتحاد کی خستہ حالی کے بعد اب مذہبی اتحاد کی کسمپرسی ملاحظہ ہو۔ تحریک احمدیہ کے معرض وجود میں آنے سے بہت بیشتر علماء سو اور کفرباز مولویوں کے طفیل، امت کا اتحاد پارہ پارہ ہو چکا تھا۔ اختلاف و انتشار اور کفر کے فتاویٰ کا دائرہ اتنا وسیع ہو چکا تھا کہ علماء اسلام کے نزدیک--

اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو وہ کافر ہو جاتا تھا۔ اگر کوئی کہے کہ مجھے علم نہیں کہ حضرت آدم نبی تھے یا نہیں تو کافر۔ اگر کوئی کہے کہ ایمان بڑھتا اور گھٹتا ہے تو کافر۔ اگر کوئی حرام فعل کرتے وقت بسم اللہ پڑھے تو کافر۔ اگر کوئی سکول ماسٹر کہے کہ غیر مسلم، مسلمانوں سے بہت اچھے ہیں تو کافر۴؎۔

علاوہ ازیں اہل السنت و الجماعت کہتے تھے۔ شیعہ کافر بلکہ واجب القتل ہیں۵؎ شیعہ کہتے تھے کہ سوائے فرقہ اثنا عشریہ امامیہ کے کوئی ناجی نہیں۔۶؎

غرض تکفیر کا ایک سیلاب تحریک احمدیہ سے قبل بہایا جا چکا تھا۔ کوئی فرقہ ایسا نہیں تھا جو تکفیر کی مہر سے بچا ہوا ہو۔ دو بڑے فرقے شیعہ سنی کی منافرت اس حد تک بڑھ چکی تھی۔ کہ جب ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں نے تعلیم کی طرف توجہ کی تو اُن فرقوں کے طالب علم ایک جگہ بیٹھ کر دینی تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب ۱۸۷۲ء میں

"۔ انگریزی حکومت نے "نواب فنڈ" سے اینگلو عربک سکول دہلی میں مسلمانوں کے لئے

(عربی فارسی کے علاوہ) دینی تعلیم کا انتظام بھی کر دیا تاکہ مسلمانوں کی نئی نسل مذہب سے بیگانہ نہ رہے تو دہلی کے مسلمانوں اور علماء نے گورنر پنجاب کو یہ درخواست دے کر کہ شیعہ، سنی طلبا کا ایک جگہ بیٹھ کر دینی تعلیم حاصل کرنا مذہبی فساد کا موجب ہو گا دینی تعلیم کا سلسلہ بند کروا دیا۔ چنانچہ وہاں حسب سابق صرف عربی فارسی کی تعلیم جاری رہی۔

ہم رسالہ "اردو نامہ" سے اس درخواست کی نقل درج کرتے ہیں۔ جس میں اس دور کے اردو کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ یہ درخواست دسمبر ۱۸۷۴ء کی ہے جبکہ جماعت احمدیہ کا قیام ۱۸۸۹ء میں عمل میں آیا تھا۔

بحضور جناب نواب لیفٹننٹ گورنر صاحب بہادر ممالک پنجاب وغیرہ

عالی جناب

"۔ حضور نے براہ نوازش مسلمانان دہلی کے فائدہ کے لئے نواب فنڈ سے ایک علیحدہ مدرسہ قائم کیا اور اس میں سب طرح کے علوم جاری کئے۔ جس سے یہاں کے مسلمانوں کو بہت فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ مگر اب سنا گیا ہے۔ کہ یہاں مذہبی کتابیں بھی جاری ہوں گی۔ اور دونوں فریق یعنی اہل سنت اور اہل تشیع کے کتابیں پڑھائی جائیں گی۔ چونکہ اس باب میں.... پہلی ہی سی کچھ تنازع ہیں۔ تو دونوں فریقوں کی مذہبی کتابوں کا ایک جائی ہونا اس امر میں کچھ دشواری پیدا کرے گا اور ایک ہی مکان میں... مشترک کتابوں کی وقت دونوں فریقوں کے لڑکوں کا اکٹھا بیٹھنا شاید کچھ مذہبی چرچی کا سبب ہو گا.... ہماری یہ آرزو ہی کہ اس مدرسہ میں (دینی تعلیم بند کر کے) صرف عربی فارسی وغیرہ کی کتابیں پڑھائی جائیں۔"

اس درخواست پر دہلی کے مختلف الخیال علماء کے دستخط اور مہریں بھی اردو زبان میں ثبت ہیں "گورنر نے درخواست منظور کرتے ہوئے دینی تعلیم کا سلسلہ بند کروا دیا۔ ۷؎

راقم عرض کرتا ہے کہ باہمی تکفیر بازی نے چمن اسلام کو پامال کر رکھا تھا۔ جس کی تفصیل کے لئے الگ جلد درکار ہے۔ اس مضمون میں اس کا عشر عشیر بھی نقل نہیں کیا جا سکتا۔ نمونہ کے طور پر اب ایک بریلوی فتویٰ درج کیا جاتا ہے۔ بقول سابق وفاقی وزیر حاجی حنیف طیب، مولانا احمد، رضا خاں صاحب بریلوی دور حاضر کے فقیہ اعظم اور مجدد دین تھے۔ ان کے ملفوظات و ارشادات کتابی شکل میں شائع شدہ موجود ہیں۔ نمونتہ" آپ کا ایک فتویٰ ملاحظہ ہو

بحضور جناب نواب لفٹننٹ گورنر صاحب بہادر ممالک پنجاب وغیرہ

اور مشترک کتابوں کی وقت دونو فریقوں کے لڑکوں کا اٹھنا بیٹھنا شاید کبھی جھگڑے کا سبب ہوگا

عرض - ایک جلسہ میں آریہ و عیسائی اور دیوبندی قادیانی وغیرہ جو اسلام کا نام لیتے ہیں وہ بھی ہوں وہاں دیوبندیوں کا رد نہ چاہیئے -

ارشاد - کیوں - کیا ان سے موافقت کیجائے گی - حاشا یہ محال ہے - اسلام پر اس میں کوئی اعتراض نہیں -

عرض - آریہ وغیرہ یہ کہیں گے کہ اسلام ہی میں اختلاف ہوگیا

ملفوظات ۳۲۶ حصہ دوم

ارشاد - حاشا اسلام میں اختلاف نہیں اسلام واحد ہے - یہ لوگ اسلام سے نکل گئے مرتد ہوگئے مرتدین کی موافقت بدتر ہے کافر اصلی کی موافقت سے -

۳۱۹

ارشاد - ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، مولا علی، امام حسن، امیر معاویہ، عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت راشدہ تھی اور اب سیدنا امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت خلافت راشدہ ہوگی -

عرض - بعض علیگڑھی کو سید صاحب کہتے ہیں -

ارشاد - وہ تو ایک خبیث مرتد تھا

حامی سنت ماحئی بدعت اعلیٰ حضرت مولانا مولوی الحاج قاری محمد احمد رضا خاں صاحب قادری - برکاتی رحمتہ اللہ علیہ کا فتویٰ

عرض - ایک جلسہ میں آریہ و عیسائی اور دیوبندی - قادیانی وغیرہ جو اسلام کا نام لیتے ہیں - وہ بھی ہوں - وہاں دیوبندیوں کا رد نہ چاہئے -

ارشاد - کیوں - کیا ان سے موافقت کی جائے گی - حاشا ! یہ محال ہے - اسلام پر اس میں کوئی اعتراض نہیں -

عرض - آریہ وغیرہ یہ کہیں گے کہ اسلام ہی میں اختلاف ہوگیا -

ارشاد - حاشا - اسلام میں اختلاف نہیں - اسلام واحد ہے - یہ لوگ اسلام سے نکل گئے - مرتد ہوگئے - مرتدین کی موافقت بدتر ہے کافر اصلی کی موافقت سے " - ۸

عرض - بعض علی گڑھی (مسلمانوں کے قائد اول سر سید احمد خاں - ناقل) کو سید صاحب کہتے ہیں -

ارشاد - " وہ تو ایک خبیث مرتد تھا " - ۹

اس نوع کے فتاویٰ کا طومار اقبال کی زندگی میں شائع ہو چکا تھا - مذہبی انتشار و افتراق کی اس نازک صورت حال کے پیش نظر اقبال یہ کہہ چکے تھے کہ - " فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں " وہ ماتم کناں تھے کہ مسلمان فرقہ آرائی کی زنجیروں میں اسیر ہیں - وہ نوحہ بلند کرتے ہوئے نظر آرہے تھے کہ امت ' انتشار و اشتقاق سے ہمدوش ہو کر ثریا سے زمین پر پٹک دی گئی ہے --- فتاویٰ ء تکفیر سے تنگ آکر آپ پکار اٹھے تھے -

ہمارے مولوی آجائیں جس دم اپنی آئی پر
تو منطق ان کی صرف فتویٰ ء تکفیر ہوتی ہے

بقول مصنف زندہ رود ۱۹۳۵ء میں - " یہ انتشار اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا (صفحہ ۵۶۵) " --
اسی سال علامہ اقبال نے جماعت احمدیہ کے خلاف جاری شدہ مہم میں قدم رکھا اور اسی سال آپ کو یکدم یہ نظر آنے لگا کہ مسلمان تو بنیان مرصوص ہیں - ان میں زبردست یک جہتی پائی جاتی ہے - لیکن یونی نسٹ پارٹی یا جماعت احمدیہ ہی وہ جماعتیں ہیں - جنہوں نے اس اتحاد کو

پارہ پارہ کر دیا ہے ۔ حالانکہ جماعت احمدیہ کی سو سالہ تاریخ گواہ ہے کہ وہ ہمیشہ ہی اس بات کے لئے کوشاں رہی ہے کہ مسلمان متفق و متحد ہو کر رہیں ۔۔۔۔ انجمن حمایت اسلام کی سٹیج ہو یا مسلم لیگ کا پلیٹ فارم ۔ مسلم کانفرنس کا سیاسی اتحاد ہو یا شدھی کی مہم کی روک تھام کا معرکہ ۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی کارگزاریاں ہوں یا گول میز کانفرنس میں مسلم مفاد کا تحفظ ۔ قیام پاکستان کی جدوجہد ہو یا تحفظ پاکستان کے لئے دفاعی عسکری خدمات کا معرکہ ۔۔۔ ہر جگہ جماعت نے مسلم اتحاد کے لئے قابل تحسین کام کیا ہے ۔ اور ہر جگہ اپنے مسلم بھائیوں کے دوش بدوش مگر اپنی تعداد اور استطاعت سے بہت بڑھ کر قربانیاں پیش کر کے ان معرکوں میں شراکت کی ہے ۔ یہ الگ بات ہے کہ مخالفین کی طرف سے ' جماعت کے خلاف اشتعال انگیزیاں کر کے صورت حال کشیدہ کرنے کی کوششیں جاری رکھی گئیں ۔

غیر مسلم پرچے

مصنف تو جماعت احمدیہ پر مسلم اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کا الزام لگا رہے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ غیر مسلم یہ سمجھ چکے تھے کہ مسلمانوں میں " اتفاق و اتحاد " کا قیام جماعت احمدیہ کی کاوشوں یا بزعم ان کے جماعت احمدیہ کی سازشوں کا نتیجہ ہے ۔ چنانچہ آریہ اخبار رقمطراز ہے :

" ۔ جماعت (احمدیہ ۔ ناقل) نے مسلمانوں کے اندر حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی ہے ..... اس تحریک نے مسلمانوں کے اندر اتحاد پیدا کر دیا ہے ۔ آج مسلمان ایک طاقت ہیں ۔ مسلمان قرآن کے گرد جمع ہو گئے ۔ " [۱۰]

ایک اور آریہ اخبار ۔ " آریہ ویر " لکھتا ہے ۔

" جماعت احمدیہ کے کام نے مسلمانوں کے اندر حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی ہے ۔ ملک اور قوم کے لئے (یعنی ہندوؤں اور ان کے رام راج کے لئے) یہ تبدیلی کس قدر خطرناک ہے ۔ اس کا ذکر میں اس جگہ نہیں کروں گا ۔ لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا کہ احمدی تحریک نے مسلمانوں کے اندر اتحاد پیدا کر دیا ہے ۔ آج مسلمان ' ہندوؤں کے مقابلہ پر متحد ہیں ۔ سنی ۔ شیعہ ۔ قادیانی ۔ اہل حدیث ۔ وہابی ۔ آغا خانی سب متحد ہیں ۔ آج مسلمان ایک طاقت ہیں "

(پرچہ ۹ر اگست ۱۹۳۱ء بحوالہ الفضل ۲۲ ستمبر ۱۹۳۱ء)

مسلم پرچہ انقلاب

مسلمانوں کے اندر اتحاد پیدا کرنے اور ان کے ساتھ کامل ہم آہنگی کا رویہ تواتر کے ساتھ اس جماعت کا طرہ امتیاز رہا ہے ۔ مسلم پرچہ " انقلاب " جماعت کی ملی خدمات سے متاثر ہو کر یہ لکھے بغیر نہ رہ سکا کہ :۔

" سائمن کمشن (۱۹۲۸ء) سے لے کر اب تک (یعنی ۱۹۴۴ء تک) انہوں (یعنی حضرت امام جماعت احمدیہ) نے مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور جداگانہ حیثیت کے قیام میں ملت اسلامی کے ساتھ جس کامل ہم آہنگی کا ثبوت دیا ہے اس کی ہم دل سے قدر کرتے ہیں ۔ " [۱۱]

اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ مصنف " زندہ رود " کا یہ تاثر دینا کہ " احمدی مسلمانوں کی کسی سیاسی تنظیم میں شامل ہو کر " کام کرنے کے لئے تیار نہ تھے (صفحہ ۵۹۳) یا یہ کہ احمدی " برصغیر کی سیاست میں صرف اسی حد تک حصہ لیتے تھے ۔ جس حد تک سر فضل حسین یا یونی نسٹ پارٹی کے مفادات اجازت دیتے تھے (صفحہ ۵۹۱) ایک بے بنیاد تاثر ہے جس میں تعصب اور جانبداری کی آمیزش موجود ہے ۔

جماعت احمدیہ اور اتحاد المسلمین کا فارمولا

جماعت احمدیہ ' اتحاد المسلمین کے لئے ہر دم کوشاں رہی ہے ۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب شیعہ ' سنی کو اور سنی ' شیعہ کو کافر قرار دے رہا ہے ۔ تو مسلمانوں میں اتحاد کیسے ممکن ہے ۔ حضرت امام جماعت احمدیہ نے اس پریشان کن صورت حال کے ہوتے ہوئے بھی ایسے اصول بیان فرمائے ہیں ۔ جن کے تحت " اتحاد المسلمین " قائم ہو سکتا ہے ۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں :
۔

" ۔۔ ہر فرقہ کے لوگ بے شک دوسروں کو تبلیغ کریں ۔ اور اپنا ہم عقیدہ بنانے کی کوشش کریں ۔ مگر سیاسی معاملات میں مل کر کام کریں ۔ چنانچہ میں نے مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلاتے ہوئے شائع کیا کہ مسلمان کی دو تعریفیں ہیں ۔ ایک مذہبی ۔۔ اس کے لحاظ سے ہر ایک فرقہ ' اپنے فرقہ کے لوگوں کو مسلمان کہتا ہے لیکن ایک تعریف ' سیاسی بھی ہے ۔ یعنی جو شخص بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے ۔ اور قرآن کریم کو آخری شریعت قرار دیتا ہے ۔ وہ مسلمان ہے ۔ کیونکہ تمدنی اور سیاسی لحاظ سے ' ان سب کے فوائد مشترک ہیں ۔

حضور مزید فرماتے ہیں :-

"..... پہلی دفعہ مسلم لیگ کے جلسہ لاہور میں اس تعریف کو پیش کیا گیا - اس کے بعد سب نے اس کو مان لیا سوائے چند متعصب علما کے ..... پس موجودہ حالت میں تمام مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے کا یہی طریق ہے کہ ..... تمدنی اور سیاسی لحاظ سے جو مسلمان کہلاتا ہے - اسے مسلمان کہیں اور متحدہ تمدنی و سیاسی معاملات میں مل کر کام کریں - اس تحریک کا ایسا اثر ہوا کہ معاً مسلمانوں میں اتحاد شروع ہو گیا ..... کئی شیعوں ' سینوں اور اہل حدیثوں کی طرف سے خطوط آئے جنہوں نے لکھا کہ آپ اس تحریک کو جاری رکھیں - آپ ہی کے ذریعہ مسلمانوں میں اتحاد اور اتفاق ہو گا " ۱۲؎

پس جماعت احمدیہ اتحاد اسلامی کی سب سے بڑی علمبردار ہے - اس پر مسلم اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کا الزام عائد کرنا ظلم عظیم ہے -

ہندو کانگریس کو جماعت احمدیہ کا یہ کردار سخت ناگوار تھا - اس نے خود تو اچھوتوں اور سکھوں تک کو ساتھ ملانے کی کوشش کی - ادھر اپنے آلہ کاروں کے ذریعہ مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لئے ان میں مذہبی منافرت پھیلانے کے لئے منصوبے بنائے -

۳۵-۱۹۳۴ء میں مولوی ظفر علی خاں اور مجلس احرار (کانگریس کے ہمنواؤں) کے ذریعہ یہ تحریک زور پکڑ گئی کہ احمدیوں کو جن کی وجہ سے مسلم اتحاد کے قیام کو تقویت ملی تھی - غیر مسلم قرار دے کر امت مسلمہ سے علیحدہ کر دیا جائے - کچھ عرصہ بعد علامہ اقبال جو اب تک مسلمانوں میں یگانگت اور اتحاد کے داعی تھے اس طبقہ کے بیچ میں آ گئے -

یہ منطق ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ کلمہ گو جماعت کو ملت سے کاٹنے والے تو اتحاد اسلامی کے علمبردار ہیں - اور ملت سے پیوستہ رہنے کی خواہاں جماعت ' اتحاد المسلمین کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے -

۳۵ء میں جب یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ افتراق و انتشار کے یہ جراثیم اتحاد اسلامی کی جڑیں کھوکھلی نہ کر دیں - تو " انقلاب " نے اپنے اداریئے میں لکھا :-

انقلاب کا اداریہ

" - (اتحاد پیدا کرنا) اس وقت مسلمانوں کی سب سے بڑی خدمت ہے - ہندوؤں کی

حالت یہ ہے کہ وہ اپنی قوتوں کو بے پناہ بنانے کے لئے سکھوں کے ساتھ بھی گہرا اتحاد کر رہے ہیں - چنانچہ آجکل یہ فیصلہ کیا جا رہا ہے کہ سکھ اور ہندو باہم مشترک انتخاب پر آ جائیں اور اس سلسلے میں سکھوں کے لئے نشستیں مخصوص کر دی جائیں - ہندو ' یہاں تک تیار ہیں کہ [illegible] میں سکھوں کو مزید نشستیں دے کر ان کا تناسب ۵ فی صدی تک پہنچا دیں - پھر کیا اس موقع پر مسلمانوں کے لئے اتحاد و یگانگت اور یک آہنگی سے بڑھ کر کوئی چیز اہم ہو سکتی ہے ؟ ۱۳؎

مگر افسوس کہ اس دور میں علامہ ' مخالف احمدیت طبقہ کے اس حد تک زیر اثر آ چکے تھے - کہ مسلم اخباروں کی کوئی اپیل یا دلیل کارگر ثابت نہ ہوئی اور آپ مئی ۳۵ء میں کھل کر " زمیندار " اور " احرار " کے ہمنوا ہو گئے اور انہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انگریزی حکومت سے یہ مطالبہ کرنے لگے کہ وہ " استحکام اسلام " اور ملت اسلامیہ کے اتحاد کے لئے کام کرے اور اس کی صورت یہ بتائی کہ " قادیانیوں " کو الگ اقلیت قرار دیا جائے -

سوال یہ ہے کہ جب قیام پاکستان کے بعد ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی کے ذریعہ جماعت احمدیہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا تو کیا ملکی یا بین الاقوامی سطح پر مسلمان یکجان ہو گئے -

پاکستان اور کابل حکومت میں رشتہ اخوت بڑھ گیا ؟ ایران عراق میں یگانگت اور ہم آہنگی کو فروغ نصیب ہوا ؟ عراق و کویت کے حکمران یک جان ہو گئے ؟ وطن عزیز کے شیعہ سنی سواد اعظم میں بھائی چارے کی فضا پیدا ہوئی ؟ شریعت بل پر اتفاق ہو گیا - تکفیری سیلاب رک گیا ؟ نتیجہ سب کے سامنے ہے -

ظاہر ہے علامہ اقبال کا یا قیام پاکستان کے بعد بعض مسلم زعماء کا یہ کہنا کہ احمدیوں کو اقلیت قرار دینا " استحکام اسلام " یا " استحکام ملت " کا موجب ہو گا - عملی طور پر نادرست ثابت ہو چکا ہے - بلکہ اس اقدام کے بعد مسلم انتشار اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے -

دور حاضر کا تکفیری سیلاب

جماعت احمدیہ کو اقلیت قرار دینے کے بعد تکفیر بازی کی جو صورت حال پیدا ہو چکی ہے ہم اس کے متعلق اس وقت نمونۃً " ایک تحریر درج کرتے ہیں -

دار العلوم دیوبند سے (رسالہ الفرقان - لکھنؤ) کے ذریعہ شیعوں کی تکفیر کے سلسلہ میں سینکڑوں فتاویٰ کو حال ہی میں یکجا کر کے شائع کیا گیا ہے - پھر یہ فتاویٰ کراچی کے ماہنامہ "

البینات " کی زینت بنے ہیں - یہ پرچہ جناب مولوی یوسف بنوری صاحب کی یادگار ہے - شیعوں کے خلاف سینکڑوں فتاویٰ درج کرتے ہوئے لکھا گیا ہے - کہ " اثنا عشریہ ' منصب امامت کو نبوت سے بالا تر مانتے ہیں - اس لئے ختم نبوت کے منکر ہیں " - " ان کو مسلمان کہنا خود اسلام کی نفی ہے "

یہی پرچہ جماعت احمدیہ کے متعلق لکھتا ہے :-

" - قادیانی ' نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور کلمہ گو ہیں - بلکہ انہوں نے اپنے نقطہ نظر کے مطابق ایک صدی سے بھی زیادہ مدت سے اپنے طریقہ پر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا جو کام خاص کر یورپ اور افریقی ممالک میں کیا - اس سے باخبر حضرات واقف ہیں ---- اور خود ہندوستان میں جو قریباً نصف صدی تک اپنے آپ کو مسلمان اور اسلام کا وکیل ثابت کرنے کے لئے عیسائیوں اور آریہ سماجیوں کا انہوں نے جس طرح مقابلہ کیا - تحریری اور تقریری مناظرے مباحثے کئے وہ بہت پرانی بات نہیں ---- پھر ان کا کلمہ ---- ان کی اذان اور نماز وہی ہے - جو عام امت مسلمہ کی ہے - زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں ان کے فقہی مسائل قریب قریب وہی ہیں - جو عام مسلمانوں کے ہیں :-

لیکن ---- اثنا عشریہ (شیعہ) کا حال یہ ہے کہ :-

- ان کا کلمہ الگ ہے -
- ان کا ---- وضو الگ ہے -
- ان کی نماز اور اذان الگ ہے -
- زکوۃ کے مسائل بھی الگ ہیں -
- نکاح اور طلاق وغیرہ کے مسائل بھی الگ ہیں -
- حتیٰ کہ موت کے بعد کفن دفن اور وراثت کے مسائل بھی الگ ہیں -

مضمون کے آخر میں حضرات علماء کرام سے گذارش کی گئی ہے کہ قادیانیوں کے کفرو ارتداد کا تو آپ نے فیصلہ کر دیا - اثنا عشری شیعوں کے کفر کے بارے میں اپنی ذمہ داری کب نبھائیں گے ؟ " ۱۴ ے

پروفیسر رفیع اللہ شہاب ---- جناب اشرف ظفر صاحب کی کتاب " مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی " پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں -

(وطن عزیز میں) مختلف مذہبی فرقوں کا سب سے اہم اتحاد " قومی اتحاد " کی شکل میں ۱۹۷۷ء میں وجود میں آیا تھا - مگر... اس اتحاد میں شامل مختلف مذہبی جماعتیں ایک دوسرے کے پیچھے نماز ادا کرنے کی روادار نہ تھیں اور جب بھی نماز کا وقت ہوتا تو دیوبندی اور بریلوی اپنی علیحدہ جماعتیں کرواتے -

۲۵ راگست ۱۹۷۷ء کی شام اسلامی اخوت اور نظام اسلام کے قیام کے دعوے دار .... نماز کے لئے اٹھے تو مفتی محمود صاحب اور نواب زادہ نصراللہ خاں دس بارہ آدمیوں کو لے کر ایک طرف چل پڑے اور ان کی امامت مفتی محمود صاحب نے کی جبکہ مولانا نورانی صاحب اور میاں طفیل صاحب 'دوسری طرف کھڑے ہو گئے - (صفحہ ۷۳)

مصنف نے اس قسم کی سینکڑوں مثالوں کا ذکر کیا ہے - ۱۵ ے

مصنف زندہ رود ان تمام حقائق سے بخوبی آگاہ ہوتے ہوئے بھی مسلم اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی ذمہ داری جماعت احمدیہ پر عائد کر رہے ہیں ۱۶ ے

اس دور میں سب کچھ ہے پر انصاف نہیں ہے -

راقم عرض کرتا ہے - علامہ نے احمدیوں کو دائرہ اسلام سے خارج کرنے کے سلسلہ میں بار بار انہیں وحدت ملی اور استحکام امت کے لئے خطرہ قرار دیا - حالانکہ وحدت ملی یا استحکام ملت کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان قوم کا ایک مرکز ہو - ایک خلیفہ ہو - بیت المال ہو - نظام قضا وافتاء ہو - مجلس مشاورت ہو - علماء اور عوام میں باہمی اخوت و محبت ہو - کفر سازی سے حد درجہ نفرت ہو ---- مگر غیر احمدی مسلمانوں کے ہاں تو ان سب باتوں میں سے کسی کا بھی وجود نہیں (اور اب بزعم خود احمدیوں کو خارج از اسلام قرار دے کر حالت پہلے سے بھی بدتر ہو چکی ہے) - پھر وحدت ملی اور استحکام اسلام کا دعویٰ کس منہ سے ! --- اور احمدی جن کے پاس یہ سب کچھ ہے وہی اسلام کے لئے خطرہ ؟ یا للعجب

جب ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم کے ذریعہ جماعت احمدیہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا تو نوائے وقت لاہور نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو وزیر اعظم کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اپنے اداریہ میں لکھا ---- "کوئی عجب نہیں کہ یہ (یعنی یہ فیصلہ) عقبیٰ میں مسٹر بھٹو کی نجات کا موجب بننے کے ساتھ قوم کی بھی نشاۃ ثانیہ کا باعث بن جائے " ۱۷ ے

عقبیٰ میں نجات کے معاملے کی کیفیت کے بارے میں تو ہم بے خبر ہیں - مگر قوم کی نشاۃ

ثانیہ کا حال سب کے سامنے ہے۔ جماعت اسلامی کے پہلے امیر مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب نے ۱۹۷۴ء میں فرمایا تھا کہ "احمدی" "مسلم معدے" میں ایک "مکھی" کی طرح تھے۔ اب جبکہ حکومت نے یہ "مکھی" نکال پھینکی ہے۔ قوم کو نئی زندگی عطا ہو گی۔ صالح خون پیدا ہو گا۔ گویا قوم کی نشاۃ ثانیہ ہو گی اور یہ دیانت ' امانت ' اخلاق اور اتحاد کا گہوارا بن کر ابھرے گی۔ مگر اسی جماعت کے دوسرے امیر میاں طفیل محمد صاحب نے اس مکھی کے نکالے جانے کے بعد اپنی "لیبارٹری" میں قوم کی رگوں میں دوڑنے والے صالح خون کی ۱۹۹۰ء میں جو تازہ ٹسٹ رپورٹ تیار کی ہے۔ اس کے اجزاء کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں۔

"۔ قوم میں کس پر اسلام لایا جائے۔ کس پر اسلام نافذ کیا جائے۔ قوم کا اس وقت کیا حال ہے ؟ کیا آپ نہیں جانتے .... امر واقعہ یہ ہے کہ یہ قوم تو بالکل سڑ گئی ہے۔ پیسے بغیر کوئی ووٹ دینے کے لئے تیار نہیں۔ کوئی ناچ رہا ہو۔ کوئی زانی ' زنا کر رہا ہو۔ کسی کو پروا نہیں۔ پیسہ ہو تو وہ لیڈر بن جائے گا۔ کسی کو امانت اور دیانت کی کوئی پروا نہیں نہ ضرورت۔ جتنا بڑا کوئی رشوت خور ہو۔ جتنا بڑا کوئی بددیانت ہو۔ جتنا بڑا کوئی سمگلر ہو۔ زانی ہو۔ بدمعاش ہو۔ اس کو ووٹ دیں گے۔ اب آپ ہی بتائیں کس قوم کے اندر اسلام نافذ کیا جائے۔ آپ کے علماء کا کیا حال ہے ؟ ایک حلوے کی پلیٹ کسی مولوی صاحب کو کھلا دیں۔ جو چاہیں فتویٰ لے لیں۔ ہر مولوی دوسرے مولوی کو کافر بنا رہا ہے۔ جماعت اسلامی ۵۰ برس سے کام کر رہی ہے ۔ مولانا مودودی جیسا آدمی اس قوم کے لئے سر کھپاتا رہا۔ گیارہ کروڑ کی آبادی میں سے اس وقت بھی پانچ ہزار جماعت اسلامی کے ارکان ہیں وہ بھی چھوٹی برادریوں اور ذاتوں کے تعلق رکھنے والے۔ یا دفتروں کے چپڑاسی۔ کوئی قابل ذکر آدمی جماعت اسلامی کے ساتھ نہیں ہے۔" ۱۸؎

۔ حواشی ۔

۱۔ ص۔ ۵۹۵

۲۔ ص۔ ۵۳۵

۳۔ ص۔ ۵۶۵

۔۔ مسلم لیگ کے انتشار کے متعلق مصنف فرماتے ہیں:

(چودھری ظفر اللہ خاں کے بعد) میاں عبد العزیز لیگ کے قائمقام صدر منتخب ہوئے مگر انہوں نے دھاندلی سے لیگ کو ایک گروہی جماعت کے طور پر چلانا چاہا اور سر محمد یعقوب کو سیکرٹری شپ سے علیحدہ کر دیا۔ ۱۹۳۳ء میں حافظ ہدایت حسین لیگ کے صدر بنے۔ لیکن اس دوران اراکین میں نفاق کے سبب ہنگامہ ہو گیا۔ جس میں عثمان آزاد مدیر روزنامہ "انجم" کے چند دانت ٹوٹ گئے۔ پس لیگ مزید انتشار کا شکار ہوئی (ص ۳۴۱)

۴۔ الجرا سرائق جلد نمبر۵ ص ۱۳۰

۵۔ رد تبرا ص ۳۰

۶۔ صدیقہ شہداء ص ۶۵

۷۔ اردو نامہ مئی ۱۹۸۶ء ص ۱۷ پنجاب گورنمنٹ پریس

۸۔ ملفوظات حصہ سوئم۔ ص ۳۲۶۔ کامیاب دار التبلیغ اردو بازار لاہور

۹۔ ایضاً ص ۳۱۹

۱۰۔ (بحوالہ فاروق ۲۸ / ۲۱ اپریل ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۰۔ تاریخ احمدیت جلد نمبر ۶ صفحہ ۳۰۳)

۱۱۔ (اداریہ انقلاب پرچہ ۲۹ / جون ۱۹۴۴ء)

۱۲۔ لیکچر صفحہ ۱۰ جلسہ سالانہ ۲۸ دسمبر ۱۹۲۷ء

۱۳۔ پرچہ ۳ / مارچ ۱۹۳۵ء

۱۴۔ ماہنامہ البینات۔ کراچی جنوری فوری ۱۹۸۸ء ص ۹۶

۱۵۔ روزنامہ امروز لاہور ۲۰ مارچ ۱۹۸۷ء

۱۶۔ زندہ رود ص ۵۹۵ | ۱۷ نوائے وقت ۹ ستمبر ۱۹۷۴ء
۱۸۔ بیدار ڈائجسٹ۔ اگست ۱۹۹۰ء ص (۹) (ضیاء الحق شہید نمبر)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی دلی تڑپ۔ اتحاد المسلمین

جماعت احمدیہ کے بانی، مسلم اتحاد کی دلی تڑپ رکھتے تھے اور انتشار کے سخت خلاف تھے۔ سر فضل حسین حضور کی وفات سے دو ایک یوم قبل آپ سے ملے۔ اور اتحاد المسلمین پر بات چیت کی۔ اس ضمن میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے سر فضل حسین لکھتے ہیں:۔

Curiously enough this docrine business was the one which I discussed with Mirza Sahib a day or two before his death in Lahore and the impression left on my mind was that he was fully cogr ant of the Importance of Muslim Unity' and was strongly opposed to disruption.

مسٹر جناح کو ہندوستان واپس جانے کی ترغیب

اسی طرح حضرت امام جماعت احمدیہ (وفات ۱۹۶۵ء) سمجھتے تھے کہ مسلم مفاد اسی میں مضمر ہے کہ مسلم اتحاد کے علمبردار مسٹر محمد علی جناح کو جو مستقل طور پر انگلستان میں مقیم ہو گئے تھے۔ واپس ہندوستان تشریف لا کر مسلمانوں کی قیادت کرنے کی ترغیب دی جائے۔ اس مقصد کے لئے مبلغ انگلستان مولانا عبدالرحیم صاحب نے حضور کی ہدایت کے مطابق، قائداعظم کو واپس ہندوستان جانے پر آمادہ کیا۔ اور یوں آپ کی کاوش سے چند سال بعد پاکستان کا حصول ممکن ہوا۔ جناب م۔ ش (ممتاز صحافی) لکھتے ہیں:۔

It was Mr.Liaqat Ali Khan and Maulana Abdul-Rahim Dard'an Imam of London Mosque'who persuaded Mr.M.A Jinnah to change his mind and return home to play his role in the National Politics.(Pakistan-Times supply II Col.I.11.9.81).

باب نمبر۱۱ فصل نمبر۱

کیا اقبال بوجہ علالت، وائسرائے کونسل کی رکنیت کا منصب قبول کرنے کے قابل نہ تھے؟

مصنف "مظلوم اقبال" کا موقف

مصنف "مظلوم اقبال" کے مطابق، احمدیت کے خلاف، علامہ اقبال کے بیانات میں شدت اور تلخی کی وجہ ـــــ "ایک سازش کے تحت احرار کا دباؤ اور ان کی ریشہ دوانیاں تھیں جس میں ایک ذاتی معاملہ میں علامہ کا احساس محرومی بھی شامل ہو گیا۔"۱۔

واضح رہے کہ اس "احساس محرومی" کا تعلق وائسرائے ہند کی کونسل کی رکنیت پر تقرری سے تھا جس کے لئے اخبارات اور پبلک میں علامہ اور چودھری محمد ظفراللہ خاں کا نام لیا جا رہا تھا مگر تقرر چوہدری صاحب کا ہو گیا۔

مصنف زندہ رود کا موقف

مصنف زندہ رود کو اس موقف سے اتفاق نہیں۔ ان کے نزدیک تین وجوہات کی بنا پر اس منصب پر علامہ کے تقرر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

۱۔ علامہ، اس دور میں علیل تھے۔
۲۔ علامہ، انگریزی حکومت کے زبردست نقاد تھے۔
۳۔ علامہ، انگریز کی ملازمت کے لئے تیار نہ تھے۔

آیئے! ان تینوں وجوہات کا باری باری جائزہ لیں۔

علامہ کی علالت

مصنف زندہ رود، علامہ کی علالت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"یہ درست ہے کہ اقبال کو مالی فراغت یا آسودگی کبھی نصیب نہیں ہوئی لیکن ۱۹۳۴ء یا ۱۹۳۵ء میں تو بوجہ علالت وہ اس قابل ہی نہ تھے کہ وائسرائے کی رکنیت قبول کرتے۔ اس زمانہ میں سر فضل حسین نے اپنے خط مورخہ ۲ر مئی ۱۹۳۴ء بنام میاں امیر الدین میں تحریر کیا:

"اقبال کا کیا حال ہے! کچھ عرصہ ہوا میں نے سنا تھا کہ وہ علیل ہیں اور مالی مشکلات سے دوچار۔ مجھے بڑی مسرت ہوگی اگر آپ مجھے بصیغہ راز اطلاع دیں کہ صحیح پوزیشن کیا ہے۔ میں کالج کے ایام سے ان کا بڑا مداح ہوں اور ایک بار پھر ان کی امداد کی کوشش کرنا چاہتا ہوں۔"

میاں امیر الدین نے انہیں جواب دیا کہ اقبال، علالت کے سبب ایک مدت سے وکالت ترک کر چکے ہیں۔ ان کی صحت اور مالی حالت دونوں خراب ہیں اور ان کی آواز بڑی سرعت کے ساتھ بیٹھتی چلی جا رہی ہے۔"

مصنف نتیجۃً رقمطراز ہیں:۔

"۔ اس حالت میں یہ کہنا کہ اقبال وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کی رکنیت کے امیدوار تھے یا اس منصب پر تقرری کے خواب دیکھ رہے تھے اور جب ان کی بجائے یہ منصب، وزیر ہند نے سر ظفر اللہ خاں کو سونپ دیا تو وہ انتقاماً احمدیت کی مخالفت میں بیان جاری کرنے لگے۔ اصل حقائق سے بے خبری ہے یا انہیں تعصب کی عینک سے دیکھنے والوں کی آنکھ سے دیکھنا ہے۔"۴۲

علامہ کے اپنے خطوط

راقم کی رائے میں یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ علامہ کی صحت کی کیفیت کے بارہ میں میاں امیر الدین صاحب کے ایک خط پر انحصار کرنے کی بجائے علامہ کے اپنے رقم فرمودہ متعدد خطوط کو پیش نظر رکھا جائے۔ جو آپ نے بواسطہ سید نذیر نیازی، اپنے معالج حکیم نابینا صاحب کو (دہلی) بھجوائے۔۔۔ نیز ۱۹۳۴ء کا چار پانچ ماہ کا وہ عرصہ خصوصیت سے پیش نظر رکھا جائے جس میں اس منصب رفیع کے لئے سر فضل حسین رکن وائسرائے کونسل کی جگہ علامہ اقبال اور چودھری صاحب کا نام پریس میں لیا جا رہا تھا۔ اور چوہدری صاحب کی موافقت و مخالفت پر بحث جاری تھی۔

واضح رہے کہ اکتوبر ۳۴ء میں حکومت نے فیصلہ کر دیا کہ چودھری ظفر اللہ خاں، سر فضل حسین کے جانشین ہوں گے (چودھری صاحب نے مئی ۳۵ میں اپنے منصب کا چارج لے لیا) ۔ اکتوبر ۳۴ کے حکومتی فیصلہ نے اس بحث کا دروازہ بند کر دیا جو کچھ عرصہ سے جاری تھی کہ سر فضل حسین کا جانشین کون ہوگا؟

آیئے دیکھتے ہیں کہ مئی ۳۴ سے ستمبر ۳۴ تک کے پانچ ماہ میں علامہ کی صحت کی کیفیت کیا تھی؟۔

اکتوبر ۳۴ سے پانچ ماہ پیشتر۔ علامہ کی صحت کی کیفیت کا چارٹ

بحوالہ "مکاتیب اقبال" از نذیر نیازی صاحب شائع کردہ اقبال اکادمی۔ پاکستان

صفحہ نمبر	تاریخ	مکتوب	کیفیت از علامہ اقبال
			اپنے معالج حکیم نابینا صاحب کے نام خطوط
۱۳۱ -	۲۴ مئی ۱۹۳۴ء	=	گلے کی شکایت تو ابھی باقی ہے مگر اب رفتہ رفتہ صحت کی طرف ترقی ہے۔
۱۶۰ -	۲۹ جون ۱۹۳۴ء	=	صحت مجموعی، بہت اچھی ہے۔ بلکہ اس سے چار ماہ پیشتر جو صحت کی حالت تھی وہ عود کر آئی ہے البتہ آواز پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا
(نوٹ -	جولائی ۱۹۳۴ء	=	یکم جولائی ۱۹۳۴ء کو آپ انجمن حمایت اسلام کے صدر منتخب ہوئے)
۱۶۴ -	۳ ر جولائی	=	حکیم صاحب کی عنایت سے میری صحت اچھی ہوگئی ہے۔ صرف آواز کی کسر ہے۔۔ ممکن ہے اس ماہ کے اندر اندر انگلستان جانا پڑے۔

(انگلستان جانے کے ضمن میں مولانا عبدالمجید سالک، ذکر اقبال (مطبوعہ ۱۹۵۵ء) میں لکھتے ہیں۔

"۔ علامہ کو صحت پر اس قدر اعتماد پیدا ہو گیا کہ وہ روڈس لیکچرز

کے لئے آکسفورڈ (انگلستان) جانے کو تیار ہو گئے جس کے متعلق وہ لارڈ لوتھین سے وعدہ کر چکے تھے ---- چونکہ عمومی صحت اچھی تھی اس لئے شدید گرمیوں میں سرہند تشریف لے گئے۔ (صفحہ ۱۹۰) اس زمانے میں علامہ کو اپنی صحت کی طرف سے اس قدر اطمینان تھا کہ انہوں نے مشاغل ادبی کو از سرنو شروع کر دیا) (صفحہ ۱۹۳)

۱۷۵ - ۲۳ جولائی ۱۹۳۴ء = اگر میری آواز اصلی حالت پر عود کر آئی تو میں اس بیماری کو
خدا کی رحمت تصور کروں گا کیونکہ اس بیماری نے حکیم صاحب سے وہ ادویہ استعمال کرنے کا موقعہ پیدا کیا۔ جنہوں نے میری صحت پر ایسا نمایاں اثر کیا ہے کہ تمام عمر میں میری صحت ایسی اچھی نہ تھی ۔ جیسی اب ہے۔

۱۹۵ - ۳ ر ستمبر ۱۹۳۴ء - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے میرا بدن نئے سرے سے تعمیر ہو رہا ہے

۲۰۷ - ۳۰ ستمبر ۱۹۳۴ء - صحت خدا کے فضل سے بہت اچھی ہو گئی ہے۔ ۳ سے

اکتوبر ۱۹۳۴ء - حکومت نے اعلان کر دیا کہ سر فضل حسین کی جگہ سر ظفر اللہ خاں منصب سنبھالیں گے۔

اس چارٹ سے ظاہر ہے کہ چودھری صاحب کی تقرری کے اعلان سے قبل، علامہ، بار بار اپنے معالج کے نوٹس میں یہ بات لاتے رہے کہ ان کی صحت "اچھی" ہے --- ایک موقع پر بتایا کہ ساری عمر میں میری صحت اتنی اچھی نہ تھی جتنی اب ہے۔ ایک اور موقع پر فرمایا کہ میرا بدن نئے سرے سے تعمیر ہو رہا ہے۔ رجسٹرار مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام اپنے خط ۳۱ ر جولائی ۱۹۳۴ء میں گلے کی تکلیف کا اظہار کرتے ہوئے لکھا: ۴ سے

I hope to well till the end of August 34. ا

یعنی امید ہے کہ اگست ۱۹۳۴ء کے آخر تک گلے کی تکلیف بھی رفع ہو جائے گی۔ پھر انگلستان جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لیکچرز دینے کے عزم کا اظہار کرتے ہیں۔

راقم کی رائے میں دیکھنے والی بات صرف یہ ہے کہ کیا علامہ اس عرصہ میں اپنی صحت کے

بارہ میں مایوس ہو چکے تھے یا پرامید تھے۔ جواب ہے پرامید تھے ---- یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس عرصہ میں کوئی ایسا بیان جاری نہ فرمایا کہ اے مسلمانو! تم خواہ مخواہ میرے اور ظفراللہ خاں کے تقرر کے بارے میں جھگڑ رہے ہو۔ میں تو بوجہ علالت اس عہدے کے قابل ہی نہیں نہ آئندہ مجھے صحت یاب ہونے کی توقع ہے۔

ان حقائق کے پیش نظر مصنف زندہ رود کا میاں امیرالدین صاحب کے ایک خط پر انحصار کر کے یہ نتیجہ اخذ کر لینا کہ --- " علامہ تو بوجہ علالت اس قابل ہی نہ رہے تھے کہ وائسرائے کی رکنیت قبول کرتے "۵۔ نظرثانی کے لائق نظر آتا ہے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ جوانی میں بھی علامہ کی صحت قابل رشک نہ تھی۔ آپ نے مختلف عوارض کے ہجوم میں ہی مسلمانوں کی ناقابل فراموش خدمات سرانجام دی ہیں۔ علامہ نے بیماریوں کو اس راہ میں جہاں تک آپ سے بن پڑا۔ حائل نہیں ہونے دیا۔ چنانچہ مصنف زندہ رود لکھتے ہیں:۔

"۔ اقبال کو جوانی ہی سے مختلف عوارض نے آگھیرا تھا۔ مزاج بلغمی تھا۔ تبخیر معدہ کی تکلیف رہتی۔ پھر مدت تک درد گردہ کی شکایت رہی۔ "۶

وائسرائے ہند، چوہدری سر ظفراللہ خاں سے مصافحہ کر رہے ہیں۔

۲۔ کیا حکومت پر تنقید کی وجہ سے اقبال کے تقرر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا؟

مصنف زندہ رود کا موقف

"۔ انگریز حاکموں کو اس قسم کے تقرر (وائسرائے کونسل کی ممبری ۔ ناقل) کے وقت سب سے پہلے ایسے لوگوں کی تلاش ہوتی تھی جو ان کے اطاعت گزار اور وفادار ہوں ۔ نہ کہ ان کے نقاد ' اس لئے یہ بات پنجاب میں ہر کوئی جانتا تھا کہ وائسرائے کی کونسل کی رکنیت کے لئے اسی شخص کا تقرر ہو گا جو انگریز حاکموں کی توقعات کے مطابق سر فضل حسین کا صحیح جانشین ہو .... لیکن اقبال جیسی شخصیت جس نے کئی بار انگریزی حکومت کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا ' کے تقرر کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا" ۷ ؎

راقم عرض کرتا ہے کہ یہ خواہش صرف انگریزی حکومت کی ہی نہیں تھی کہ اس کے عالی منصب عہدیداران جنہوں نے وزراء کی حیثیت سے وائسرائے کو مشورے دینے ہوتے تھے یا اسے گائڈ کرنا ہوتا تھا ' حکومت کے اطاعت گزار ہوں بلکہ ہر جماعت ' ہر ادارہ اور ادنیٰ سے ادنیٰ ' انجمن بھی اس بات کی خواہاں ہوتی ہے کہ اس کے کارندے اس کے اطاعت گزار ہوں

یہ بھی واضح رہے کہ مثبت اور تعمیری نکتہ چینی کرتے ہوئے بھی آدمی ' حکومت کی اطاعت کر سکتا ہے ۔

خوگر حمد کے گلے کی کیفیت

اقبال ' انگریز حکمرانوں کو " سایہ خدا " قرار دے چکے تھے ۔ انہیں " قصر عدل کا معمار " سمجھتے تھے ۔ آپ کو انگریزوں کے خلاف ۔ " احتجاجی سیاست " تک ناپسند تھی " ۸ ؎ احتجاجی جلوسوں یا حکومت کی پالیسیوں پر نکتہ چینی کرنے یا حکومت پر تنقید کرنے ۔ اس

کی مخالفت کرنے ۔ سول نافرمانی کرنے کی سیاست آپ کی حکمت عملی سے مطابقت نہ رکھتی تھی" ۹ ؎

ایسے خوگر حمد نے کبھی حکومت کا تھوڑا سا گلہ کر بھی دیا تو اس کی نکتہ چینی کو خاص اہمیت کا حامل قرار نہیں دیا جا سکتا ۔ خاص طور پر ایسے ماحول میں جب ہندو ' مسلمان اور سکھ عمائدین اس سے بہت بڑھ کر تنقید کرتے تھے ۔

اقبال کے متعلق تو یہ شکایت تھی کہ آپ عزلت نشین اور گوشہ نشین ہیں ۔ گھر سے باہر قدم رکھنا آپ عذاب سمجھتے ہیں ۔ آپ کے اشعار میں وہ ولولہ انگیزی ہے کہ لوگ انہیں پڑھ کر جیل چلے جاتے ہیں ۔ اور آپ ویسے کے ویسے ہی گھر میں بیٹھے حقہ گڑگڑاتے رہتے ہیں " ۱۰ ؎
ان حالات میں اقبال کو ایک بہت بڑے نقاد کے روپ میں پیش کرنا پوری طرح جچتا نہیں ۔

ظفر اللہ خاں کی تنقید

ہم لکھ چکے ہیں کہ گول میز کانفرنسوں کے دوران علامہ اقبال نے مسلم حقوق کے بارے میں خاموش تماشائی کا کردار ادا کیا لیکن چوہدری ظفر اللہ خاں نے انگلستان میں آزادی ہند کے سلسلہ میں مسٹر چرچل پر زبردست جرح کی ۔ پھر وطن آ کر آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے آپ نے حکومت کو متنبہ کیا کہ :۔

" اگر مسلمانوں کے حقیقی مطالبات منظور نہ کئے گئے ..... تو یہاں کوئی آئین کامیاب نہ ہو گا ۔ " ۱۱ ؎

اس قسم کی دلیرانہ تنقید کے باوجود اگر ظفر اللہ خاں کا وائسرائے کونسل میں تقرر ہو سکتا ہے تو اقبال کی تقرری میں کیا امر مانع ہو سکتا تھا ... ؟

روایات اقبال یا ملفوظات اقبال میں علامہ کی اس منصب سے عدم دلچسپی کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں ملتا ۔ سر فضل حسین کے جانشین کے بارے میں مسلمانوں میں انتشار برپا تھا ۔ اخباروں میں تند و تیز بیانات شائع ہو رہے تھے ۔ علامہ خاموشی سے یہ سب منظر دیکھا کئے ۔ آپ نے اپنی عدم دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے دو سطری بیان بھی کسی اخبار میں نہ چھپوایا ۔ حالانکہ اخبار نویس اکثر و بیشتر آپ کے در دولت پر حاضر رہتے تھے ۔ آپ کی یہ خاموشی اس عالی منصب پوسٹ سے رضامندی ہی کی آئینہ دار سمجھی جا سکتی ہے نہ کہ عدم دلچسپی کی ۔

"۔ پنجاب میں ہر کوئی جانتا تھا کہ وائسرائے کی کونسل کی رکنیت کے لئے ظفر اللہ خاں یا سر فضل حسین کے ہی کسی صحیح جانشین کا تقرر ہو گا اقبال کے تقرر کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا ۔"

بھی بے وزن دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ مصنف خود فرماتے ہیں کہ

"۔ اخبارات میں اس منصب کے لئے اقبال کا نام بھی لیا جا رہا تھا"۔[۱۲]

ظاہر ہے۔ اگر ہر کوئی جانتا تھا کہ اقبال کا تقرر نہیں ہو گا تو اقبال کا نام کیوں لیا جا رہا تھا۔ راقم کی رائے میں نام لینے والوں کا یہی خیال ہو سکتا ہے کہ حکومت، علامہ کی قابلیت اور شہرت کے پیش نظر آپ کو اس منصب پر فائز کر دے گی۔ چنانچہ پیسہ اخبار لاہور اپنے اداریہ میں رقمطراز ہے:۔

سر فضل حسین کا جانشین؟

" حکومت ہند کے وزیر تعلیم سر فضل حسین کی معیاد عہدہ عنقریب ختم ہونے والی ہے ..... اگر صوبہ پنجاب کا ہی خیال کر لیا جائے تو اس میں بیسیوں ایسے مسلمان مقنن موجود ہیں۔ جو چودھری (ظفر اللہ خاں) صاحب سے بہت زیادہ شہرت و قابلیت کے مالک ہیں ۔۔ کیا علامہ اقبال، بین الاقوامی شہرت کے مالک نہیں ہیں؟

پیسہ اخبار لاہور ۳ اگست ۳۴ء

۔ اگر صوبہ پنجاب ہی کا خیال کیا جائے۔ تو اس میں بیسیوں ایسے مسلمان مقنن موجود ہیں۔ جو چودھری صاحب سے بہت زیادہ شہرت اور قابلیت کے مالک ہیں۔ کیا علامہ سر اقبال بین الاقوامی شہرت کے مالک نہیں ہیں؟ حکومت ایسی بودی یا کوتاہ عقل نہیں ہے کہ بین الاقوامی شہرت کے سینئر آدمیوں کو چھوڑ کر غیر معروف جونیئر آدمیوں کو وزیر تعلیم جیسے معزز عہدہ پر مقرر کر دے ۔

حکومت ایسی بودی یا کوتاہ عقل نہیں ہے کہ بین الاقوامی شہرت کے سینئر آدمیوں کو چھوڑ کر غیر معروف جونیئر آدمیوں کو وزیر تعلیم جیسے معزز عہدہ پر مقرر کر دے "[۱۳]

صاف ظاہر ہے ہر کوئی جو علامہ کا حامی تھا جانتا تھا کہ اس منصب پر حکومت علامہ کا ہی تقرر کرے گی۔ علامہ یا علامہ جیسے کسی شخص کا تقرر نہ کرنا حکومت کی کوتاہ عقلی پر دلالت گردانا جا رہا تھا۔ اس لئے یہ دعویٰ درست نظر نہیں آتا کہ " پنجاب میں ہر کوئی جانتا تھا... کہ اقبال کا تقرر نہیں ہو گا۔"

علامہ کی تقرری کے ضمن میں حال ہی میں ایک روایت منظر عام پر آئی ہے۔ وطن عزیز کے کہنہ مشق صحافی جناب م ش (محمد شفیع) کا کہنا ہے کہ

جناب م۔ ش کی روایت

" جن دنوں میاں فضل حسین کے جانشین کے تقرر کا معاملہ زیر غور تھا۔ لارڈ ولنگڈن وائسرائے ہند نے ایک ملاقات میں علامہ کو یہ کہہ کر کہ

We will be meeting fairy often now

(اب ہم اکثر ملتے رہا کریں گے) سر فضل حسین کی جگہ ان کے تقرر کی طرف اشارہ بھی کر دیا تھا۔" [۱۴]

"مظلوم اقبال" کے مصنف جناب شیخ اعجاز احمد لکھتے ہیں:۔

" زندہ رود" کے مصنف نے اپنی کتاب میں علامہ اقبال کے "۔ اس غالی معتقد کی روایت کو ناقابل اعتماد قرار دیا ہے۔ اس کو پڑھ کر م۔ ش صاحب نے مجھے لکھا:۔

"۔ ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال مصنف " زندہ رود" نے میری روایت کو ضعیف قرار دیا ہے حالانکہ میرا دعویٰ ہے کہ خدا کے فضل سے میرا حافظہ اتنا برا نہیں۔ میں آپ کو خاص طور پر یقین دلاتا ہوں کہ میں نے جو روایت آپ کے سامنے بیان کی تھی۔ میں نے کانوں سے حضرت علامہ اقبال کی زبان اقدس سے سنی تھی۔ا۔

جناب م۔ ش نے مزید لکھا ہے:۔

"۔ میں نے ڈاکٹر جاوید اقبال کی خدمت میں مل کر عرض کیا تھا کہ میں اقبال کے متعلق خود ساختہ بیان کا کبھی خواب میں بھی سوچ نہیں سکتا ہوں۔ میں نے جو کچھ ان کی زبان سے سنا تھا اسے من و عن جناب شیخ اعجاز احمد کے سامنے بیان کر دیا تھا اور ان کے اس بیان کو کسی شکل میں استعمال کرنے پر قدغن نہیں لگائی تھی۔ میں اس کی صحت کا پورا پورا ذمہ دار ہوں"۔[۱۵]

۳۔ کیا علامہ انگریزوں کی ملازمت کرنے کے لئے تیار نہ تھے؟

" زندہ رود " کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ کو انگریزوں کی ملازمت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ بلکہ آپ اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مصنف لکھتے ہیں:۔

مصنف زندہ رود کا موقف

"۔ اقبال کی زندگی کا سرسری مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ کسی صورت میں بھی انگریزوں کی ملازمت کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ انگلستان سے واپس آکر گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کے پروفیسر مقرر ہوئے لیکن کچھ مدت کے بعد ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ ۱۶۔ علی بخش (علامہ کے ملازم) نے پوچھا۔ نوکری کیوں چھوڑ دی۔ جواب دیا۔

"۔ علی بخش! میرے دل میں کچھ باتیں ہیں، جنہیں میں لوگوں تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ مگر انگریز کا نوکر رہ کر انہیں کھلم کھلا نہیں کہہ سکتا۔ اب میں بالکل آزاد ہوں۔ جو جی چاہے کروں، جو جی چاہے کہوں۔ ۱۷۔

"۔ اس حالت میں (احمدیوں کا) یہ کہنا کہ اقبال وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کی رکنیت کے امیدوار تھے یا اس منصب پر تقرری کے خواب دیکھ رہے تھے اور جب ان کی بجائے یہ منصب وزیر ہند نے سر ظفر اللہ خاں کو سونپ دیا تو اقبال 'انتقاماً' احمدیت کی مخالفت میں بیانات جاری کرنے لگے 'اصل حقائق سے بے خبری ہے یا انہیں تعصب کی عینک سے دیکھنے والوں کی آنکھ سے دیکھنا ہے ۱۸۔

ملازمت کا چارٹ

راقم عرض کرتا ہے کہ مذکورہ بالا تحریر میں مصنف نے اقبال کی تقرری بحیثیت "پروفیسر فلسفہ" ذکر کرنے پر ہی اکتفا کی ہے۔ اس سے غالباً یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ انہوں نے زندگی میں صرف ایک مرتبہ انگریز کی ملازمت کی۔ زیادہ بہتر تھا اگر سلسلہ میں علامہ کی درج ذیل ملازمتوں کا تذکرہ بھی کر دیا جاتا۔

تاریخیں تقرر

- ۱۳ر مئی ۱۸۹۹ء۔ تقرر بحیثیت میکلوڈ پنجاب عربک ریڈر
  یہ اسامی تین سال کے لئے مشتہر ہوا کرتی تھی۔ ۱۹۔
- ۲۸ر اپریل ۱۸۹۹ تا ۲۳ نومبر ۱۸۹۹ء۔ پروفیسر آرنلڈ کی عارضی جگہ پر تقرر۔ گورنمنٹ کالج لاہور ۲۰
- ۴ر جنوری ۱۹۰۱ء تا ۳۱ جنوری ۱۹۰۱ء۔ لالہ جیا رام کی جگہ بطور اسسٹنٹ پروفیسر فلسفہ (۲۱)
- ۱۶ر اکتوبر ۱۹۰۲ء سے۔ اسسٹنٹ پروفیسر انگلش۔ گورنمنٹ کالج۔ لاہور ۲۲
- یکم اپریل ۱۹۰۳ تا ۳۱ مئی ۱۹۰۳ء۔ اورینٹل کالج لاہور میں ملازمت ۲۳
- ۳ر جون ۱۹۰۳ء سے اسسٹنٹ پروفیسر انگریزی ۲۴۔
- یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء سے آپ نے تین سال کے لئے رخصت حاصل کر لی اور ستمبر میں یورپ روانہ ہو گئے۔
- نومبر ۱۹۰۷ء (عرصہ قیام یورپ) پروفیسر آرنلڈ کے مصر جانے پر ان کی جگہ آپ کا عارضی تقرر ۲۵۔
- ۱۲ر اکتوبر ۱۹۰۹ء کو مسٹر جیمز کے انتقال پر بحیثیت پروفیسر فلسفہ۔ مدت ملازمت ایک سال ۔ دو ماہ۔ بیس دن

۱۹۱۷ء میں علامہ کو معلوم ہوا کہ حیدر آباد ہائی کورٹ کی ججی کے لئے ان کا نام بھی پیش ہوا ہے۔ تو آپ نے اپنے تئیں اس ملازمت کا مستحق ثابت کرنے کے لئے پورا زور صرف کیا۔

- ۱۹ر فروری ۱۹۱۷ء بنام گرامی صاحب لکھتے ہیں:۔

"۔ حیدر آباد کی ججی پر میرے تقرر کے لئے اگر آپ سمجھتے ہیں کہ حیدری صاحب کو لکھنے سے فائدہ کی توقع ہے تو ضرور لکھئے بلکہ جہاں کہیں آپ کے خیال میں ضروری ہو۔ لکھ ڈالئے۔ اس خط کو چاک کر ڈالئے ۔ ۲۶۔

- ۱۵ر اپریل ۱۹۱۷ء۔ سر کشن پرشاد حیدر آباد کے نام لکھا:۔

" میں نے اس فن (فلسفہ وغیرہ) میں ہندوستان اور یورپ کے اعلیٰ ترین امتحان کیمبرج (انگلستان) میونخ (جرمنی) یونیورسٹیوں سے پاس کئے ہیں۔ ۲۷۔

- ۱۴ر اگست ۱۹۱۷ء کو شاد صاحب حیدر آباد کے نام ہی ایک اور خط میں لکھتے ہیں۔

"اگر حیدر آباد میں میر مجلس عدالت العالیہ (یعنی جج) کی اسامی خالی ہے..... تو میں اسے قانون کی پروفیسری اور پرائیویٹ پریکٹس پر ترجیح دوں گا۔ آپ حیدری صاحب..... کی توجہ اس طرف دلائیں۔ بندہ درگاہ۔ اقبال ۲۸

- جناب عبدالسلام ندوی "اقبال کامل" میں لکھتے ہیں۔ "حیدر آباد کی ہائی کورٹ کی ججی کی طرف بے شبہ اقبال کا شدید میلان پایا جاتا تھا۔ ۲۹
- ۱۹۱۸ء میں علامہ کی اسلامیہ کالج لاہور میں پروفیسر ہیگ کی جگہ عارضی ملازمت ۳۰
- ۱۹۲۵ء میں علامہ نے کشمیر میں ملازمت اختیار کرنے کا ارادہ کیا اور ایک انگریز افسر مسٹر تھامپسن کو لکھا:۔

"میں آپ کو یہ خط ایک ایسے معاملہ کے بارے میں لکھ رہا ہوں۔ جس کا فوری تعلق میری اپنی ذات سے ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ ایسے وقت میں میری مدد کریں گے۔ جبکہ مجھے اس کی سخت ضرورت ہے..... مجھے یقین ہے کہ آپ کے قلم کی ایک جنبش مجھے ان تمام مشکلات [۳۱] سے نجات دلا سکتی ہے۔ اس وجہ سے آپ کی فیاضی اور ہمدردی پر یقین رکھتے ہوئے میں آپ کی سرپرستی کا خواہاں ہوں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ مجھے کشمیر کی اسٹیٹ کونسل میں کوئی جگہ دلوا سکیں؟..... اگر آپ مجھے تھوڑا سا سہارا دے سکیں تو یہ میرے لئے روحانی اور مادی طور پر ایک بہت بڑی نعمت ثابت ہوگی اور میں آپ کے لطف و کرم کا ہمیشہ ممنون رہوں گا۔ ۳۲

ظاہر ہے۔ مصنف زندہ رود کا علامہ کی صرف ایک دفعہ گورنمنٹ کالج میں تقرری کا حوالہ دے کر کسی نتیجہ پر پہنچنا معاملہ کا نامکمل احاطہ ہے۔

علامہ کی تین بیویاں تھیں۔ دو جوان بچے تھے۔ رہن سہن کا مناسب معیار قائم رکھنا بھی ضروری تھا۔ علامہ کی معاشی تنگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے مصنف زندہ رود خود ہی فرماتے ہیں:۔

معاشی تنگی کا نقشہ

"۔ راقم کی یادداشت کے مطابق انہی ایام میں ایک مرتبہ اقبال اور سردار بیگم (علامہ کی اہلیہ محترمہ۔ ناقل) کا آپس میں خرچ کے معاملہ میں جھگڑا بھی ہوا۔ شام کا وقت تھا۔ راقم"

اقبال کے کمرہ میں داخل ہوا۔ دیکھا کہ سردار بیگم رو رہی ہیں اور ان سے تلخ لہجہ میں کہہ رہی ہیں کہ میں اس گھر میں سارا دن غلاموں کی طرح کام کرتی ہوں۔ لیکن ایسا کب تک چلے گا۔ راقم کو وہاں ٹھہرنے کی اجازت نہ ملی۔ بہرحال سردار بیگم کے مطالبات جائز تھے۔ وہ چاہتی تھیں کہ اقبال یا تو کوئی ملازمت حاصل کریں یا دلجمعی کے ساتھ وکالت کریں۔ تاکہ مستقل آمدنی کی کوئی صورت پیدا ہو۔" ۳۳

اپنی قلیل آمدنی اور کثیر اخراجات کے باعث اقبال ازحد پریشان تھے۔ جس کی وجہ سے آپ کی گھریلو زندگی بے سکون رہنے لگی۔ معلوم ہوتا ہے تنگ دستی کے ہاتھوں اب آپ بے حال ہو چکے تھے۔

-۔ وہ اقبال جو ضرورت کے تحت کشمیر کونسل کی معمولی ملازمت کے لئے ایک انگریز کی سفارش اور اس کی نگہ کرم کے لئے ملتجی ہو چکے تھے اور انگریزی حکومت کی کئی بار ملازمتیں بھی کر چکے تھے۔ برصغیر پاک و ہند کی وائسرائے کونسل کی رکنیت کے اعلیٰ اور معزز ترین منصب کو شدید مالی آلام و مصائب کی محصوری میں کیونکر ٹھکرا سکتے تھے؟ مگر شومئی قسمت کہ یہ منصب مل نہ سکا۔

یہی وہ دور تھا جس میں علامہ کسی صاحب ثروت نواب کی طرف سے امداد کے خواہاں تھے

نواب صاحب بھوپال اپنی سخاوت اور علم دوستی میں قابل رشک مقام کے حامل تھے۔ اقبال نے سوچا انہی کے در پر قسمت آزمائی کی جائے۔ سر راس مسعود کی کوششوں سے یہ مسئلہ حل ہو گیا۔

اقبال کو جب نواب صاحب کی طرف سے منظوری ء پنشن کی اطلاع ملی تو آپ نے سر راس مسعود کو لکھا:۔

۳۰ر مئی ۱۹۳۵ء

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ میں کس زبان سے اعلیٰ حضرت کا شکریہ ادا کروں انہوں نے ایسے وقت میں میری دستگیری فرمائی جب کہ میں چاروں طرف سے "آلام و مصائب میں محصور" تھا۔ خدا تعالیٰ ان کی عمر و دولت میں ترقی دے"

وائسرائے کونسل کی ممبری کی اہمیت

جس امر کی طرف ہم قارئین کرام کی توجہ خاص طور پر مبذول کرانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ "وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کی ممبری" اور "انگریز کی ملازمت" میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس لئے اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ اقبال "کسی صورت میں بھی انگریزوں کی ملازمت کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔" تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ آپ وائسرائے کی ایگزیکٹو ممبری جو انگلستان کی وزارت کے ہم پلہ تھی پر فائز ہونے کو بھی بہ نظر حقارت دیکھتے تھے۔

یہ ممبری کیا تھی؟ یہ تھی:۔

☆ --- برصغیر میں حکمرانی بلکہ اصلی حکمرانی۔ یا وائسرائے کا دست و بازو بننا۔

☆ --- مسلمانان برصغیر کی خدمت، بہتری اور بہبودی کے لئے وسیع اختیارات کا حامل ہونا۔

☆ --- مسلمانان برصغیر کے مفاد کے سلسلے میں اپنے خاص شعبہ میں سیاہ و سپید کا مالک ہونا۔

☆ --- مسلمانان برصغیر کی مخالفت میں کیئے جانے والے اقدامات کی روک تھام کے لئے موثر عملی کاروائی کے مواقع حاصل ہونا۔

مصنف زندہ رود نے علامہ کے اس تقرر کے لئے "انگریز کا نوکر" (ص ۴۰۳) کے الفاظ استعمال کر کے اس منصب کی عظمت و اہمیت گرا کر اپنے موقف کو مضبوط کرنے کی کوشش کی ہے۔ مصنف کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے ہم پیسہ اخبار کا ایک اداریہ پیش کرتے ہیں جس میں "نوکر" کی حیثیت کے تاثر کی نفی ہوتی ہے اور بتایا گیا ہے کہ وائسرائے کی کونسل کے رکن ہی دراصل ہندوستان کے پوشیدہ مگر اصلی حکمران ہیں۔ چنانچہ اخبار مذکور لکھتا ہے:

ہندوستان کے اصلی حکمران

"ہندوستان کے بہت سے لوگ گورنمنٹ آف انڈیا کی کنسٹی ٹیوشن سے بالکل ناواقف ہیں۔ اکثر لوگ گورنمنٹ آف انڈیا کا مترادف محض "حضور وائسرائے" کو سمجھتے ہیں جو بالکل غلط خیال ہے۔ گو گورنمنٹ آف انڈیا کے ہیڈ یا افسر اعلیٰ "حضور وائسرائے" ضرور ہیں۔

حضور وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا نام "گورنمنٹ آف انڈیا" ہے۔ اس ایگزیکٹو کونسل کے ہر ایک ممبر کو اپنے خاص سررشتہ میں نہایت وسیع اختیارات حاصل ہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ تمام عملی اغراض کیلئے وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا ممبر انگلستان کی مجلس وزارت کے وزیر کے برابر حیثیت اور اختیار رکھتا ہے اور ممبر کونسل اپنے خاص سررشتہ میں تو وائسرائے کی مانند نہایت عظیم اختیارات رکھتا بلکہ سیاہ و سفید کا مالک ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ایگزیکٹو کونسل میں ہندوستان کے عام امور پر اثر ڈالنے کے لئے اس کو بڑے موقعے حاصل رہتے ہیں۔" (اداریہ پیسہ اخبار ۱۶ مئی ۱۹۱۵ء)

علامہ کا احساس محرومی

۱۹۳۵ء میں احمدیت کے خلاف علامہ کے بیانات میں جو شدت پیدا ہوئی اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ علامہ کی جگہ سر ظفر اللہ خاں کا وائسرائے کونسل میں تقرر ہو گیا۔ علامہ کی عمومی صحت ایسی اچھی ہو چکی تھی کہ بقول ان کے ساری عمر میں یہ کیفیت پیدا نہ ہوئی تھی۔ آواز کے صحیح ہو جانے کے بارے میں بھی آپ پرامید تھے۔ کیونکہ لیکچرز دینے کے لئے انگلستان جانے کا عزم بھی رکھتے تھے --- ادھر شدید مالی پریشانی لاحق تھی۔ گھریلو سکون برباد تھا۔ علامہ معاشی بدحالی سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ آپ ملی خدمات کی بھی بے انتہا تڑپ رکھتے تھے۔

یقین ہے کہ اگر علامہ کو وائسرائے کونسل میں رکنیت مل جاتی تو اگر صحت میں تھوڑی سی کسر تھی تو وہ بھی دور ہو جاتی۔ لامحدود اختیارات اور اپنے شعبہ کے سیاہ و سفید کا مالک ہونے کی وجہ سے مسلمانان برصغیر کی بھرپور خدمت کی سعادت سے آپ وافر حصہ پاتے۔ معاشی تنگی بھی دور ہو جاتی۔ گھریلو حالات بھی پرسکون ہو جاتے۔ کسی نواب کے آگے دست سوال دراز کرنے کی ضرورت بھی نہ رہتی۔ مگر اس منصب پر عدم تقرر کے باعث یہ سب خواب ادھورے رہ گئے۔ اس پر ایک انسان ہونے کے ناطے سے اگر علامہ کو محرومی کا احساس ہوا تو یہ کوئی غیر طبعی بات نہیں کہ اسے تسلیم کرنے سے کلیتہً انکار کر دیا جائے۔

ان حقائق کے پیش نظر مصنف "مظلوم اقبال" کا نکتہ نگاہ زیادہ حقیقت پسندانہ معلوم ہوتا ہے۔

- حواشی -

۱- ص ۱۸۴

۲- ص ۵۹۸

۳- جناب نذیر نیازی لکھتے ہیں :-

" - ۱۸ دسمبر ۱۹۳۴ء کو جب علامہ 'علی گڑھ جاتے ہوئے دہلی سے گزرے اور میں سٹیشن پر ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کی صحت کہیں سے کہیں پہنچ چکی تھی - واپسی پر انہوں نے حکیم صاحب سے ملاقات فرمائی - انہوں نے نبض دیکھ کر ہر طرح سے اطمینان کا اظہار کیا اور معمولی پرہیز اور دوائیں جاری رکھنے کی ہدایت کی -

(رسالہ سہ ماہی اردو " اقبال نمبر" اکتوبر ۱۹۳۸ء ص ۱۰۳۸ - انجمن ترقی اردو - نئی دہلی - ایڈیٹر - مولوی عبدالحق)

۴- لیٹرز آف اقبال - بی اے ڈار ص ۲۲۵

۵- زندہ رود ص ۵۹۸

۶- ایضاً ص ۵۳۷

۷- زندہ رود ص ۵۹۸

۸- ایضاً ص ۳۹۹

۹- ایضاً ص ۴۱۱

۱۰- ایضاً ص ۴۱۱

۱۱- اخبار الخلیل یکم جنوری ۱۹۳۲ء

۱۲- زندہ رود ص ۵۹۸

۱۳- پیسہ اخبار ۳ ر اگست ۱۹۳۴ء ص ۱۱

۱۴- مظلوم اقبال ص ۲۰۷

۱۵- ایضاً ص ۲۰۷

۱۶- ص - ۴۰۲

۱۷- ص - ۴۰۳ و ذکر اقبال ص ۶۶

۱۸- ص ۵۹۹

۱۹- اقبال ایک تحقیقی مطالعہ ص ۵۵

۲۰- ایضاً ص ۵۷

۲۱- ایضاً ص ۵۹

۲۲- ایضاً ص ۵۹

۲۳- ایضاً ص ۶۴

۲۴- ایضاً ص ۶۴

۲۵- ایضاً ص ۶۸

۲۶- ایضاً ص ۵۶۸

۲۷- ایضاً ص ۷۵

۲۸- ایضاً ص ۸۱

۲۹- ایضاً ص ۹۳

۳۰- ایضاً ص ۸۳

نوٹ : ا - مصنف " ذکر اقبال " (مولانا سالک) کا یہ ارشاد کہ علامہ نے کالج سے خود استعفیٰ دے دیا - درست معلوم نہیں ہوتا - کیونکہ علامہ کی یہ ملازمت عارضی تھی جو مسٹر سانڈرز کے ملازمت پر آ جانے سے از خود ختم ہو گئی - پھر ایک سال دو ماہ اور بیس دن کی ملازمت کرنے کی وجہ یہ نہیں ہو سکتی کہ علامہ جو کچھ کہنا چاہیں، کہہ سکیں کیونکہ ۱۹۱۷ء میں وہ دوبارہ ملازمت کے بندھن میں گرفتار ہونے کی خواہش کرتے ہیں اور یہ بھی کہ جج کے لئے پروفیسر کی نسبت اظہار خیال پر زیادہ پابندی ہوتی ہے -

ب - یہ درست ہے کہ اقبال نے ریاست الور کی ملازمت نہ کی - مگر اس کی وجہ اقبال نے خود بتائی ہے کہ تنخواہ قلیل تھی - (روزگار فقیر حصہ اول ص - ۵۱ - نیز دیکھئے مکتوب علامہ بنام شاد ۲۶ ر اکتوبر ۱۹۱۳ء کلیات مکاتیب اقبال دہلی ص ۲۶۰)

۳۱- ۱۹۲۵ء کا سال واقعتاً علامہ کے لئے پریشانی کا سال تھا - اس سال آپ پر کفر کا فتویٰ لگا - نیز آپ سر شادی لال کے تعصب کا نشانہ بنے (زندہ رود ص ۴۰۳)

۳۲- ص ۴۰۳ (زندہ رود)

علامہ اقبال کا خط (بنام پرائیوٹ سیکرٹری) حضرت امام جماعت احمدیہ

(چربہ خط ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب ۵ ستمبر ۱۹۳۱ء)

....چونکہ آپ کی جماعت منظم ہے اور نیز بہت سے مستعد آدمی اس جماعت میں موجود ہیں اس واسطے
آپ بہت مفید کام مسلمانوں کے لئے انجام دے سکیں گے
باقی رہا بورڈ کا معاملہ سو یہ خیال بھی نہایت عمدہ ہے۔ میں اس کی ممبری کے لئے حاضر
ہوں۔ صدارت کے لئے کوئی زیادہ مستعد اور مجھ سے کم عمر کا آدمی ہو تو زیادہ موزوں ہوگا۔
لیکن اگر اس بورڈ کا مقصد [illegible] تو مجھے اس سے معاف فرمایا جائے۔
[illegible]
بہرحال اگر آپ ممبروں میں میرا نام درج کر لیں تو اس سے پہلے باقی ممبروں کی فہرست ارسال فرمائیں [illegible]

محمد اقبال

چونکہ آپ کی جماعت منظم ہے اور نیز بہت سے مستعد آدمی اس جماعت میں موجود ہیں اس واسطے آپ بہت مفید کام مسلمانوں کے لئے انجام دے سکیں گے۔

باقی رہا ۱ بورڈ کا معاملہ سو یہ خیال بھی نہایت عمدہ ہے میں اس کی ممبری کے لئے حاضر ہوں۔ صدارت کے لئے کوئی زیادہ مستعد اور مجھ سے کم عمر کا آدمی ہو تو زیادہ موزوں ہو گا۔

۱۔ حضرت امام جماعت احمدیہ ان دنوں ملک میں اسلامی مفادات کے تحفظ کے لئے ایک مسلم بورڈ کی تجویز پر غور فرما رہے تھے۔ یہ اسی تجویز کی طرف اشارہ ہے۔ (تاریخ احمدیت جلد ۶ ص ۴۶۵)

یہ خط مکاتیب اقبال کے کسی مجموعہ میں شامل نہیں۔

کیا ظفر اللہ خاں کے ذریعے

مسلم لیگ کو موت کے گھاٹ اتارنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا؟

جناب جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں :۔

"۔ سر محمد شفیع کی وائسرائے کونسل میں مصروفیات اور بعد میں ان کی علالت اور بے وقت موت نے لیگ کو تباہی کے کنارے لا کھڑا کیا۔ اس مرحلہ پر سر فضل حسین اور ان کے حامیوں نے فیصلہ کیا کہ "لیگ" کو ہمیشہ کے لئے ختم کر کے "مسلم کانفرنس" کے لئے میدان صاف کیا جائے۔ پس دہلی میں لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۲۶ ۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۳۱ء کو انہوں نے اپنا وار کیا ۔۔۔ پہلے تو اجلاس کی صدارت کے لئے سر فضل حسین نے سر ظفر اللہ خاں کو منتخب کروایا اور پھر انہیں "لیگ کا صدر" بنوا دیا۔ لیگ کی صدارت کے لئے سر ظفر اللہ خاں کے انتخاب کے خلاف، مسلمانان دہلی نے شدید احتجاج اور مظاہرہ کیا کیونکہ وہ انہیں مسلمان نہیں سمجھتے تھے ...

اجلاس میں صرف چند ارکان شامل ہوئے۔ لیگ کو آل انڈیا مسلم کانفرنس میں ضم کر کے ایک نئی تنظیم قائم کرنے کی خاطر سر ظفر اللہ خاں کی زیر صدارت ایک کمیٹی تشکیل دی گئی .... بہرحال بعض اصحاب کی رخنہ اندازی کے سبب کمیٹی کوئی نئی سیاسی تنظیم قائم نہ کر سکی اور اس کے اجلاس ملتوی ہوتے رہے پھر حالات نے بھی مدد کی ۔۔۔ جون ۱۹۳۲ء میں سر ظفر اللہ خاں، وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن بنا دیئے گئے۔ پس وہ لیگ کی صدارت سے مستعفی ہوئے اور یوں مسلم لیگ ان کے ہاتھوں اپنی موت سے بچ گئی" (صفحہ ۵۹۱)

"۔ بقول سید شمس الحق ۱۹۳۱ء میں جب سر ظفر اللہ خاں کو مسلم لیگ کا صدر بنایا گیا تو دہلی کے مسلمانوں نے شدید احتجاج اور مظاہرہ کیا کیونکہ وہ سر ظفر اللہ خاں کو "احمدی" ہونے کی وجہ سے "غیر مسلم" سمجھتے تھے۔" (صفحہ ۵۸۴)

"۔ دسمبر ۱۹۳۱ء میں .... لیگ کو آل پارٹیز مسلم کانفرنس میں مدغم کر کے کسی نئی سیاسی تنظیم کی شکل میں قائم کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ۔ لیکن خوش قسمتی سے سر ظفر اللہ خاں، جون ۱۹۳۲ء میں وائسرائے کی کونسل میں شامل کر لئے گئے اور انہوں نے لیگ کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا ۔ یوں لیگ اپنی موت سے بچ گئی ۔ " (صفحہ ۳۴۱)

از ص ۸۴

یعنی حب الوطنی ' ایمان کا جزو لازم ہے ۔ دوسرے لفظوں میں کسی مسلمان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک اس میں حب الوطنی کا جذبہ نہ پایا جاتا ہوں ۔ (ص ۲۰۰)

In this connection my learned friend should remember
a very short saying of the Holy Prophet حب الوطن من الایمان
If you have not patriotism ' your faith is not complete (P.200)
(The Punjab Legilative Council Debates : Dated 20th Sep : 1929)

مگر علامہ اقبال نے بعد میں پنڈت نہرو کی خدمت میں لکھ بھیجا :-

"۔ مائی ڈیئر نہرو ! احمدی اسلام اور وطن دونوں کے غدار ہیں (زندہ رود ص ۵۵۴)

علامہ کی حقائق سے اس درجہ پہلو تہی راقم کے نزدیک شاید کسی دباؤ کے زیر اثر ہی ہوگی ۔

گو علامہ نے پنڈت نہرو کے مضمون کا جواب لکھا مگر مصنف زندہ رود کی تحقیق کے مطابق اقبال :-

"--- نہرو خاندان بالخصوص پنڈت جواہر لال نہرو سے تو واقعی محبت کرتے تھے ۔ راقم نے اپنی آنکھوں سے انہیں پنڈت جی سے شفقت کا اظہار کرتے دیکھا ہے " (زندہ رود ص ۴۰۸)

راقم کی رائے میں کسی غیر مسلم کی وسیع النظری اور آزاد خیالی کی وجہ سے اس سے قریبی مراسم محل نظر نہیں ۔ مگر مصنف کو احمدیوں پر یا چودھری ظفر اللہ خاں پر اعتراض کرتے وقت اس امر کو ملحوظ رکھنا چاہئے تھا کہ مسلم حقوق کی پاسبانی کی وجہ سے پنڈت نہرو ' ظفر اللہ خاں سے کس درجہ شاکی تھے ۔ (مثال کے طور پر دیکھئے کتاب ھذا کے صفحہ نمبر ۴۸۰ کی آخری سطور از قلم چیف جسٹس حکومت آزاد کشمیر)

انتخاب صدر ۔

راقم عرض کرتا ہے کہ لیگ کی صدارت کے لئے چودھری محمد ظفر اللہ خاں کا انتخاب کسی مخلف باڈی نے نہیں کیا تھا بلکہ جس لیگ کونسل کے عہدیداروں نے ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال کا انتخاب کیا ۔ اسی باڈی نے ۱۹۳۱ء میں چودھری صاحب کو صدارت کے لئے درخواست کی ۔ یہ سوچ صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ جو کونسل ۱۹۳۰ء میں لیگ کی محافظ تھی وہ ۱۹۳۱ء میں اس کی قاتل بن چکی تھی ۔

مصنف زندہ رود کے مطابق لیگ کے اجلاس دہلی (صدارت چودھری سر محمد ظفر اللہ خاں) کے موقع پر مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا (صفحہ ۵۸۴) آیئے دیکھتے ہیں ۔ کہ اس شدید احتجاج کے محرکات کیا تھے ؟ اور یہ احتجاج کرنے والے کس قماش کے لوگ تھے ؟

احتجاج کے محرکات

واضح رہے کہ گول میز کانفرنس کے مسلمان نمائندوں نے مسلمانوں کے حقوق اور مفاد کے متعلق گول میز کانفرنس لندن کے اندر اور باہر جس قابل تعریف اتحاد اور اتفاق کا ثبوت دیا --- جس ہوشمندی اور معاملہ فہمی سے گاندھی جی کی تمام چالبازیوں کو ناکام کیا --- جس خوبی اور عمدگی سے گورنمنٹ برطانیہ کے ذمہ دار ارکان اور عام پبلک پر مسلمانوں کے حقوق کی اہمیت اور معقولیت ثابت کی ۔ وہ ان لوگوں کے خرمن ہوش و قرار پر بجلی بن کر گری جو ہندوستان میں " ہندو راج " قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے اپنے غلام بنائے رکھنا چاہتے تھے ۔

--- مسلمان نمائندوں کے اتحاد و اتفاق کے مقابلہ میں انہیں منہ کی کھانی پڑی اور ان کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا ۔ آخر ان تفرقہ پرداز لوگوں کو جو بات انگلستان میں حاصل نہ ہو سکی اس کے لئے انہوں نے ہندوستان میں جدوجہد شروع کر دی اور مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو اپنی قوم سے غداری کر کے ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے اور

جو اپنی قوم کے مفاد اور حقوق کو ہندوؤں کی رضا جوئی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانے میں
پیش پیش تھے ان کو اپنا آلہ کار بنا کر فتنہ انگیزی شروع کر دی۔

اس کے لئے سب سے پہلا موقع انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس (۱۹۳۱ء)
کا منتخب کیا۔ جس کی صدارت کے لئے مسلم لیگ کے ذمہ دار ارکان نے جناب چودھری
سر محمد ظفر اللہ خاں بیرسٹر ایٹ لاء کو ان کی سیاسی اور قومی خدمات کی وجہ سے منتخب کیا تھا
۔ جناب چوہدری صاحب نے جس قابلیت اور عمدگی کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق کی گول
میز کانفرنس میں نمائندگی کی۔ اس کی قوت اور زور کا اعتراف ان کے مدمقابل نمائندوں کو
بھی کرنا پڑا اور چونکہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں زیادہ تر انہی امور پر غور و فکر کیا
جانا تھا۔ جو گول میز کانفرنس کے مباحث کے سلسلہ میں پیش ہوئے اور جو مسلمانوں کی
آئندہ سیاسی زندگی کے لئے بطور روح سمجھے جاتے تھے اس لئے جناب چودھری صاحب
موصوف کے صدر منتخب کئے جانے پر کانگریسیوں کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی اور
انہوں نے اجلاس لیگ کو ناکام بنانے کے لئے ریشہ دوانیاں شروع کر دیں ---- لیکن
چونکہ وہ خود سامنے آ کر مخالفت نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں کی اس
سیاسی انجمن کو کمزور کرنے کے لئے ان لوگوں کو آگے کر دیا جنہیں سالہا سال سے وہ محض
اس لئے پال رہے تھے کہ جب بھی مسلمانوں کی کوئی متحدہ آواز بلند ہونے لگے وہ جہلا و
عاقبت نااندیش لوگوں میں اس کے خلاف شور و شر پیدا کر دیں۔ تا ان کے پیٹ بھرنے
والے ہندو کہہ سکیں کہ یہ سب کچھ تو مسلمانوں کی طرف سے ہی کیا جا رہا ہے۔ اس کے تو
خود مسلمان ہی مخالف ہیں۔ پھر ان مطالبات کو کس طرح مسلمانوں کے مطالبات سمجھا جا
سکتا ہے۔ ۱۔

راقم عرض کرتا ہے کہ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسا کہا جائے کہ قائداعظم، کافراعظم
تھے اور اس امر پر پردہ ڈال دیا جائے کہ یہ پروپیگنڈا کرنے والے علماء سو، کانگریس کے
ہمنوا "احراری مولوی" تھے۔

واضح رہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کسی خاص فرقہ کے مسلمانوں کی انجمن نہیں بلکہ ہر
فرقہ کے مسلمانوں کی سیاسی لحاظ سے نمائندہ ہے۔ لیگ کے صدر سر شفیع حنفی تھے تو سر
علی امام شیعہ، اس کے ایک صدر ہز ہائی نس سر آغا خاں تھے جو اسمعیلی فرقہ کے مذہبی

پیشوا تھے۔ جن کے عقائد عام مسلمانوں سے بالکل جداگانہ تھے --- پھر اقبال کے نزدیک تو
۱۹۳۵ء سے قبل، احمدی، مسلمانوں کا ہی ایک فرقہ تھے (زندہ رود صفحہ ۵۷۸) ---
مصنف زندہ رود کو چاہئے تھا کہ کم از کم اس دور کے احرار پروپیگنڈا کی پشت پناہی کرنے کی
بجائے اس کی مذمت کرتے۔ اس دور میں ان کی تائید کرنا، ایک طرف اس تعصب کا مظہر
ہے جو مصنف کے دل میں "احمدیت" کے متعلق پایا جاتا ہے اور دوسری طرف یہ رجحان،
اقبال کے اس زمانہ کے نظریات سے بھی مطابقت نہیں رکھتا۔

راقم عرض کرتا ہے کہ جب مسلم لیگ کے سیکرٹری، آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس
کی صدارت کے لئے چودھری سر محمد ظفر اللہ خاں کی منظوری حاصل کرنے میں کامیاب ہو
گئے تو جمعیتہ العلماء ہند (جو کانگریس کی ہمنوا تھی۔ زندہ رود صفحہ ۵۸۹) کے آنریری
سیکرٹری مولوی احمد سعید صاحب نے اپنی فطری تنگدلی اور احمدیت سے اپنے بغض کا مظاہرہ
کرتے ہوئے، لیگ کے سیکرٹری کو ایک مکتوب ارسال کیا جس میں چودھری صاحب کی
صدارت کی مخالفت کی گئی تھی۔ حالانکہ جس طرح سالہا سال سے احمدی، غیر احمدی
لیڈروں کی قیادت میں کام کرتے رہے اگر ایک امر میں اتفاقاً "احمدی صدر" ہو جائے تو
غیر احمدی بھی اس کی قیادت میں کام کر سکتے تھے۔ بہرحال اس مکتوب کے موصول ہونے پر
معاملہ، آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے روبرو پیش ہوا تو عاملہ نے حسب ذیل قرار داد
پاس کی:۔

مسلم لیگ عاملہ کی قرار داد

"۔ اس مجلس کی رائے میں سر محمد یعقوب آنریری سیکرٹری مسلم لیگ کے نام مولانا
احمد سعید کا مکتوب اور مدیر الجمعیتہ کا تبصرہ قابل افسوس ہے۔ یہ مجلس ان دونوں کو مفاد قوم
اور استحکام ملت کے لئے خطرناک تصور کرتی ہے۔ کیونکہ اس کی رائے میں مولوی احمد
سعید کا مکتوب درپردہ اس کوشش کا نتیجہ ہے جس کا مقصد لیگ کے "اجلاس دہلی" کا ناکام
بنانا ہے۔" ۲۔

مصنف "زندہ رود" نے یہ تو لکھ دیا کہ -- "لیگ کی صدارت کے لئے سر ظفر اللہ
خاں کے انتخاب کے خلاف مسلمانان دہلی نے احمدیوں کو غیر مسلم ا۔ سمجھنے کی وجہ سے

شدید احتجاج کیا ---" مگر یہ بتانے سے گریز کیا کہ یہ مسلمان تھے کون ؟ کانگریس کے ساتھ کس حد تک ان کا چولی دامن کا ساتھ تھا ؟ --- مسلم لیگ کے ذمہ دار حلقوں نے ان کے متعلق کس نوعیت کے ریمارکس پاس کئے تھے ! اس پروپیگنڈا کے پیچھے کس کا ہاتھ کام کر رہا تھا ؟ ---

ہم یہاں لیگ کے معزز جنرل سیکرٹری سر محمد یعقوب کے دو اور بیانات اختصاراً درج کرتے ہیں ۔ جن میں مندرجہ بالا سب سوالوں کا جواب موجود ہے ۔

لیگ کے جنرل سیکرٹری کا تبصرہ

لیگ کے جنرل سیکرٹری اپنے بیان میں فرماتے ہیں :۔

" دہلی کے غیر تعلیم یافتہ طبقہ میں چودھری ظفر اللہ خاں کی صدارت کے خلاف جو شرارت پھیلائی گئی وہ ان کانگریسی پٹھوؤں کی تیار کردہ تھی جو پس پردہ اس قسم کے کام کیا کرتے ہیں اور جن کا دماغی توازن اس وجہ سے اور بھی متزلزل ہو گیا تھا کہ گول میز کانفرنس میں مسلم مندوبین کی یگانگت و اتحاد نے کانگریسی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور حاسد سخت پریشان ہو رہے تھے کہ اب کیا کریں ۔ ناواقف طبقہ کی اس شورش کے باوجود میں دیکھتا ہوں کہ دہلی کے مسلمانوں کا تعلیم یافتہ سمجھدار اور معاملہ فہم طبقہ ہمارے ساتھ ہے ۔[۴۲] ۔

ایک اور اخباری بیان میں آپ نے علامہ اقبال کے درج ذیل شعر کو اپنے تبصرہ کا عنوان بنایا :

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز ۔ چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

" مذہب کے نام پر احراریوں اور ملانوں کی طرف سے علم بغاوت بلند کرنے کو جنرل سیکرٹری نے " ۔ سب سے زیادہ باعث شرم اور قابل نفرت ۔ " کہا اور اسے " غنڈوں کی سفیہانہ حرکات ۔ " قرار دیا ۔ نیز لکھا کہ ۔ "اگر لیگ اس موقعہ پر خاموش رہتی تو وہ آئندہ کبھی مسلمانوں کی نیابت کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی " (گویا اپنی موت آپ مرجاتی ۔ ناقل)

آپ نے فرمایا ۔۔ " یہ امر قابل اطمینان اور باعث مسرت ہے کہ دہلی کے مسلم اکابر اور ممتاز علماء میں سے کسی نے لیگ کی مخالفت میں کوئی حصہ نہیں لیا ۔ بہرحال خدا نے

اس مخالفت کی وجہ سے ' لیگ کی قوت عمل میں ۔ " ایک نئی روح " پیدا کر دی ۔ لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ مسلمانوں کو آئندہ کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے ۔ اور اسلام کے دشمن جو اسلام کی مخالفت خود مسلمانوں کے ہاتھ سے کراتے ہیں ۔ اس کا کس طرح سدباب کیا جائے ۔ یہ مسلم لیگ کا مسئلہ نہیں بلکہ مسلمانوں کی قومی عصبیت کا مسئلہ ہے ۔ [۴۳]

متفرق جماعتوں کو یکجا کر کے مسلمانوں کی ایک موثر تنظیم کا قیام ضروری تھا ۔ اس ضمن میں جو نیک اور مبارک اقدامات چودھری ظفر اللہ خاں کی صدارت کے دور میں اٹھائے گئے ۔ ان کی کچھ تفصیل آج بھی مسلم لیگ کے ریکارڈ میں محفوظ ہے ۔ ملاحظہ ہو :

لیگ کا ریزولیوشن

قرار داد نمبر ۱۱

ازاں بعد درج ذیل ریزولیوشن پاس ہوا ۔

" آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس مندرجہ ذیل اصحاب پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل کرتا ہے جو آل انڈیا مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے ساتھ دونوں تنظیموں کو " متحد " کرنے کی غرض سے مذاکرات کرے ۔۔۔ یہ کمیٹی یکم مارچ ۱۹۳۲ء تک اپنی رپورٹ مسلم لیگ کونسل [۴۴] کو پیش کر دے گی اور ازاں بعد دونوں تنظیموں کو باہم مدغم کرنے کی تجاویز کو بروئے کار لانے در نتیجتہً " قائم ہونے والی متحدہ تنظیم کا دستور بنانے کے لئے " لیگ کونسل " مناسب اقدامات کرے گی ۔

(۱) چودھری ظفر اللہ خاں صاحب ۔ صدر مسلم لیگ

(۲) مولوی سر محمد یعقوب صاحب ۔ سیکرٹری مسلم لیگ

(۳) خاں صاحب ایس ایم عبداللہ ۔ جائنٹ سیکرٹری

(۴) مرزا اعجاز حسین صاحب ۔ جائنٹ سیکرٹری

(آل انڈیا مسلم لیگ ۔ ڈاکومنٹس ۳۱ دسمبر ۱۹۳۱ء از سید شریف الدین پیرزادہ)

لیگ کے مذکورہ بالا ریکارڈ سے ظاہر ہے کہ مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے ساتھ گفت و شنید کرنے کے لئے ملک و ملت کے بہی خواہوں پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی ۔

ـ جسے صدر محترم حضرت چودھری سر محمد ظفراللہ خاں کی زیر نگرانی ادغام کے سلسلہ میں مذاکرات کرنے تھے اور ان مذاکرات کی رپورٹ " لیگ کونسل " میں پیش کرنا تھی ۔

ـ پھر یہ امر کہ دونوں جماعتوں کا ادغام ہو یا نہ ہو ۔ تنہا حضرت چوہدری صاحب کی صوابدید پر منحصر نہ تھا بلکہ یہ بات لیگ کونسل کے فیصلہ کی محتاج تھی ۔ جن کی تعداد بڑھا کر چوہدری صاحب نے ۲۳ کر دی تھی ۔

ـ پھر اس ۲۳ رکنی کمیٹی کو " دونوں جماعتوں کا متحدہ دستور " بنانے کے منصوبہ پر کام کرنا تھا ۔ مگر مصنف زندہ رود ۔ مسلمانوں کی اس باثر اور بااختیار کمیٹی کے کردار اور ادغام کی تکمیل تک کے مختلف مراحل کو بالکل نظرانداز کرتے ہوئے یہ تاثر دے رہے ہیں کہ سر ظفراللہ خاں نے کہنا تھا کہ ادغام ہو جائے اور کن فیکون کی طرح ادغام ہو جانا تھا ۔ اور مسلم لیگ پر موت کا سایہ چھا جانا تھا ۔ ۶ ـــ

اجلاس کا مقام اور حاضری

چودھری صاحب کی زیر صدارت ہونے والے مسلم لیگ کے اس منفرد اور عدیم النظیر اجلاس کی وقعت گھٹانے کے لئے مصنف زندہ رود نے چلتے چلتے دو امور بیان فرمائے ہیں ۔

☆ ---- ایک یہ کہ "مظاہروں کے خوف سے یہ اجلاس مقررہ جگہ کی بجائے ایک ٹھیکیدار خاں صاحب سید نواب علی کے مکان پر منعقد ہوا ۔

☆ ---- دوسرے یہ کہ اس اجلاس میں صرف چند ارکان شامل ہوئے (صفحہ ۵۹۳)

اس پر اپنی طرف سے کچھ عرض کرنے کی بجائے علامہ اقبال کی زیر صدارت خطبہ الٰہ آباد والے اجلاس کی کیفیت ہم مصنف ہی کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں ۔ قارئین ہر دو امور کے بارے میں ہر دو اجلاسوں کی نوعیت اور حاضری وغیرہ کی کیفیت کا خود ہی موازنہ کر لیں ۔

مصنف " زندہ رود " خطبہ الہ آباد والے اجلاس کے متعلق رقمطراز ہیں :-

خطبہ الہ آباد

--- لیگ کا اجلاس ایک تمباکو فروش شیخ رحیم بخش کی عمارت میں ہوا تھا ۔

--- اجلاس میں لیگ کے صرف چند نمائندوں نے شرکت کی ۔ اس کا کورم بھی

بڑی مشکل سے پورا ہوا (کورم ۷۵ ر ارکان کا تھا ۔ ناقل)

حاضرین میں بہت سے سکول کے لڑکے بھی شامل تھے جو تفریحاً شریک جلسہ ہو گئے تھے (صفحہ ۳۹۱)

راقم گذارش کرتا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ چند لیگی ارکان ،گول میز کانفرنس لندن میں گئے ہوئے تھے ۔ لیکن برصغیر میں موجود ارکان خاصی تعداد میں موجود تھے ۔ اگر ان کا کچھ حصہ بھی دلچسپی لیتا تو اجلاس کی حاضری کئی گنا بڑھ سکتی تھی ۔ مگر علامہ کی شخصیت بہ مشکل کورم پورا کرنے کا موجب بن سکی ۔

لیگ ڈاکومنٹس

مسلم لیگ کے ریکارڈ کے مطابق الٰہ آباد کا یہ اجلاس " سہ روزہ " تھا ۔ مگر دو دن میں ہی ختم ہو گیا --- دوسرے دن سبجیکٹ کمیٹی کے ارکان کی حاضری ۲۵ تک محدود رہی --- تمام قراردادیں (جلدی جلدی) صرف تین گھنٹے میں پاس کر کے اراکین نے فراغت حاصل کر لی --- صدر محترم ' علامہ اقبال ' کی عدم دلچسپی یا مجبوری کا یہ عالم تھا کہ ابھی قراردادوں پر غور کرتے ہوئے " ایک گھنٹہ " ہی گزرا تھا کہ آپ اٹھ کر چلے گئے اور صدارت نواب محمد اسماعیل خاں کو سنبھالنا پڑی جب علامہ اٹھ کر گئے تو مسلم لیگ کے ریکارڈ کے مطابق اس وقت اجلاس کی سب سے اہم قرارداد زیر غور تھی ۔ یعنی آل انڈیا مسلم کانفرنس دہلی کی قراردادیں (یکم جنوری ۱۹۲۹) اور قائداعظم کے چودہ نکات پر بحث ہو رہی تھی ۔ (دیکھئے آل انڈیا مسلم لیگ ڈاکومنٹس ۔ ۱۹۰۶ء ۔ ۱۹۴۷ء صفحہ ۱۷۳ ۔ از سید شریف الدین پیرزادہ)

لیگ کی نیم مردنی

قائداعظم ہندوستان کو الوداع کہہ کر مستقل طور پر انگلستان جا چکے تھے ۔ مسلم لیگ کا کوئی پرسان حال نہ تھا --- خطبہ الٰہ آباد (۱۹۳۰ء) کے اجلاس سے یہ امر واضح ہو چکا تھا کہ " نیم مردہ مسلم لیگ " کو علامہ کا وجود بھی زندگی عطا کرنے سے قاصر رہا ہے ۔ ان حالات میں کانگریس کے شاطر زعماء نے سوچا کہ اپنے مسلمان پٹھوؤں کے ذریعہ چودھری صاحب والے ۳۱ء کے سالانہ اجلاس میں غنڈہ گردی کرا کے لیگ کو ہمیشہ کے لئے موت کی

نیند سلا دیا جائے۔

لیگ میں زندگی کی نئی رمق

--- غالب قیاس ہے کہ اگر اس ناگفتہ بہ اور نازک صورت حال میں سر ظفر اللہ خاں ایسے ملت کے بہی خواہ و دردمند وجود کی جگہ دوبارہ علامہ اقبال یا کوئی اور صدر ہوتا تو شاید اس مرتبہ محلے کے وہ لڑکے جو تفریحاً جلسے میں آ شامل ہوئے تھے وہ بھی شامل نہ ہوتے اور مسلم لیگ کا بغیر کسی فتنہ و فساد اور شورہ پشتی کے ازخود ہی جنازہ نکل جاتا۔ یہ تو حضرت چوہدری صاحب کی غیر معمولی صلاحیت۔ آپ کا اخلاص اور آپ کی دعائیں تھیں۔ جن کے شامل حال ہونے کی وجہ سے لیگ موت کے منہ سے بچ گئی۔

یہ ہے تصویر کا **اصل رخ** --- جسے مصنف " زندہ رود " دہلی کے مسلمانوں کے " شدید احتجاج " سے تعبیر کر رہے ہیں اور حضرت چوہدری صاحب سمیت کونسل کے ارکان کی نیت پر حملہ کر رہے ہیں۔

حضرت چوہدری صاحب کی مخالفت نے لیگ کی مردہ کھیتی کے لئے کھاد کا کام کیا لیگ میں کچھ بیداری پیدا ہوئی۔ الہ آباد والے اجلاس کی مردنی کیفیت کی نسبت اب اس میں زندگی کی رمق نظر آنے لگی۔ چنانچہ سر محمد یعقوب جنرل سیکرٹری نے مسلمانوں کو بتایا کہ یہ اجلاس عدیم النظیر تھا اور اس میں کونسل کے ارکان نے غیر معمولی تعداد میں شرکت کی۔ حضرت چوہدری صاحب کے یہ اختتامی الفاظ آج بھی ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔

" میری صدارت کی مخالفت نے لیگ کو تازہ زندگی بخشی ہے۔ آپ نے ہندوستان میں اسلام کے مستقبل پر اپنے غیر متزلزل اعتقاد کا اظہار فرمایا۔ " ۷ ے

رقابتیں اور شکر رنجیاں

--- لیکن اس دور میں مسلم قیادت میں اتنی رقابتیں اور باہمی شکر رنجیاں تھیں۔ کہ سیاسی جمود کو توڑنے کی راہ میں حائل ہو رہی تھیں۔ مسلم کانفرنس کے مسلم لیگ میں ادغام کے سلسلہ میں حضرت چوہدری صاحب لکھتے ہیں :-

" ۔ ان دنوں مسلم لیگ کے علاوہ مسلمانوں کی ایک اور سیاسی پارٹی آل پارٹیز مسلم کانفرنس بھی تھی ۔ لیکن دو سیاسی پارٹیاں ، مسلم قوم کیلئے ضعف کا باعث تھیں ۔ ادھر کانگریس ، مسلمانوں کی سیاسی طاقت اور جمعیت کو کمزور کرنے کے درپے تھی ..... ۱۹۳۲ء کے اول نصف میں بحیثیت صدر مسلم لیگ میری یہ کوشش رہی کہ آل پارٹیز مسلم کانفرنس کا مسلم لیگ میں ادغام ہو جائے اور اس کے کچھ امکانات بھی پیدا ہو گئے ۔ لیکن سال کے وسط میں میاں سر فضل حسین صاحب کے رخصت پر جانے کے سلسلے میں ان کی جگہ میرا عارضی تقرر عمل میں آیا اور مجھے لیگ کی صدارت سے مستعفی ہونا پڑا ۔ اور یہ تحریک رک گئی ۔ دو ایک سال کے اندر آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی سرگرمیاں ، سرد پڑ گئیں ۔ اور مسلم لیگ از سرنو تازگی پکڑنے لگی " ۸ ۔

اقبال بھی ادغام کے حق میں تھے

۳۲-۱۹۳۱ء کے دور کا ذکر کرتے ہوئے " اقبال کا سیاسی کارنامہ " کے مصنف لکھتے ہیں :۔

" ۔ اس زمانہ میں مسلم کانفرنس ہی ایک فعال جماعت تھی ۔ مسلم لیگ اگرچہ موجود تھی لیکن اس زمانہ میں یہ ادارہ مسلم سیاسیات میں پیش پیش نہیں تھا ..... مسلم لیگ اس زمانہ میں ایک بے روح جماعت بنی ہوئی تھی ۔ (صفحہ ۱۸۸ مطبوعہ ۱۹۵۲ء)

ملت کے ہر بہی خواہ کو حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں کی قیادت میں " مسلم لیگ " ایسے غیر فعال اور بے روح ادارہ اور " مسلم کانفرنس " ایسی فعال اور کل ہند نمائندہ جماعت کے ادغام کی کاوش لازماً قابل ستائش فعل نظر آئے گا ۔

علامہ اقبال نے دسمبر ۳۱ء کے آخری ایام میں یہ خوشگوار اور روح پرور منظر دیکھا کہ مسلم لیگی ارکان نے اپنے صدر محترم حضرت چوہدری صاحب کی صدارت میں نہ صرف مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس کی یک جہتی کا منصوبہ بنایا ہے بلکہ اس کے لئے عملی اقدام بھی شروع کر دیا ہے تو علامہ نے بھی اس سیاسی تطابق کے جذبہ کے ساتھ تین ماہ بعد " مسلم کانفرنس " کے صدارتی خطبہ (۲۱ مارچ ۳۲) میں مسلم جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی تلقین کی ۔

اجلاس کے بعد آپ ہی کے خطبہ صدارت کی روشنی میں بعض قرار دادیں پاس

ہوئیں ۔ ان قرار دادوں میں سے قرار داد نمبر ۸ کی طرف ہم قارئین کرام کو خصوصی توجہ دلانا چاہتے ہیں

اس قرار داد کے الفاظ درج ذیل ہیں :۔

قرار داد نمبر ۸ : مسلمانوں کا ایک ہی سیاسی ادارہ ہو ۔ اس غرض کے لئے ایگزیکٹو بورڈ کو مسلم کانفرنس کا یہ اجلاس ہدایت کرتا ہے کہ وہ کل ہند مسلم لیگ کی کونسل سے مل کر اس مسئلہ کو طے کرے " ۹ ۔

قارئین کرام ! ایک طرف مسلم لیگ ، اتحاد بین المسلمین کا جھنڈا تھامے ، اپنے قائد حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں کی زیر سرکردگی ، آل انڈیا مسلم کانفرنس کی طرف پیش قدمی کر رہی ہے تو دوسری جانب علامہ اقبال ، مسلم کانفرنس کی وسیع اور کل ہند نمائندہ جماعت کے ہمراہ مسلم لیگ کی طرف جادہ پیما ہیں ۔ دونوں مخلص اور دردمند دیدہ وروں کا نصب العین ادغام کے ذریعہ " ایک سیاسی مرکزی ادارہ " ۔ کا قیام ہے ۔

؎ دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی ۔

اس واقعہ پر آج نصف صدی سے بھی زائد عرصہ بیت چکا ہے --- یہ وہ دور تھا جبکہ ابھی علامہ کے ذہن پر جماعت احمدیہ کے بارے میں تنگ نظری اور تعصب کی چھاپ نہیں لگی تھی

آج " زندہ رود " کی عدالت میں ملی سالمیت ، اتحاد اور یگانگت کے یہ دونوں دیدہ ور پیش ہیں ۔ دونوں کا مقصد ادغام ہے دونوں کی طرف سے اس مقصد کے حصول کے لئے اٹھائے گئے اقدامات ایک ہیں ۔ مگر عدالت نے ایک دیدہ ور کو مسلم لیگ یا مسلم کانفرنس کا محافظ اور بہی خواہ قرار دے کر عزت افزائی کا مستحق گردانا ہے اور دوسرے پر سر فضل حسین کا آلہ ء کار ، برطانوی حکومت کا پٹھو اور مسلم لیگ کے قاتل ہونے کی فرد جرم عائد کر کے مقدمہ نمٹا دیا ہے ۔

؎ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے ۔

ذیل میں ہم حضرت چوہدری صاحب اور علامہ اقبال کے خطبات سے ادغام کے اہم مسئلہ کے بارے میں بعض اقتباسات کا ایک تقابلی جائزہ پیش کرتے ہیں اور مصنف زندہ رود کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس میں ایسا نکتہ تلاش کر دکھائیں ۔ جس سے ثابت ہو کہ

لیگ اور مسلم کانفرنس کے ادغام کے ذریعہ ظفر اللہ خاں لیگ کو موت کے گھاٹ اتارنا
چاہتے تھے لیکن علامہ اس کے برعکس اقدام کر کے لیگ کو موت کے منہ سے بچانے میں
کوشاں تھے ۔

خطبات کا تقابلی جائزہ

سالانہ اجلاس " آل انڈیا مسلم لیگ " دہلی . سالانہ اجلاس " آل انڈیا مسلم کانفرنس لاہور

خطبہ صدارت ۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں . خطبہ صدارت ۔ علامہ اقبال

۔ دسمبر ۱۹۳۱ء ۔ ۔ مارچ ۱۹۳۲ء ۔

ایک سیاسی تنظیم

" پہلا قدم جو ہمیں اپنی سیاسی کوششوں اور ایک . " پچھلے چند سالوں کے واقعات اس پر
شاہد
مرکزی مجلس اسلامی کی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع . ہیں ۔ کہ قوم کی راہنمائی آزاد طریقے پر
کرنے کے لئے اٹھانا چاہئے یہ ہے کہ قوم کے . نہیں کی جاتی .... اس خرابی کا ازالہ اس
اندر ایک ہی قسم کی جتنی جماعتیں کام کر رہی . صورت میں ممکن ہے کہ ہندوستانی
مسلمانوں
ہیں ۔ ان کو یک قلم ختم کر دیا جائے ۔ کی صرف ایک تنظیم ہو ۔

نئی انجمن کا نام

" ۔ اس (متحدہ انجمن ۔ ناقل) کا نام خواہ کچھ ہی ہو ۔ " اس کا نام خواہ کچھ ہی رکھ لیا جائے ۔

نئی انجمن کے دستور کی وسعت

" اس کے ساتھ کے ساتھ ہمیں اس متحدہ . اس (متحدہ سیاسی انجمن) کا اساسی دستور ایسا
ہونا

سیاسی انجمن کے دستور آئین کا بھی خیال . چاہئے ۔ کہ ہر قسم کے سیاسی فکر کو ابھرنے کا
موقع
کر لینا چاہئے .... جو ان دونوں جماعتوں کے . مل سکے ۔ جو جماعت کی اپنے شعور اور
طریقوں
کے اتحاد سے قائم ہو گی ۔ اس انجمن کا دستور . سے راہنمائی کر سکے ۔ میری رائے میں
بد نظمی کو مٹانے اور ہماری
اتنا وسیع ہونا چاہئے کہ اس کے احاطہ کار میں منتشر قوتوں کو مرکز پر جمع کرنے کا یہی واحد
طریقہ ہے "
ہماری ملت کی تمام سیاسی و معاشی اور
معاشرتی سرگرمیاں آ جائیں ۔ "

ملک گیر شاخیں

ضروری ہو گا کہ اس انجمن کی شاخیں . اس انجمن کی شاخیں تمام صوبوں اور ضلعوں میں
ملک میں پھیل جائیں ۔ . پھیلی ہوئی ہوں ۔

لیگ اور کانفرنس ملا دی جائیں

راقم عرض کرتا ہے کہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے حضرت چوہدری صاحب کی " اتحاد المسلمین " کی تجویز بلند ہوئے ابھی ڈیڑھ ماہ ہی گزرا تھا کہ مسلمانوں کا دردمند اور فہمیدہ طبقہ اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے سرگرم عمل ہو گیا ۔

پیسہ اخبار لاہور ۔ " مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس ملا دی جائیں ۔ " کے عنوان سے خبر دیتا ہے :۔

" ڈاکٹر ضیاء الدین احمد ۔ مسٹر رفیع الدین احمد ۔ مسٹر اے ۔ ایچ غزنوی ۔ حافظ ولایت اللہ ۔ سر عبدالقیوم ۔ مسٹر اسماعیل خاں اور مولانا سید حبیب نے (۱) سر محمد یعقوب سیکرٹری مسلم لیگ اور (۲) مولانا شفیع داؤدی سیکرٹری آل انڈیا مسلم کانفرنس کے نام حسب ذیل اعلان شائع کیا ہے ۔

پیسہ اخبار لاہور ۱۸ فروری ۱۹۳۳ء

لیا گیا

مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس ملا دیجائیں

ڈاکٹر ضیاء الدین احمد، حافظ ولایت اللہ، مسٹر اے، ایچ غزنوی، مولانا مظہر علی، مسٹر رفیع الدین احمد، سر عبدالقیوم مسٹر اسمٰعیل علی خاں۔ اور مولانا سید حبیب نے سر محمد یعقوب سکرٹری مسلم لیگ، مولانا شفیع داؤدی سکرٹری آل انڈیا مسلم کانفرنس کے نام حسب ذیل اعلان شائع کیا ہے۔

ہم اعتراف کرتے ہیں کہ مسلم لیگ اور آل انڈیا مسلم کانفرنس نے اہم مواقع پر مسلمانوں کی بڑی خدمت کی ہے۔ موجودہ سیاسی فضا کو مدنظر کرتے ہوئے بھی ان کے علیحدہ قیام کی بڑی ضرورت ہے۔ مگر اب وقت آگیا ہے کہ متذکرہ بالا ہر دو قومی انجمنیں ملحق کر دی جائیں۔ اور دونوں ملکر کام کریں اس لئے ہم تحریک کرتے ہیں کہ گیارہ اصحاب کی کمیٹی بنائی جائے۔ جو دونوں کے الحاق کے طریقہ پر غور کرے۔ اور اس کے لئے عملی تجویز بتلائے۔ ان دونوں جماعتوں کے علیحدہ علیحدہ جلسے کرنے سے مسلمانوں کی آواز کمزور ہو جاتی ہے۔ اور ملک میں غلط فہمی پیدا ہونے کے علاوہ مشترکہ ممبروں کا روپیہ اور وقت ضائع ہوتا ہے۔

” ..... اب وقت آگیا ہے کہ متذکرہ بالا ہر دو قومی انجمنیں ملحق کر دی جائیں ۔ اور دونوں مل کر کام کریں ۔ اس لئے ہم تحریک کرتے ہیں کہ گیارہ اصحاب کی کمیٹی بنائی جائے ۔ جو دونوں کے الحاق کے طریقہ پر غور کرے ۔ اور اس کے لئے عملی تجویز بتائے ۔ ان دونوں جماعتوں کے علیحدہ علیحدہ جلسے کرنے سے مسلمانوں کی آواز کمزور ہو جاتی ہے ۔ اور ملک میں غلط فہمی پیدا ہونے کے علاوہ مشترکہ ممبروں کا روپیہ اور وقت ضائع ہوتا ہے “ ۃ

مسلم کانفرنس کا خطبہ ۔ تاریخی دستاویز

مصنف زندہ رود کے نزدیک :۔

۔ علامہ کا خطبہ ” آل انڈیا مسلم کانفرنس “ بمقام لاہور (مارچ ۳۲) ۔ مسلم سیاسیات

کے محقق کے لئے تاریخی اہمیت کا حامل ہے ۔

۔ اس خطبہ کے ذریعہ اقبال نے نظریاتی اساس پر مسلمانوں کی آئندہ سیاسی حکمت عملی کے لئے ایک رخ ۔ سمت ۔ نصب العین یا منزل کا تعین کر دیا ۔ (صفحہ ۳۴۲)

۔ اس خطبہ کو برصغیر کی مسلم سیاسیات کا کوئی طالب علم بھی نظرانداز نہیں کر سکتا (صفحہ ۴۷۸)

۔ اقبال نے خطبہ میں جو لائحہ عمل پیش کیا اسے فخریہ انداز میں پیش کرتے ہوئے مصنف زندہ رود فرماتے ہیں کہ :۔ اس کا پہلا نکتہ یہ تھا کہ متفرق سیاسی جماعتوں میں بٹنے کی بجائے مسلمانان ہند کی صرف ایک سیاسی تنظیم ہو (صفحہ ۴۸۰)

(یعنی خاص طور پر مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس جیسی بڑی جماعتیں باہم مدغم کر دی جائیں ۔ ناقل) اور مصنف ” ذکر اقبال “ جناب مولانا عبدالمجید صاحب سالک ' کے نزدیک :۔

۔ حقیقت یہ ہے کہ اس خطبہ صدارت سے ہندوستان و انگلستان کے سیاسی حلقوں میں خاص سنسنی پھیل گئی ۔ کیونکہ یہ خطبہ صاف گوئی ۔ خلوص ۔ رواداری اور صداقت کا مظہر تھا اور ضرورت وقت کے مطابق سیاسی تدبر کا بھی شاہکار تھا ۔

۔ اس میں علامہ نے ہندوستان کی تحریک آزادی کی تائید بھی کی اور مسلمانوں کے جذبات و خیالات کی نمائندگی کا حق بھی ادا کیا ۔

۔ اس خطبہ میں (کانگریس کی) سول نافرمانی کے خلاف نکتہ چینی کی اور ہندوؤں کی غیر مفاہمانہ ضد پر اظہار افسوس کیا ۔

۔ اس خطبۂ میں علامہ نے نہایت بیباکانہ طور پر صاف کہہ دیا کہ حکومت برطانیہ کی حکمت عملی تذبذبانہ ہے اور فرقہ وارانہ فیصلے کا اعلان ہونے میں تاخیر کا الزام حکومت برطانیہ پر ہے ۔ (صفحہ ۱۹۴)

ہم نے گذشتہ صفحات میں مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ کے ادغام کے ضمن میں اس خطبہ کے اہم نکات کا چوہدری صاحب کے خطبہ (دسمبر ۱۹۳۱ء) سے تقابلی جائزہ پیش کیا ہے ---- راقم عرض کرتا ہے بہت سے دیگر امور میں بھی علامہ کا خطبہ ء حضرت چوہدری صاحب کے خیالات کا عکس لئے ہوئے ہے ۔ قابل غور امر یہ ہے کہ کیا اس خطبہ کے “

سیاسی تدبر کے شاہکار " ہونے کی ایک وجہ یہ پر تو قرار دیا جا سکتا ہے ؟

" سوراج " کی جگہ کامل ذمہ دارانہ حکومت کا نصب العین
آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ۲۷ر دسمبر ۱۹۳۱ء بمقام نئی دہلی
زیر صدارت حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں

آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس (دسمبر ۱۹۳۰ء) بمقام الہ آباد منعقد ہوا تھا۔ اب تک مسلم لیگ کا نصب العین پرامن ذرائع سے ہندوستان کے لئے " سوراج " کا حصول تھا۔
" ۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کی زیر صدارت ہونے والے اجلاس (۲۷ دسمبر ۱۹۳۱ء میں Most important change " سب سے اہم تبدیلی " یہ وقوع میں آئی کہ اب اس کا نصب العین " مسلمانوں کے لئے کافی اور موثر تحفظات کے ساتھ کامل ذمہ دارانہ حکومت کا پرامن ذرائع سے حصول قرار پایا۔ اس لحاظ سے یہ اجلاس تحریک آزادی میں منفرد حیثیت کا حامل ہے۔

۔ حواشی ۔

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں۔ اوائل جنوری ۱۹۳۲ء کے الفضل کے پرچے

۲۔ بحوالہ الفضل ۲۰ر دسمبر ۱۹۳۱ء ۔

اسی دور میں اقبال ' احمدیوں کو کٹر مسلمان سمجھتے تھے۔ بقول مصنف " زندہ رود " اقبال ۱۱ر اکتوبر ۱۹۳۱ء مسجد احمدیہ انگلستان گئے۔ نومسلم انگریز بچوں سے قرآن مجید ' صحیح تلفظ کے ساتھ سن کر محظوظ ہوئے۔ ایک بچی کو ایک پاؤنڈ انعام بھی دیا۔ (ص ۵۷۷) علامہ نے اس موقع پر اپنی تقریر میں فرمایا کہ دنیائے اسلام کے چالیس کروڑ فرزندان توحید آپ کے بھائی ہیں (انقلاب ۲۹ر اکتوبر ۳۱) راقم عرض کرتا ہے کہ اگر اس دور میں دہلی کے احراریوں نے احمدیوں کو غیر مسلم سمجھا تو مصنف زندہ رود کے لئے بہتر یہی تھا کہ وہ اقبال کے نظریات کی روشنی میں اسے احراریوں کی اسلام دشمنی گردانتے۔

۳۔ ملاپ اخبار ۳۰ر دسمبر ۱۹۳۱ء

۴۔ بحوالہ الفضل ۳ر جنوری ۱۹۳۲ء

۵۔ صدر محترم چودھری ظفر اللہ خاں صاحب نے وسعت نیابت کی خاطر کونسل کے ممبران کی تعداد بڑھا کر ۲۳ کر دی۔ (دی انڈین اینویل رجسٹر ۲۷ر دسمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۲۲۲)

۶۔ واضح رہے کہ سر آغا خاں بھی ادغام کی خواہش کا اظہار کر چکے تھے۔

۷۔ انڈین اینویل رجسٹر مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۱ء سالانہ اجلاس مسلم لیگ

۸۔ تحدیث نعمت طبع دوئم ص ۲۹۶

۹۔ اقبال کا سیاسی کارنامہ ص ۱۵۶ مطبوعہ ۱۹۵۲ء

۱۰۔ پیسہ اخبار لاہور ۱۸ فروری ۱۹۳۲ء ص ۱۲ کالم ۳

پنجاب لیجسلیٹو کونسل کی سیر

کاش! ظفراللہ خاں کی تقریر، مسلم راج کے تخیل سے پاک ہوتی۔

سردار اجل سنگھ

مصنف زندہ رود نے پنجاب لیجسلیٹو کونسل میں احمدیوں کے طرز فکر و عمل پر علامہ اقبال کے متوقع خدشات کو اپنی کتاب کی زینت بنایا ہے۔ ان خدشات کی حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے آیئے! لیجسلیٹو کونسل چلتے ہیں۔

جماعت احمدیہ کے نامور فرزند چوہدری ظفراللہ خاں نے مسلم حقوق کے تحفظ کے لئے غیر مسلم ممبران اسمبلی کے ساتھ سالہا سال تک ایک طویل جنگ لڑی۔ پنجاب لیجسلیٹو کونسل کا سرکاری ریکارڈ آج بھی اس کا منہ بولتا ثبوت مہیا کرتا ہے۔ ایک موقع پر سردار اجل سنگھ نے چودھری صاحب کی ٹھوس تقریر کا جواب دیتے ہوئے کہا:۔

"۔ میں چوہدری ظفراللہ خاں کا تہ دل سے احترام کرتا ہوں ..... لیکن (آپ کی تقریر سن کر) مجھے افسوسناک مایوسی ہوئی ہے .... اس میں کوئی شک نہیں کہ جمہوریت کی اساس فرنچائز (حق رائے دہی) ہے۔ اور میرے واجب الاحترام دوست نے نہایت درجہ فصاحت و بلاغت سے اس موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ لیکن کاش! ظفراللہ خاں کے دلائل کے پس پردہ وہ جذبہ کارفرما نہ ہوتا جس کے ذریعہ وہ یہاں "مسلم راج" کے قیام کے متمنی نظر آتے ہیں (انگریزوں کی مدد سے)

I wish his (Zafrullah Khan's) arguments were devoid of that inherent motive which seeks to establish a "Muslim Raj" with the help of the British -" (P.212)

جس میجارٹی سکیم کی چودھری صاحب وکالت کر رہے تھے۔ اس کی طرف اشارہ کر کے سردار صاحب نے فرمایا:۔

"-- برٹش راج" کو تبدیل کر کے یہاں "مسلم راج" کے قیام کے لئے اس سے بہتر سکیم ایجاد نہیں کی جا سکتی۔"

"-- No better scheme of change over the "British Raj" to "Muslim Raj" could be devised (P.213)

باقی ص ۸۴

آل انڈیا کشمیر کمیٹی

مصنف زندہ رود کے بیانات کی تلخیص

مصنف زندہ رود کا موقف

"۔ ابتدائے کار یعنی کشمیر کمیٹی کے قیام (جولائی ۱۹۳۱ء) سے لے کر حضرت امام جماعت احمدیہ کے استعفٰی (مئی ۱۹۳۳ء) تک کے دور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مصنف "زندہ رود" لکھتے ہیں،

"اس دور میں کشمیر کمیٹی میں اقبال کو خالصتاً احمدی قیادت میں کام کرنے کا تجربہ حاصل ہوا۔ کشمیر کمیٹی ایک عارضی تنظیم کی صورت میں عجلت میں بنائی گئی تھی۔ اس کا نہ تو کوئی دستور تھا اور نہ قواعد و ضوابط۔ جب احمدی ارکان پر الزام لگا کہ وہ کشمیر کمیٹی کو کشمیر میں احمدیت کی تبلیغ کی خاطر استعمال کر رہے ہیں (اور "اس ذریعے ان کا اصل مقصد کشمیری مسلمانوں کو احمدی بنانا ہے" (صفحہ ۵۰۹) تو اس قسم کے الزامات کے تدارک کے لئے تجویز پیش کی گئی کہ کشمیر کمیٹی کے لئے دستور اور قواعد و ضوابط وضع کر لئے جائیں۔ تاکہ کسی کو کسی کے خلاف شکایت کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ لیکن بجائے اس کے کہ الزام کو غلط ثابت کرنے کے لئے قدم اٹھائے جاتے۔ احمدیوں نے اس تجویز کو اپنے امام کے لامحدود اختیارات کو محدود کرنے کے لئے ایک چال سمجھا اور مرزا بشیرالدین محمود نے کشمیر کمیٹی سے استعفٰی دے دیا۔ (اگرچہ ان کی جماعت کے باقی افراد بدستور کمیٹی کے رکن رہے (صفحہ ۵۹۳) جب اقبال، کشمیر کمیٹی کے قائمقام صدر منتخب ہوئے تو احمدی اراکین نے ان کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کر دیا اور بقول اقبال ان پر واضح کر دیا کہ احمدیوں کے نزدیک کشمیر کمیٹی یا مسلمانوں کی کسی بھی

تنظیم کی کوئی اہمیت نہیں اور ان کے عقیدے کے مطابق اگر وہ کسی وفاداری کے پابند ہیں تو صرف ان کی امیر کے ساتھ وفاداری ہے "۔۔۔۔ (صفحہ ۵۹۳)

"۔ (اس پر) اقبال نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ اگر مسلمانان ہند اپنے کشمیری بھائیوں کی امداد اور رہنمائی کرنا چاہتے ہیں تو کوئی اور کشمیر کمیٹی بنالیں جو صرف مسلمانوں پر مشتمل ہو " (صفحہ ۵۸۶)

" اقبال کی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مسلمانوں کے ایک نمائندہ اجلاس میں پرانی کشمیر کمیٹی توڑ دی گئی اور ایک نئی آل انڈیا کشمیر کمیٹی وجود میں لائی گئی۔ اقبال نے نئی کشمیر کمیٹی کی صدارت قبول کرلی۔ ملک برکت علی ایڈووکیٹ اس کے سیکرٹری مقرر کئے گئے " (صفحہ ۵۱۰)

ایک تمنا۔ ایک تجویز

چوہدری ظفراللہ خاں مرحوم کی ملکی و ملّی خدمات کے ریکارڈ کو یکجا کرنے اور اس سے دنیا کو روشناس کرانے کے لیے "ظفراللہ خاں اکیڈمی" کے قیام کی ضرورت ہے۔ (شیخ عبدالماجد)

امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد

صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی

محکوم و مجبور کشمیر' آزادی کی شاہراہ پر

۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۳ء تک کی کہانی

آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و فقیر — کل جسے اہل نظر کہتے تھے ایران صغیر
سینہ ء افلاک سے اٹھتی ہے آہ سوز ناک — مرد حق ہوتا ہے جب مرعوب سلطان و امیر
کہہ رہا ہے داستاں' بے دردئی ایام کی — کوہ کے دامن میں وہ غم خانہ ء دہقان پیر

طائرانہ نظر

اقبال نے ۱۹۲۱ء کے لگ بھگ کشمیر کے کوہ کے دامن میں جو غمخانہ ء پیر' بے دردی ء ایام کا ماتم کرتا ہوا دیکھا ۔ ۱۹۳۱ء میں " آل انڈیا کشمیر کمیٹی " کے اولوالعزم صدر کے صدارت سنبھالتے ہی جذبہ ء آزادی کا آتشکدہ بن گیا۔

---- صدر کمیٹی نے اپنے دو سالہ دور صدارت میں اندرون و بیرون کشمیر کے مسلمانوں کو ان راہوں پر چلنے کی تلقین کی جو راہیں اس قسم کی چیرہ دستیوں اور اس نوع کے کٹھن مراحل میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے متعین ہوتی تھیں ۔ چنانچہ چشم فلک نے کشمیر میں آزادی کی ہلکی سی جنبش کو زبردست انقلابی لہر کی صورت میں بدلتے ہوئے دیکھا

---- صدر کمیٹی کی روحانی فراست اور استقامت کے طفیل مختلف برسرپیکار طبقوں کے منتشر زعماء ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے ۔ انتہائی پرانتشار ماحول اور نامساعد حالات میں یہ اتحاد' ایک معجزہ سے کم نہیں تھا۔

---- صدر کمیٹی کی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں وہ بے بس کشمیری مسلمان جن کو انسانیت کے ابتدائی حقوق بھی حاصل نہیں تھے اور جو بے زبان مویشیوں کی حیثیت رکھتے تھے ۔ شہریت کے ابتدائی حقوق حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ۔ کشمیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اسمبلی بنی اور کشمیری مسلمانوں کے لئے سیاست میں حصہ لینے کی راہیں کھل گئیں --- مگر افسوس کہ جب جدوجہد حریت مزید کامیابیوں سے ہمکنار ہونے کو تھی ۔ بعض ممبران کمیٹی مخالفین کے داؤ میں آ گئے جس کی وجہ سے تحریک کو نقصان پہنچا۔

مقالہ کے خدوخال

آئندہ صفحات میں ایک طرف اس گروہ کی کہانی پیش کی گئی ہے ۔ جس نے تحریک آزادی ء کشمیر کی شریانوں میں دوڑنے والے خون کو اپنے ایثار و اخلاص سے آب و تاب بخشا ۔ دوسری طرف ان نمک خواران ریاست کا قصہ بھی ان سطور میں ملے گا جو کھلے بندوں یا مار آستیں بن کر اس اولین و ہمہ گیر تحریک آزادی کو سبوتاژ کرنے میں مصروف عمل رہے ---
پھر ان اوراق میں ایک تیسرے طبقے کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو ایوان حریت پسندی کی نیو رکھنے والوں کا پوری دردمندی سے ساتھ دے رہا تھا مگر شومئی قسمت کہ کچھ عرصہ بعد دشمنان اسلام کی پرفریب چالوں سے دھوکہ کھا گیا اور یوں اس محسن کشمیر کی بے مثل جدوجہد آزادی کو پوری طرح ثمرآور ہونے کا موقع نہ ملا ۔

غرض اس باب میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے قیام کا پس منظر' محسن کشمیر حضرت امام جماعت احمدیہ کا کمیٹی کی صدارت سنبھالنا ۔ آپ کی زیر صدارت' کمیٹی کے کارہائے نمایاں ۔ آپ کا صدارت سے استعفیٰ ۔ استعفیٰ کا ردعمل نیز علامہ اقبال کے دور صدارت کی کسمپرسی کی کیفیت کا حقیقت پسندانہ جائزہ پیش کیا گیا ہے ساتھ کے ساتھ جناب جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال یا علامہ اقبال کی طرف سے اس محسن کشمیر کی خدمات پر نکتہ چینیوں کو بھی نظر میں رکھنے کی کوشش کی گئی ہے ۔

جامع مسجد سری نگر میں مسلمانوں کی خاک و خون میں لتھڑی ہوئی لاشوں کی قطاریں ۔ ۱۳ ۔ ۱۴ جولائی ۱۹۳۱ء

ایک معصوم بچی جس کا ناک کاٹنے کے بعد اسے دریا میں ڈبو دیا گیا ۔

ڈوگرہ ظلم و ستم کا شکار ہونے والی ایک اور بد قسمت بچی ۔

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے قیام سے قبل

وائسرائے کے نام تار

۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو جب مسلمانان سری نگر کے بے بس اور نہتے مجمع پر کشمیر کے ریاستی حکام نے گولی چلا کر مسلمانوں کو شہید کیا ۔ تو حضرت امام جماعت احمدیہ نے اسی روز قادیان سے وائسرائے ہند لارڈ ولنگڈن کو ایک طویل تار ارسال فرمایا ۔ جس میں خلاف انسانیت وحشیانہ مظالم کے حالات بیان کر کے ان کو لکھا کہ کشمیر میں مسلمان وزیر مقرر کئے جائیں ۔ اور مظالم کا کیس وائسرائے فوراً اپنے ہاتھ میں لیں ۔ اس تار پر پیسہ اخبار لاہور نے ایک اداریہ سپرد قلم کیا ۔ جس میں لکھا '

امام جماعت احمدیہ کی نہایت عمدہ رائے

" مسلمانان کشمیر پر گولیوں کی بارش کے متعلق امام جماعت احمدیہ قادیان نے ایک تار ہز ایکسی لینسی وائسرائے کی خدمت میں ارسال کی ہے ۔ جس میں کشمیری مسلمانوں کی حالت زار کا خاکہ کھینچ کر یہ رائے دی ہے ۔ کہ جب تک کشمیری مسلمانوں کی اپنی وزارت کے ذریعہ مہاراجہ جموں ان پر حکومت نہ کریں ۔ اس وقت تک کشمیر میں امن قائم نہیں ہو سکتا ۔۔۔۔ یہ رائے نہایت عمدہ اور قابل عمل ہے '[۱]

پس منظر

۳۱-۱۹۳۰ء کے دور کا ذکر کرتے ہوئے مصنف " زندہ رود " لکھتے ہیں '

" کشمیری مسلمانوں کی تعلیمی حالت پہلے ہی سے نہایت پست تھی ۔ سرکاری ملازمت کے دروازے ان پر بند تھے ۔ مذہبی آزادی مفقود تھی ۔۔ اخباروں ' جلسوں اور جلوسوں پر پابندیاں عائد تھیں اور اب انہیں گرفتار کر کے جیلوں میں ٹھونسا جا رہا تھا ۔ چوہدری غلام عباس اور شیخ محمد عبداللہ جیسے امن پسند کشمیری رہنماؤں اور کئی دیگر کارکنان کو حراست میں لے لیا گیا ۔ ریاست میں مارشل لاء نافذ تھا ۔ جگہ جگہ ٹکٹکیاں نصب کی گئی تھیں جن پر کشمیری مسلمانوں کو باندھ کر کوڑے لگائے جاتے تھے ۔

کشمیریوں کی بے بسی سے بالخصوص ' پنجاب کے مسلمان متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے "[۲]

خواجہ حسن نظامی اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں ؛

" آج احمدیہ جماعت کے امام صاحب کا کشمیر کے متعلق ایک بہت اچھا اور مفصل خط آیا ہے میں نے ان کو لکھا ہے کہ وہ اس معاملہ میں ڈکٹیٹر بن کر کام کریں اور میں ان کے ساتھ ایک خادم بن کر کام کروں گا۔ میرا خیال ہے اس معاملہ میں جناب میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب بہت ہی " عمدہ کام " کر سکتے ہیں۔

مکتوب خواجہ حسن نظامی

حضرت امام جماعت احمدیہ کا خیال تھا کہ کشمیری مسلمانوں کی بہبود کے لئے ایک آئینی کمیٹی بننی چاہئے اور اس میں کوئی بڑی ذمہ داری علامہ اقبال کے سپرد کی جائے۔ اپنی اس تجویز کا آپ نے خواجہ حسن نظامی صاحب سے تحریراً اظہار کیا۔ خواجہ صاحب نے جواب میں وہ خط لکھا جس کا آپ نے اپنے روزنامچہ میں ذکر کیا ہے۔ اس کا اصل متن درج ذیل ہے ؛

مخلص نواز حامی مسلمین۔ جناب میرزا صاحب۔ السلام علیکم

..... ڈاکٹر سر محمد اقبال کی نسبت یہ تو ٹھیک ہے کہ ان کا اثر ہے مگر یہ ٹھیک نہیں ہے کہ ان میں عملی جرات بھی ہے۔ وہ ہرگز اس مشکل کام میں دخل نہ دیں گے چاہے وہ اس وقت وعدہ کرلیں۔ لیکن ایفا کی امید نہیں ہے۔ آپ ڈکٹیٹر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میں آپ کے ساتھ کام کرنے کو موجود ہوں ...... میں نے تو بڑے بڑے متعصب مولویوں سے باتیں کیں تو ان کو آپ کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لئے آمادہ پایا ...... آپ نے وائسرائے اور لندن کا کام موقع کے موافق کیا۔ [۳]

نیاز مند

حسن نظامی

بہت مفید کام ؛ بہت عمدہ کام

مصنف زندہ رود کے مطابق۔ " کئی احمدی اقبال کے قریبی دوست رہے اور اقبال ان کے ساتھ (ان کے) جلسوں میں شریک ہوتے (ص ۵۷۵)

راقم عرض کرتا ہے کہ علامہ کو اس قربت کی وجہ سے احمدیہ جماعت کے متعلق یہ تجربہ مسلسل ہو چکا تھا کہ یہ جماعت مسلمانوں کے لئے بہت مفید کام کرنے والی جماعت ہے خواجہ

حسن نظامی نے آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے ابتدائی ایام میں اس رائے کا اظہار کیا کہ مرزا صاحب (کشمیری) مسلمانوں کے لئے " بہت ہی عمدہ " کام کر سکتے ہیں۔ علامہ اس کمیٹی کی تشکیل سے کچھ عرصہ پیشتر اپنے مکتوب ۵ ستمبر ۱۹۳۰ء (بنام پرائیویٹ سیکرٹری حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ) ایسے ہی خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔۔ " آپ کی جماعت منظم ہے اور نیز بہت سے مستعد آدمی اس جماعت میں موجود ہیں۔ آپ " بہت مفید کام " مسلمانوں کے لئے انجام دے سکیں گے [۴]

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام

شملہ کانفرنس کی کاروائی

حضرت امام جماعت احمدیہ نے مسئلہ کشمیر پر غور کرنے کے لئے متفرق مسلمان لیڈروں کے نام تاریں بھجوائیں کہ ہمیں کشمیریوں کی امداد کے لئے کچھ اقدام کرنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں میٹنگ کے لئے ۲۵ جولائی ۱۹۳۱ء کا دن مقرر ہوا۔ اس روز بعد نماز ظہر سر ذوالفقار علی خاں آف مالیر کوٹلہ کی کوٹھی فیئر ویو (شملہ) میں ایک اہم اجلاس ہوا۔ کشمیریوں کے نہ صرف جسم بلکہ ان کی روحیں بھی اس حد تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھیں کہ بظاہر حالات خلاصی کا کوئی رستہ نہ تھا۔ اس وجہ سے تمام حاضر زعماء ازحد مایوس اور پژمردہ تھے

لاہور کا پیسہ اخبار لکھتا ہے ؛

" شملہ میں مسلمانان کشمیر کی حالت زار پر غور کرنے کے لئے مسلمان زعماء کا ایک جلسہ ہوا۔ جس میں نواب سر ذوالفقار علی خان سر اقبال۔ مرزا بشیر الدین محمود (امام جماعت احمدیہ قادیان) نواب صاحب کنج پورہ۔ خان بہادر شیخ رحیم بخش۔ خواجہ حسن نظامی وغیرہ بہت سے زعماء مسلمان شریک ہوئے کہ ریاست کشمیر کے حالات اس قسم کے ہیں کہ ان کی نگرانی کے لئے فوراً ایک " آل انڈیا کشمیر کمیٹی " کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ایک کمیٹی قائم کی گئی۔ جس میں ڈاکٹر سر محمد اقبال۔ نواب ذوالفقار علی خان ، خواجہ حسن نظامی ، نواب صاحب کنج پورہ ، مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ قادیان وغیرہ شامل ہیں۔ اس کمیٹی کے پریذیڈنٹ ' امام جماعت احمدیہ ' منتخب ہوئے۔ عبدالرحیم درد ایم اے ' سیکرٹری منتخب ہوئے۔ قرار پایا کہ

ہندوستان کے تمام صوبوں کے نمائندے اس میں شامل کیے جائیں - اس بات کا اختیار پریذیڈنٹ کو دیا گیا ۵ - طے پایا کہ ۱۴؍اگست کو کشمیر ڈے منایا جائے -

علامہ کی انگلستان روانگی

کشمیر کمیٹی کی تشکیل (۲۵ جولائی ۳۱ء) پر ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ علامہ اقبال ۸ ستمبر ۳۱ء کو گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن تشریف لے گئے -

جب قریباً چار ماہ بعد آپ روم - اٹلی اور مصر سے ہوتے ہوئے وطن لوٹے تو حضور کی اولوالعزم قیادت کے طفیل کشمیر میں جدوجہد آزادی کی تحریک نمایاں ترقی کر چکی تھی -

علامہ کا مسلم کانفرنس میں بیان

علامہ نے واپس تشریف لا کر مارچ ۳۲ء کے آل انڈیا مسلم کانفرنس لاہور کے صدارتی خطبہ میں اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا '

" - جہاں تک کشمیر کا تعلق ہے - مجھے ان واقعات کے تاریخی پس منظر میں جانے کی ضرورت نہیں جو حال ہی میں رونما ہوئے ہیں - ایسی قوم کا دفعتاً جاگ اٹھنا جس میں شعلہ ء خودی قریباً بجھ چکا ہو - ان تمام اشخاص کے لئے جنہیں موجودہ ایشیائی عوام کی اندرونی کشمکش کے متعلق بصیرت حاصل ہے - ایک مژدہ جانفزا ہونا چاہئے "

دوسرے دن جب علامہ ' کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے تو احرار نے علامہ کے پنڈال میں داخل ہوتے ہی جس غنڈہ گردی کا مظاہرہ کیا - اس کی مجمل رپورٹ " انڈین اینویل رجسٹر " میں ان الفاظ میں موجود ہے

کانفرنس کا دوسرا دن - احرار کی شورہ پشتی

" - آج کانفرنس کا آخری اجلاس شورہ پشتی کے مظاہروں کی نذر ہو گیا - اجلاس کی کاروائی دو گھنٹے تاخیر سے شروع ہوئی اور جونہی سر محمد اقبال ' پنڈال میں داخل ہوئے - ان کے ساتھ احراریوں کے ایک بڑے گروہ نے بھی داخل ہونے کی کوشش کی - جنہیں روک دیا گیا - اس پر کانفرنس کے والنٹیروں اور احراریوں میں گیٹ پر باقاعدہ رسہ کشی شروع ہو گئی - جس

کے نتیجے میں باہم لاٹھیاں چلیں اور خشت باری ہوئی - بالآخر پولیس نے مداخلت کر کے مظاہرین کو منتشر کر دیا - لیکن جونہی پولیس ہٹی - شورہ پشتی پھر شروع ہو گئی اور کانفرنس کی کاروائی بغیر کسی بحث و تمحیص کے جلد جلد ریزولیوشن پاس کرنے کی شکل میں تبدیل ہو گئی - اور تمام ریزولیوشن انتہائی عجلت کے ساتھ اس صورت حال میں پاس ہوئے کہ پنڈال کے باہر مجمع (احراریوں کا - ناقل) پنڈال میں بزور داخل ہونے کے لئے کوشاں تھا اور مختلف النوع نعرے لگا رہا تھا - "[۶]

علامہ کے خلاف شورہ پشتی کے اس مظاہرے کے بعد احرار نے ان سے مفاہمت کی طرح ڈالی اور معلوم ہوتا ہے - علامہ نے مفاہمت کر لی اور بعد میں بقول احرار ان کی حوصلہ افزائی بھی کرنے لگے - ان امور کا اعتراف " زندہ رود " میں بھی کیا گیا ہے مگر کچھ دبے لہجے میں - مصنف فرماتے ہیں '

" - کشمیر کمیٹی کے دوران ممکن ہے اقبال نے احرار رہنماؤں سے مفاہمت کرنے کے بعد ان کی حوصلہ افزائی کی ہو - "[۷]

اب ہم مصنف " زندہ رود " کے بیانات کا جائزہ لیتے ہیں -

پر انتشار ماحول

بمطابق مصنف " زندہ رود " اقبال اس دور میں مسلم سیاسی ---- لیڈروں کے نفاق اور فتنہ تراشیوں یا مسلم عوام کے انتشار سے بڑے برگشتہ خاطر تھے ' برصغیر میں ملت اسلامیہ کی ہم آہنگی ' سالمیت یا اس کی سیاسی تنظیم کے نصیب العین کی تحصیل کے لئے ان کی کوششیں اب تک کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی تھیں - اس دور میں برصغیر میں مسلم سیاسی جماعتوں کی تعداد بیس سے اوپر جا چکی تھی اور ہر مسلم سیاسی جماعت کا مسلک دوسری سے مختلف تھا - "[۸]

اس پر انتشار ماحول میں شملہ کے مقام پر (۲۵ ؍ جولائی ۳۱ء کو) آل انڈیا کشمیر کمیٹی معرض وجود میں آئی تھی ' علامہ اقبال نے تجویز کیا کہ جماعت احمدیہ کے امام اس مسلم آئینی کمیٹی کے صدر ہوں -

مکتوب اقبال

کچھ دنوں بعد علامہ نے ایک خط میں امام جماعت احمدیہ کو لکھا کہ ؛

"۔ کشمیر کے متعلق آپ کی کوششیں یقین ہے ۔ بار آور ہوں گی ۔ مگر ذرا ہمت سے کام لیجئے اور اس معاملہ کو انجام تک پہنچائیے ۔۔۔"

اس خط میں مشورہ دیا ۔

یہ کیجئے کہ تین معززین کا وفد جس میں ایک آپ ہوں ۔ انگلستان جائے اور وہاں صرف دو ماہ قیام کرے اور انگریزوں اور پارلیمنٹ کے ممبروں کو کشمیر کی تاریخ اور موجودہ حالات سے آگاہ کرے ۔ اس پر زیادہ سے زیادہ آٹھ ہزار روپیہ خرچ ہو گا اور نتائج اس کے بے انتہا خوش گوار ہوں گے ۔۹

صدارت سنبھالنے کا محرک جذبہ

شملہ کانفرنس میں علامہ سمیت حاضر زعماء جانتے تھے کہ "کشمیر کمیٹی" کی صدارت پھولوں کا تاج نہیں ہے ۔ اس کے لئے عملی جرأت کی ضرورت ہو گی ۔ اس منصب پر متمکن ہو کر انگریزی حکومت کا مقابلہ کرنا ہو گا ۔ مہاراجہ کشمیر اور اس کی وزارت سے نبرد آزما ہونا پڑے گا ۔ کانگریس اور کانگریس کے آلہ کاروں کی ریشہ دوانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا ۔ کشمیریوں کی امداد کے لئے چندہ کی فراہمی خاصا مشکل مرحلہ تھا ۔ نفاق زدہ لیڈروں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا ایک لاینحل مسئلہ نظر آ رہا تھا ۔ ماخوذین کی رہائی کے لئے کشمیر میں قابل وکلاء کو بھجوانا آسان کام نہیں تھا ۔ برٹش پارلیمنٹ کے ممبروں تک اپنی بات پہنچانے کے لئے مخلص کارکنوں ۔ بے لوث مبلغوں اور سرمایہ کی ضرورت تھی ۔ ۱۰

ان مشکلات کے پیش نظر خواجہ حسن نظامی اور خصوصاً علامہ اقبال نے حضرت امام جماعت احمدیہ پر زور دیا کہ آپ ہی صدارت کا منصب سنبھالیں ۔ راقم کی رائے ہے کہ ان امور میں سب سے مشکل کام ، مسلم انتشار کو دور کر کے "مسلم اتحاد" قائم کرنا تھا ۔ حضرت امام جماعت احمدیہ نے جس نیک جذبہ کے تحت صدارت سنبھالنا منظور کیا ۔ اس میں ایک نکتہ یہ تھا کہ اس منصب کے ذریعہ مسلم یک جہتی کی صورت پیدا کی جائے ۔

اتحاد المسلمین کی تلقین

چنانچہ حضور نے ایک بیان میں فرمایا ؛

"۔ اگر آج دنیا کے تمام مسلمان اپنے اندر اتحاد کی صورت پیدا نہیں کریں گے ۔ اور دشمنوں کے منصوبوں کا یک جہتی سے مقابلہ نہیں کریں گے ۔ تو بالکل ممکن ہے ، کل ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ ہندوؤں کی طاقت انہیں کچل کر رکھ دے ۔ ہندوستان میں ایک مسلمان کے مقابلہ چار ہندو ہیں اور وہ ہر وقت متفقہ طور پر اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح مسلمانوں کو نابود کر دیں ۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ مسلمان اپنے اندر اتحاد پیدا کریں اور دشمنوں پر ثابت کریں کہ وہ اختلاف عقائد کے باوجود دشمنوں کے ہر حملہ کا اپنی متحدہ قوت سے مقابلہ کرنے پر آمادہ ہیں ۔

ابھی پچھلے دنوں ریاست جے پور میں صرف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے پر چند مسلمان قید کر لئے گئے ۔ گویا ان کا جرم صرف یہ تھا کہ انہوں نے کیوں بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کی واحدانیت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اظہار کیا ۔ اور یہ صرف ایک ریاست کی حالت نہیں ۔ بلکہ ایسا زمانہ ہمارے سامنے آنے والا ہے کہ سارے ہندوستان کی یہی حالت ہو جائے ۔ پس ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ابھی سے اپنے اندر قوت پیدا کرنا ہمارا مذہبی فرض ہے ۔ سیاسی نہیں ۔۔۔ ان امور کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے ان تیس لاکھ (کشمیری ۔ ناقل) آدمیوں کی امداد کے لئے جو یتیموں کی طرح کمزور اور بے بس تھے ۔ اپنا ہاتھ بڑھایا اور بغیر اس خیال کے بڑھایا کہ اس میں احمدیت کی ترقی کا سوال ہو ۔۱۱

۔ محیر العقول معجزہ ۔

مسلم زعماء ایک پلیٹ فارم پر

اس پاکیزہ جذبہ کے تحت آپ میدان عمل میں اترے تھے ۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے آپ کی توجہ اور کوشش سے یہ محیر العقول معجزہ رونما ہوا کہ بکھرے ہوئے مسلم لیڈر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے ، ان میں

☆ مولوی میرک شاہ جیسے دیوبندی عالم

☆ مولوی محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی اور مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی جیسے عالم اہل حدیث

☆ خواجہ حسن نظامی صاحب اور مولوی عبدالحمید ظفر صاحب بنگالی جیسے مذہبی پیشوا

☆ مولوی حسرت موہانی صاحب - مولوی شفیع داؤدی صاحب اور ڈاکٹر شفاعت احمد خاں صاحب جیسے سیاستدان

☆ سید عبدالقادر صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج جیسے مورخ

☆ پروفیسر علم الدین سالک جیسے فاضل

☆ حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون اور شیخ نیاز علی ایڈووکیٹ اور چوہدری عبدالمتین آف ڈھاکہ جیسے قومی کارکن

☆ ملک برکت علی صاحب اور مشیر حسین صاحب قدوائی جیسے کانگرسی

☆ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب جیسے ماہر تعلیم

☆ ڈاکٹر سر محمد اقبال جیسے فلسفی وشاعر

☆ سید محسن شاہ صاحب جیسے کشمیر کے دیرینہ خادم

☆ مولوی عبدالمجید صاحب سالک - مولانا غلام رسول صاحب مہر اور سید حبیب صاحب جیسے صحافی شامل تھے - ہندی مسلمانوں کی سیاسی جماعت " آل انڈیا مسلم لیگ " اور " کشمیری کانفرنس " اور " آل انڈیا مسلم کانفرنس " بھی " کشمیر کمیٹی " کی حمایت کرنے لگیں - بلکہ دہلی میں کمیٹی کا اجلاس (۲۲ر نومبر ۱۹۳۱ء) مسلم لیگ کے دفتر میں ہی ہوا - ۱۱ـ

کتنا تعصب پایا جاتا ہے مصنف " زندہ رود " کی اس عبارت میں جب ان حقائق کے باوجود وہ لکھتے ہیں '

" مذہبی طور پر (مسلم) اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی ذمہ داری اقبال کے نزدیک جماعت احمدیہ پر عائد ہوتی تھی - ۱۲ـ

کشمیر کمیٹی کے اغراض ومقاصد

۱ـ رائے عامہ ہموار کرنا

مصنف زندہ رود کے مطابق کشمیر کمیٹی کے مقاصد میں ایک اہم مقصد کشمیری مسلمانوں کے حق میں رائے عامہ منظم کرنا تھا (ص ۴۳۴) --- حضرت امام جماعت احمدیہ کی اولوالعزم قیادت میں ۱۴ر اگست ۱۹۳۱ء کو ملک بھر میں "یوم کشمیر" منانے کا پروگرام بنایا گیا - اس

پروگرام کے مطابق برصغیر کے سینکڑوں مقامات - پر شاندار جلسے منعقد ہوئے اور بڑے بڑے جلوس نکالے گئے - نتیجۃ "مسلمانوں کے حق میں اس شان کے ساتھ رائے عامہ بیدار اور منظم ہوئی کہ اپنے تو اپنے غیر بھی انگشت بدنداں رہ گئے - ۱۳ـ

دیوبند کے جلسہ میں مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم - مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور مولانا میرک شاہ صاحب کی تقریریں ہوئیں ---- کلکتہ میں سہروردی صاحب نے عظیم الشان جلسہ کی صدارت کی --- بمبئی میں ایک ہزار باوردی والنٹیرز نے جلوس نکالا --- مسلمانوں کا یہ جلوس بے نظیر تھا - جلسہ میں مولانا شوکت علی صاحب نے خاص طور پر حصہ لیا ---- کراچی کے خالق دینا ہال میں مسلمانوں کا عظیم الشان اجتماع ہوا - حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون صاحب نے صدارت کی -

مسلمانان لاہور کا عظیم الشان مظاہرہ

عنوان بالا کے تحت لاہور کا "پیسہ اخبار" رقم طراز ہے '

لاہور - ۱۴ اگست ۱۹۳۱ء - آج یوم کشمیر کی تقریب پر مسلمانان لاہور نے اخوت اسلامی اور غیرت دینی وہ مظاہرہ دکھایا جس کی نظیر لاہور کی تاریخ میں نہیں ملتی -- پروگرام کے مطابق یہ تجویز کی گئی تھی کہ جلوس ۶ بجے شام باغ بیرون دہلی دروازہ سے روانہ ہو گا مگر ۴ بجے سے فرزندان توحید کا ایک سیلاب امنڈ آیا - یہاں تک کہ باغ اور اس کی متصلہ سڑکوں میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی -

جلوس کی ترتیب

جلوس کی روانگی ساڑھے چھ بجے شروع ہوئی - سب سے آگے مسلم اتحاد کمیٹی واٹر ورکس کے ارکان کا جتھا تھا - اس کے بعد بیس کوریں روانہ ہوئیں

(ہم یہاں قادیان کور سمیت پہلی دس کوروں کے نام لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں)

۱ـ بچوں کی کور ۲ـ ستارہ ہند کور ۳ـ انجمن نوجوانان اسلام کور

۴ـ دعوۃ الصلوۃ کور ۵ـ جوہنا مفتی باکر کور ۶ـ محمد علی کور

۷ـ جمعیتہ المسلمین کور ۸ـ انجمن احمدیہ قادیان کور ۹ـ تکیہ سادھو کور اور ۱۰ـ محلہ تیزابیاں کور

جلوس اللہ اکبر۔ شہیدان کشمیر زندہ باد۔ ڈوگرہ راج مردہ باد کے فلک شگاف نعروں کے ساتھ روانہ ہوا۔ تماشائیوں کے علاوہ ایک لاکھ سے زیادہ فرزندان توحید شامل تھے۔ ۱۴ ؎

یہ تو بیرون کشمیر رائے عامہ کی بیداری کی ایک جھلک تھی ---- صدر کمیٹی نے اندرون کشمیر رائے عامہ کو اس درجہ خوبی اور وسعت سے منظم کیا کہ مخالفین بلبلا اٹھے۔ ہندو اخبار "ملاپ" اس جدوجہد پر اپنے رنگ میں لکھتا ہے'

"--- میرزا قادیانی نے آل انڈیا کشمیر کمیٹی اسی غرض سے قائم کی تاکہ کشمیر کی موجودہ حکومت کا خاتمہ کر دیا جائے اور اس غرض کے لئے انہوں نے کشمیر کے گاؤں گاؤں میں پراپیگنڈا کیا..... انہیں روپیہ بھیجا۔ ان کے لئے وکیل بھیجے۔ شورش پیدا کرنے والے واعظ بھیجے --- شملہ میں اعلیٰ افسروں کے ساتھ ساز باز کرتا رہا۔ ۱۵ ؎

۲۔ شہیدوں کے ورثاء اور زخمیوں کی مالی امداد

مصنف زندہ رود جناب جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبالؒ کے مطابق آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اغراض و مقاصد میں ایک مقصد -- "شہیدوں کے ورثاء اور زخمیوں کو مالی امداد مہیا کرنا بھی تھا (ص ۴۳۴)

آیئے! دیکھتے ہیں یہ مقدس فریضہ کس محنت و ایثار اور جذبہ اخوۃ سے سرانجام دیا گیا۔ اگر شہداء کے پس ماندگان اور نظربندوں کے اہل و عیال کی ہر ممکن دستگیری اور نگہداشت کا وسیع انتظام نہ کیا جاتا تو کشمیر کے اندر تحریک کا زندہ و قائم رہنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے ان محاذوں پر بھی اپنے سپاہی روانہ کر دیئے۔

طبی وفد

پہلا وفد چوہدری عصمت اللہ خاں بی ایس سی۔ ایل ایل بی اور متعدد ڈاکٹروں پر مشتمل تھا۔ جو ۱۴ر اگست ۱۹۳۱ء سے قبل ہی جموں و کشمیر بھیج دیا گیا تھا۔ اس کے بعد دو طبی وفد بھجوائے گئے۔ ایک کے انچارج میجر ڈاکٹر شاہنواز تھے اور دوسرے کے انچارج ڈاکٹر محمد منیر صاحب پہلا وفد میرپور گیا اور دوسرا بھمبر۔

اخبار انقلاب لاہور لکھتا ہے'

"- آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے مسلمانان کشمیر کے شہداء۔ پسماندگان اور زخمیوں کی امداد اور ماخوذین بلا کی قانونی اعانت میں جس قدر قابل تعریف سرگرمی' محنت اور ایثار کا ثبوت دیا ہے -- اس کو مسلمانان کشمیر کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ اب تک کمیٹی کے بے شمار کارکن اندرون کشمیر مختلف مقامات میں مصروف ہیں اور ہزارہا روپیہ مظلومین و ماخوذین کی امداد پر صرف کر رہے ہیں" ۱۶ ؎

مفتی پونچھ کا اعتراف

مفتی پونچھ نے فرمایا ---'

"-- ہم لوگ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی بے لوث مالی امداد کے تازیست ممنون رہیں گے۔ اس کمیٹی نے شہداء کے پس ماندگان کا خیال رکھا۔ یتامی کی پرورش کی۔ محبوسین کے پس ماندگان کو مالی امداد دی۔ ماخوذین کو قانونی امداد دی۔ کارکنوں کو گراں قدر مشورے دیئے۔ جنگلوں میں پہاڑوں میں جا کر مظلومین کی امداد کی۔ ۱۷ ؎

جناب جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال مصنف زندہ رود کے مطابق "کشمیر کمیٹی" کے مقاصد میں۔" گرفتار شدگان کی رہائی کے لئے قانونی امداد بہم پہنچانا بھی شامل تھا۔ (ص ۴۳۴)

۳۔ کشمیر کمیٹی کی طرف سے قانونی خدمات

حضرت امام جماعت احمدیہ فرماتے ہیں:'

"- (کشمیر میں۔ ناقل) جو مقدمات ہوئے۔ ان میں ۱۲۱۰ آدمیوں پر مقدمات چلائے گئے اور اندازاً ایک سو مقدمات تھے۔ ان وکلاء کی کوششوں سے ۱۰۷۰ کے قریب بری ہو گئے اور ۱۴۰ کو معمولی سزائیں ہوئیں۔ حالانکہ اکثر مقدمات قتل اور ڈکیتی کے تھے۔ ہمارے (احمدی) وکیل ڈیڑھ درجن کے قریب تھے۔ جن میں سے نصف نے اپنے آپ کو پیش کر دیا" ۱۸ ؎

واضح رہے کہ عملاً جماعت احمدیہ سے باہر صرف ایک صاحب یعنی غلام مصطفیٰ صاحب بیرسٹر گوجرانوالہ نے قریباً ایک ماہ کے لئے اپنے تئیں قانونی خدمت کے لئے پیش کیا --- باقی

تمام کے تمام وکلاء سب نوجوان احمدی تھے اور اپنی عمر کے اس دور سے گزر رہے تھے کہ اگر ایک ماہ بھی ان کی پریکٹس میں وقفہ پڑ جائے تو ساری گذشتہ محنت رائگاں جاتی۔

چیف جسٹس حکومت آزاد کشمیر کا اعتراف

چیف جسٹس آزاد کشمیر ہائی کورٹ جناب محمد یوسف صاحب صراف نے اپنی گراں قدر تصنیف (انگریزی) "کشمیری ز فائٹ فار فریڈم" میں تمام وکلاء کے اسماء گرامی (مع علاقہ) تذکرہ کیا ہے جو صدر کشمیر کمیٹی نے اس مقصد کے حصول کے لئے کشمیر روانہ کئے۔ (صفحہ ۴۹۰) اس کے مطابق شیخ بشیر احمد (جو بعد میں لاہور ہائی کورٹ کے جج ہوئے) چوہدری عزیز احمد باجوہ، میر محمد بخش، چوہدری محمد اسد اللہ خان، سر محمد ظفر اللہ خاں، شیخ محمد احمد صاحب مظہر، قاضی عبدالحمید ایڈووکیٹس صاحبان وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

۴۔ کمیٹی کی طرف سے سمندر پار ممالک میں پراپیگنڈہ

جناب چیف جسٹس حکومت آزاد کشمیر، کے مطابق، کشمیر کمیٹی کی تشکیل کی ایک غرض سمندر پار ممالک میں کشمیری مسلمانوں کی مظلومیت کی کہانی پہنچانا بھی تھا۔ (ایضاً ۴۵۶)

اس ضمن میں ڈاکٹر سلام الدین نیاز سابق وزیر قانون حکومت آزاد کشمیر "ان کی داستان کشمیر" میں لکھتے ہیں،

"۔ صدر کمیٹی (حضرت امام جماعت احمدیہ۔ ناقل) نے اپنے وسیع وسائل اور ذرائع کو کام میں لاتے ہوئے نہ صرف ریاست اور ہندوستان میں بلکہ سمندر پار ملکوں میں بھی کچھ ایسے انداز سے تشہیر و اشاعت کرائی۔ جس سے جرائد۔ عمائد اور حکمران بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور کشمیریوں کی مظلومیت زبان زدعام ہو گئی۔ برطانوی پارلیمنٹ میں سوال ہونے شروع ہو گئے ..... اور بعض ممبروں نے ہر طرح کی امداد کا وعدہ بھی کیا۔" ص ۱۹

احمدی، غیر احمدی کارکنان، میدان عمل میں

کشمیر کمیٹی "آل انڈیا" بنیاد پر استوار کی گئی تھی۔ اس دور میں برصغیر میں مسلمانوں کی تعداد ۷ کروڑ بتائی جاتی تھی۔ اگر احمدیوں کی تعداد ۴ لاکھ تصور کر لی جائے تو غیر احمدی مسلمان، احمدیوں سے ۱۷۵ گنا زیادہ تھے۔ ظاہر ہے کشمیری مسلمانوں کی مالی، قانونی، طبی امداد میں ان کا حصہ بھی ۱۷۵ گنا بنتا تھا۔۔۔ مگر عملاً کیا ہوا؟

مالی میدان میں مئی ۱۹۳۲ء تک ۳۳ ہزار روپے جمع ہوئے۔ اس میں صرف ۷ ہزار روپیہ ان ۷ کروڑ غیر احمدی مسلمانوں کی طرف سے پیش کیا گیا۔ قانونی میدان میں ہر ۱۰۰ غیر احمدی مسلمان وکلاء کے مقابلہ میں ایک احمدی وکیل تھا۔ مگر کشمیری ماخوذین کے مقدمات کی پیروی کیلئے جہاں مختلف وقتوں میں احمدیوں کے درجن بھر وکیل میدان عمل میں اترے وہاں غیر احمدیوں کی ۷ کروڑ کی نفری والے کیمپ سے صرف ایک وکیل سامنے آیا وہ بھی معمولی عرصہ کے لئے

تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ کشمیریوں کی مظلومیت کی تشہیر کا مسئلہ ہو یا طبی میدان میں زخمیوں کی دیکھ بھال کا معاملہ۔ کم و بیش ہر محاذ پر یہی نسبت تناسب نظر آتا ہے۔

اسی وجہ سے مصنفین کو بادل نخواستہ یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ کشمیر کمیٹی کے ______ روح رواں" احمدی ہی تھے۔

اصل روح رواں

چنانچہ "۔ اقبال کا سیاسی کارنامہ" کے مصنف جناب محمد احمد خاں کے مطابق،

O--- "کشمیر کمیٹی کے **اصل** کام کرنے والے حضرات یہی (یعنی احمدی۔ ناقل) تھے (صفحہ ۱۸۴ مطبوعہ ۱۹۵۲ء)

O--- "ذکر اقبال" کے مصنف مولانا عبدالمجید سالک لکھتے ہیں،

" مرزا صاحب کے احباب و مریدین ہی کمیٹی کے **اصل** کارکن تھے۔..... اور کوئی کارکن تھے ہی نہیں" (ص ۱۷۴۔ مطبوعہ ۱۹۵۵ء)

O --- "مسئلہ کشمیر" کے مصنف ممتاز احمد (نظر ثانی از ابو الاعلیٰ صاحب مودودی) رقمطرا ہیں،

"قادیانی ہی کشمیر کمیٹی کے روح رواں تھے - ۶۸ مطبوعہ ۱۹۷۰ء

حضرت امام جماعت احمدیہ

مسلمانانِ کشمیر کی جلد بازی

جب اس طرح کوئی فیصلہ نہ ہوا تو گورنمنٹ آف انڈیا نے ایک والئ ریاست کو اس غرض کے لیے مقرر کیا کہ کسی طرح اس جھگڑے کا وہ فیصلہ کروا دیں۔ انہوں نے میری طرف آدمی بھیجے اور کہا کہ جب تک آپ دخل نہیں دیں گے یہ معاملہ کسی طرح ختم نہیں ہو گا۔ میں نے کہا مجھے تو دخل دینے میں کوئی اعتراض نہیں۔ میری تو اپنی خواہش ہے کہ یہ جھگڑا دور ہو جائے۔ آخر ان کا پیغام آیا کہ آپ دہلی آئیں۔ میں دہلی گیا۔ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب بھی میرے ساتھ تھے۔ دو دفعہ ہم نے کشمیر کے متعلق سکیم تیار کی اور آخر گورنمنٹ آف انڈیا کے ساتھ فیصلہ ہوا کہ ان ان شرائط پر صلح ہو جانی چاہیئے۔ اُس وقت کشمیر میں بھی یہ خبر پہنچ گئی اور مسلمانوں نے سمجھا کہ اگر ہم نے فیصلہ میں دیر کی تو تمام کریڈٹ جماعت احمدیہ کو حاصل ہو جائے گا۔ چنانچہ پیشتر اس کے کہ ہم اپنی تجاویز کے مطابق تمام فیصلے کروا لیتے۔ مسلمانوں نے اُن سے بہت کم مطالبات پر دستخط کر دیئے حالانکہ ان سے بہت زیادہ حقوق کا ہم گورنمنٹ آف انڈیا کے ذریعہ فیصلہ کروا چکے تھے۔

مرزا صاحب کے وسیع اور لامحدود اختیارات

- کمیٹی کے ممبران کی تعداد ۴۳ تھی اور اس میں صرف ۸ یا ۹ کے قریب احمدی ممبر تھے۔
- کمیٹی کے اجلاس منعقد کئے جاتے تھے ان میں حاضر زعما کی غالب اکثریت غیر احمدی مسلمانوں پر مشتمل ہوا کرتی تھی۔
- حضور کی ہدایت پر اجلاسوں کی کاروائی اخبار میں بھی شائع کر دی جاتی تھی تاکہ ہر موافق و مخالف طبقہ کو کمیٹی کے ممبران کی کارکردگی سے اطلاع ہوتی رہے۔
- وزراء، گورنر اور وائسرائے سے ملاقات کے لئے بھجوائے جانے والے وفود میں بھی غیر احمدی مسلمانوں کی اکثریت ہوتی۔
- اندرون کشمیر حالات کا جائزہ لینے والے وفود میں بھی اکثریت غیر احمدی مسلمانوں کی تھی۔
- جمع شدہ سرمایہ کو بنک سے نکالنے کے اختیارات بھی علامہ اقبال کے سپرد کر دیئے گئے تھے۔

گویا غیر احمدی حضرات کی اکثریت پالیسی وضع کرتی --- کام کا رخ متعین کرتی - اور جہاں تک اس پالیسی کے مطابق جانی، مالی، قانونی، اور طبی قربانیوں کے نذرانے پیش کرنے کا تعلق ہے اس کی سعادت زیادہ تر احمدیوں کے حصہ میں آتی۔ مصنف زندہ رود نے ایثار و قربانی کی اس صورت حال کا نام۔ "مرزا صاحب کے وسیع اور لامحدود اختیارات --" رکھا ہے۔

راقم کی رائے میں یہ امر ان معنوں میں بالکل درست ہے۔ جن معنوں میں والدین کو اپنے بچوں کے بارے میں وسیع اور لامحدود اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ وہ ان کو تعلیم دلوانے - ان کے لباس ان کے خورد و نوش کے سامان مہیا کرنے کے لئے قربانیاں کرتے ہیں۔ ان کی بیماری پر راتوں کو جاگتے ہیں۔ غرض کہ ان کی ہر قسم کی -- "گتھیوں کو سلجھانے" کے لئے ہر دم فکر مند رہتے ہیں --- مگر کوئی صائب الرائے شخص قربانیوں اور ایثار کے اس "وسیع اور لامحدود" دائرہ عمل پر چیں بچیں نہیں ہوتا۔ نہ اسے کبھی یہ فکر دامنگیر ہوتا ہے کہ اس دائرہ کو لامحدود اختیارات کہہ کر اس پر قدغن لگانے کے لئے افراد خانہ کا اجلاس بلائیں۔

فرقہ واریت کا فتنہ

برصغیر میں کشمیر کے مسئلہ کے حل کے لئے سب سے پہلے جو جماعت منظم اور ہمہ گیر صورت میں سامنے آئی۔ وہ "آل انڈیا کشمیر کمیٹی" -- تھی --- یہ کمیٹی آل انڈیا مسلم کانفرنس کی تسلیم شدہ تھی۔

حضرت امام جماعت احمدیہ نے مسلمانوں کو شروع میں ہی دشمن کی چال سے آگاہ کر دیا تھا کہ مسلم دشمن عناصر' احمدی غیر احمدی' بریلوی دیوبندی یعنی فرقہ واریت کا سوال اٹھا کر تفرقہ پیدا کرنا چاہیں گے۔ آپ دشمنوں کے فریب میں نہ آئیں۔ مسلم اکابرین نے اندازہ کر لیا کہ حضور کا یہ اندیشہ درست ثابت ہوا ہے۔ ریاست کے حکام نے بڑی ہوشیاری سے مسلمانوں میں "احمدی غیر احمدی" کا سوال پیدا کر کے تفرقہ ڈلوایا اور یہ کام بھی خود مسلمانوں سے ہی لیا ---

ڈاکٹر سلام الدین نیاز سابق وزیر قانون حکومت آزاد کشمیر لکھتے ہیں --

"کشمیر کمیٹی نے علامہ اقبال ..... کے ذریعہ انتہائی کوشش کی کہ مسلمانان کشمیر مل کر کام کریں لیکن چند لگے بندھے یہ تہیہ کئے ہوئے تھے کہ بہرحال مخالفت کرنی ہے۔ چاہے اس کے نتیجہ میں مظلومین کشمیر کا نقصان ہی کیوں نہ ہو انہوں نے غلط افواہیں پھیلا کر فرقہ وارانہ جذبات کو بھڑکا کر نفرت کی فضا پیدا کرنی شروع کر دی جس کو مسلم اکابرین نے قابل مذمت گردانتے ہوئے تمام ہمعصر اخبارات و جرائد کو ایک بیان جاری کیا"[۷۸]

مسلم زعماء کا بیان

"۔ بعض مضبوط قرائن سے یہ اندیشہ پیدا ہو رہا ہے کہ حکام ریاست کشمیر' مسلمانوں کی قوت کو توڑنے کے لئے یہ حربہ استعمال کرنے کے درپے ہیں کہ ان کے اندر فرقہ وارانہ سوال پیدا کریں .... اور مسلمانوں کے "اتحاد عمل" کو نقصان پہنچائیں ..... ہمیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اب تک مختلف قومی تحریکات میں جب کبھی مسلمانوں نے متفق اور متحد ہو کر ہم آہنگ

ہو کر پوری طاقت کے ساتھ کسی مہم کو ہاتھ ڈالا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ فتح و نصرت نے ان کا خیر مقدم کیا ہے۔

مسئلہ کشمیر ایک مہتم بالشان اسلامی مسئلہ ہے۔ کسی قسم کے فرقہ وارانہ خیالات کی وجہ سے اس کو کسی قسم کا ضعف پہنچانا' اسلام کے ساتھ' غداری ہے۔

۱۔ (خان بہادر) رحیم بخش ۲۔ (میاں) نظام الدین ۳۔ (میاں) عبدالعزیز' پریذیڈنٹ لاہور میونسپل کمیٹی ۴۔ (خان صاحب) میاں امیر الدین میونسپل کمشنر ۵۔ (مولانا مولوی) محمد علی ۶۔ (ڈاکٹر خلیفہ) شجاع الدین بیرسٹرایٹ لاء ۷۔ سید محسن شاہ ایڈووکیٹ ۸۔ (ڈاکٹر) مرزا یعقوب بیگ میونسپل کمشنر ۹۔ مولانا صدر الدین بی اے ۱۰۔ (مولانا) غلام مرشد ۱۱۔ (مولوی) غلام محی الدین' انجمن حمایت اسلام۔ لاہور ۱۲۔ شیخ عظیم اللہ ایڈووکیٹ سیکرٹری انجمن حمایت اسلام۔ لاہور ۱۳۔ (پروفیسر) سید عبدالقادر ۱۴۔ (پروفیسر) خواجہ دل محمد ۱۵۔ (مولانا) عبدالمجید سالک بی اے مدیر انقلاب۔ لاہور ۱۶۔ عبدالمجید ملک ایڈیٹر "ایسٹرن ٹائمز" لاہور۔ ۱۷۔ (مولوی) محمد یعقوب ایڈیٹر دی "لائٹ" لاہور ۱۸۔ (ایم) نور الحق آف "مسلم اوٹ لک' ۱۹۔ (خانصاحب) آغا سید مراتب علی شاہ ۲۰۔ (چودھری) عبدالکریم میونسپل کمشنر ۲۱۔ (ایس) حسن میونسپل کمشنر ۲۲۔ سید سردار شاہ (خان بہادر) میونسپل کمشنر

تبلیغ احمدیت کا الزام

مصنف زندہ رود لکھتے ہیں ،

دو ایک برس میں احمدی ارکان پر الزام لگا کر کہ وہ کشمیر کمیٹی کو احمدیت کی تبلیغ کی خاطر استعمال کر رہے ہیں (صفحہ ۵۸۵) بجائے اس کے کہ الزام کو غلط ثابت کرنے کے لئے قدم اٹھائے جاتے ... مرزا بشیر الدین محمود نے کشمیر کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا " (صفحہ ۵۸۶)

تجزیہ و تبصرہ

راقم عرض کرتا ہے کہ یہ امر ذہن میں رکھئے گا کہ کشمیر کمیٹی کے ۶۳ ممبران تھے۔ ان میں غالب اکثریت غیر از جماعت دوستوں اور غالب اقلیت احمدی ارکان پر مشتمل تھی۔ مصنف کو واضح کرنا چاہئے تھا کہ ان ۶۳ ممبروں میں سے کس نے کس آئینی اجلاس میں یہ الزام لگایا کہ احمدی ارکان ، کشمیر کمیٹی کو احمدیت کی تبلیغ کی خاطر استعمال کر رہے ہیں۔ راقم کے نزدیک چونکہ یہ بے حقیقت الزام تھا۔ اس لئے بغیر کسی ممبر کا نام لئے اور بغیر کسی آئینی اجلاس کا حوالہ دیئے یہ کہہ کر کہ دو ایک سال میں احمدیوں پر الزام لگا مصنف کی طرف سے بات کو گول مول رکھنا ہی مناسب سمجھا گیا۔

حالانکہ --- جب کشمیر کمیٹی پر ایک سال گزرا تو حضرت امام جماعت احمدیہ نے از خود ممبران کمیٹی سے کہا کہ وہ ایک سال صدر رہ چکے ہیں۔ لہٰذا اب مناسب ہے کہ کوئی دوسرا شخص صدر منتخب ہو۔"

لیکن کمیٹی کے ممبروں نے اس وقت یہی مناسب سمجھا کہ نیا انتخاب نہ ہو۔ اور میرزا صاحب ہی صدر رہیں۔ (روزنامہ انقلاب ۱۳ ر مئی ۱۹۳۳ء)

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اراکین خلوص نیت کے ساتھ صاحب صدر کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ جب صاحب صدر کے نوٹس میں یہ بات آئی کہ کانگریس کے ہمنوا احرار اور مولانا ظفر علی خاں وغیرہ کشمیر کمیٹی کو سبوتاژ کرنے کے لئے احمدیوں پر " تحریک کشمیر " کی آڑ میں " تبلیغ احمدیت " کا الزام لگا رہے ہیں۔ اور یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ " ۳۲ لاکھ کشمیری مسلمان ' (احمدیت قبول کر کے) کفر و ارتداد کا شکار ہو جائیں گے ۔ " تو آپ نے اس کا فوری جواب

دیا اور پبلک جلسہ میں دیا اور علامہ اقبال سمیت پوری کشمیر کمیٹی کی طرف سے بحیثیت " صدر کشمیر کمیٹی " فرمایا ،

محترم صدر صاحب کا بیان

" آخر سوچنا چاہئے۔ یہ کیا ہوا چلی کہ مذہبی لیڈر ، علوم دینیہ کے ماہر ، آزادی و حریت کے رہنما۔ فلسفہ و شعر میں کمال رکھنے والے (علامہ اقبال کی طرف اشارہ ہے۔ ناقل) سب کے سب نے مل کر یکدم فیصلہ کر لیا کہ آؤ ایسا دھوکہ کریں کہ سب دنیا احمدی ہو جائے۔ میرے پاس وہ کونسا جادو تھا کہ ان سب کو میں نے اس سازش میں شریک کر لیا ..... اگر ان لوگوں کو اس تحریک میں احمدیت کا ذرا بھی اثر نظر آتا تو ان کو کیا مجبوری تھی کہ میرے ساتھ اس طرح شامل ہو جاتے۔ اگر مخالفت کا موقع ہوتا تو یقیناً یہی (باخبر اور بااثر ۔ ناقل) لوگ مخالفت کرتے جو اس وقت میرے ساتھ ہیں۔ الخ

کیا اس زبردست پبلک تردید پر علامہ یا حلقہ ء اقبال یا ۶۳ ممبروں میں سے کوئی فرد بولا ؟ جواب ہے۔ نہیں۔ بلکہ انہی ایام میں کشمیر کمیٹی کا ایک ہنگامی اجلاس مورخہ ۱۳ ر اکتوبر ۱۹۳۱ء لاہور میں منعقد ہوا۔ جس کی خبر الفضل ۲۰ ر اکتوبر صفحہ اول پر شائع شدہ موجود ہے۔ کشمیر کمیٹی کے چودہ ارکان نے خود حاضر ہو کر اور ۹ ارکان نے بذریعہ تحریر ، ایجنڈا کی تجاویز کے ساتھ رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے پوری کشمیر کمیٹی کی طرف سے " صدر کمیٹی " پر اپنے " کامل اعتماد " کا اظہار کیا اور مسلمانان کشمیر کے معاملہ میں حضور کی " بے غرضانہ خدمات " کو زوردار الفاظ میں سراہا۔

اخبار زمیندار اور مجاہد کی کذب بیانیوں کا اعتراف

غالباً مصنف زندہ رود نے کانگریس کے ہمنوا مولانا ظفر علی خاں کے اخبار " زمیندار " کی تحریروں پر اعتماد کر کے یا بعد کے احراری اخبار " مجاہد " کے اداریوں کا مطالعہ کر کے احمدیہ جماعت پر نکتہ چینی کی ہے ---- مگر واضح رہے کہ ان پرچوں کے کاروبار کی بنیاد اکثر و بیشتر جھوٹ اور کذب و افترا پر تھی۔ چنانچہ " کاروان احرار " کے مصنف ان اخباروں کا اندرونہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ،

" - مجاہد " اخبار ابتداً میں ۴ صفحات پر شائع ہونا شروع ہوا - ماسٹر تاج الدین انصاری اس کے چیف ایڈیٹر مقرر ہوئے اور جواب آں غزل کے طور پر روزنامہ " زمیندار " کا جواب الجواب شروع ہوا - اگر " زمیندار " ایک جھوٹ شائع کرتا تو " مجاہد " چار جھوٹ بنا کر شائع کرتا - عوام ہر صبح اس کے منتظر رہتے - دیکھتے ہی دیکھتے ' " مجاہد " کی اشاعت ' دس ہزار کے قریب پہنچ گئی " ۲۲ ؎ (صفحہ ۲۵۹ مطبوعہ ۱۹۷۷ء جلد نمبر ۲)

راقم عرض کرتا ہے کہ ۳۲-۱۹۳۱ء میں تو " تبلیغ احمدیت " والا اعتراض اقبال یا حلقہء اقبال کو ویسے ہی زیب نہیں دیتا تھا - اندرون ہند ' احمدیہ جماعت کی اشاعت اسلام کی کاوشوں سے تو اقبال گذشتہ ۳۰ سال سے آگاہ تھے - اکتوبر ۳۱ء میں احمدیہ بیت الصلوۃ لندن میں انگریز نومسلموں سے قرآن پاک کی تلاوت سن کر ' ان کی اسلام سے عقیدت و محبت کے نظارے دیکھ کر احمدیوں کے بیرون ہند ' اشاعت اسلام کے جوش سے بھی آپ واقف ہو چکے تھے - اب آپ اپنے حلقہ احباب میں یہ اعتراف کرنے لگے تھے کہ

" - اشاعت اسلام کا جوش " جو ان (حضرت بانی سلسلہ احمدیہ - ناقل) کی جماعت کے اکثر افراد میں پایا جاتا ہے - قابل قدر ہے - " ۲۳ ؎

راقم عرض کرتا ہے کہ اگر اس (۱۹۳۲ء کے) دور میں کشمیر کے ۳۲ لاکھ ' مسلمان ' احمدیت میں داخل ہو بھی جاتے تو اقبال کے نزدیک یہ خطہ " اسلام کی اشاعت کا جوش رکھنے " والے مجاہدین کا مسکن بن جاتا - بتائیے - اس پر کسی کو اعتراض کی کیا گنجائش ہے ؟

ہم عرض کر چکے ہیں کہ کشمیر کمیٹی کے ارکان ' حالات کا جائزہ لینے کے لئے اندرون کشمیر کے دورے بھی کرتے تھے - پھر اس کی رپورٹیں کمیٹی کے اجلاس میں پیش ہوتی تھیں - دورے کرنے والوں کی اکثریت غیر احمدی حضرات پر مشتمل ہوا کرتی تھی اور کمیٹی کے اجلاسوں میں بھی غالب اکثریت انہی کی تھی --- بتایا جائے کبھی ان رپورٹوں میں ۳۲ لاکھ کشمیری مسلمانوں کو احمدیت میں داخل کرنے کی کاوشوں کا اشارۃ " بھی ذکر آیا ؟

کیا آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام انگریزوں کی شہ پر تھا؟

ہفت روزہ " زندگی " لاہور (کشمیر نمبر) نے جماعت اسلامی کے " ممتاز احمد " کی کتاب " کشمیر کا مسئلہ " (نظر ثانی از مولانا ابو الاعلیٰ مودودی) -- اپنے پرچہ میں شائع کی ہے - جس میں

مصنف نے دراز کار تاویلوں اور طویل بحث کے بعد نتیجہ " لکھا ہے '

" - قادیانیوں کا " آل انڈیا کشمیر کمیٹی " - قائم کرنا دراصل انگریزوں ہی کی شہہ پر تھا " ۲۴ ؎

راقم عرض کرتا ہے کہ مصنف " زندہ رود " کے نزدیک چونکہ یہ الزام بالکل بے حقیقت تھا اس لئے انہوں نے اس کا ذکر کرنے سے اجتناب کیا ہے - وہ اس سادہ سی حقیقت کو جانتے تھے کہ اگر اس الزام میں راستی کا شائبہ بھی ہوتا تو - اقبال ' مہر ' سالک ' سر رحیم بخش ' سر ذوالفقار علی خان ' خواجہ حسن نظامی ' مولانا حسرت موہانی وغیرہ " آل انڈیا سطح کے لیڈر " اس انکشاف سے کیونکر بے خبر رہتے - جن خبروں کا مرزا صاحب کے ساتھ لمبے عرصہ تک کام کرنے والے باخبر حضرات کو علم نہ ہو سکا - وہ اچھرہ کی ایک کوٹھی میں چالیس سال کے بعد کیسے پہنچیں ؟ اس کے متعلق راقم کچھ عرض کرنے سے قاصر ہے - مدیر " زندگی " ہی اس پر روشنی ڈال سکتے ہیں -

انگریزی افواج اور علامہ اقبال

جب کشمیر سے برطانوی افواج واپس جانے لگیں - تو آل انڈیا مسلم کانفرنس (صدر علامہ اقبال) نے خس کم جہاں پاک کہنے کی بجائے فریاد کی کہ ہمیں انگریزی افواج کی شدید ضرورت ہے - ان کے بغیر مسلمانوں کے لئے کشمیر میں امن کی کوئی راہ نہیں --- راقم اس موقعہ پر مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کی قرارداد پیش کرنا چاہتا ہے -

" یکم فروری ۳۲ء " برطانوی افواج - اس کمیٹی کی رائے میں برطانوی افواج کی (کشمیر سے ' ناقل) واپسی قبل از وقت تھی - جس کے تحت غیر مسلح مسلمان آبادی جذبہء انتقام سے پر ڈوگرہ کے رحم و کرم پر رہ گئی - اور جس کا نتیجہ موجودہ افسوسناک صورت میں نکلا --- یہ کمیٹی حکومت سے درخواست کرتی ہے کہ وہ کشمیر میں از سرنو برطانوی افواج بھیج دے جو وہاں اس وقت تک رہیں - جب تک کہ تمام مصائب ختم نہ ہو جائیں " ۲۵ ؎

مصنف " کشمیر کا مسئلہ " اور ایڈیٹر ہفت روزہ " زندگی " کو معلوم ہونا چاہئے کہ کشمیر کمیٹی کا قیام ' انگریزوں کی شہہ پر قرار دینا - علامہ اقبال کے نزدیک " ہندووانہ ذہنیت " ہے - چنانچہ علامہ نے مارچ ۳۲ء میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کے خطبہ میں اس الزام کا منہ توڑ جواب

دیا۔ فرمایا'

"۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی (بذریعہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی۔ ناقل) اپنے کشمیری بھائیوں سے فطری ہمدردی کا ردعمل یہ ہوا کہ ہندوؤں نے (ریاست کشمیر کے۔ ناقل) ایک ظالم نظام کے دفاع کی کوشش کی اور سارا الزام "پان اسلامی سازش" اور کشمیر پر قبضہ کرنے کے لئے برطانوی منصوبوں کے سر پر دھر دیا (حالانکہ) اخباری رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ.... جموں میں حکومت بالکل بے بس ہے اور جتنا کچھ (امن و سکون۔ ناقل) ہے۔ برطانوی افواج کی موجودگی کی وجہ سے ہے" ۲۶؎

۳۲ لاکھ کی نفری کو احمدی بنانا

علامہ اقبال نے ۱۹۳۵ء میں پنجاب میں (مردم شماری کی رو سے) احمدیوں کی تعداد ۵۶ ہزار لکھی ہے (گو حقیقتاً زیادہ تھی) بہرحال یہ تعداد گذشتہ نصف صدی کی بھرپور کاوش کا نتیجہ تھی۔ بتایئے! کشمیر میں بھجوائے جانے والے چند رضاکار یا وکلاء جنہیں مقدمات سے سر کھجانے کی بھی فرصت نہ تھی' کے ذریعہ اک قلیل عرصہ میں ۳۲ لاکھ غیر احمدیوں کو احمدیت میں کیسے داخل کیا جا سکتا تھا؟

عملاً کتنے "غیر احمدی" احمدی ہوئے

اس زمانہ میں سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے والوں کی تعداد باقاعدگی کے ساتھ سلسلہ احمدیہ کے ریکارڈ میں شائع ہوا کرتی تھی۔ ۳۲-۱۹۳۱ء کی صدر انجمن احمدیہ کی سالانہ رپورٹ اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ مختلف صوبوں سے احمدی ہونے والوں کی تعداد درج ہے اس سال کشمیر کے حلقہ سے بیعت کرنے والوں کی تعداد ۶۷ ہے۔ بحوالہ رپورٹ مبلغ کشمیر مولوی عبدالواحد صاحب ۲۷؎

پھر یہ امر بھی غور طلب ہے کہ اگر چند وکلاء یا رضاکار ۳۲ لاکھ غیر احمدیوں کو احمدیت میں داخل کر سکتے تھے اور تحریک آزادی میں حصہ لینے کی بجائے "تبلیغ احمدیت" ہی ان کی غرض و غائت تھی تو حضور کے کشمیر کمیٹی کی صدارت سے مستعفی ہو جانے کے بعد کیا امر مانع تھا۔۔۔ انہوں نے اتنا سود مند تبلیغی کام کیوں جاری نہ رکھا۔۔۔ کچھ عرصہ کشمیر میں مزید قیام کرتے

اور ۳۲ لاکھ نہ سہی ۲۰۔ ۲۵ لاکھ کو احمدیت میں داخل کر کے واپس چلے آتے۔

حقیقت یہ ہے' اس نوع کا الزام حقیقت پر مبنی نہیں۔

احرار کس بات پر بدکے

شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ (وزیراعظم کشمیر۔) اپنی سوانح عمری "آتش چنار" میں لکھتے ہیں:-

..... ان ہی دنوں (کشمیری) مسلم نمائندگان' مہاراجہ کے سامنے اپنے مطالبات کو پیش کرنے کے لئے ایک عرضداشت مرتب کر رہے تھے۔ مجلس احرار کی سیاسی لائن' نمائندگان کے اجلاس میں زیر بحث آئی اور مسترد ہو گئی۔ اس کے مقابلے میں یہ عرضداشت (آل انڈیا) کشمیر کمیٹی (صدر حضرت امام جماعت احمدیہ۔ ناقل) کے نظریات سے زیادہ ہم آہنگ ۲۔ تھی۔ احراری حضرات اس بات سے بدک گئے اور لاہور جا کر انہوں نے یہ مشہور کر دیا کہ ہم قادیانیوں کے زیر اثر ہیں۔ اور کشمیر کمیٹی کے سربراہ مرزا محمود احمد صاحب جو احمدی فرقے کے بانی مرزا غلام احمد صاحب کے پوتے (پوتے نہیں صاحبزادے۔ ناقل) تھے۔ تحریک کشمیر کو قادیانی عقیدے کا مرکز بنانا چاہتے ہیں۔ احرار صاحبان نے اس بات پر زور دینا شروع کر دیا۔ کہ فتنہ قادیانیت کے سدباب کے لئے کشمیر کمیٹی کو قادیانیوں سے پاک کیا جانا چاہئے اور کسی غیر قادیانی مسلمان کو کشمیر کمیٹی کی صدارت سونپ دینی چاہئے۔ احراریوں نے قادیانیوں کے خلاف اپنی ساری قوت میدان میں جھونک دی..... ذاتی طور پر مجھے مجلس احرار کی روش سے اختلاف تھا اور میں اسے کشمیری مسلمانوں کے مفادات کے لئے خطرناک سمجھتا تھا...... میں عقیدتاً احمدیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے اس فرقہ کے بنیادی عقائد کا نہ زیادہ علم ہی تھا اور نہ ان سے دلچسپی ہی تھی (صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۳)

راقم عرض کرتا ہے کہ دلچسپی اور علم تو تب ہوتا جب حضرت امام جماعت احمدیہ' جن کے ساتھ شیخ صاحب کی ملاقاتیں رہیں یا حضور کے بھجوائے ہوئے وکلاء اور نمائندگان جو رات دن' شیخ صاحب کے ہمراہ رہتے یا ان سے رابطہ رکھتے تھے' نے کبھی شیخ صاحب کو "تبلیغ احمدیت" کی ہوتی۔ اتنا قریب ہوتے ہوئے شیخ صاحب تو اس بات سے بھی بے خبر تھے کہ حضرت امام جماعت احمدیہ' حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے صاحبزادے ہیں نہ کہ پوتے۔

احرار، آن کودے

" احرار نے صدر محترم سے " مذہبی امور " کو وجہ اختلاف بتایا ۔ مگر حیرت ہے جن لوگوں نے نہرو، گاندھی اور پٹیل کو اپنا سیاسی لیڈر تسلیم کیا ہو وہ ایک کلمہ گو کی قیادت میں کیوں کام نہ کر سکتے تھے ؟

" ۔ تحریک آزادی کشمیر کو سبوتاژ کرنے کے لئے کانگریس نے اپنی باجگزار مجلس احرار کو آلہ کار بنایا ۔ اس کا ثبوت احرار کی ایک کتاب " رئیس الاحرار " سے بھی ملتا ہے ۔ اس میں احراری لیڈر حبیب الرحمن لدھیانوی لکھتے ہیں ۔

" ۔ میں، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری و شیخ حسام الدین .... نے کانگریسی لیڈروں سے اور خاص کر مولانا ابو الکلام آزاد سے کشمیر کے مسئلے میں بات کی .... "

" ۔ ہم نے موجودہ کشمیر کمیٹی (جس کے سربراہ جماعت احمدیہ کے امام تھے ۔ ناقل) کی سیاسی سازش ۔ ڈاکٹر اقبال کی کشمیر کمیٹی میں شمولیت ..... کے بارے میں (کانگریس کے صدر) مولانا آزاد سے تفصیلی گفتگو کی تو مولانا آزاد نے سب باتیں سن کر کہا کہ احرار کو فرقہ وارانہ اتحاد کے لئے مسئلہ کشمیر کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہئے ۔ " ۲۸ ؎

گویا احرار کی تحریک آزادی کشمیر کو سبوتاژ کرنے کی مہم کے لئے مارچنگ آرڈر کانگریس کے مولانا آزاد سے ملے اور ظاہر ہے کہ اس کے لئے درکار فنڈز بھی وہیں سے ملے ہوں گے ۔

ان آرڈروں کی تعمیل کے لئے یہ عذر تراشا گیا کہ کشمیر کمیٹی کی وجہ سے کشمیر کے ۳۲ لاکھ مسلمان، مرزائی ہو جائیں گے ۔۔ اس لئے کمیٹی کے موجودہ صدر کو " صدارت " سے ہٹا دیا جائے ۔

تحریک کشمیر کی قیادت سے جماعت احمدیہ کے امام کو ہٹا کر اپنے ہاتھوں میں لینے کے لئے علامہ اقبال کو احمدیوں سے برگشتہ کرنا بھی ضروری تھا ۔ چنانچہ اس ضمن میں ان لوگوں نے قابل ذکر مساعی کی ۔ احرار کے ایک ماہنامے نے اس سلسلہ میں حسب ذیل انکشاف کیا ہے ۔

احرار ۔ اقبال ملاقاتیں

" ۔ حضرت امیر شریعت (سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری) ڈاکٹر اقبال کو مرشد اور ڈاکٹر

اقبال، حضرت شاہ صاحب کو پیر جی کیا کرتے تھے ۔ کشمیر کمیٹی کے سلسلہ میں ان دونوں کے درمیان چوہدری افضل حق کی معیت میں " کئی ملاقاتیں " ہوئیں اور طے پایا کہ بشیر الدین محمود احمد اور عبدالرحیم درد کو اگر ان کی موجودہ ذمہ داری سے نہ ہٹایا گیا تو کشمیر کے ۳۲ لاکھ مسلمان کفر و ارتداد کا شکار ہو جائیں گے ۔ لہٰذا بہتر ہے کہ تحریک آزادی کشمیر کی باگ ڈور مجلس احرار کے سپرد کر دی جائے ۔ (" تبصرہ " اکتوبر ۶۵ء)

احرار ۔ اقبال مفاہمت

۔ ایک تو احمدیوں کے خلاف بڑے زور شور سے یہ پروپیگنڈا کئے جانے لگا کہ احمدی کشمیر میں کوئی کام نہیں کر رہے ۔ صرف تبلیغ احمدیت پر زور دے رکھا ہے ۔

۔ دوسرے علامہ کو کشمیر کمیٹی سے علیحدہ کرنے کی خاطر ان سے مفاہمت کرنے کی کوشش کی جانے لگی ۔ چنانچہ

مصنف زندہ رود کو تسلیم ہے لکھتے ہیں،

" ۔ عین ممکن ہے کہ احراریوں نے احمدیوں کے خلاف ان (اقبال) سے مفاہمت کرنے کی کوشش کی ہو ۔ " (صفحہ ۵۸۹)

پھر لکھتے ہیں،

" ۔ کشمیر کمیٹی کے دوران ممکن ہے اقبال نے احراری رہنماؤں سے مفاہمت کرنے کے بعد ان کی حوصلہ افزائی (بھی) کی ہو ۔ (ایضاً)

حضرت امام جماعت احمدیہ کا دور صدارت اور شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کے بعض تاریخی مکاتیب

بے غرضانہ خدمات کا اعتراف

تحریک آزادی کے دوران شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب (بعد میں وزیر اعظم کشمیر) نے حضرت امام جماعت احمدیہ صدر کمیٹی کی خدمت میں متعدد خطوط روانہ کئے۔ جن میں سے کچھ محفوظ رہ گئے اور تاریخ احمدیت جلد نمبر ۶ (مطبوعہ ۱۹۶۵ء) (مصنفہ مولانا دوست محمد صاحب شاہد) میں شائع کر دیئے گئے۔ یہ خطوط حریت کشمیر کی مستند تاریخ ہیں۔ ان کے مطالعہ سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ تحریک کے اصل ہیرو کون تھے؟ اور ان کے مقاصد کتنے بے لوث اور بے غرضانہ تھے۔

۲۷ رجنوری ۱۹۳۲ء کو سری نگر سے شیخ عبداللہ صاحب اور ان کے رفقاء کی گرفتاری اور مفتی ضیاء الدین صاحب کے جبریہ اخراج کی خبریں قادیان پہنچیں تو حضرت امام جماعت احمدیہ نے بحیثیت صدر کشمیر کمیٹی ایک طرف مہاراجہ کشمیر کو اور دوسری طرف وائسرائے ہند کو تاریں دیں۔ اس ضمن میں آپ کو طویل جدوجہد کرنا پڑی۔ بالاخر جب شیر کشمیر اور آپ کے ۳۵ دوسرے رفقا ۵ رجون ۳۲ کو رہا ہوئے تو شیر کشمیر نے حضور کی بے لوث خدمات کے متعلق حضور کی خدمت میں درج ذیل خط لکھا'

مکرم و معظم حضرت میاں صاحب السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

"۔ سب سے پہلے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ میں تہ دل سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔

اس بے لوث اور بے غرضانہ کوشش اور جدوجہد کے لئے جو آپ نے کشمیر کے درماندہ مسلمانوں کے لئے کی۔ پھر آپ نے جس استقلال اور محنت سے مسئلہ کشمیر کو لیا اور میری غیر موجودگی میں جس قابلیت کے ساتھ ہمارے ملک کے سیاسی احساس کو قائم اور زندہ رکھا۔ مجھے امید رکھنی چاہئے کہ آپ نے جس ارادہ اور عزم کے ساتھ مسلمانان کشمیر کے حقوق کے لئے جدوجہد فرمائی ہے۔ آئندہ بھی اسے زیادہ کوشش اور توجہ سے جاری رکھیں گے۔

میں ہوں آپ کا تابعدار

شیخ محمد عبداللہ

دراصل کشمیری زعماء کے دل گواہی دے اٹھے تھے اور ان پر آشکارہ ہو چکا تھا کہ حضور کے پیش نظر نہ "تبلیغ احمدیت" ہے نہ کوئی اور غرض۔ حضور کا **اصل مقصد** 'بے لوث اور بے غرض خدمت کے سوا کچھ اور نہیں

۲۔ حضرت امام جماعت احمدیہ صدر کشمیر کمیٹی نے اہالیان کشمیر کو شیخ محمد عبداللہ صاحب کی گرفتاری کے دور میں سیاسی حقوق کی حفاظت کے لئے ایک انجمن بنانے کی ضرورت پر زور دیا۔ رہا ہو کر شیخ صاحب نے لاہور آکر صدر محترم سے ہدایات لے کر سکیم مرتب کی اور پھر جولائی ۱۹۳۲ء میں ہی حضور نے شیخ صاحب کی مدد کے لئے شاہ ولی اللہ شاہ صاحب کو بجھوا دیا۔ پھر مولانا عبدالرحیم صاحب درد کے ذریعہ موٹر کار کی رقم بجھوا دی۔

شیخ صاحب نے کانفرنس میں اپنا فاضلانہ خطبہ پڑھنے کے علاوہ حضور کا پیغام بھی پڑھ کر سنایا۔ اس طرح مسلمانان کشمیر کی نمائندہ تنظیم "آل کشمیر مسلم کانفرنس" کی بنیاد پڑی۔ اس کے بل بوتے پر کشمیر اسمبلی کے لئے الیکشن لڑا گیا۔۔۔ کانفرنس کے اختتام پر شیخ صاحب نے حضور کی خدمت میں خط لکھا'

سری نگر۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۲ء

جناب محترم میاں صاحب وام اقبالہ'

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

"۔ نہ میری زبان میں طاقت ہے اور نہ میرے قلم میں زور اور نہ میرے پاس وہ الفاظ ہیں جن سے میں جناب کا اور جناب کے بھیجے ہوئے کارکن مولانا (عبدالرحیم) درد۔ سید زین العابدین صاحب وغیرہ کا شکریہ ادا کروں۔ یقیناً اس عظیم الشان کام کا بدلہ جو کہ آنجناب نے ایک بے کس اور مظلوم قوم کی بہتری کے لئے کیا ہے صرف خدائے لایزال سے ہی مل سکتا ہے ۔ میری عاجزانہ دعا ہے کہ خداوند کریم آنجناب کو زیادہ سے زیادہ طاقت دے تاکہ آنحضور کا وجود مسعود بے کسوں کے لئے سہارا ہو۔

شاید جناب عاجز سے ناراض ہوں کہ میں نے جناب کے ارشادات گرامی کے جواب دینے میں تساہل سے کام لیا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ یقیناً یہ صریح گستاخی ہے مگر خدا کو حاضر جان کر میں جناب سے عرض کئے دیتا ہوں کہ میری گوناگوں پریشانیوں نے مجھے مجبور کر رکھا تھا...... ان حالات کے ہوتے ہوئے مجھے کامل یقین ہے کہ جناب مجھے معاف فرمائیں گے...... کانفرنس (۱۵ ر اکتوبر تا ۱۹ ر اکتوبر) بخیر و خوبی ختم ہوئی..... اخراجات تقریباً آٹھ ہزار آئے ہیں۔ پنڈال میں ڈیڑھ ہزار روپیہ خرچہ آیا۔ لاؤڈ سپیکر۔ بجلی وغیرہ کا اچھا انتظام تھا۔ الغرض جناب کی دعا سے کانفرنس نہایت کامیاب رہی ---- مفصل کاروائی جناب درد صاحب نے آنحضور کو بھیج دی ہو گی۔ میرا بھی خیال ہے پنجاب آنے کا۔ انشاء اللہ شرف قدم بوسی حاصل کروں گا--- احراری خیال کے چند افراد غلط پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ میں کشمیر کمیٹی کے ہاتھ کٹھ پتلی کا کھیل بنا ہوا ہوں۔ کبھی کہتے ہیں کہ میرا عقیدہ بھی بدل گیا ہے مگر خداوند کریم بہتر جانتا ہے کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں۔ اس لئے ہمیشہ ان کو ذلیل ہونا پڑتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ جناب کی دعائیں ہمیشہ میرے شامل حال ہوں گی۔ آخر مجھے اپنا بچہ سمجھتے ہوئے مجھے حق حاصل ہونا چاہئے کہ کبھی کبھی مجبوری کی وجہ سے جناب کی گستاخی کا بھی مرتکب ہو جاؤں اور پھر معافی بھی

طلب کروں۔ امید کرتا ہوں کہ جناب کا ارشاد گرامی جلد ہی میری تسلی کر دے گا......

جناب کا تابعدار

شیخ محمد عبداللہ

۲۹ء

S.M. Abdullah,

[illegible] 22nd Oct. ——

[illegible]

کشمیر کمیٹی کی صدارت سے حضرت امام جماعت احمدیہ کا استعفیٰ اور اس کا ردعمل

سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسے حالات تھے جنکی وجہ سے حضرت امام جماعت احمدیہ کشمیر کمیٹی کی صدارت سے مستعفی ہوئے ۔ ہمیں اس سلسلہ میں احرار اور ریاسی آلہ کاروں کو کریڈٹ دینا پڑتا ہے کہ انہوں نے علامہ اقبال اور بعض اراکین کشمیر کمیٹی سے ملاقاتیں کر کے ان کے اور جماعت احمدیہ کے درمیان تعاون میں رخنہ ڈال دیا ۔

علامہ انور کاشمیری کی مہاراجہ کشمیر سے فریاد

علماء نے بھی مہاراجہ کشمیر اور حکومت کے بعض کارندوں کے کان بھرے اور انہیں جماعت کے خلاف بھڑکایا ۔ چنانچہ " سوانح علامہ محمد انور کاشمیری میں جو " نقش دوام " کے نام سے شائع ہوئی ہے لکھا ہے ۔۔۔

" علامہ انور شاہ کاشمیری نے مرزا صاحب کے (صدر کمیٹی ، تقرر پر) اس تقرر کے خلاف اول تو خود مہاراجہ کشمیر کو اور کشمیر کے بعض ذمہ دار اشخاص کو اجتماعی خطوط لکھے " (ص ۵۸)

ریاستی حکام نے فرقہ بندی کو ہوا دی

ادھر ریاستی حکام بھی میدان میں کود پڑے تھے ۔ وہ تفرقہ پیدا کرنے کے لئے ایک فریق کو ابھارتے ایک کو دباتے تھے ۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کشمیر میں حقوق حاصل کرنے کے بعد ان سے عملاً استفادہ کرنے کا مرحلہ آ چکا تھا ۔ خصوصاً اس موقع پر مذہبی فرقہ بندی کا جوش و خروش تحریک آزادی کشمیر کے لئے زہر قاتل تھا ۔ فرقہ بندی ، مذہبی شے ہے اور کشمیر کا مسئلہ سیاسی تھا ۔ بہرحال ریاستی حکام نے بھی اس فرقہ بندی سے بھرپور فائدہ اٹھایا ۔ سابق وزیر قانون حکومت آزاد کشمیر " ان کہی داستان کشمیر " میں لکھتے ہیں :۔

" ۔ مرزائیوں کے خلاف اس پروپیگنڈا مہم اور مذہبی منافرت سے حکومت کشمیر نے نہایت کامیابی سے کشمیریوں کی ہمدرد اور فعال جماعت ، " آل انڈیا کشمیر کمیٹی " کے خلاف " بے بنیاد اور بے سروپا " باتیں مشہور کرنے کی کوشش کی (ماہنامہ شام و سحر لاہور جون ۸۲ صفحہ ۳۵)

" صدر غیر قادیانی ہوا کرے "" سول " کی خبر

حضور کی حیرت انگیز قیادت و صدارت کی بدولت پونے دو سال کے قلیل عرصہ کی جنگ کے بعد جو قوموں کی زندگی میں ایک سانس کی بھی حیثیت نہیں رکھتا ، کشمیر کا صدیوں کا غلام آنکھیں کھول کر آزادی کی ہوا کھانے لگا اور قانوناً ابتدائی حقوق حاصل کرنے کے بعد عملاً ان سے استفادہ کرنے کی دوسری مہم کا آغاز ہو چکا تھا کہ عین اس وقت نیم سرکاری اخبار " سول اینڈ ملٹری گزٹ " میں یہ بیان شائع ہوا کہ کشمیر کمیٹی کے بعض ممبران نے صدر کمیٹی کو درخواست بھجوائی ہے کہ آئندہ کشمیر کمیٹی کا صدر " غیر قادیانی " ہوا کرے (پرچہ ۴ ر مئی ۱۹۳۳ء) ۔ اس کے علاوہ علامہ اقبال سمیت بعض ارکان کی طرف سے ایک درخواست حضور کو بھجوائی گئی کہ عہدیداران کا نیا انتخاب ضروری ہے ۔

حضور کا استعفیٰ ، اجلاس کی روئداد

روزنامہ " انقلاب " کے ایڈیٹر مولانا غلام رسول مہر نے جو اس وقت آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے سیکرٹری تھے ۔ ا ۔ اس اجلاس کی روئداد جس میں حضور مستعفی ہوئے ، ۱۳ ر مئی ۱۹۳۳ء کے اخبار میں شائع کی ۔ اور اس درخواست کے متعلق لکھا :۔

" ۔ یہ واقعہ ہے کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے چند لاہوری ممبروں نے جن کی تعداد ۱۳ تھی اس مضمون کی ایک درخواست صاحب صدر (حضرت امام جماعت احمدیہ ۔ ناقل) کے پاس بھیجی تھی کہ عہدیدار از سر نو منتخب کئے جائیں ...... آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے جلسے میں ایجنڈا کی کاروائی کے بعد مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب صدر کمیٹی نے ایک تحریر پڑھی ۔ جس میں اس " درخواست " کا ذکر کرتے ہوئے صدارت سے استعفیٰ پیش کیا گیا تا کہ کمیٹی ، صدر کے انتخاب میں بالکل آزاد رہے ۔ اور جو ممبر نیا انتخاب چاہتے تھے ان کی خواہش کے راستے میں مرزا صاحب کسی وجہ سے رکاوٹ نہ بنیں ۔ ا ۔

مرزا صاحب نے (۷ مئی ۱۹۳۳ء کے اس اجلاس میں ۔ ناقل) اپنی تحریر میں اس واقعہ کا ذکر بھی کیا کہ پچھلے سال بھی انہوں نے کمیٹی سے کہا تھا کہ " وہ ایک سال صدر رہ چکے ہیں لہٰذا اب مناسب ہے کہ کوئی دوسرا شخص صدر منتخب ہو جائے ۔ لیکن کمیٹی کے ممبروں نے اس وقت یہی مناسب سمجھا کہ نیا انتخاب نہ ہو اور مرزا صاحب ہی صدر رہیں ۔

" ۔ تحریر کے دوسرے حصہ میں مرزا صاحب نے " سول " میں درج شدہ اطلاع کے متعلق شکایت کی تھی اور فرمایا تھا کہ اگر ممبروں کی رائے وہی ہو جس کا اظہار " سول " میں کیا گیا ہے تو اس صورت میں انہیں کمیٹی کا ممبر بھی نہیں رہنا چاہئے ۔ "

مولانا مزید لکھتے ہیں :۔

" (علامہ اقبال کے دست راست ۔ ناقل) ملک (برکت علی) صاحب نے انتہائی مسرت کا اظہار کیا کہ میرزا صاحب نے اس باب میں بہت باعزت اور قابل قدر طرز عمل کا ثبوت دیا ہے یعنی جس وقت انہیں معلوم ہوا کہ بعض ممبر نئے انتخاب کے طلب گار ہیں تو میرزا صاحب نے صدارت کو ترک کر کے انتخاب کا راستہ زیادہ سہل ۔ صاف اور آسان بنا دیا ۔

مولانا مہر کا ردعمل

" ۔ (مگر میری رائے میں ۔ ناقل) مرزا صاحب کا استعفیٰ منظور نہیں ہونا چاہئے تھا ۔ یہ اس لئے کہ میری دیانت داری کے ساتھ یہ رائے ہے ۔ اس سے کشمیر کمیٹی کے اختیار کردہ کام میں خلل پڑ جائے گا ۔ اس پر مختلف اصحاب نے میری تائید کی ۔ "

" ۔ لیکن ملک برکت علی صاحب نے دو تین مرتبہ تشریح کے ساتھ فرمایا ۔ کہ میرزا صاحب کا اختیار کردہ طریق ہی بہترین طریق ہے ۔ " اور میرزا صاحب بھی اپنے استعفیٰ پر قائم رہے نتیجہ یہ نکلا کہ استعفیٰ منظور ہو گیا ۔ اور اس کے ساتھ ہی میرزا صاحب کی خدمات کے اعتراف و تحسین کی ایک قرارداد بالاتفاق منظور ہوئی ۳۱؎

مولانا سید حبیب کا ردعمل

--- مولانا سید حبیب ایڈیٹر اخبار " سیاست " ممبر کشمیر کمیٹی نے حضور کے استعفیٰ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا :۔

" میں جلسہ میں موجود نہ تھا ۔ معلوم ہوا ہے کہ اس جلسہ میں مرزا صاحب کا استعفیٰ

منظور کر لیا گیا ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے ۔ مولانا غلام رسول صاحب مہر نے بھی سیکرٹری کے عہدہ سے استعفیٰ داخل کر دیا اور ان کی جگہ ملک برکت علی صاحب کا تقرر عمل میں آیا ۔ میں خوش ہوں کہ ایسا ہوا ۔ اس لئے کہ میری دانست میں اپنی اعلیٰ قابلیت کے باوجود ڈاکٹر اقبال اور ملک برکت علی صاحب دونوں اس کام کو نہیں چلا سکیں گے ..... میری رائے میں مرزا صاحب کی علیحدگی ، کمیٹی کی موت کے مترادف ہے ۔ ۳۲؎

استعفیٰ کا اندرون کشمیر " ردعمل "

کشمیری مسلمانوں کے قائد شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے ان لوگوں کو جن کی وجہ سے حضرت امام جماعت احمدیہ استعفیٰ دینے پر مجبور ہوئے " کم فہم احباب " قرار دیا ۳۳؎ ۔ (خط بنام حضرت امام جماعت احمدیہ محررہ ۳۱ مئی ۳۳ء) ۳ ۔ اس خط پر بخشی غلام محمد صاحب کے بھی دستخط تھے ۔ چودھری غلام عباس صاحب نے امید ظاہر کی کہ حضور " پھر مظلوم مسلمانان کشمیر کی حمایت کے لئے کمربستہ ہو جائیں گے اور لکھا کہ " آں جناب کی مساعی جمیلہ کی ازحد ضرورت ہے ۔ " ۳۴؎

اس قسم کے جذبات کا اظہار میر احمد اللہ ہمدانی میرواعظ سری نگر ، مسلمانان سری نگر ۔ مسلمانان جموں ۔ مسلمانان میرپور ، مسلم ایسوسی ایشن پونچھ ، مسلمانان گلگت وغیرہ کی طرف سے بھی کیا گیا ۔ ۵ ۔ اور تبلیغ احمدیت کے الزام کی پرزور مذمت کی گئی ۔ " ۳۵؎

جناب احمد یار خان دولتانہ کا مکتوب

پنجاب کے مشہور مسلمان سیاسی لیڈر سابق وزیر اعلیٰ پنجاب میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ کے والد جناب احمد یار خان صاحب دولتانہ نے امام جماعت احمدیہ کی خدمت میں ۱۲ / جولائی ۳۳ء کو لکھا :۔

قبلہ و کعبہ مخدومی و مطاعی محترم مدظلہ :۔

" حسام الدین جو کشمیر سے آیا تھا اس نے لاہور میں روپیہ خرچ کیا ۔ اسے ایک دوست نے کہا کہ کشمیر کمیٹی کا اس وقت تک خاتمہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ حضور کمیٹی میں ہیں ۔ آپ کی ذات مہاراجہ کی آنکھوں میں مثل خار کھٹکتی ہے اور واقعی جو کام گورنمنٹ آف انڈیا اور ریاست کشمیر نہ کر سکتے تھے ۔ وہ حضور کی بلند حوصلگی اور اقبال کی دوں ہمتی سے ہو گیا

..... میاں سر فضل حسین نے بھی میری زبانی سر اقبال کو کہلا بھیجا کہ اس کی کرتوتوں سے مسلمانوں کے نقصان کے علاوہ اسے ذاتی طور پر کوئی فائدہ حتہ ہو گا مگر وہ شیر قالین ہے ۔ عملی بات تو سمجھنے سے قاصر ہے ۔ میری رائے ناقص میں تو حضور والا کو یہ کام پھر ہاتھ میں لینا چاہئے ۔ ہم سب حضور کے جانثار خادم ہیں ۔ اقبال سے نہ پہلے کچھ ہو سکا اور نہ اب ہو سکے گا ۔" ۳۶

احرار کی جتھہ بازی

احرار کی طرف سے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ہم نے کشمیر کو جتھے بھیجے تھے ۔ ان کی وجہ سے کشمیریوں کو بہت جلد حقوق حاصل ہو گئے ۔ لیکن جیسا کہ آئندہ صفحات میں شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کے بیانات سے واضح ہو گا یہ لوگ اندر خانے وہ راہ اختیار کرتے تھے ۔ جس سے کشمیری مسلمانوں کے کاز کو نقصان پہنچتا تھا ۔ احرار نے اعلان کیا کہ ہم مہاراجہ کے اقتدار کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتے ۔ ساتھ یہ بھی مطالبہ کیا کہ ہم کشمیر میں آزاد اسمبلی کے حامی ہیں ۔ حالانکہ آزاد اسمبلی کا تو مطلب ہی یہی تھا کہ مہاراجہ سے حقوق لے لئے جائیں ۔ اور اسمبلی کو دے دیئے جائیں ۔ اس قسم کے لایعنی مطالبات سے تحریک آزادی کا امیج خراب ہوا ۔

جب آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی مساعی کے نتیجہ میں مسلمانوں کو حقوق ملنے لگے ۔ احرار نے سول نافرمانی ۔ جتھہ بازی ' بائیکاٹ اور قانون شکنی شروع کر دی ۔ واضح رہے کہ آزادی یا تو تلوار کے زور سے حاصل ہو سکتی تھی یا انگریزوں کے ساتھ تعاون کر کے ۔ تلوار سے آزادی حاصل کرنا ممکن نہ تھا ۔ احرار نے ایسے طریقے اپنائے جس سے انگریزوں کی ہمدردی بھی جاتی رہے ۔ احرار نے کشمیر میں قانون شکن جتھے بھجوائے ' اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مسلم پرچہ " سیاست " نے لکھا :

" ۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے مخالف حالات میں جو کیا اور جو کر رہی ہے کسی آئندہ وقت میں جبکہ حالات کلیتہ " پر سکون ہو جائیں گے ۔ روشن ہو جائے گی اور مسلمان دیکھ لیں گے کہ حق بجانب کون تھا ؟ اتنا تو اس وقت بھی ظاہر ہو گیا کہ دو تین مرتبہ کھیل بن بن کر بگڑ لیا ..... جتھے بازی بے سود اور مضرت رساں ثابت ہوئی ۔ اس سے فائدہ کی بجائے الٹا نقصان پہنچا ۔ احرار کی جانب سے مسلمانان کشمیر کو کوئی مالی امداد بھی نہ ملی ۔ ان کے جارحانہ اقدام کے

باعث حکومت پنجاب و ہند بھی برگشتہ ہو گئی ۔ جن کا اثر ان تحقیقاتی کمشنوں پر پڑا ۔ جو بڑے پر زور مطالبات اور بڑی جد و کوشش سے مقرر کرائی گئیں ۳۷ ۔

چوہدری غلام عباس کا رد عمل

احرار کی جتھہ بازی اور ان کی تخریبی کاروائیوں کے متعلق چوہدری غلام عباس لکھتے ہیں :

" ۔ چند نوجوان احرار کے حامی تھے ۔ انہوں نے مسلم ایسوسی ایشن پر دباؤ ڈالا کہ ریاست کے مسلمان احرار کی رفاقت سے کام کریں ۔ جماعت احرار ——— (جو اپنے آپ کو تمام مسلمانان برصغیر کے نمائندہ قرار دیتے تھے ۔ ناقل) کے لیڈروں اور بزرگوں سے جموں اور کشمیر کے مسلمانوں کو شدید اختلافات تھے ۔ یہ تحریک انہوں نے ہماری شدید مخالفت کے باوجود ایسے حالات میں شروع کی جو اسلامیان ریاست کی اس وقت کی سیاسی فضا کے لئے سازگار نہ تھی ۔ کمشن کے فیصلہ کی طرف ہندوستان اور ریاست کے مسلمانوں کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں اور ہر معقول آدمی اس وقت کسی غیر آئینی کاروائی کو مفاد ملت کے خلاف ایک تخریبی حرکت تصور کرتا تھا ۔ (کشمکش ص ۱۱۷)

احرار کی کرتوتیں اور کشمیر کمیٹی کے کارنامے

شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ مرحوم اپنی آپ بیتی میں احرار کی کرتوتوں اور کشمیر کمیٹی کے کارناموں کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

" ۔ آل انڈیا مجلس احرار نے ہماری مصیبت کو اپنی سیاسی دوکان کی رونق بڑھانے کا اچھا موقع خیال کیا ..... مجلس احرار نے شہید گنج لاہور کے معاملے کے متعلق جو روش اختیار کی تھی ۔ اس کی بنا پر اس کی شہرت کو دھکا لگا تھا ۔ اب مجلس کے اکابر تحریک کشمیر سے وابستگی ظاہر کر کے اس دھبے کو دور کرنا چاہتے تھے ۔ ان کا ایک وفد راجہ ہری کشن کول کی دعوت پر کشمیر آیا اور سری نگر میں راجہ صاحب کی کوٹھی کے نزدیک لال منڈی میں سرکاری مہمانوں کی حیثیت سے ایک سجے سجائے ہاؤس بوٹ میں قیام پذیر ہوا ۔ راجہ صاحب کے ساتھ ان کی کئی نجی ملاقاتیں ہوئیں ۔ ان ملاقاتوں میں کیا کھچڑی پکتی رہی ۔ اس کا علم نہیں ہو سکا ۔ لیکن شہر میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں کہ راجہ صاحب کے ساتھ سودے بازی ہو رہی ہے ۔ کچھ لوگوں

کا کہنا تھا کہ پنجاب میں کشمیر کے معاملے پر حکومت کے خلاف جو آگ لگی ہوئی ہے ۔ مجلس احرار اس پر پانی ڈالنے کے لئے اپنی خدمات کسی خطیر رقم کے عوض پیش کرنے پر آمادہ تھی ۔ مجلس احرار کو مالی وسائل کی بڑی ضرورت تھی ۔ ان کا مقابلہ ..... مسلم لیگ کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے تھا .... وہ روپے کا ایندھن ڈال کر اپنی جماعت کا انجن چالو کرنا چاہتے تھے ۔ اور تمام ہند میں پھیل جانا چاہتے تھے ۔ ادھر کشمیر میں راجہ صاحب نے تجوریوں کے منہ کھول دیئے تھے ۔

میری دوسری گرفتاری کے بعد اکتوبر ۔ نومبر ۳۱ میں مجلس احرار کا یہ وفد پھر سری نگر آیا بدقسمتی سے اس بار بھی وہ سرکاری مہمانوں کی حیثیت سے ہی آئے ..... میں ان سے ملنے کے لئے گیا تو وفد کے ارکان نے شکوہ کیا ۔ کہ " جہاں کشمیر کمیٹی (صدر ۔ حضرت امام جماعت احمدیہ) کے نمائندوں کے پاس عام لوگوں کا تانتا بندھا رہتا ہے وہاں ہمیں کوئی پوچھتا ہی نہیں ۔ "

میں نے جواب دیا ..... آپ کے ہوتے ہوئے سرکار نے یہاں کے مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلی اور آپ بدستور اس کی بانہوں میں بانہیں حمائل کرتے رہے ۔ آپ کو تو شہیدوں کے گھر جا کر زبانی ہمدردی کرنے کا خیال بھی نہ آیا حالانکہ سرکاری موٹریں آپ کے انتظار میں کھڑی رہتی تھیں ۔ آپ نے حالات کا چشم دید مشاہدہ کرنے کے لئے معمولی زحمت بھی گوارا نہیں کی ۔ اب آپ پھر سرکاری مہمان ہیں اور ہاؤس بوٹوں میں سرکاری دستر خوان کے چٹخارے لے رہے ہیں ۔ تو بھلا عوام آپ کے پاس آئیں تو کیوں ؟ حکومت کی گولیوں سے ان کے بے گناہ سینے چھلنی ہو چکے ہیں ۔ سرکاری تازیانوں نے ان کے جسم کی کھالیں ادھیڑ دی ہیں ۔ انہیں بھانت بھانت کے فرضی مقدمات میں ماخوذ کر کے پریشان کیا جا رہا ہے ۔ انہیں علاج معالجے کے لئے پیسے کی ضرورت ہے ۔ ماہرانہ قانونی مشورے کی ضرورت ہے ۔ آپ ان ضروریات میں کہیں ان کی دست گیری نہیں کر رہے ہیں ۔۔۔۔ مگر کشمیر کمیٹی ' اپنے خرچ پر وکلاء بھیج کر ان کی امداد کر رہی ہے ۔ مڈلٹن کمشن کے سامنے اگر کشمیری مسلمان اپنا کیس پیش کر سکے تو کشمیر کمیٹی کی امداد سے ۔۔۔۔ اتنا ہی نہیں ' کشمیر کمیٹی کے نمائندے ' شہدا اور قیدیوں کے گھروں میں جا کر اپنی بساط کے مطابق نقد و جنس سے ان کا بوجھ ہلکا کر رہے ہیں ۔ اس لئے اگر وہ آپ کے دیوان خانے کو بھول کر کشمیر کمیٹی کے نمائندوں کا دامن پکڑ لیں تو اس میں اچنبھے کی بات کیا ہے ۔ میرے ان دلائل کا احرار حضرات کے پاس جواب نہ تھا ۔ اس لئے

مذاق مذاق میں بات کو ٹال گئے ۔ لیکن جب وہ لاہور پہنچے ۔ تو وہاں ان سے پوچھا گیا کہ آپ کشمیر میں رہ کر کیا کر آئے ہیں اور آپ نے وہاں کے عوام کے لئے کیا کیا ہے ؟ اس کا جواب بھلا وہ کیا دیتے ۔ لگے بغلیں جھانکنے ۔ لیکن اپنی کوتاہیوں اور کوتاہ بینیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے انہوں نے یہ کہانی گھڑ لی کہ

شیخ محمد عبداللہ احمدی بن گیا ہے اور وہاں اب سنگین مسئلہ اسی کا ہے "۳۸ ـ

شیخ اکبر سرتاج صوفیاء حضرت محی الدین ابن عربی کا نظریہ

— از کتابچہ ابن عربی شائع کردہ فیروز سنز —

ختم نبوت و ختم رسالت

ابن عربی نبوت و رسالت کو محمد رسول اللہ پر ختم سمجھتے ہیں مگر صرف بحیثیت نبوت تشریعی ۔ یعنی اب ان کے بعد کوئی نئی شریعت نہیں آ سکتی مگر ایسا نبی آ سکتا ہے جو ان کی لائی ہوئی شریعت کی تجدید کرے ۔ اس نبی کا اکتساب ذاتی اور بلاواسطہ نہیں ہوتا بلکہ رسول اللہ کے واسطے سے ہوتا ہے ۔

نبوت غیر تشریعی رسول اللہ کے بعد جاری رہے گی بلکہ رسول اللہ کی امت میں اولیاء اللہ کو بھی الہام ہوتا رہیگا ۔ ابن عربی کا کہنا ہے کہ محمد رسول اللہ حقیقت الحقائق ہیں

فیروز سنز

لاہور ۔ راولپنڈی ۔ کراچی

۷ کروڑ مسلمانان برصغیر سے خدا اور رسولؐ کے نام پر

ـ علامہ اقبال کی طرف سے جاری کردہ اپیل ـ جون ۱۹۳۳ء

حضرت امام جماعت احمدیہ کے مستعفی ہو جانے کے معاً بعد علامہ اقبال کی طرف سے ۷ کروڑ مسلمانوں کے نام جاری کردہ اپیل میں، حضرت امام جماعت احمدیہ کے دور صدارت میں، آزادیٔ کشمیر اور کشمیری مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے ضمن میں سر کئے گئے معرکوں کے واضح اعترافات ملتے ہیں ---

کشمیر کمیٹی صف اول میں ہے۔

علامہ اپیل میں فرماتے ہیں۔

برادران اسلام! موجودہ زمانے کے اندر تحریک خلافت کے بعد **تحریک کشمیر** ایک ایسی تحریک ہے جس سے خالص اسلامی جذبات کو عملی مظاہرے کا موقع ملا۔ اور جس نے قوم کے تن مردہ میں حیات تازہ کی لہر ایک دفعہ پھر دوڑا دی۔ جن قومی جماعتوں نے اہل خطہ کے ساتھ عملی ہمدردی امداد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے آپ کو تسلیم ہو گا کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا نام ان کی صف اول میں ہے

"ـ آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے ابتدائے کار (یعنی جولائی ۳۱ سے جب امام جماعت احمدیہ نے صدارت سنبھالی ـ ناقل) اپنے مخصوص طریق کار کے مطابق نہ صرف اہل خطہ کے حالات و جذبات کی ایسی ترجمانی کی ہے کہ خود اہل خطہ بحالات موجودہ ویسی نہ کر سکتے تھے۔ بلکہ کمیٹی نے

- کئی گتھیوں کو سلجھانے
- مصیبت زدوں کو مالی امداد پہنچانے اور
- فسادات کے مقدمات کو اپنے ہاتھ میں لے کر ان کی پیروی کرنے میں نہایت قابل قدر خدمات انجام دی ہیں اور اب تک دے رہی ہے۔
- ابتدائے کار سے کشمیر کمیٹی نے حکومت ہند، برطانیہ اور برطانوی قوم پر اس حقیقت کو ظاہر کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی کہ کشمیر کا مسئلہ مسلمانان ہند کی سیاسی حیات و موت کا مسئلہ ہے۔

نیا مرحلہ ـ صدارت علامہ اقبال ـ جون ۱۹۳۳ء تا ......

اپنے دور صدارت کو "نیا مرحلہ" قرار دیتے ہوئے علامہ فرماتے ہیں:۔

"ـ نیا مرحلہ آ گیا ہے اور اس کے لئے نئی قربانیوں کی ضرورت ہو گی۔ جو لوگ گذشتہ انقلاب سے ماخوذ ہیں اور ان پر مقدمات چل رہے ہیں ـ ان کی طرف بھی توجہ میں ہرگز کمی نہیں آنی چاہئے ـ اب تک (یعنی امام جماعت احمدیہ کے عرصہ صدارت تک ـ ناقل) ان مقدمات کی پیروی خوش اسلوبی سے ہوئی ہے لیکن قوم کو اس حقیقت سے بے خبر نہیں رہنا چاہئے کہ کشمیر کمیٹی کے پاس جو روپیہ فراہم شدہ تھا وہ خرچ ہو چکا ہے اور ---- جب تک قوم روپیہ سے اعانت پر کمربستہ نہ ہو گی ـ نہ تو نئی پیدا شدہ صورت حال میں کوئی اہم کام سرانجام پا سکے گا اور نہ ان سینکڑوں ماخوذین کو قانونی امداد پہنچانے کا کوئی ذریعہ ہو گا۔

اس لئے تمام گذشتہ حالات اور موجودہ حالات اور آئندہ امکانات کو مدنظر رکھتے ہم ملت اسلامیہ ہند سے نہایت مخلصانہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ حالات کی نزاکت کا صحیح اندازہ کرتے ہوئے اپنی پہلی قربانیوں میں مزید اضافہ کیلئے کمربستہ ہو جائیں ..... اور اسلامی ایثار کا ثبوت دیں ـ یہ افراد کی امداد نہیں بلکہ امت رسول صلعم کی امداد ہے ـ ہم اپیل کا اختتام حضور پرنور صلعم کی اس ہدایت پر کرتے ہیں۔

خدا نے دین اسلام کو اپنے لئے مخصوص کیا ہے اور دین کی دوستی، سخاوت اور حسن اخلاق سے ہے مسلمانو! اپنے دین کو ہر دو اوصاف سے آراستہ کرو۔

نوٹ ـ چندہ کی رقوم مسلم بنک انار کلی ـ لاہور کو بھیجی جائیں۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال پی ایچ ڈی ـ بیرسٹر ـ صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی ـ ملک برکت علی ایم اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ ـ سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی ـ (انقلاب ۳۰ جون ۱۹۳۳ء)

مصنف "زندہ رود" نے علامہ کی یہ اپیل صفحہ ۵۱۰ پر درج کی ہے مگر اپیل کا وہ حصہ جو "

پہلے مرحلے " سے متعلق تھا۔۔ نقل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

مسلم پرچہ "سیاست" کا خراج تحسین

علامہ کے یہ الفاظ کہ۔ "جن قومی جماعتوں نے کشمیریوں کے ساتھ عملی ہمدردی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے ان میں کشمیر کمیٹی کا نام صف اول میں ہے۔" سے شاید کسی کو یہ خیال گزرے کہ کشمیر میں پندرہ بیس تنظیمیں کام کر رہی تھیں۔ سو واضح ہو کہ یہ صورت حال نہیں تھی۔ عملی کام کے لئے صرف دو جماعتیں میدان عمل میں اتریں۔ ایک کشمیر کمیٹی دوسری صدر کانگرس اور کانگرسی لیڈروں سے مشورہ کرنے کے بعد مجلس احرار۔ ہم گزشتہ سطور میں ان دونوں جماعتوں کی کارکردگی کا موازنہ کشمیری لیڈر شیخ محمد عبداللہ صاحب کی زبانی پیش کر چکے ہیں۔ یہاں ہم سید حبیب صاحب جو کشمیر کمیٹی کے ممبر بھی تھے اور مسلم اخبار "سیاست" کے ایڈیٹر بھی، کی رائے پیش کرتے ہیں۔ جس کا اظہار تحریک احمدیہ کی مخالفت کرتے ہوئے انہوں نے اپنی کتاب "تحریک قادیان" میں کیا۔ لکھتے ہیں:۔

"مظلومین کشمیر کی امداد کے لئے صرف دو جماعتیں پیدا ہوئیں۔ ایک کشمیر کمیٹی۔ دوسری احرار۔ تیسری جماعت نہ کسی نے بنائی نہ بن سکی۔ احرار پر مجھے اعتبار نہ تھا اور اب دنیا تسلیم کرتی ہے کہ کشمیر کے یتامیٰ۔ مظلومین اور بیواؤں کے نام سے روپیہ وصول کر کے احرار، شیر مادر کی طرح ہضم کر گئے۔ ان میں سے ایک لیڈر بھی ایسا نہیں جو بالواسطہ یا بلاواسطہ اس جرم کا مرتکب نہ ہوا ہو۔ کشمیر کمیٹی نے انہیں دعوت اتحاد عملی دی مگر اس شرط پر کہ کثرت رائے سے کام ہو اور حساب باقاعدہ رکھا جائے۔ انہوں نے دونوں اصولوں کو ماننے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا میرے لئے سوائے ازیں چارہ نہ تھا کہ میں کشمیر کمیٹی کا ساتھ دیتا اور میں بہانگ دہل کہتا ہوں کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب صدر کشمیر کمیٹی نے تندہی۔ محنت۔ ہمت۔ جانفشانی اور بڑے جوش سے کام کیا اور اپنا روپیہ بھی خرچ کیا۔ اور اس کی وجہ سے میں ان کی عزت کرتا ہوں۔"[۳۹ ب]

متعدد قائدین اور انجمنوں کی طرف سے اندرون کشمیر اور بیرون کشمیر حضور کی مخلصانہ جدوجہد کو زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا۔

علامہ اقبال کے عزائم

حضور کے استعفیٰ (مئی ۱۹۳۳ء) کے بعد علامہ اقبال ۷ کروڑ مسلمانان ہند کی نمائندگی کرتے ہوئے گویا اس دعویٰ کے ساتھ نئے مرحلہ میں داخل ہوئے تھے یا میدان عمل میں اترے تھے۔ کہ ہم چونکہ تعداد میں احمدیوں کی نسبت سینکڑوں گنا زیادہ ہیں اور وسیع اور لامحدود اختیارات اب ہمارے قبضہ میں آ چکے ہیں۔ ہم اسی نسبت سے کشمیر میں سینکڑوں گنا اصلاحات نافذ کرائیں گے۔ سینکڑوں گنا فنڈز جمع کر دکھائیں گے۔ سینکڑوں گنا وکلاء کے وفود کشمیری ماخوذین کے مقدمات کی پیروی کے لئے کشمیر بھجوائیں گے۔ انتشار پسند، مسلم اتحاد کو پارہ پارہ کرنے والی جماعت کو علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ اب مسلمان یگانگت، یک جہتی اور اتحاد عمل سے کام کریں گے۔ اب ہم حکومت ہند اور حکومت برطانیہ پر جو دباؤ ڈالیں گے وہ موجودہ دباؤ کی نسبت سینکڑوں گنا زیادہ ہو گا۔

علامہ اقبال کا استعفیٰ۔ اجلاس کی روئداد

مگر افسوس کہ اس میں سے کوئی بیل بھی منڈھے نہ چڑھ سکی۔ بقول پروفیسر علم الدین صاحب سالک (ممبر کمیٹی) "۔۔ نئی کشمیر کمیٹی (صدارت علامہ اقبال۔ ناقل) کام نہ چلا سکی۔ علامہ اقبال ایک اجلاس کے بعد ہی مستعفی ہو گئے اور کمیٹی کو بھی توڑ دیا" (تاریخ احمدیت جلد نمبر۶ صفحہ ۴۲۶) اخبار "سیاست" کے ایڈیٹر سید حبیب صاحب (ممبر کمیٹی) نے اپنے اخبار میں علامہ کے استعفیٰ پر تبصرہ کرتے ہوئے جو کچھ لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱۔ اجلاس جس میں علامہ نے استعفیٰ دیا۔ ۱۸ جون ۳۳ کو ہوا۔ شملہ میں جس روز (۲۵ جولائی ۱۹۳۱ء) آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا بطور صدر کمیٹی انتخاب، علامہ اقبال ہی کی تحریک پر عمل میں آیا تھا۔ اور جن لوگوں نے ان کے عقائد کی وجہ سے ان کے انتخاب کو صحیح نہ سمجھا تھا۔ علامہ اقبال نے ان کے اندیشہ کی کمزوری پر پھبتی اڑائی تھی۔

۲۔ ممکن ہے حضرت علامہ کا یہ خیال صحیح ہو کہ کشمیر کمیٹی کے قادیانی ارکان تدبر و دانشمندی کی

تدابیر کی بجائے اپنے امام کی تائید کرتے ہیں لیکن جس اجلاس میں علامہ اقبال مستعفی ہوئے۔
اس میں کوئی ایسا مظاہرہ نہیں ہوا۔

۳۔ ایجنڈا کی اکثر و بیشتر شقیں اتفاق رائے سے منظور ہوئیں بہت سے معاملات میں مرزا
صاحب اور علامہ کی آراء میں ہم آہنگی تھی آخر میں تجویز کیا گیا کہ ایک سیکرٹری ہوا کرے اور
ایک اسسٹنٹ سیکرٹری۔ کثرت رائے یہ تھی کہ سیکرٹری دو ہوں اور دونوں سیکرٹری کہلائیں۔
کسی کو اسسٹنٹ کہہ کر ذلیل نہ کیا جائے۔ علامہ اقبال نے زور دیا کہ سیکرٹری اور اسسٹنٹ
سیکرٹری کی تجویز منظور کی جائے۔ مرزا صاحب نے بھی اس موقع پر علامہ اقبال کی خاطر تجویز کیا
کہ دو جائنٹ سیکرٹری رکھے جائیں دوسری طرف سے عرض کیا گیا کہ دلائل سن لئے جائیں۔
مناسب یہ تھا کہ علامہ اقبال دلائل سن کر مسئلہ کو ووٹ پر چھوڑ دیتے مگر انہوں نے ایسا نہ کیا
اور کسی سے بات کئے بغیر اچانک یہ کہہ کر استعفیٰ دے دیا کہ بعض ارکان کی روش ایسی ہے کہ
میں آئندہ آپ کا صدر نہیں بن سکتا۔ حالانکہ یہ زیر بحث ہی نہیں تھا کہ علامہ آئندہ صدر
ہوں۔ (گویا احمدیوں کی طرف سے اپنے خلیفہ کی اطاعت کرنا اس دن کے جھگڑے کا موجب
نہیں ہوا تھا۔ ناقل)

۴۔ علامہ کی یہ تجویز فتنہ کی بنیاد ہے کہ مسلمان، جلسہ عام کر کے (نئی) کشمیر کمیٹی ا۔ بنا لیں
علامہ اقبال کے بغیر کمیٹی نے کام کیا۔ وہ اب بھی موجود ہے اور آئندہ بھی کام کرے گی۔

۵۔ حق یہ ہے کہ کشمیر کمیٹی کا کام علامہ اقبال اور برکت علی صاحب کے بس کا نہیں تھا۔ لہذا
وہ بہانہ بنا کر بھاگ گئے ورنہ جس وقت وہ مستعفی ہوئے۔ اس وقت نہ کوئی جھگڑا ہوا۔ نہ تو تو
میں میں ہوئی اور نہ کوئی اختلاف رائے ہی بہت زیادہ موجود تھا ("سیاست" ۲۴ر جون ۱۹۳۳ء)

آئینی جدوجہد کے شیریں ثمرات

علامہ اقبال کی اپیل (جون ۱۹۳۳ء) میں اس امر کا واضح اعتراف موجود ہے کہ جن
مقاصد کی خاطر "آل انڈیا کشمیر کمیٹی" کا قیام عمل میں آیا تھا۔ ان مقاصد کے حصول کے
لئے کمیٹی نے نہایت قابل قدر خدمات (حضرت امام جماعت احمدیہ کے دور صدارت میں)
انجام دیں۔ ان آئینی کاوشوں کے کیا ٹھوس نتائج نکلے؟ اس کی تفصیل جناب عبداللہ بٹ نے
اپنی کتاب "پنجاب کی سیاسی تحریکیں" میں درج کی ہے۔ مصنف لکھتے ہیں:۔

"۔ آئینی جدوجہد کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی مخلصانہ
مساعی کے نتیجہ میں اہالیان کشمیر کو جو جو حقوق ملے۔ ان کا مختصر ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔
کیونکہ یہ نعمت بڑی جدوجہد اور قربانیوں کے بعد حاصل ہوئی تھی ۳۰ سے
ہم یہاں اس مختصر ذکر کا بھی خلاصہ درج کرنے پر کفایت کرتے ہیں:۔

O **مذہبی آزادی:۔** گلینسی کمشن کی سفارشات کے نتیجہ میں ۔۔۔ اذان سے روکنے
اور اسی طرح مذہب تبدیل کرنے پر لوگوں کو خوف زدہ کرنے کو جرم قرار دے دیا گیا۔

O **مقدس مقامات:۔** زیارت مدنی صاحب۔ میدان عید گاہ (سری نگر) خانقاہ شاہ (جموں
) وغیرہ کا انتظام مسلمانوں کے سپرد کئے جانے کے احکام جاری کئے گئے۔

O **تعلیم کی ترقی:۔** عربی کے معلموں کی تعداد بڑھانے ۔۔ مڈل اور ہائی اسکولوں میں اضافہ
کرنے ۔۔ مسلمان اساتذہ اور انسپکٹران اور ایک خاص مسلم انسپکٹر مقرر کرنے کی ہدایت جاری
کر دی گئی۔

O **ملازمتیں:۔** ملازمتوں میں اقوام کی آبادی کے تناسب کے ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا۔

O **مالیہ اراضی:۔** احکام جاری کئے گئے کہ مالکانہ کی وصولی بند کر دی جائے۔ اس طرح جو
زمینیں ریاست کی ملکیت میں ہیں۔ لیکن قبضہ کے حقوق عوام کو حاصل ہیں۔ ان سب کے
مالکانہ حقوق قابض لوگوں کو دیئے جائیں۔ ۳۔

O **کاہ چرائی ٹیکس:۔** سات تحصیلوں میں کاہ چرائی ٹیکس معاف کر دیا گیا۔ دھاروں کا
ٹیکس بھی معاف کر دیا گیا۔

O **پریس ایکٹ:۔** پریس ایکٹ کو برطانوی ہند کے قانون کے مطابق کر

دینے کا حکم دیا گیا۔ ۴۰

علامہ اقبال کے استعفیٰ کا جواز کیا ہے؟

"علامہ اقبال نے کشمیر کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ کیوں دیا؟ مصنف زندہ رود یہ تاثر دے رہے ہیں کہ احمدی، مسلمانوں کی کسی تنظیم کے ساتھ تعاون کرنے یا ان کے ماتحت کام کرنا ناپسند کرتے تھے (ص ۵۹۳) یہ صورت حال اقبال کے لئے ناقابل قبول تھی۔ لہٰذا انہوں نے کشمیر کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا۔ (ص ۵۱۰)

راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت امام جماعت احمدیہ قریباً دو سال تک صدر رہے۔ آپ نے اس عرصہ میں متعدد وکلاء کشمیر بھجوائے، مالی امداد فراہم کی ـــ وائسرائے، گورنروں اور دیگر کشمیری لیڈروں سے ملاقاتیں کیں ـــ ریاست اور کانگریس کی مخالفت کا سامنا کیا۔ عملی میدان میں اس طویل جدوجہد کے دوران آپ کو تعاون یا عدم تعاون کے جو تجربات ہوئے۔ ان کی بنا پر اگر آپ یہ کہیں کہ اس مہم میں فلاں شخص یا گروہ کا رویہ مایوس کن تھا۔ تو بات سمجھ میں آتی ہے ـــ مگر علامہ اقبال تو میدان عمل میں اترے ہی نہیں۔ صرف ایک اجلاس کی صدارت کی۔ جس میں اکثریت غیر احمدیوں کی تھی۔ اکثر و بیشتر امور اتفاق رائے سے طے ہو گئے۔ دو ایک شقوں پر ذرا بحث ہوئی تو آپ نے جھٹ یہ فیصلہ صادر فرما دیا کہ مجھ پر واضح ہو گیا ہے کہ احمدی، مسلمانوں کی کسی بھی تنظیم کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ یہ صورت حال مجھے قبول نہیں اس لئے میں مستعفی ہوتا ہوں۔

۲۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ بقول مولانا غلام رسول مہر ۴۳ ممبران کمیٹی میں سے اکثریت امام جماعت احمدیہ کے ساتھ تھی اور اقلیت اقبال کے ساتھ۔ اس لئے مسلمانوں کی تنظیم کے ساتھ عدم تعاون کا الزام امام جماعت احمدیہ پر لگانا درست نہیں۔

کشمیر کمیٹی کو اندر سے توڑنا

مصنف لکھتے ہیں کہ اقبال نے محسوس کیا

"۔ احمدی حضرات بظاہر کشمیر کمیٹی کو قائم رکھتے ہوئے اسے اندر سے دو حصوں میں تقسیم کرنے کے درپے تھے۔ ا۔ علامہ نے مشورہ دیا کہ ایک نئی کشمیر کمیٹی بنالی جائے۔ چنانچہ نئی کمیٹی بنی اور اس میں احمدیوں کو شامل نہ کیا گیا۔

راقم عرض کرتا ہے۔ کشمیر کمیٹی کے روح رواں یا اصلی کام کرنے والے حضرات کے متعلق بے بنیاد غلط فہمیاں پھیلا کر کمیٹی کو اندر سے دو حصوں میں تقسیم کرنے کا منصوبہ تو کشمیر کمیٹی کے مخالفین نے تیار کیا تھا۔ علامہ اور آپ کے حلقہ کے چند ارکان بھی اس میں شریک ہو گئے۔ چنانچہ سر فضل حسین ایسے باثر اور باخبر لیڈر ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔

"۔ اقبال اور دیگر مسلم لیڈر اپنی سیاسی اغراض کے حصول کی خاطر، مسلمانوں میں مذہبی فرقہ پرستی کو ہوا دے رہے ہیں۔ ۴۲

ایک دوسرے مکتوب میں سر فضل حسین انکشاف فرماتے ہیں۔

"۔ اقبال، مسلمانوں کے اتحاد اور یک جہتی کو اندر سے توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں" ۴۲/A

واضح رہے کہ مسلم مفاد اور مسلم اتحاد کے لئے مخلصانہ کاوشوں کی وجہ سے سر فضل حسین "اورنگ زیب" کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔ آپ فرقہ پرستی کو ہوا دینے والوں کے اقدامات سے بہت پریشان تھے۔ میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ کے والد ماجد جناب احمد یار خاں دولتانہ کا مکتوب بھی اس صورت حال کا عکاس ہے۔ جو گزشتہ صفحات میں درج کیا جا چکا ہے۔

کیا احمدی کسی کی اطاعت کے پابند نہیں؟

علامہ کے اس بیان پر کہ احمدی اپنے امیر کے سوا کسی کی وفاداری کے پابند نہیں (صفحہ ۵۰۹) تبصرہ کرتے ہوئے صدر انجمن احمدیہ کے ایک ذمہ دار بزرگ حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے اخبار الفضل میں لکھا:۔

"۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب خود آل انڈیا مسلم کانفرنس کے صدر ہیں اور اس حیثیت میں انہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ جس باڈی کے وہ صدر ہیں۔ اس کے کام کو کامیاب بنانے کے لئے سب سے زیادہ مالی امداد حضرت امام جماعت احمدیہ نے دی ہے۔ یعنی ۱۹۳۰ء سے اس وقت (جون ۱۹۳۳) تک آپ اس مجلس کے لئے تین ہزار کے قریب روپیہ دے چکے ہیں۔ اگر احمدی، دوسروں کے ماتحت کام کرنا ناپسند کرتے تو اس قدر مالی امداد جو دوسرے مسلمانوں کی امداد کے غالباً برابر ہو گی وہ اس انجمن کو کیوں دیتے جس کے صدر سر محمد اقبال صاحب ہیں۔

مسلم لیگ کے رجسٹرات سے بھی یہ امر ثابت ہو سکتا ہے کہ اس کی امداد میں بڑا حصہ حضرت امام جماعت احمدیہ کا ہے۔ حالانکہ اس مجلس کے صدر بھی سوائے ان چند ایام کے جن میں چودھری ظفراللہ خاں صاحب صدر ہوئے۔ ایسے احباب ہوتے رہے جو جماعت احمدیہ سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ ۔(بیان حضرت مفتی محمد صادق صاحب الفضل ۹ر جولائی ۳۳ء) ۳۴ھ

راقم عرض کرتا ہے کہ مسلم پرچہ "سیاست" نے تعاون کے اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا تھا:۔

"امام جماعت احمدیہ نے سیاست میں اپنی جماعت کو عام مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو چلانے میں جس اصول عمل کی ابتدا کر کے اس کو اپنی قیادت میں کامیاب بنایا ہے وہ ہر منصف مزاج مسلمان اور حق شناس انسان سے خراج تحسین وصول کر کے رہتا ہے (پرچہ ۲ر دسمبر ۱۹۳۰ء)

ایک اور مسلم پرچہ "انقلاب" ۱۹۲۷ء سے لے کر ۱۹۴۴ء تک کے دور پر یوں تبصرہ کرتا ہے:

"سائمن کمشن (۱۹۲۷-۲۸ء سے لے کر اب (۱۹۴۴ء) تک انہوں (یعنی حضرت امام جماعت احمدیہ) نے مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور جداگانہ حیثیت کے قیام میں ملت اسلامیہ کے ساتھ جس کامل ہم آہنگی کا ثبوت دیا ہے۔ اس کی ہم دل سے قدر کرتے ہیں۔" (پرچہ ۹ر جون ۱۹۴۴ء۔ اداریہ)

ان حقائق کے ہوتے ہوئے کسی محقق کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ جماعت احمدیہ کے متعلق اس رائے پر اصرار کرے کہ "احمدیوں کے نزدیک کشمیر کمیٹی یا مسلمانوں کی کسی بھی تنظیم کی کوئی اہمیت نہیں تھی (زندہ رود صفحہ ۵۸۶)

ممبروں کی اکثریت، مولانا مہر کا بیان

اب ہم پھر گذشتہ بیان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مولانا غلام رسول مہر اعداد و شمار کی روشنی میں صورت حال کو یوں واضح کرتے ہیں:۔

"۔ چونکہ کشمیر کمیٹی کے عارضی صدر صاحب (علامہ اقبال۔ ناقل) مستعفی ہو چکے تھے اور عارضی سیکرٹری (ملک برکت علی۔ ناقل) نے استعفیٰ دیئے بغیر ہی اپنے فرائض و واجبات کو اور جماعتی آداب و قواعد کو پس پشت ڈال کر نئی کمیٹی میں سیکرٹری شپ کا عہدہ قبول کر لیا تھا۔ اس لئے "آل انڈیا کشمیر کمیٹی" عملاً معطل ہو گئی تھی ۔۔ کمیٹی کے جن ممبروں کے سامنے یہ واقعات پیش آئے تھے۔ انہوں نے اپنا اخلاقی فرض سمجھا کہ تمام واقعات و حالات کی اطلاع ممبروں کو دیں اور ان سے استصواب کریں کہ آیا پرانی کشمیر کمیٹی کو ان حالات میں باقی رکھا جائے یا توڑ دیا جائے چنانچہ چار ممبروں کے دستخط سے ایک گشتی مراسلہ مختلف ممبروں کی خدمت میں بھیجا گیا۔

کمیٹی کے کل ممبر ۶۳ تھے۔ ان میں سے گیارہ یا بارہ ممبروں نے غیر جانبدار رہنے کا اظہار فرمایا۔ بعض نے طرفین کے ساتھ یکساں ذاتی تعلقات کی بنا پر ..... بے تعلقی ہی مناسب سمجھی ..... باقی ۵۲ میں سے ۲۰ نے صاف اور واضح لفظوں میں افتراق انگیز واقعات کی مذمت کی۔ اختلاف پیدا کرنے والوں کی روش کو جماعتی آداب و قواعد کے منافی بتایا اور لکھا کہ کشمیر کمیٹی کا کام حسب سابق جاری رہنا چاہئے ۔۔ ان کے علاوہ بارہ ممبروں نے ۳ر ستمبر کے جلسے میں (زیر صدارت امام جماعت احمدیہ بمقام لاہور۔ ناقل) شریک ہو کر کمیٹی کے کام کو جاری رکھنے کی تائید کی ۔۔ اس طرح ۶۳ ممبروں میں سے گیارہ غیر جانبدار ممبروں کو علیحدہ کرنے کے بعد ۵۲ میں سے (۲۰ + ۱۲) ۳۲ ممبروں نے کمیٹی کے کام پر اعتماد کا اظہار کیا۔ باقی اصحاب میں سے کسی کی طرف سے کوئی جواب موصول نہ ہوا ۔۔ جو اصحاب (علامہ اقبال کی۔ ناقل) نئی کمیٹی میں شریک ہوئے۔ ان کی تعداد بہرحال دس سے کم ہے۔ پس جب ممبروں کی بہت بھاری اکثریت نے فیصلہ صادر کر دیا کہ کمیٹی کا کام جاری رہے اور انہوں نے ان بزرگوں کے خیالات سے

باب نمبر ۱۳ فصل نمبر ۹

نئی کشمیر کمیٹی

علامہ اقبال نے نئی کشمیر کمیٹی بنالی اور اس میں احمدیوں کو شامل نہ کیا گیا۔ ۲۵ر جولائی ۱۹۳۱ء کو "کشمیر کمیٹی" کا انتخاب تمام ہندوستان کے نمائندوں نے کیا تھا۔ مگر علامہ اقبال اور آپ کے چند رفقاء نے دہلی دروازہ لاہور کے باہر ایک معمولی جلسہ کر کے مسلمانوں میں فرقہ بندی کا سوال پیدا کر دیا یعنی کشمیر کمیٹی سے احمدیوں کو جنہیں علامہ مسلمان تصور کرتے تھے، نکال کر غیر احمدی مسلمانوں پر مشتمل ایک کمیٹی بنالی۔ مسلم پرچہ انقلاب نے فرقہ بندی کے اس سوال کو "بہت بڑا فتنہ" قرار دیتے ہوئے لکھا:۔

فرقہ بندی۔ بہت بڑا فتنہ ہے۔

"۔ واقعات یہ ہیں کہ بعض نہایت ہی افسوسناک اور بالکل بے جا غلط فہمیوں کی بنا پر آل انڈیا کشمیر کمیٹی میں اختلافات پیدا ہوا جسے چند خاص افراد نے اپنے چند خاص مقاصد کی خاطر استعمال کرنے کی انتہائی کوششیں کیں۔ جن اصحاب (یعنی علامہ اقبال اور آپ کے چند رفقاء ... ناقل) کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے اختلاف پیدا ہوا تھا۔ ان کے نام پر لاہور میں ایک پبلک جلسہ منعقد کیا گیا۔ جس کی حقیقت و حیثیت کی بحث میں پڑنے کا موقع نہیں۔ اس جلسے میں ایک نئی کمیٹی کی تاسیس کے لئے ایک جماعت بنا دی گئی۔ اس کے بعد کم از کم ہمیں معلوم نہ ہو سکا کہ جماعت مذکورہ کے تجویز کردہ ارکان میں کتنے اصحاب نے تعاون پر آمادگی ظاہر کی اور اس جماعت نے نئی کمیٹی کی تاسیس کے ضمن میں کیا کیا تدابیر اختیار کیں۔ البتہ چند روز کے بعد اعلان ہو گیا کہ نئی کمیٹی بن گئی ہے اور پرانی کمیٹی توڑ دی گئی ہے۔ (واضح رہے کہ پرانی کمیٹی میں چند احمدی اصحاب بھی تھے جبکہ نئی کمیٹی میں کسی احمدی ممبر کو شریک نہ کیا گیا۔ ناقل) حالانکہ لاہور شہر کا کوئی نہایت ہی معمولی پبلک جلسہ نہ اس بات کا حقدار تھا کہ نئی کمیٹی بنا کر اسے آل انڈیا کشمیر کمیٹی قرار دیتا اور نہ اس امر کا مجاز تھا کہ پہلی کشمیر کمیٹی توڑ دیتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا تھا کہ کسی بننے والی کمیٹی پر اظہار اعتماد کر دیا جاتا اور پرانی کمیٹی کی بے اعتمادی کی قرار داد منظور کر دی جاتی ـــ اس حالت میں یہ سمجھا جاتا کہ لاہور شہر کے ان چند سو مسلمانوں کو جو ایک خاص تاریخ کو دہلی دروازے کے باہر جمع ہوئے تھے۔ پرانی کمیٹی کے کام پر

اتفاق نہ کیا جنہوں نے لاہور میں (۲ر جولائی ۱۹۳۳ء) ایک پبلک جلسہ (دہلی دروازہ لاہور) زیر صدارت علامہ اقبال۔ ناقل) منعقد کر کے نئی کمیٹی کی تاسیس کا بندوبست کیا تھا تو کمیٹی کے ممبروں کے لئے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ وہ کام کو جاری رکھتے اور نئے عہدیدار منتخب کر لیتے

لیکن چونکہ ۳ر ستمبر ۱۹۳۳ء کے جلسے میں شریک ہونے والے ممبروں کے پیش نظر اتحاد تھا اور وہ دل سے چاہتے تھے کہ اہل کشمیر کی امداد کے لئے حتی الامکان اختلاف پیدا نہ ہو۔ اس لئے انہوں نے بالاتفاق ان بزرگوں کو صدر اور سیکرٹری منتخب کیا۔ جن پر نئی کمیٹی بنانے والوں کو زیادہ سے زیادہ اعتماد ہو سکتا تھا تاکہ اگر وجہ نزاع یہی ہو کہ

اختیار و اقتدار کسی ایسے گروہ کے ہاتھ میں نہ آ جائے جس پر نئی کمیٹی کے ممبران کو اعتراض ہو تو اس وجہ نزاع کا استیصال ہو جائے۔

اگر مجوزہ صدر صاحب اور سیکرٹری صاحب سعی اتحاد کے اس پیشکش کو خدانخواستہ قبول نہیں کریں گے تو لازماً دوسرے صدر اور سیکرٹری کا انتخاب عمل میں آئے گا۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی حسب سابق اپنا کام جاری رکھے گی اور کوشش کرے گی کہ تصادم کا کوئی موقع پیش نہ آئے۔

اتحاد ہی کے مقاصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے نہ کوئی مجلس عاملہ منتخب کی گئی اور نہ دستور اساسی کے قواعد و ضوابط معرض بحث میں لائے گئے بلکہ ۵ آدمیوں کی عارضی کمیٹی بنا دی گئی تاکہ وہ صدر صاحب اور سیکرٹری صاحب کے مستقل فیصلہ تک کشمیر کمیٹی کا کام جاری رکھے۔ ان پانچ آدمیوں میں سے کسی کو صدر یا سیکرٹری نہ بنایا گیا تاکہ خدانخواستہ یہ غلط فہمی پیدا نہ ہو کہ ارکان کمیٹی صدر اور سیکرٹری کے عہدے دو بزرگوں کی خدمت میں پیش کرنے کے باوجود نئے صدر اور نئے سیکرٹری کے انتخاب کی تدابیر پیش نظر رکھتے ہیں۔ (انقلاب ۳ر ستمبر ۱۹۳۳ء

بتایئے! ان صحیح اعداد و شمار اور ہر لحاظ سے فراخ دلانہ پیشکش کے بعد اعتراض یا شک و شبہ کا کوئی بھی شائبہ باقی رہ جاتا ہے؟

اعتماد نہیں اور بس ـــ لیکن وہ مسلمان اگر چند سو نہیں چند ہزار بھی ہوتے تو سارے ہندوستان کے مسلمانوں کی نمائندگی و نیابت کا منصب سنبھال لینے کے حقدار نہ تھے ـــ"

"ـــ اتنا عرض کر دینا غالباً بے محل نہ سمجھا جائے گا کہ سابقہ کشمیر کمیٹی کے ارکان (جن میں باون غیر احمدی اور صرف گیارہ احمدی ہیں) کی اکثریت نے جدید کمیٹی کے بانیوں سے اتفاق نہیں کیا بلکہ کشمیر کمیٹی پر اعتماد کا اظہار کیا ہے اور اسے اپنا کام بہ (مطابق) دستور جاری رکھنے کی ہدایت کی ہے۔"

"ـ باقی رہا اہل کشمیر کے اعتماد کا معاملہ تو ہمیں پورا یقین ہے کہ اہل کشمیر میں سے بھی جتنے بزرگ، مخلص کارکنوں کی حیثیت سے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ان میں سے کسی کو پہلی کشمیر کمیٹی سے اختلاف نہیں بلکہ وہ اس کے کام اور سرگرمی و وسعت امداد کے معترف ہیں۔"

"آخر میں صرف اتنی گذارش ہے کہ اگر "زمیندار" (اخبار)۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے تعاون نہیں کر سکتا تو اسے تعاون کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا لیکن کیا وہ اس بات میں خاموش بھی نہیں رہ سکتا؟ جس حد تک امداد مظلومین کشمیر کا تعلق ہے اس حد تک کسی محب کشمیر کو اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔ زمیندار، جدید کمیٹی کو ضروری سامانوں کا مرکز و مرجع بنا دے۔ جن لوگوں کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے تعلق ہو گا وہ اس کے کام کو تقویت پہنچائیں گے اور ظاہر ہے کہ دونوں میں تصادم کی کوئی وجہ نہیں۔ اور نہ ہی اس بات میں قادیانی تبلیغ کا کوئی موقعہ ہے نہ کوئی گنجائش ہے خاص طور پر اس لئے کہ انتہائی ذمہ داری کے عہدے غیر احمدیوں کی خدمت میں پیش کئے گئے ہیں۔ ہم ذاتی طور پر قادیانیت کی تبلیغ کی ہر موقعے پر سخت سے سخت مخالفت کے لئے تیار ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے نزدیک قادیانی عقائد صحیح نہیں ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جہاں مشترکہ مقاصد کے لئے کام کا موقع ہو وہاں مقرر و معین دائرے میں تعاون سے انکار کر دیں۔

یہ ہمارا سوچا سمجھا ہوا مسلک ہے اور ہماری پختہ رائے ہے کہ جو مسلمان اس مسلک کا مخالف ہے اور مسلمانوں کے غیر مذہبی مشترکہ کاموں میں فرقہ بندی کا سوال اٹھاتا ہے۔ اگرچہ خالص غیر مسلموں سے اتحاد مقصد و عمل کا دعویٰ دار ہے وہ امت میں ایک بہت بڑا فتنہ پیدا کرتا ہے۔ جو خدانخواستہ آگے بڑھا تو ملت اسلامیہ ہند، نہیں معلوم کتنے ٹکڑوں میں بٹ جائے گی اور اس کا جو نتیجہ نکلے گا اس کے تصور سے بھی ہمارے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ــ

روزنامہ انقلاب ۲ ۱۲ جون ۱۹۳۳

(انقلاب کے نامہ نگار خصوصی کے قلم سے)

واقعات کو اس طرح بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اگر احمدی رہنما معاملات کشمیر سے دستکش ہو جائیں۔ تو احمدیت کے یہ مخالفین بھی کشمیر مسلم کانفرنس کے معاون بن کر اس کی قوت کا باعث بنیں گے۔ اخباری پراپیگنڈا کے سوا متعدد سرکاری ایجنٹوں نے اہل کشمیر کی لیڈری کے جبے پہن کر کشمیر کمیٹی کے بعض معزز اراکین کو غلط واقعات سنا کر اور غلط تاویلات پیش کر کے اس امر پر آمادہ کر لیا کہ کشمیری مسلمانوں کے اختلافات مٹانے کی غرض سے کشمیر کمیٹی کی ہیئت ترکیبی کو تبدیل کیا جائے کشمیر کمیٹی کے معزز ارکان پوری نیک نیتی سے کام کرتے ہوئے بھی دشمنان اسلام کی اس چال سے دھوکہ کھا گئے۔ اپنے پرانے نظام کو جس کے ذریعہ سے کمیٹی نے مسلمانان کشمیر کے لئے نہایت شاندار خدمات انجام دی تھیں بدل ڈالا۔

دشمنان اسلام کی چالیں

انہی ایام میں "انقلاب" کے خصوصی نامہ نگار نے ساری صورت حال کا محتاط جائزہ لے کر "موجودہ شورش کشمیر کے حقیقی اسباب و علل" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جس کا یہ حصہ توجہ طلب ہے:۔

"مخالف پارٹی کی (طرف سے) ..... واقعات کو اس طرح بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اگر احمدی رہنما معاملات کشمیر سے دستکش ہو جائیں تو احمدیت کے یہ مخالفین بھی کشمیر مسلم کانفرنس کے معاون بن کر اس کی قوت کا باعث بنیں گے۔ اخباری پروپیگنڈا کے سوا متعدد سرکاری ایجنٹوں نے اہل کشمیر کی لیڈری کے جبے پہن کر کشمیر کمیٹی کے بعض معزز اراکین کو غلط واقعات سنا کر اور غلط تاویلات پیش کر کے اس امر پر آمادہ کر لیا کہ کشمیری مسلمانوں کے اختلافات مٹانے کی غرض سے کشمیر کمیٹی کی ہیئت ترکیبی کو تبدیل کیا

جائے۔

کشمیر کمیٹی کے معزز ارکان پوری نیک نیتی سے کام کرتے ہوئے بھی دشمنان اسلام کی اس چال سے دھوکہ کھا گئے۔ اپنے پرانے نظام کو (صدارت حضرت امام جماعت احمدیہ۔ ناقل) جس کے ذریعہ سے کمیٹی نے مسلمانان کشمیر کے لئے نہایت شاندار خدمات انجام دی تھیں بدل ڈالا۔ ظاہر تھا کہ نئے نظام کی راہ میں (صدارت علامہ اقبال۔ ناقل) سخت مصائب حائل تھیں۔ جن پر قابو پانے اور نظام کو مستحکم یا سودمند بنانے کے لئے ایک وقت درکار تھا اور اس طرح مسلمانوں کی اس مقتدر جماعت کو جس نے تحریک کشمیر کو کامیاب بنانے میں اس قدر کام کیا تھا بے بس کر کے رکھ دیا گیا..... سازشیوں نے اس موقعہ سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہا اور یہ امر کہ (تبلیغ۔ ناقل) احمدیت کا الزام فقط ایک بہانہ تھا جلد ہی ظاہر ہو گیا اور ہرچند کہ کشمیر کمیٹی کا نظام بدل چکا تھا تاہم حکومت کے ایجنٹوں نے دوسرے بہانوں سے شرارت پھیلانی شروع کر دی۔ (انقلاب ۱۲ر جولائی ۱۹۳۳ء)

ولولہ تازہ۔ نہ عمل پیہم

مولانا غلام رسول صاحب مہر کی طرف سے بیان کردہ حقائق کے اظہار کے بعد اب ہم پھر علامہ اقبال کے دور صدارت پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ افسوس کہ اس دور صدارت یا نئے مرحلہ میں علامہ کے ہاں نہ کوئی ولولہ تازہ ہے نہ عمل پیہم کی کوئی جھلک نظر آتی ہے۔ ۷ کروڑ مسلمانان برصغیر کے نام جاری کردہ ۳۰ر جون ۳۳ء کی اپیل کے ۱۱ دن بعد علامہ اپنے مکتوب بنام نذیر نیازی میں فرماتے ہیں۔

"کشمیر کمیٹی کا اجلاس اس اتوار کو ہو گا۔ ہم سب اس بات کے متمنی ہیں کہ وہاں امن قائم رہے اور وہاں کے لوگ ان اصلاحات سے متمتع ہوں جو فی الحال ان کو مل چکی ہیں۔۴۴؎

محمد اقبال

۱۱ر جولائی ۳۳ء

گویا جو اصلاحات حضور کے آغاز کار سے حضور کے استعفیٰ تک حاصل کی جا چکی ہیں۔ ہمارا ارادہ انہی پر اکتفا کرنے کا ہے۔ مزید اصلاحات کے حصول کے لئے جدوجہد کرنا فی الحال ہمارے پروگرام میں شامل نہیں۔

صدارت کا عہدہ سنبھالنے پر اقبال کو "کشمیر مسلم کانفرنس" کے دفتر سے اس قسم کے خطوط آنے شروع ہو گئے کہ:۔

"۔ خدا کے لئے اپنی ذات کو عالم اسلام میں اور مجھ کو کشمیر میں 'بدنام کرنے سے محفوظ کریں۔ اور سری نگر بارہ مولا میں جو مقدمات ہمارے آدمیوں کے خلاف بنائے گئے ہیں۔ ان کی پیروی کے لئے کسی لائق کونسل (وکیل) کو بھجوائیں ورنہ سب مجھ کو طعنہ دیں گے کہ ڈاکٹر (علامہ اقبال) صاحب کی آپ غائبانہ تعریفوں کے پل باندھتے تھے اور یہ وہ کرتے تھے۔ انہوں نے کیا کیا ہے۔...... "

(خط شیخ عبدالحمید وکیل ہائی کورٹ قائمقام صدر مسلم کانفرنس سری نگر مورخہ ۳۱ر جولائی ۱۹۳۳ء) خط آویزاں اقبال میوزیم۔ علامہ اقبال روڈ لاہور

خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ:۔

"۔ مرزا صاحب کو تو ایک اشارہ کافی ہو گا۔۔ وہ..... ایک چھوڑ چار وکیل بھی روانہ کر دیں (گے)..... اگر آپ کی طرف سے جلد انتظام نہ ہوا تو اس صورت میں اہل غرض مجبوراً ادھر کا رخ کریں گے۔"

شیخ عبدالمجید صاحب قائمقام صدر مسلم کانفرنس تھے۔ آپ ایک اور خط محررہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۳۳ء بنام علامہ اقبال میں لکھتے ہیں۔

"مقدمات بہت بڑے ہیں۔ تیاری کافی وقت چاہتی ہے۔ ملک برکت علی کی نسبت معلوم ہوا ہے کہ وہ عدیم الفرصتی کا عذر پیش کرتے ہیں اور آپ یہ ڈیوٹی (بہار کے) مسٹر محمد نعیم الحق اسے کے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ ان سے ان مقدمات کا مقابلہ مشکل ہو گا (ایضاً خط آویزاں اقبال میوزیم لاہور) ۴۵؎

کشمیر میں وکلاء کا کوئی وفد پہنچا نہ فنڈز

"آل انڈیا کشمیر کمیٹی" کے نام سے گورنمنٹ روشناس ہو چکی تھی۔ یہ نام پبلک میں بھی مشہور ہو چکا تھا۔ علامہ نے اپنی کمیٹی کا یہی نام رکھ لیا یہ ایک بڑی سہولت تھی۔ جو علامہ کو میسر آ گئی۔ حضرت امام جماعت احمدیہ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ آپ کو کشمیر کمیٹی کی "وسیع اور لامحدود اختیارات" حاصل تھے لیکن اب وہی وسیع اور لامحدود اقتدار و

اختیارات علامہ کے ہاتھ میں تھے۔ دستور وضع کر کے بزعم حلقہ ء اقبال کمیٹی کو زیادہ محکم منظم اور موثر بنا دیا گیا تھا۔ آپ نے ان اختیارات کے ساتھ خدا اور رسول کے نام پر ۷ کروڑ مسلمانان برصغیر کے نام اپیل جاری کی تھی ۔۔۔۔ بعض صاحب ثروت اصحاب کے نام خطوط بھی لکھے مگر کسی گوشہ کی جانب سے بھی اس پر توجہ نہ دی گئی۔ نہ وکلاء کا کوئی قابل ذکر وفد کشمیر پہنچا۔ نہ خاطر خواہ فنڈز جمع ہوئے جو مظلومین کشمیر کیلئے بھجوائے جاسکتے۔ حالت اتنی ناگفتہ بہ ہو گئی۔ کہ جب نعیم الحق صاحب وکیل کے سفر خرچ کا معاملہ سامنے آیا۔ تو علامہ نے اپنے مکتوب بنام مولوی صاحب کو (کشمیر) لکھا:۔

کشمیر کمیٹی کے پاس زیادہ فنڈز نہیں ہیں۔ ورنہ میں خود سید صاحب (نعیم الحق صاحب وکیل) کی خدمت میں پیش کرتا۔ اس واسطے مہربانی کر کے ان کی خدمت میں عرض کریں۔ کہ آپ بلا کسی قسم کے معاوضہ اور سفر خرچ کے یہ خدمت کریں"۔ (اقبال نامہ حصہ اول صفحہ ۴۳۱)

فنڈز کی وجہ سے بہت سے دیگر کام بھی رکے ہوئے تھے اور مالی قربانی کے لئے کوئی آمادہ نہ ہو رہا تھا۔ اس پر علامہ نے اپنے دوست راغب صاحب کو لکھا:۔

"۔ سب سے بڑی دقت فنڈز کی ہے ..... حضرت زین العابدین فرماتے ہیں۔ کہ جب خدا تعالیٰ کسی قوم سے ناراض ہوتا ہے تو اس قوم کا مال بخیلوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ (مکتوب مورخہ ۴ر اکتوبر ۱۹۳۳ء جہان دیگر ص ۳۹)

علامہ کی متعدد سوانح عمریوں میں علامہ کے دور صدارت کا یہ واقعہ کہ آپ نے سید نعیم الحق صاحب ایسے قابل اور جہاں دیدہ وکیل کو آمادہ کر کے کشمیر بھجوایا۔ بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان وکیل صاحب کو علامہ نے نہیں بلکہ کشمیر کے کسی مولوی صاحب نے کشمیر جانے پر آمادہ کیا تھا (اقبال نامہ حصہ اول صفحہ ۴۳۹)

جناب نعیم الحق صاحب وکالت کے اعتبار سے کس پایہ کے وکیل تھے۔ اس کا اندازہ تو قارئین نے قائمقام صدر مسلم کانفرنس، کشمیر کے ان الفاظ سے بخوبی کر لیا ہو گا کہ۔:

"۔ ان سے ان مقدمات کا فیصلہ مشکل سے ہو گا۔"

نعیم الحق صاحب کی معلومات عامہ کی وسعت کا پتہ لگانے کے لئے علامہ کے مکتوب کا یہ حصہ ملاحظہ ہو۔ جو آپ نے کشمیر کے انہی مولوی صاحب کی خدمت میں بھیجا۔ علامہ نے لکھا

"۔ جناب مولوی صاحب! مسٹر نعیم الحق صاحب (وکیل) کے خط سے ..... معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں کشمیر اور سری نگر دو مختلف جگہیں ہیں۔ ان کی خدمت میں عرض کریں۔ کشمیر ملک کا نام ہے اور سری نگر دارالسلطنت ہے" (اقبال نامہ حصہ اول صفحہ ۴۴۰)

اہمیت گھٹانے کی کوشش

تاریخ کے تارو پود کو بکھیرتے ہوئے علامہ کی متعدد سوانح عمریوں میں حضرت امام جماعت احمدیہ کے دور صدارت کی سنہری خدمات اور قابل قدر سرگرمیوں کی اہمیت گھٹانے اور علامہ کے دور کے **انتہائی معمولی** کام کی اہمیت کو بڑھانے کی سعی لاحاصل کی گئی ہے۔

چنانچہ "اقبال اور کشمیر" کے مصنف لکھتے ہیں۔

" امام جماعت احمدیہ کی سرکردگی میں قائم کی جانے والی کشمیر کمیٹی کے **کاغذی مقاصد** خوش آئند تھے۔ لیکن یہ مقاصد شرمندہ ء تعبیر نہ ہوئے (صفحہ ۷۳) کتاب مطبوعہ ۷۷-۱۹ء ۱۹۸۵ء) مصنف سلیم خان گمی۔

" اقبال اور کشمیر" کے عنوان سے ایک اور کتاب شائع ہوئی ہے۔ مصنف ڈاکٹر صابر آفاقی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:۔

" مجھے تو یوں لگتا ہے کہ جس طرح انگریز برطانیہ میں بیٹھ کر برصغیر پر حکم چلاتے رہے اسی طرح علامہ اقبال، لاہور میں بیٹھ کر آزادی کشمیر کی تحریک کی قیادت کرتے رہے (صفحہ ۱۲۷) کتاب مطبوعہ ۱۹۷۷ء

تدبّر حدیث

کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ بھی ایمان کے گھٹنے بڑھنے کے قائل نہیں تھے۔ میرے خیال میں ان کی بات کبھی نہیں گئی۔ ان کے ہاں جو بحث ہے وہ فقہی ایمان سے ہے۔ حقیقی ایمان سے نہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمانوں کی شہریت کے حقوق طے ہوں گے تو وہ تمام لوگ جو لا الہ الا اللہ کہیں گے ان سب کو مسلمانوں کے رجسٹر میں ہی درج کیا جائے گا۔ ان میں ایمان کی کمی بیشی کا سوال نہیں اٹھایا جائے گا۔ ظاہری ایمان پر ہی سب کے حقوق قائم ہوں گے۔

جناب امین احسن اصلاحی ماہنامہ تدبر لاہور ص ۲۰ (اپریل ۱۹۹۱ء)

علامہ، عملی سیاست کے کمبل سے جان چھڑانے کی فکر کرنے لگے

مگر راقم کی تحقیق یہ ہے کہ حد درجہ تعاون کرنے والی مسلم یک جہتی اور سالمیت پر ایمان رکھنے والی جماعت کو علیحدہ کر کے علامہ کو کسی جانب سے خاطر خواہ تعاون حاصل نہ ہو رہا تھا۔ ہر طرف انتشار اور خود غرضیوں نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ خود اقبال کی اپنی ذات پر الزامات عائد ہونے لگے۔ علامہ مسلم انتشار اور عدم تعاون کے ماحول میں ذمہ داریوں سے گھبرا اٹھے۔ اور مسلم تنظیموں سے علیحدگی کی خواہش کا اظہار کرنے لگے۔

آپ نے اپنے احساسات کی ترجمانی کرتے ہوئے احمدیوں کو علیحدہ کرنے کے بعد اپنے جگری دوست راغب احسن کو لکھا۔

"۔ آپ خود سمجھتے ہیں اس بات کو خواہ اس کی تہ میں کتنی ہی دردمندی کیوں نہ ہو۔ ذاتیات پر محمول کیا جائے گا میں اس بات میں بڑا حساس ہوں اور اس قسم کا الزام میرے لئے "دوزخ" کی آگ کے برابر ہے ا۔ (معلوم نہیں کس شخص کی طرف سے لگائے گئے الزام کی طرف اشارہ ہے۔ ناقل) میں خود ان سیاسی مسلمانوں کے ہاتھ سے بہت نالاں ہوں.... اس واسطے نہیں کہ ہر موقعہ پر انہوں نے میری مخالفت کی ہے بلکہ اس واسطے کہ اس کریکٹر اور سیرت کے لوگ مسلمانوں میں کیوں پیدا ہوئے۔" ۴۶ ے

واضح رہے کہ علامہ نے جولائی ۱۹۳۳ء میں علیحدہ کشمیر کمیٹی بنائی تھی اور مندرجہ بالا خط اگست ۳۳ء کا ہے۔ آنے والے دو تین ماہ میں آپ مزید پریشان ہو گئے اور اب عملی سیاست کے کمبل سے جان چھڑانے کی فکر کرنے لگے بلکہ اپنے قریبی دوستوں میں اس کا اظہار بھی کرنے لگے۔ ایک اور خط میں لکھتے ہیں:۔

"۔ میرا کوئی ارادہ پٹنہ کانفرنس یا یوتھ لیگ کے اجلاس پر جانے یا پیغام بھیجنے کا نہ تھا..... میں ہر چیز سے علیحدہ ہو جانا چاہتا ہوں۔ کانفرنس کی صدارت تو اب ختم ہے۔ کشمیر کمیٹی کی صدارت ابھی میرے ذمہ ہے۔ جب یہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جائے تو اس سے بھی علیحدہ ہو

جانے کا قصد رکھتا ہوں" ۴۷ ے

علامہ اب محسوس کرنے لگے تھے کہ ان کا وجود غیر موثر ہو چکا ہے اور یہ کہ ان کا عملی سیاست میں حصہ لینا محض ایک بیکار مشق تھا چنانچہ ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

"۔۔۔ مسلمانوں کے انتشار اور ان کے معززین کی خود غرضیوں کا مظاہرہ بہت دل شکن ہے.... میں نے تو اب قصد مصمم کر لیا ہے کہ اپنے گذشتہ دستور العمل پر پھر سے قائم ہو جاؤں اور اپنے مخصوص طریق پر خدمت، مسلمانوں کی کرتا رہوں جس کو چھوڑ کر عملی سیاست ۴۸ ے کا کام اختیار کیا تھا۔..... میرا دل بہت دکھا ہوا ہے اور اپنے دکھوں کی نمائش کرنے کی مجھ میں عادت نہیں ہے" ۴۹ ے

احمدی وکلاء پر الزام تراشی

کشمیر کمیٹی کی تاریخ پر ایک نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ دفتر کشمیر کمیٹی کی طرف سے متعدد بار اخبارات میں اعلان کئے جاتے رہے کہ کشمیری ماخوذین کی قانونی امداد کے لئے وکلا اپنی خدمات پیش کریں مگر غیر احمدی وکلاء میں سے ایک کے سوا کوئی آگے نہ آیا۔ حتیٰ کہ خود جموں و کشمیر کے وکلاء بھی میدان عمل میں نہ اترے۔۔۔ علامہ اقبال کے دست راست ملک برکت علی صاحب نے بھی کماحقہ اپنی خدمات پیش نہ کیں۔ مولوی مظہر علی اظہر مہاراجہ کشمیر سے پینگیں بڑھانے کے لئے تو دو مرتبہ کشمیر گئے۔ مگر ماخوذین کے مقدمات کی پیروی کیلئے ایک مرتبہ بھی وہاں جانے کی توفیق نہ پا سکے۔

حضرت امام جماعت احمدیہ نے نئے انتخابات کے لئے راستہ ہموار کرنے کی غرض سے جب کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ پیش کیا اور کشمیر کمیٹی کا نظام تبدیل ہوا تو اس نئے نظام کے کارپردازوں کا اولین فرض یہ تھا کہ وہ کشمیر میں نئے وکلا کا انتظام کرتے۔۔۔۔ یا سابقہ وکیلوں سے خط و کتابت کر کے انہیں آگاہ کیا جاتا کہ ہم ڈیفنس جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ اور امام جماعت احمدیہ کی بجائے اب ہم آپ کے سفر خرچ اور خورد و نوش کے اخراجات کے ذمہ دار ہوں گے (احمدی وکلا ماخوذین سے فیس وصول نہیں کرتے تھے)۔ نیز انہیں بتایا جاتا کہ طویل عرصہ سے خدمات انجام دینے کی وجہ سے اب اتنے عرصہ بعد آپ کو واپس بلا لیا جائے گا اور آپ کی بجائے نئے وکلاء کو بھجوا دیا جائے گا۔ کیونکہ اپنی پریکٹس کو غیر معینہ مدت کے لئے

چھوڑ کر وکلاء کا کشمیر میں طویل قیام مشکل ہو رہا تھا ---- ماخوذین اور ان کے لواحقین کی طرف سے علامہ اقبال یا نئے نظام کو متعدد درخواستیں بلکہ تاریں ارسال کی گئیں جن میں دل ہلا دینے والی اپیلوں کے ذریعہ وکلا بھجوانے کی التجائیں کی گئی تھیں ---- اس ضمن میں کشمیر مسلم کانفرنس کے قائمقام صدر نے علامہ کی خدمت میں غیرت دلانے والے جو خطوط بھجوائے - اس کے دو ایک اقتباسات گذشتہ سطور میں نقل کئے جا چکے ہیں --- افسوس کہ نئے نظام نے نہ کشمیر میں موجود وکلاء سے کوئی رابطہ قائم کیا - نہ ماخوذین کی اپیلوں پر کان دھرا - سب درخواستیں بے اعتنائی کی نذر ہو گئیں - ان حالات میں وکلاء کے لئے یہی مناسب تھا کہ وہ اپنے اپنے ذاتی حالات کے مطابق جو چاہتے فیصلہ کر لیتے ان پر اس نوع کی نکتہ چینی کا کوئی جواز نہیں کہ انہوں نے حضور کے استعفیٰ کے بعد پہلے کی طرح کام کیوں جاری نہ رکھا۔

اکثریت کا وضع کردہ قانون اور اس کی پابندی کا سوال

راقم عرض کرتا ہے - کہ علامہ نے اس امر کے ثبوت میں کہ احمدی صرف اپنے امام کی اطاعت میں کام کرنا پسند کرتے ہیں - میرپور میں کام کرنے والے احمدی وکیل مکرم شیخ بشیر احمد صاحب کے بیان کا حوالہ دیا - حالانکہ الفضل اخبار قادیان میں شائع شدہ اعلان (۸ ربیع الاول ۱۹۳۳ء) کے مطابق شیخ صاحب محترم ' اپنے بیان کے خود ذمہ دار تھے - ا - اور حضرت امام جماعت احمدیہ کا نکتہ نظر جسے حضور کی طرف سے حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے " الفضل " میں پیش کیا - یہ تھا :-

" احمدی جماعت کے نمائندے گذشتہ دس سال سے مسلم لیگ میں دوسرے فرقوں کی صدارت میں نہایت تن دہی سے کام کر رہے ہیں - خود حضور نے ۱۹۲۷ء میں مسٹر جناح کی صدارت میں شملہ میں کام کیا ---- حضور " آل انڈیا مسلم پارٹیز کانفرنس " کے بورڈ کے ممبر ہیں اور اعلان کنندہ (حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب ایل ایل ڈی - ناظر امور خارجہ) اس کی ورکنگ کمیٹی کا ممبر ہے - اور جب سے یہ کانفرنس قائم ہے - اعلان کنندہ اس وقت سے دوسرے صدر کے ماتحت کام کر رہا ہے ....

راقم عرض کرتا ہے کہ ۱۸ جون ۳۳ء کے کشمیر کمیٹی کے اجلاس میں علامہ نے اپنا استعفیٰ پیش کیا - بعد میں ایک اعلان جاری کر کے یہ الزام لگایا کہ احمدی صرف اپنے امام کی اطاعت

میں کام کرنا پسند کرتے ہیں الفضل کے اعلان میں یہ وضاحت موجود ہے کہ اس اجلاس میں سب تجاویز غیر احمدیوں کی طرف سے پیش ہوئی تھیں - اس دن بیس ممبر حاضر تھے جن میں سے صرف پانچ احمدی تھے - پس اگر وہ کوئی ایسا غلط رویہ اختیار بھی کرتے تو بھی وہ کثرت رائے کو مغلوب نہیں کر سکتے تھے -

سوال یہ ہے کہ علامہ نے اس دن استعفیٰ کس بنا پر دیا ؟ اکثریت تو غیر احمدی حضرات کی تھی -- پھر امام جماعت احمدیہ کی طرف سے اتحاد کو قائم رکھنے کی خاطر یہ آفر کی گئی کہ علامہ اپنا استعفیٰ واپس لے لیں اور دستور فوراً طے ہو جائے -

اور اس طرح اس شبہ کا ازالہ ہو جائے گا کہ احمدی ممبر رخنہ ڈالنا چاہتے ہیں -

حضور کی طرف سے اعلان کنندہ حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب نے الفضل کے ذریعہ یہ بھی واضح کیا کہ اگر علامہ کو یہ تجویز بھی قابل قبول نہیں اور وہ یہ کہتے ہوں کہ دستور طے ہو جانے کے بعد احمدیوں کا کمیٹی کے کام میں حصہ لینا مضر ہے - تو حضرت امام جماعت احمدیہ نے مجھے یہ اعلان کرنے کی اجازت دی ہے کہ علامہ کے اس فیصلہ کو احمدی 'بغیر چوں و چرا تسلیم کر لیں گے اور اس کمیٹی سے مستعفی ہو جائیں گے - "

مگر افسوس کہ علامہ نے تعاون اور ہم آہنگی کی یہ معقول ترین تجاویز بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی علیحدہ تنظیم قائم کر لی - اور یوں کشمیر کمیٹی کا اتحاد پارہ پارہ کر کے رکھ دیا -

علامہ نے بجائے حضرت امام جماعت احمدیہ سے تعاون حاصل کرنے کے جدید کمیٹی قائم کر لی اور خون دینے والے مجنونوں کو علیحدہ کر دیا یعنی احمدیوں کو اس میں شامل نہ کیا گیا - بلکہ مخالفت کر کے ایسے حالات پیدا کرنے کی کوشش کی کہ وہ کشمیر میں کماحقہ کام نہ کر سکیں - ظاہر ہے اس اقدام کے بعد گلشن کا کاروبار کیسے چل سکتا تھا ؟ کچھ عرصہ بعد یہ جدید کمیٹی اپنی موت آپ مر گئی -

علامہ کا خط - سالک صاحب کا تبصرہ

ماخوذین کے مقدمات کی پیروی خدمت خلق کا کام تھا - علامہ یہ ذمہ داری نباہ نہ سکے - لیکن آپ تعصب میں اتنے بڑھ چکے تھے کہ احمدیوں کی طرف سے جب حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں کسی مقدمہ کی پیروی کے لئے کشمیر جانے لگے تو علامہ نے نعیم الحق صاحب وکیل کو لکھا :-

"--- چودھری ظفراللہ خاں کیونکر اور کس کی دعوت پر وہاں (کشمیر) جا رہے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں۔ شاید کشمیر کانفرنس کے بعض لوگ ابھی تک قادیانیوں سے خفیہ تعلقات رکھتے ہیں[۵۰]"
علامہ اقبال کے سوانح نویس جناب عبدالمجید صاحب سالک "ذکر اقبال" میں خط کا مذکورہ حصہ درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

"--- حالانکہ شیخ محمد عبداللہ (شیر کشمیر) اور دوسرے کارکنان کشمیر، مرزا محمود احمد صاحب اور ان کے بعض کارپردازوں کے ساتھ خفیہ نہیں بلکہ علانیہ روابط رکھتے تھے اور ان روابط کا کوئی تعلق عقائد احمدیت سے نہ تھا۔ بلکہ ان کی بناء محض یہ تھی کہ مرزا صاحب کثیر الوسائل ہونے کی وجہ سے تحریک کشمیر کی امداد (صدارت سے مستعفی ہو جانے کے باوجود۔ ناقل) کئی پہلوؤں سے کر رہے تھے اور کارکنان کشمیر طبعاً اُن کے ممنون تھے۔ چودھری ظفراللہ خاں بھی یقیناً مرزا صاحب ہی کے اشارے سے مقدمے کی پیروی کے لئے گئے ہوں گے۔[۵۱]"
شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے ان لوگوں کو جنکی وجہ سے حضور استعفیٰ دینے پر مجبور ہوئے تھے "کم فہم احباب" قرار دیا۔

اس کے مقابل حضور کے استعفیٰ پر احراریوں (جو کانگریس کے حامی تھے۔ زندہ رود صفحہ ۵۸۹) اور مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر "اخبار زمیندار" کے گھروں میں گھی کے چراغ جلے۔ باغ بیرون دہلی دروازہ کے جس جلسے میں علامہ نے (احمدیوں کو علیحدہ کر کے) نئی کمیٹی کی بنیاد رکھی) اس میں مولانا ظفر علی خاں نے تقریر کرتے ہوئے کہا:-

"- آج میری طبیعت خوشی سے باغ باغ ہے۔ آج میں اپنی سالہا سال کی جدوجہد کے آثار اس جلسہ کی شکل میں دیکھ رہا ہوں"

بقول شورش کاشمیری -- "زمیندار" ۱۹۳۸ء کے آغاز تک کانگریس کا حامی رہا۔
راقم عرض کرتا ہے یوں جماعت احمدیہ کو علیحدہ کر کے طبیعت تو سب کانگرس نوازوں کی باغ باغ ہوگئی۔ مگر جہاں تک علامہ سے تعاون کرنے کا تعلق ہے۔ یہ خانہ خالی ہی رہا۔

دیکھئے صفحہ ص ۶۶۹

[illegible]

شیخ محمد عبداللہ کا بدکنا

اب ہم پھر شیر کشمیر کے گذشتہ بیانات کے حوالے سے بات آگے بڑھاتے ہیں۔ ان کے بیانات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کشمیر کی تحریک کی آڑ میں جماعت احمدیہ پر تبلیغ احمدیت کے الزام کا افسانہ کس مرحلہ پر گھڑا گیا!-- کن لوگوں نے گھڑا اور اسے لاہور جا کر ہوا دینی شروع کی -- شیخ صاحب یہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ احرار کے یہ الزامات و مطالبات نہ صرف افتراء پر مبنی تھے بلکہ مسلمانان کشمیر کے لئے خطرناک بھی تھے۔

ناظرین کرام! اب اگر شیخ صاحب خود ہی اپنے خطوط اور مندرجہ بالا اقرار و اعتراف سے آنکھیں پھیرتے ہوئے احراریوں کی ہمنوائی کرتے ہوئے جماعت احمدیہ پر نکتہ چینی کرنے لگیں --- تو یہ بات کس قدر تعجب خیز ہو گی۔ مگر افسوس کہ "آتش چنار" میں دو ایک جگہ ایسا نظر آتا ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بعد کے واقعات سے خصوصاً قیام پاکستان نے شیخ صاحب کے دل میں کسی حد تک جماعت احمدیہ کے خلاف بغض و عناد کا جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ شیخ صاحب کے بقول ان کی شادی اکتوبر ۱۹۳۳ء (آتش چنار صفحہ ۱۴۳) میں ہوئی۔ حضرت امام جماعت احمدیہ کو اس وقت کشمیر کمیٹی کی صدارت سے مستعفی ہوئے قریباً چھ ماہ کا عرصہ گذر چکا تھا۔ شیخ صاحب کا کہنا ہے کہ ان ایام میں میں نے لاہور میں مرزا صاحب سے کہا کہ وہ کشمیر میں مستقل طور پر تبلیغ احمدیت کے مشن سے دستبردار ہو جائیں۔ بقول شیخ صاحب، مرزا صاحب نے جواباً فرمایا:

"- احمدی جماعت بنیادی طور پر ایک تبلیغی جماعت ہے۔ ہم نے پہلے پہل، کشمیر میں اس قسم کی سرگرمیوں پر روک لگا رکھی تھی لیکن وہ ایک عارضی مرحلہ تھا۔ ہمارے لئے مستقل طور پر اپنے مشن سے دستبردار ہونا ممکن نہیں ہے۔"

شیخ صاحب مزید لکھتے ہیں کہ اس پر میں نے مرزا صاحب کو "دو ٹوک جواب" دیا کہ:-

"ایسے حالات میں احمدی جماعت کے ہم خیال کارکنوں کا تحریک سے وابستہ رہنا نہ مناسب ہے اور نہ ممکن ---- اس دن کے بعد سے احمدی جماعت کا رویہ، تحریک کے ساتھ پہلے پہل تو سرد مہری کا رہا۔ بعد میں وہ ہماری مخالفت کرتے رہے اور بالآخر کھلم کھلا ہمارے

خلاف صف آراء ہو گئے (صفحہ ۱۴۵)

راقم عرض کرتا ہے کہ ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں کہ شیخ صاحب اور حضرت امام جماعت احمدیہ کے درمیان لاہور میں کیا گفت و شنید ہوئی --- بہرحال اگر حضرت امام جماعت احمدیہ نے کشمیر کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ کے بعد کشمیر میں احمدیوں پر سے تبلیغ احمدیت کے سلسلہ میں لگائی گئی پابندی اٹھا دی تھی اور جماعت معمول کے مطابق اپنے مشن کا کام کرنے لگی تھی تو یہ بات کسی لحاظ سے بھی قابل اعتراض نہیں ۔ نیز اس سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ حضور نے اپنی صدارت کے دوران احمدیوں پر تبلیغ کی پابندی عائد کر رکھی تھی۔ اور اس ضمن میں لگائے گئے الزامات پروپیگنڈا کی ذیل میں آتے ہیں۔

بہرحال شیخ صاحب کا اکتوبر ۳۳ء والا " دو ٹوک جواب " راقم کو صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ شیخ صاحب اکتوبر کے بعد بھی ۔ احمدیوں کا تحریک کشمیر سے وابستہ رہنا ضروری خیال کرتے تھے ۔ علامہ کے مکتوب بنام شیخ محمد عبداللہ صاحب (۹ر جنوری ۳۴ء) پر مولانا سالک کا تبصرہ گذشتہ سطور میں گزر چکا ہے جس سے واضح ہے کہ فروری ۳۴ء تک شیخ محمد عبداللہ صاحب اور دوسرے کارکنان کشمیر کے مرزا محمود احمد صاحب سے خفیہ نہیں بلکہ اعلانیہ روابط تھے ۔ پھر شیخ صاحب اپنے مکتوب ۱۵ مئی ۱۹۳۴ء میں (حضور کے مستعفی ہو جانے کے قریباً سال بھر بعد) فرقہ واریت کے شعلے بھڑکانے والوں کے رویہ سے حضور کو مطلع کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"-- اگر ہم (اسمبلی کے) انتخابات میں غلام نبی گلکار (احمدی) کو بطور امیدوار کھڑا کرتے تو ہمارے خلاف مسئلہ احمدیت کی (آڑ میں) شدید پروپیگنڈا ہوتا --"

"- ضرورت ہے کہ آپ کسی صاحب کو کشمیر روانہ کریں ۔ جو مجھے مشورہ دے کہ ایسے (ناساعد) حالات میں ..... کام کس طرح چلایا جا سکتا ہے"

"-- اگر آپ نے مہربانی نہ کی ہوتی .... تو میں اب تک پریشانیوں کی وجہ سے میدان سے ہی ہٹ چکا ہوتا۔" ۵۲ ؎

احمدیہ جماعت کی طرف سے شیخ محمد عبداللہ کی مخالفت کے اصل وجوہات

لیکن بعد میں آہستہ آہستہ شیخ صاحب کانگریس کی طرف پرواز کرنے کے لئے پر تولنے لگے ۔ اور حضرت امام جماعت احمدیہ کے مشوروں سے اپنے تئیں بے تعلق کرنے لگے تو جماعت احمدیہ کی طرف سے " سرد مہری " کا اظہار ہونا کسی لحاظ سے غیر مناسب نہیں تھا -- اور

جب " مسلم کانفرنس " کو " نیشنل کانفرنس " میں تبدیل کر دیا گیا تو جماعت کی طرف سے شیخ صاحب کی مخالفت 'ایک طبعی امر تھا ---- اور جب شیخ صاحب قیام پاکستان پر مسئلہ کشمیر کے سلسلہ میں بھارتی موقف کے ترجمان بن کر یو این او میں پہنچے تو پاکستانی وفد نے نیویارک سے قائداعظم کو رپورٹ بھیجی کہ

Zafrullah Khan tore Abdullah mercilessly intoshreds.

یعنی ظفراللہ خاں نے شیخ عبداللہ (کے موقف) کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ ۵۳ ؎

ظاہر ہے اگر جماعت احمدیہ شیخ صاحب کے خلاف کھلم کھلا مخالفت کے لئے صف آراء ہوئی تو اس کی وجہ جماعت کا تحریک کشمیر سے انحراف نہ تھا بلکہ شیخ صاحب کی طرف سے کانگرس پالیسی کو اپنانا اس کا باعث تھا۔

شیخ صاحب کی تحریروں اور خطوط سے واضح ہوتا ہے کہ حضور کی صدارت کے دوران (جولائی ۳۱ء تا مئی ۳۳) بلکہ اس کے کافی عرصہ بعد تک آپ ان لوگوں کی مخالفت کرتے رہے جو جماعت احمدیہ پر تحریک کشمیر کی آڑ میں تبلیغ احمدیت کا الزام عائد کرتے تھے ۔ اور احمدیوں کو کشمیر کمیٹی سے خارج کرنے کی تجویز کو "کشمیری مسلمانوں کے مفاد کے لئے " خطرناک " سمجھتے رہے (آتش چنار صفحہ ۱۳۹)

مجلس احرار نظریاتی اعتبار سے کانگرس کی ہمنوا تھی (زندہ رود صفحہ ۵۸۹) افسوس کہ ۱۹۳۳ء میں علامہ اقبال نے "کشمیر کمیٹی " کے بارے میں وہی روش اختیار کی جو احرار تجویز کر رہے تھے۔

علامہ اقبال کا مشورہ

۱۹۳۵-۳۶ء کے دور میں ایسا لگتا ہے اس دور میں علامہ کے شیخ محمد عبداللہ سے تعلقات میں گہرائی پیدا ہو چکی تھی --- شیخ صاحب لکھتے ہیں :-

"- اقبال بنیادی طور پر شاعر تھے ۔ سیاست دان نہیں ۔ لیکن آزادی کی تحریک کو چلانے کے لئے انہوں نے ہماری صحیح رہنمائی کی ..... ۱۹۳۶ء میں مسلم کانفرنس کو " نیشنل کانفرنس " میں بدلنے کے لئے جہاں اور بھی کئی وجوہ اور محرکات تھے ۔ وہاں اقبال کے مشورے کا بھی اس میں عمل دخل تھا۔" ۵۴ ؎

۔۔ ابتدائی کہانی ۔۔

شیخ محمد عبداللہ! میں آپ کو کشمیر کی تحریک آزادی کا لیڈر مقرر کرتا ہوں۔

حضرت امام جماعت احمدیہ

۱۹۳۱ء میں شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ ایک غیر شادی شدہ نوجوان تھے ۔ آپ کے متعلق ریاست کے مخفی آرڈر تھے کہ اگر یہ ریاست سے باہر نکلیں تو پھر ان کو واپس نہ آنے دیا جائے ۔۔۔ ضروری سمجھا گیا کہ انہیں چھپا کر سرحد کشمیر (گڑھی حبیب اللہ) پر لایا جائے ۔ چنانچہ مولانا عبدالرحیم صاحب درد سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے شیخ صاحب کو سرحد کے قریب پہنچ کر کار کے بیچ میں لٹا دیا اور اوپر کپڑے ڈال دیئے تاکہ ریاستی حکام کو پتہ نہ لگے ۔ ادھر قادیان سے حضرت امام جماعت احمدیہ صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی سرحد پر تشریف لائے ۔ لمبی ملاقات کے بعد حضور نے فرمایا۔

شیخ محمد عبداللہ! میں آپ کو کشمیر کی تحریک آزادی کا لیڈر مقرر کرتا ہوں! شیخ صاحب کہنے لگے کہ میں لیڈری کے قابل نہیں مجھے تو کچھ آتا نہیں ۔ بڑے اصرار کے بعد شیخ صاحب نے آمادگی کا اظہار کیا۔ دفتر بنانے ۔ دفتر کے اخراجات اور دوسری ضرورتوں اور کام کے طریقہ کار کے متعلق شیخ صاحب کو ہدایات دے کر حضور واپس قادیان تشریف لے آئے۔

شیر کشمیر کو تختہ دار پر لٹکانے کی سازش

شیخ محمد عبداللہ پہلے بھی تحریک آزادی کشمیر کے سلسلہ میں تھوڑا بہت کام کر رہے تھے مگر حضور سے ہدایات حاصل کر کے اب آپ نے نئے عزم اور جذبہ کے ساتھ کام شروع کیا۔ سائنٹفک بنیادوں پر 'اولوالعزمی اور ولولہ کے ساتھ 'کام کی انقلابی اٹھان کو دیکھ کر ریاست کو فکر دامن گیر ہوئی ۔ چنانچہ راجہ ہری کشن کول وزیر اعظم کشمیر اور ٹھاکر کرتار سنگھ گورنر جو بڑے

جہاں دیدہ اور گھاگ قسم کے حاکم تھے نے مل کر شیخ صاحب کے خلاف ایک زبردست سازش کا منصوبہ تیار کیا۔ شیخ صاحب اپنی آپ بیتی ۔ آتش چنار میں لکھتے ہیں :۔

"اس سازش کا اصل مقصد مجھے تختہ دار پر پہنچانا تھا تاکہ روز روز کا سردرد ہی ختم ہو جائے ... لیکن کسی طرح اس نام نہاد سازش کی اصلیت کا سراغ کشمیر کمیٹی کے صدر مرزا بشیر الدین محمود کو مل گیا ۔ انہوں نے فوراً وائسرائے ہند لارڈ ولنگڈن کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ۔ مہاراجہ ہری سنگھ کو دہلی طلب کر لیا گیا ۔ حکومت پھر گھبرا گئی (صفحہ ۱۱۹)

راقم عرض کرتا ہے کہ مہاراجہ کی دہلی طلبی کا یہ واقعہ اس دور کا ہے جب ڈکٹیٹر احرار چوہدری افضل حق کے بقول۔

"کشمیر کے مسلمانوں کی کیفیت یہ تھی کہ وہاں کا ہر ہندو 'تمام اس سے کہ غریب ہو یا امیر' مسلمان کو رمضانی مار کھانے کی نشانی سمجھ کر راہ چلتے اس کے حصہ اسفل پر ایک ٹھوکر رسید کرنا اپنا پیدائشی حق سمجھتا تھا۔" ۵۵

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نصرت پرنٹرز و پبلشر لمیٹڈ ربوہ کے افتتاح کے موقع پر۔

شیخ محمد عبداللہ صاحب کی روش بدل گئی

شیخ صاحب ۔۔۔ کانگریس کی گود میں

قارئین کرام!

O وہ شیخ محمد عبداللہ !۔ جسے حضرت امام جماعت احمدیہ نے کشمیر کی تحریک آزادی کا لیڈر مقرر کیا تھا۔

O وہ نوجوان !۔ جسے حضرت امام جماعت احمدیہ کی بصیرت ' فراست اور بروقت کاروائی نے تختہ دار سے بچالیا تھا۔

O وہ کشمیری لیڈر !۔ جو اپنے مکاتیب میں کشمیر کے درماندہ مسلمانوں کے لئے حضور کی جدوجہد کو بے لوث اور بے غرض قرار دیتا تھا اور جسے آئندہ بھی استقامت کے ساتھ جاری رکھنے کا ملتجی رہتا تھا۔

O وہ صدر مسلم کانفرنس !۔ جسے حضور کے کشمیری مسلمانوں کی خاطر للّٰہی کاموں کا شکریہ ادا کرنے کے لئے الفاظ میسر نہیں تھے اور جو حضور کے روبرو اپنے تئیں ایک بچہ گردانتا تھا۔

O وہ مخلص کشمیری رہنما !۔ جو احراریوں کے بدک جانے پر ' ان کی طرف سے احمدیوں کے خلاف "تبلیغ احمدیت" کے بے بنیاد پروپیگنڈا کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا ۔۔ اور

O وہ عملی کارکن !۔ جسے حضور نے انگلی پکڑ کر "مسلم کانفرنس" کے ذریعہ مسلم مفاد کی شاہراہ پر قوم کو ساتھ لے کر منظم طریق سے چلنا سکھایا تھا۔

افسوس ! کہ حضور کے کشمیر کمیٹی سے مستعفی ہو جانے کے کچھ عرصہ بعد ' آہستہ آہستہ غلط روش پر چل نکلا ۔ وہ اپنے محسن کے پر خلوص مشوروں اور بے لوث و بے غرضانہ رہنمائی کے برعکس اپنے چند رفقاء کے ساتھ مل کر کانگرسی لائحہ عمل اپنا بیٹھا ۔ امام جماعت احمدیہ نے اسے ناپسند کیا ۔ بقول چوہدری غلام عباس ' شیخ صاحب "نہرو کو اپنا گرو اور غالبا روحانی رہنما بھی سمجھنے لگے ۔" ۵۶

حضور نے ایک موقع پر فرمایا :۔

میں نے کشمیری زعماء کو جو طریق بتایا تھا وہ درست تھا مگر انہوں نے کشمیری پنڈتوں کو ساتھ ملایا ۔ حالانکہ ہم نے ان سے ہی کچھ لے کر مسلمانوں ' سکھوں اور ڈوگروں کو دینا تھا ۔" ۵۷

پنڈت نہرو اور علامہ اقبال کا ایک سا مشورہ

مسلم کانفرنس کے متعلق بقول شیخ محمد عبداللہ انہیں پنڈت جواہر لال نہرو اور علامہ اقبال نے ایک جیسا مشورہ دیا تھا ۔ شیخ صاحب کا کہنا ہے ۔

"۔ علامہ اقبال نے مجھ سے کہا کہ کشمیریوں کی نجات اسی میں ہے کہ وہ ایک متحدہ تنظیم میں شیرازہ بند ہو جائیں اور مسلم کانفرنس کے دروازے ' غیر مسلموں پر بھی کھول دیئے جائیں ۔" (آتش چنار صفحہ ۲۲۹)

اسی دور میں مسلم کانفرنس کا وجود ختم کر کے اسے "نیشنل کانفرنس" کا جامہ پہنا دیا گیا ۔ ظاہر ہے جماعت احمدیہ اس صورت حال میں شیخ محمد عبداللہ کا ساتھ نہیں دے سکتی تھی ۔۔ بقول چودھری غلام عباس ۔

"۔ دراصل تاریخ کشمیر میں یہ بہت بڑا منحوس دن تھا ۔ جب وحدت ملی اور قومی شیرازہ بندی کے قصر فلک بوس کی آہنی بنیادوں کو کانگریس اور مہاسبھا کے تعلق کی وجہ سے پاش پاش کر دینے کی طرح ڈالی گئی جس کی انتہا کا یہ عالم ہے کہ آج اس کے باعث کشمیری مسلمان ہی نہیں بلکہ تمام ملت اسلامیہ سوگوار ہے ۔" (کشمکش صفحہ ۲۰۴)

CONSTITUENT ASSEMBLY OF PAKISTAN DEBATES

Saturday, 12th March, 1949

قرارداد مقاصد ' ۲۲ ممبران کیٹی میں سے پہلے ۱۰ ممبران

1. The Honourable Sir Muhammad Zafrulla Khan,
2. The Honourable Mr. Ghulam Mohammed,
3. The Honourable Sardar Abdur Rab Khan Nishtar,
4. The Honourable Khwaja Shahabuddin,
5. The Honourable Pirzada Abdus Sattar,
6. The Honourable Mr. Fazlur Rahman,
7. The Honourable Mr. Jogendra Nath Mandal,
8. Maulana Shabbir Ahmad Osmani,
9. Dr. Omar Hayat Malik,
10. Dr. Ishtiaq Husain Qureshi,

کتاب مصنفہ چیف جسٹس حکومت آزاد کشمیر جسٹس محمد یوسف صراف

SIR ZAFRULLAH'S HISTORIC ADVOCACY

Sir Zafrullah made a most remarkable presentation of the Kashmir case. He spoke for five hours and set up a speech-making record in the Security Council, later bettered by Menon in 1957. Having been associated with the Kashmir movement in 1931, he spoke with authority. The pathos of the people of Kashmir, eloquenced by Sir Zafrullah, was so moving that not only did tears roll down his own eyes but also down the cheek of many a delegate and observer. Sir Zafrullah traced the servitude of the people of Kashmir from days of old and spoke in detail how they had been sold by the East India Company for a paltry sum to Maharaja Gulab Singh. He quoted Iqbal's famous verse wherein he had, as long ago as 1931, prophesied the coming up of the Kashmir Issue before the League of Nations. About India's lip service to the so-called "high principled morality", he quoted the Indian proverb about the elephant having two types of teeth, one for the purpose of eating and the other for public display. Pandit Nehru was so rattled by the apt comparison, that he used unbecoming language against him.

1049

حکومت آزاد کشمیر کی بنیاد

تقسیم ہند کے وقت پورے کشمیر کو آزاد کرانے کی خاطر حضرت امام جماعت احمدیہ نے رتن باغ لاہور میں کشمیری لیڈروں کی کانفرنس بلوائی۔ اور کہا کہ یہ وقت کشمیریوں کی آزادی کا ہے۔ مفتی اعظم ضیاء الدین صاحب ضیاء کو صدر جمہوریہ کشمیر بننے کو کہا گیا مگر انہوں نے انکار کیا پھر ایک نوجوان قادری صاحب سے کہا گیا۔ انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ آخر میں قرعہ خواجہ غلام نبی صاحب گلکار انور (احمدی) کے نام پڑا۔ گلکار انور نے ۴ر اکتوبر ۱۹۴۷ء سے بانی صدر "عارضی جمہوریہ حکومت کشمیر" کے نام سے ہری سنگھ مہاراجہ کشمیر کی معزولی کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد ۱۹۸۵ء تک آزاد کشمیر میں بائیس حکومتیں بنیں۔ پہلی گورنمنٹ کا ذکر ریڈیو پاکستان پر بھی نشر ہوا۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ اور دیگر اخبارات میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ بلقیس تاثیر اپنی انگریزی کتاب "کشمیر شیخ عبداللہ کا" میں صفحہ ۳۱۸ پر لکھتی ہیں:۔

The first Govt. was formed on 4th Oct.1947

by Mr.G.N.Gilkar Anwar.

یعنی پہلی آزاد کشمیر گورنمنٹ کا قیام خواجہ غلام نبی گلکار انور نے ۴ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو کیا۔

۔ حواشی ۔

۱ ۔ پیسہ اخبار ۔ لاہور ۲۳ جولائی ۱۹۳۱ء

۲ ۔ زندہ رود ص ۴۳۳

۳ ۔ تاریخ احمدیت جلد نمبر ۶ ص ۴۶۰

نوٹ : جناب شورش کاشمیری کے مطابق ۔۔۔ " اقبال ' قائداعظم کو دیکھتے تھے اور خود گوشہ نشین تھے یعنی عمل سے الگ تھلگ ۔ گویا ان کا فکر ہی عمل تھا ۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری عموماً کہا کرتے تھے ۔ " اقبال کا قلم تمام عمر صحیح رہا اور قدم اکثر و بیشتر غلط (اقبال کے ہم نشین مرتبہ صابر کلوروی ص ۲۰۷)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا کہنا ہے کہ ۔۔ " اقبال کے مداحوں اور شیداؤں کیلئے سب سے مشکل اور کٹھن مرحلہ یہی ہے کہ انہوں نے خود اقبال کی بے عملی کو سند کا درجہ دے دیا ہے ۔ حالانکہ ... خود حضرت علامہ نے اپنی بے عملی کا ہمیشہ ایک کمی کی حیثیت سے برملا اعتراف کیا ۔ (ہفتہ وار " نداء " ۸ نومبر ۱۹۸۸ء ص ۳۰)

۴ ۔ تاریخ احمدیت جلد نمبر ۶ ص ۴۶۰

۵ ۔ پرچہ ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء

۶ ۔ انڈین اینویل رجسٹر ۲۲ مارچ ۱۹۳۲ء

۷ ۔ ص ۔ ۵۸۹

۸ ۔ ص ۔ ۵۳۴

۹ ۔ تاریخ احمدیت جلد ۶ ص ۴۹۷

۱۰ ۔ نوٹ ۔ جناب ایم ۔ ڈی ۔ تاثیر کی بیگم صاحبہ اپنی انگریزی تصنیف " دی کشمیر آف شیخ عبداللہ " میں لکھتی ہیں : ۔

" ۔ علامہ اقبال نے تحریک احمدیہ کے سپریم ہیڈ مرزا بشیر الدین محمود احمد کی خدمت میں (Request) درخواست کی کہ وہ کشمیر کمیٹی کے سربراہ بنیں ۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ اقبال جانتے تھے

کہ احمدیہ جماعت ایک فعال جماعت ہے اور مرزا صاحب فنڈز جمع کر سکتے ہیں ۔ والنٹیئرز مہیا کر سکتے ہیں ۔ ایسے والنٹیئرز جو کشمیری مسلمانوں کے کاز کے لئے کام کریں ۔ (شائع کردہ فیروز سنز لاہور ص ۱۱)

۱۱ ۔ الفضل ۱۹ نومبر ۱۹۳۱ء

۱۲ ۔ ص ۵۹۶

۱۳ ۔ نوٹ : تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ۔ چیف جسٹس حکومت آزاد کشمیر کی کتاب " Kashmir's Fight for Freedom " ص ۴۵۹ ۔ مصنف نے ۷۰ شہروں اور قصبات کے تو نام درج کئے ہیں اور جن مقامات کا طوالت کے خوف سے ذکر نہیں کیا ۔ ان کی تعداد " سینکڑوں " لکھی ہے ۔

۱۴ ۔ پرچہ ۲۰ اگست ۱۹۳۱ء

۱۵ ۔ پرچہ یکم اکتوبر ۱۹۳۱ء

۱۶ ۔ انقلاب ۔ ۱۱ مارچ ۱۹۳۲ء

۱۷ ۔ انقلاب ۔ ۲۰ اپریل ۱۹۳۲ء

۱۸ ۔ تاریخ احمدیت جلد نمبر ۶ ص ۵۷۳

۱۹ ۔ ماہنامہ شام و سحر لاہور مارچ ۸۲ء ص ۳۱

نوٹ ۔ حضرت امام جماعت احمدیہ نے نہ صرف لندن میں بلکہ عرب ۔ امریکہ ۔ سماٹرا ۔ جاوا ۔ مصر ۔ اور شام وغیرہ میں بھی مظلوم کشمیری مسلمانوں کی داستانیں پہنچا دیں ۔ اس پروپیگنڈا کا مقابلہ کرنے کے لئے ریاست کشمیر کو لندن میں (۱۹۳۱ء) چھ سو روپیہ ماہوار تنخواہ پر ایک ایجنٹ مقرر کرنا پڑا ۔

نوٹ ۔ یہاں ضمناً اس امر کا ذکر غیر مناسب نہ ہو گا کہ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کی نظر ثانی شدہ کتاب " مسئلہ کشمیر " (از ممتاز صاحب) جدوجہد آزادی کشمیر کے عظیم ہیرو چوہدری غلام عباس صاحب نام نامی سے معنون و منسوب کی گئی ہے ۔ حالانکہ چوہدری صاحب اس دور میں مودودی صاحب کی روش سے سخت نالاں تھے ۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ یکم ستمبر ۱۹۴۸ء کے صفحہ اول کی خبر کے مطابق چوہدری غلام عباس ' تین گھنٹہ تک مودودی صاحب کو قائل کرتے رہے کہ وہ اپنا فتویٰ کہ (کشمیر کا جہاد جائز نہیں) واپس لے لیں مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے ۔ پھر اسی دور میں چوہدری صاحب کا درج ذیل بیان شائع ہوا ۔

لاہور ۔ ۲۰ ر اگست ۱۹۴۸ء : آج مقامی اخبار نویسوں کو خطاب کرتے ہوئے آزاد کشمیر گورنمنٹ کے سپریم لیڈر چوہدری غلام عباس نے کہا کہ ..... شیخ عبداللہ ' اس بات کا بڑا پروپیگنڈا کر رہا ہے کہ

پاکستان میں شرعی نظام کی بڑی بے حرمتی ہو رہی ہے ۔ اور وہاں سیاسی حالت ناگفتہ بہ ہے ۔ حالانکہ مودودی پارٹی یا چند احراری کارکنوں کو حکومت پاکستان نے محض اس لئے گرفتار کیا ہے کہ وہ نہرو اور پٹیل سے پیسے لیتے تھے اور ان کے خفیہ ایجنٹ تھے ۔ " (انقلاب صفحہ اول پرچہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۸ء)

۲۰ ۔ ماہنامہ شام و سحر اگست ۸۲ء ص ۳۳ء (اخبارات کے نام بیان ہم نے " الفضل " سے نقل کیا ہے ۔ پرچہ ۱۸ اکتوبر ۳۱ء)

۲۱ ۔ الفضل ۲۴ ستمبر ۱۹۳۱ء

۲۲ ۔ ا ۔ احمدیت کی مخالفت میں ہر دو پرچوں کی پالیسی ہم آہنگ تھی ۔ اندازہ کیجئے ۔ احمدیت کی مخالفت کے اس دور میں ان دونوں نے مل کر کتنا جھوٹ اچھالا ہو گا ۔ ب ۔ جناب شورش کاشمیری لکھتے ہیں ۔ " زمیندار " بہت دنوں تک " کانگرس " کا حامی رہا ۔ غالباً ۱۹۳۸ء کے آغاز میں سر سکندر حیات نے اس کا رخ پلٹا " (پس دیوار زنداں ص ۱۵۳)

۲۳ ۔ خط مجررہ ۷ ر اپریل ۱۹۳۲ء مکاتیب اقبال ۔

۲۴ ۔ ص ۴۸ پرچہ یکم مارچ ۱۹۹۰ء

۲۵ ۔ الفضل ۹ ر فروری ۱۹۳۲ء ص ۱۰

۲۶ ۔ ص ۔ ۶۸

۲۷ ۔ ص ۔ ۳۴

نوٹ : یہاں اس امر کا بیان بھی دلچسپی کا موجب ہو گا کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ اس بات کا شدید متمنی تھا ۔ کہ انگریز، کشمیر پر قابض ہو جائیں ۔ تاکہ کشمیری مسلمانوں کو ریاست کے ظلم و ستم سے نجات حاصل ہو ۔ اس طبقہ کی نمائندگی کرتے ہوئے پیسہ اخبار نے ایک زوردار اداریہ سپرد قلم کیا اور لکھا ۔

کشمیر کو برٹش انڈیا کا صوبہ بنایا جائے

" ۔۔۔ تمام دنیا میں انگریز قوم ' معدلت گستری ' انصاف پسندی اور بنی نوع انسان کی مصیبت دور کرنے کے لئے نہایت مشہور ہے ۔ ...... ممکن ہے کہ اس قوم کی انصاف دوستی ہی کی بدولت اس چھوٹے سے ملک برطانیہ کو خداوند نے اتنی بڑی سلطنت بنا دی ہے ۔

.... جب (کشمیر میں) ظلم و ستم کا یہ حال ہے کہ ۹۵ فی صد مسلمان رعایا کو جانوروں کے برابر بھی حقوق حاصل نہیں ہیں تو وہ کب تک خاموش رہ سکتی ہے ۔ ..... اس بارہ میں یہی بہتر ہے کہ ایک کروڑ دے کر مہاراجہ ہری سنگھ سے ریاست کشمیر کو واپس لے لیا جائے اور اس کو برٹش ہندوستان کا ایک صوبہ بنا دیا جائے ...... اگر ایسا نہ کیا گیا تو برٹش گورنمنٹ اور گورنمنٹ آف انڈیا کا نام ابد الاباد

تک ظالموں کی فہرست میں درج رہے گا ۔ (پرچہ ۲ ر جولائی ۱۹۳۱ء)

۲۸ ۔ ص ۱۳۸

۲۹ ۔ تاریخ احمدیت جلد نمبر ۶ ص ۶۰۲

۳۰ ۔ کشمیری کمیٹی کے ممبران کی تعداد ۶۳ تھی ۔ ۱۳ ممبروں نے درخواست پر دستخط کئے ۔ ان ۱۳ میں سے ۲ یعنی مولانا عبدالمجید سالک اور پروفیسر عبدالقادر صاحبان کا حضور کو پیغام پہنچا کہ دراصل درخواست دہندگان ' علامہ اقبال کو صدر بنانا چاہتے ہیں اور علامہ کی اپنی بھی یہی خواہش ہے ۔ اس لئے آپ ابھی اجلاس نہ ہونے دیں ۔ مگر حضور نے ان کے مشورہ پر عمل نہ کیا ۔ " (تاریخ احمدیت جلد نمبر ۶ ص ۶۰۸)

۳۱ ۔ الفضل ۲۸ مئی ۱۹۳۳ء

نوٹ ۔۔ ۷ ر مئی ۱۹۳۳ء کے اجلاس میں پاس کی جانے والی قرارداد کا اہم حصہ یہ تھا کہ ۔۔۔ " آل انڈیا کشمیر کمیٹی " کا یہ جلسہ " سول اینڈ ملٹری گزٹ " میں شائع شدہ بیان سے کہ ۔۔ " کمیٹی کے متعدد ارکان نے ایک درخواست اس امر کی بھیجی ہے کہ آئندہ کمیٹی کا صدر " غیر قادیانی " ہوا کرے ۔ " قطعی علیحدگی " کا اظہار کرتا ہے ۔ "

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر صدر کے قادیانی ہونے کی وجہ سے کشمیر میں " تبلیغ احمدیت " ہو رہی تھی اور اسی کی وجہ سے ان کا ہٹایا جانا ' ممبران کے نزدیک ضروری تھا تو کمیٹی کے اس آخری اجلاس میں کمیٹی نے متفقہ طور پر " سول " میں شائع شدہ خبر سے بیزاری اور علیحدگی کا اظہار کیوں کیا ؟ اور اس کے ساتھ ہی حضور کی خدمات کو " گراں بہا " اور " مخلصانہ " خدمات قرار دیتے ہوئے انہیں " شاندار خراج تحسین " کیوں پیش کیا ؟

۳۲ ۔ سیاست ۔ ۱۸ مئی ۱۹۳۳ء

۳۳ ۔ تاریخ احمدیت جلد نمبر ۶ ص ۶۱۱

۳۴ ۔ ایضاً ص ۶۱۲

۳۵ ۔ ایضاً ص ۶۱۶

۳۶ ۔ ایضاً ص ۶۲۲

۳۷ ۔ سیاست ۔ یکم مارچ ۱۹۳۲ء

۳۸ ۔ آتش چنار ص ۱۳۹ ۔ ۱۴۳

نوٹ : راقم عرض کرتا ہے کہ اپنی جماعت کے انجن کو چلانے کے لئے احرار وقتاً فوقتاً مختلف شخصیتوں ر جماعتوں سے سودے بازی کر کے رقم حاصل کرتے رہے ۔

O ـــ جناب شورش کاشمیری ۔ قائد احرار " مولانا مظہر علی اظہر کے بارے میں انکشاف کرتے ہیں ۔

" ۔ مظہر علی کا ذہنی عقد ' ملک خضر حیات خاں (وزیر اعظم پنجاب ۔ سربراہ یونی نسٹ پارٹی) سے ہو چکا تھا اور وہ کانگرس کے روپے سے حصہ کر رہے تھے (بوئے گل دود چراغ محفل ص ۳۳۳)

O ـــ میاں امیر الدین جنہوں نے احرار کے لئے فنڈز فراہم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ' کا کہنا ہے کہ

" ۔ احرار نے اعلان کیا تھا کہ وہ خود یہ فنڈز کشمیر میں خرچ کریں گے مگر عملاً ایسا نہ ہوا اور خاصی جمع شدہ رقم ضائع ہو گئی ۔ " (Considerable amount was wasted) (شیخ محمد عبداللہ کا کشمیر از بلقیس تاثیر (انگریزی) ص ۱۰)

O ـــ بقول رئیس احرار افضل حق ـــ " تحریک کشمیر میں احرار نے جتنا فنڈ جمع کیا ۔ اس کا بڑا حصہ سگرٹ نوش رضاکاروں کو سگرٹ مہیا کرنے پر صرف ہو گیا (پس دیوار زنداں ص ۱۲۷)

نیا مرحلہ

نوٹ (ا) علامہ اقبال جنہوں نے امام جماعت احمدیہ کے ساتھ کام کیا تھا وہ تو حضور کے استعفیٰ کے بعد اپنے تجربات کی بناء پر یہ اعتراف کرتے ہیں کہ ـــ " آل انڈیا کشمیر کمیٹی " نے مسلمانوں کی ہمدردی میں صف اول کا رول ادا کیا مگر جماعت اسلامی کے " ممتاز احمد صاحب " نے اپنی کتاب " مسئلہ کشمیر " (نظر ثانی از مولانا ابو الاعلیٰ مودودی) میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ

" ۔ ٹھوس تاریخی شواہد تصدیق کرتے ہیں کہ قادیانیوں کی کشمیر کمیٹی میں شمولیت بے معنی یا محض مسلمانوں کی ہمدردی کے سبب نہ تھی ۔ " اب بتائیے کس کا اعتبار کیا جائے ؟

(ب) جو رہنما تشکیل کمیٹی کے وقت شملہ میں جمع ہوئے ۔ ان میں (صدر کے علاوہ) صرف ایک احمدی تھا (یعنی مولانا عبدالرحیم صاحب درد) مگر جماعت اسلامی کے ممتاز صاحب لکھتے ہیں کہ ان میں اکثریت احمدیوں کی ہی تھی ۔ (مطبوعہ ۱۹۷۰ء)

۳۹ ۔ تحریک قادیان ص ۴۲

۴۰ ۔ تلخیص ص ۱۷۸ ۔ ۱۷۹ مطبوعہ ۱۹۷۱ء

نوٹ (ا) ۔ بعض مصنفین ' گلیسنی کمشن کے قیام کو علامہ اقبال کا کارنامہ قرار دیتے ہیں ۔ مگر مصنف زندہ کے مطابق اس کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا (ص ۴۷۴)

(ب) زمینوں کی ملکیت کے بارے میں جو حقوق ملے ۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے حضرت امام

جماعت احمدیہ فرماتے ہیں ۔

" مجھے سب سے زیادہ خوشی اس امر کی ہے کہ زمینوں کی ملکیت ' ریاست سے لے کر ' زمینداروں کو دے دی گئی ۔ اگر سوچا جائے تو یہ کروڑوں کا فائدہ ہے .... یہ امر کشمیر کی آزادی کی پہلی بنیاد ہے .... مجھے اس تغیر پر دہری خوشی ہے کیونکہ اس مطالبہ کا خیال سب سے پہلے میں نے پیدا کیا تھا اور زور دے کر اس کی اہمیت کو منوایا تھا ۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ یہ مطالبہ مانا نہیں جا سکتا مگر اللہ تعالیٰ کا محض فضل ہے کہ آخر یہ مطالبہ تسلیم کر لیا گیا ۔ (تاریخ احمدیت جلد نمبر ۶ ضمیمہ ۳۰)

۴۱ ۔ زندہ رود ص ۔ ۵۱۰

۴۲ ۔ ایضاً ص ۶۹۵ + شق نمبر ۱۴ ۔ سر ظفر اللہ خاں کے نام سر فضل حسین کے خطوط ۲۶ جون ' ۳ جولائی ۱۹۳۳ء مرتبہ وحید احمد (انگریزی)

۴۳ ۔ نوٹ ۔ برطانیہ میں شائع ہونے والی کتاب " اے ہسٹری آف انڈین پیپلز " کے مطابق

During the year 1931-3 Muslim League's total expenditure did not exeed Rs.3000/-. In 1933 with a total income of Rs. 1319/- its annual income showed a deficite of Rs. 564/- (Author D.P.Singhal (England 1983) P.374

۴۴ ۔ مکتوبات اقبال بنام نذیر نیازی شائع کردہ اقبال اکادمی (مطبوعہ ستمبر ۱۹۵۷ء اکتوبر ۱۹۷۷ء ص ۱۱۶)

۴۵ ۔ وکلاء کے ضمن میں علامہ کی جدید کشمیر کمیٹی کا کل سرمایہ خدمت کچھ یوں تھا ۔
مقدمہ علی بیگ میں ۶۹ ملزمان تھے اور ۴۳ گواہ ۔ مسل ہزاروں صفحات پر مشتمل تھی ۔ مقدمہ گیارہ ماہ جاری رہا ۔ " جدید کمیٹی " کے میاں عبدالحی صاحب ایڈووکیٹ نے صرف دو دن بحث کی اور واپس چلے گئے (کشمیر کی کہانی ص ۲۵۶) اسی طرح " سکھ چین " کے مقدمہ کے ابتدا میں ۱۲۹ ملزم تھے ۔ ملک برکت علی صاحب بحث کے لئے تشریف لائے ۔ مگر بحث شروع ہونے میں کچھ دن باقی تھے کہ ڈلہوزی واپس چلے گئے (ایضاً ص ۲۵۷)

۴۶ ۔ راغب احسن کے نام خط ۱۹ ر اگست ۳۳ء " جہان دیگر " ص ۸۱

۴۷ ۔ ایضاً خط ۲۸ ستمبر ۱۹۳۳ء ص ۵۷

۴۸ ۔ ایضاً خط ۱۷ ستمبر ۱۹۳۳ء ص ۵۳

راقم عرض کرتا ہے کہ علامہ کو خود بھی احساس رہا ہے کہ وہ قوم کو جدوجہد کا پیغام تو دے

سکتے ہیں مگر خود میدان عمل کے شاہسوار نہیں ۔ چنانچہ آپ نے میاں بشیر احمد (ابن میاں شاہ دین صاحب) کو بتایا ۔

"۔ دیکھو! ٹیگور عملی آدمی ہے اور اس کی شاعری امن و خاموشی کا پیغام دیتی ہے ۔ ادھر میری شاعری میں جدوجہد کا ذکر ہے لیکن میں عملی آدمی نہیں ہوں ۔" (ملفوظات اقبال ص ۵۰)

اسی طرح نامور دانشور اور ادیب جناب ممتاز حسن نے ۱۹۳۱ء میں لکھا :۔

"اقبال کے قول اور فعل میں تضاد ہے ۔ یہ حقیقت ہے کہ اقبال کی عملی زندگی وہ نہیں جو ہونی چاہئے ۔"

رسالہ ہمایوں ۱۹۳۱ ۔ "علامہ اقبال ' ممتاز حسن کی نظر میں ۔" مرتبہ ڈاکٹر محمد معز الدین ص ۹۷ ۔ اقبال اکادمی ۔ لاہور)

۴۹ ۔ خط ۱۷ر ستمبر ۱۹۳۳ء ص ۵۳

۵۰ ۔ مکاتیب اقبال حصہ اول ص ۴۳۵ محررہ ۹ فروری ۱۹۳۴ء

۵۱ ۔ ذکر اقبال ص ۱۸۸

۵۲ ۔ تاریخ احمدیت جلد نمبر ۶ ص ۶۳۱

۵۳ ۔ جناح اصفہانی کارس پانڈنس ۔ مکتوب ۷ فروری ۱۹۴۸ء ص ۵۷۲

۵۴ ۔ اقبال کا فن مرتبہ گوپی چند نارنگ ۔ پیش لفظ مرقومہ ۱۰ر اپریل ۱۹۸۲ء (ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی نمبر ۲)

۵۵ ۔ تاریخ احرار ص ۳۹ ۔ زمزم بک ایجنسی ۔ موری دروازہ ۔ لاہور

۵۶ ۔ کشمکش ص ۲۱۳

۵۷ ۔ الفضل ۱۱ر اپریل ۱۹۴۷ء

باب نمبر ۱۴ فصل نمبر ۱

سابق وزیر قانون حکومت آزاد کشمیر

جناب ڈاکٹر سلام الدین صاحب نیاز کی بیٹھک میں

بیٹھک کا دروازہ کھلا تو ایک ہنس مکھ ' نورانی صورت باریش بزرگ کو سامنے کھڑا پایا۔ گفتگو کے دوران میں انکشاف ہوا کہ عمر ۷۵ سال ہے ۔ منزگام ' تحصیل کلگام ضلع اسلام آباد کشمیر کے باسی ہیں ۔ اہل حدیث مسلک سے وابستہ ہیں ۔ "انجمن مہاجرین کشمیر" کے سرگرم رکن رہ چکے ہیں ۔ نام "سلام الدین نیاز" ہے ۔ ۱۹۷۳ء ۔ ۱۹۷۱ء کے عرصہ میں بحیثیت وزیر قانون ' حکومت آزاد کشمیر میں خدمات سرانجام دے چکے ہیں ۔ مغربی پاکستان لوکل کونسل سروس میں درجہ اول کے افسر اور کراچی سے گجرات تک کے بڑے بڑے شہروں میں ایڈمنسٹریٹر رہ کر گوجرانوالہ میونسپل کارپوریشن سے ریٹائر ہوئے ہیں اور آجکل انجمن حمایت اسلام لاہور کے آنریری فنانس سیکرٹری ہیں ۔ آپ سے بات چیت کرتے ہوئے مخاطب کا ذہن خود بخود اس ملی اور قومی احساس کو چھونے لگتا ہے جو آپ کے دل کی گہرائیوں میں اہالیان کشمیر کے لئے موجزن ہے ۔ عمر کے تقاضے کے اعتبار سے کوئی بھول چوک ہو گئی ہو تو الگ بات ہے ورنہ مختلف مسائل پر آپ کا تجزیہ ایک سند کی حیثیت رکھتا ہے ۔ ہمارے مؤرخوں نے اپنے تئیں تعصب کی قباؤں میں ملبوس کر کے تاریخ کشمیر پر اتنی دھول ڈال دی ہے ۔ کہ اب حقیقتوں کا سراغ لگانے کے لئے بڑی کاوش کرنی پڑتی ہے ۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ کشمیر کے لئے سوز دروں رکھنے والے ' تعصب اور جانبداری کی آلودگیوں سے پاک ' سچ کہنے اور سچ سننے کا حوصلہ رکھنے والے اس بزرگ کی ' تاریخ کشمیر کے اس دور کے بارے میں سوچ کیا ہے ۔ جس کا مسودہ لے کر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا ۔

راقم نے اپنا تعارف کراتے ہوئے اور حاضری کا مقصد بتاتے ہوئے عرض کیا کہ میرا نام شیخ عبدالماجد ہے ۔ ملازمت کے آخری دور کا معتدبہ حصہ واپڈا اکاؤنٹس ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں بطور "لیکچرار" گزرا ہے ۔ ریٹائرمنٹ سے کچھ عرصہ پیشتر جناب جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال

کی تصنیف " زندہ رود " کے مطالعہ کا موقعہ ملا - میں احمدیہ جماعت سے وابستہ ہوں - اس تصنیف میں مجھے " اقبال اور احمدیت " کے موضوع سے دلچسپی تھی - مجھے احساس ہوا کہ مصنف نے اس موضوع پر معاملات کی پوری طرح چھان پھٹک نہیں کی - میں نے اس پر " تبصرہ " لکھنا شروع کیا تو یہ مسودہ ۴۰۰ صفحات پر محیط ہو گیا - میں نے اس بزرگ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ڈاکٹر صاحب ! تاریخ کشمیر پر آپ کی گہری نظر ہے - آپ کے کئی تحقیقی مضامین ملک کے جرائد و اخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں --- " زندہ رود " کے حوالے سے میرے تبصرہ کے ۲۰ کے قریب صفحات کا تعلق ۳۳-۱۹۳۱ء کی آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے ہے - جس کی صدارت ، برصغیر کے مسلم زعماء کے اجلاس میں علامہ اقبال کی تحریک و اصرار اور خواجہ حسن نظامی کی تائید پر حضرت امام جماعت احمدیہ مرزا بشیرالدین محمود احمد کے سپرد کی گئی تھی --- میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو یہ حصہ ملاحظہ فرما کر قابل اصلاح امور کی نشاندہی فرما دیں -

ڈاکٹر صاحب ! مجھے کشمیر کے معاملات سے گہری دلچسپی ہے - میں آپ کا مسودہ بخوشی دیکھوں گا - آپ یہ فائل چند روز کے لئے میرے پاس چھوڑ جائیے -

چند دنوں کے بعد خاکسار ۳۰ ر دسمبر ۱۹۹۰ء کو حاضر خدمت ہوا - تو آپ نے بڑی خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہا اس موقعہ پر قریباً تین گھنٹہ تک آپ کی بیٹھک میں جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے -

سوال : ڈاکٹر صاحب ! کیا آپ کو میرا مسودہ دیکھنے کا موقعہ ملا -

ڈاکٹر صاحب : جی ہاں - میں نے سارا مسودہ پڑھ لیا ہے -

سوال : کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ اس مسودہ کے مندرجات سے آپ کو کس حد تک اختلاف اور کس حد تک اتفاق ہے ؟

ڈاکٹر صاحب : آپ نے جو کچھ لکھا ہے میرے نزدیک اس سے اختلاف کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی - بلکہ ایک بات مجھے کھٹکتی ہے - میرا تاثر یہ ہے کہ زندہ رود میں اٹھائے گئے نکات پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ نے کچھ معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا ہے

خاکسار : میں آپ کے تاثر کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکا - کیا آپ وضاحت کرنا پسند کریں گے کہ معذرت خواہانہ رویہ سے آپ کی مراد کیا ہے ؟

ڈاکٹر صاحب : آپ نے اپنی تحریر کو محتاط طریق پر لکھا ہے - شاید اس لئے کہ قارئین معترض نہ ہوں کہ آپ نے اپنے امام کی تعریف کی ہے - حالانکہ واقعات کو واقعات کی صورت میں بیان کرنا تعریف کے زمرے میں نہیں آتا - تاریخ اپنے آپ کو واقعات کی صورت میں بیان کرتی ہے - اس کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ کوئی اس سے خوش ہوتا ہے یا خفگی کا اظہار کرتا ہے -

تحریک حریت کشمیر میں مرزا صاحب (مراد حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد دوسرے جانشین ۱۸۸۹ - ۱۹۶۵ء) کا خاصا Contribution (حصہ) ہے - بالخصوص کشمیر کمیٹی کے توسط سے - حریت کشمیر کی ابتدا سے اس کے ارتقائی مراحل پر اگر نظر ڈالیں - تو تشکیل کمیٹی (۲۵ ر جولائی ۱۹۳۱ء بمقام شملہ) سے چند روز قبل (۱۳ ر جولائی ۱۹۳۱ء) کو مرزا صاحب نے وائسرائے ہند لارڈ ولنگڈن کو ایک طویل تار بھجوایا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ جموں کے حکمرانوں نے کشمیر کو فتح نہیں کیا تھا بلکہ انگریزوں نے اسے ایک معمولی رقم کا معاوضے میں ان حکمرانوں کے ہاتھ فروخت کیا تھا - اس لئے کشمیر میں جو ظلم و ستم ہو رہا ہے اس سے انگریز بری قرار نہیں دیئے جا سکتے اب اگر آپ نے مداخلت نہ کی - تو ہو سکتا ہے مسلمان گول میز کانفرنس میں شرکت سے انکار کر دیں - اور کانگریس کی ہمنوائی کرنے لگیں -

پہلے تو مرزا صاحب ازخود (یکم اگست ۱۹۳۱ء) کو وائسرائے سے ملے - اور کشمیریوں کو ان کے حقوق دلوانے کی طرف توجہ دلائی - پھر کشمیر کمیٹی کا وفد ۴ ر اپریل ۱۹۳۲ء کو ان کی خدمت میں بھیجا - اس وفد میں خواجہ حسن نظامی - مولانا شفیع داؤدی - نواب گنج پورہ - مولانا اسمٰعیل غزنوی - سید محسن شاہ - خان بہادر رحیم بخش - ڈاکٹر شفاعت احمد خاں - سید حبیب - چوہدری ظفر اللہ خاں اور مولوی عبدالرحیم درد شامل تھے - اس وفد نے کشمیریوں پر ہونے والی چیرہ دستیوں سے وائسرائے کو آگاہ کرتے ہوئے اس کے رفع کرنے کے لئے مناسب اقدامات کرنے پر زور دیا - کہ وزارت میں مسلمان گورنر اور کم ازکم دو مسلمان وزراء لئے جائیں - مرزا صاحب کی اس نوع کی آئینی کاوشوں کے نتیجہ میں ہی (Glancy) گلینسی کمشن کا قیام عمل میں آیا تھا -

سوال : کشمیر کمیٹی آئینی ذرائع سے کام لیتی تھی اور مجلس احرار تشدد اور جتھہ بازی سے - بعض حلقوں کا کہنا ہے کہ موالذکر کاوش زیادہ ثمر آور تھی -

ڈاکٹر صاحب: قطعاً نہیں ۔ احرار کے کردار پر ان کی اپنی تاریخ گواہ ہے نیز شورش کاشمیری کی تحریریں بھی ۔ میں نے ہفت روزہ "استقلال" میں اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا تھا ۔

"۔ کچھ لوگ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ اگر ریاست کی حکومت کا مقابلہ آئینی طور طریقوں سے کیا گیا تو کچھ نتیجہ برآمد نہ ہو گا ۔ لیکن صحیح طریق کار یہی تھا کہ جدوجہد آزادی کو آئینی ذرائع سے چلایا جائے ۔ چنانچہ اس کے خوشگوار نتائج برآمد ہوئے ۔ اہالیان ریاست نے بھی بے پناہ قربانیاں دیں اور بیرونی ہمدردوں نے بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا ۔ اگر بیرونی دباؤ خصوصاً حکومت برطانوی ہند کا مسلسل دباؤ مہاراجہ اور حکومت جموں و کشمیر پر نہ پڑتا تو اتنی قربانیوں کے باوجود مسلمانانِ کشمیر کچھ نہ کر سکتے ۔ سب کوششوں اور قربانیوں کے یکجا ہونے سے ہی اچھے نتائج پیدا ہوئے ۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے نمائندوں نے مسٹر گلانسی اور مسٹر ڈلٹن سے بار بار ملاقاتیں کیں اور ان سے کشمیری عوام کے مطالبات کی منظوری کی سفارش کرنے پر زور دیا ۔ پھر ۲۳ اپریل ۱۹۳۲ء کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا وفد مسٹر کالون وزیر اعظم کشمیر سے ملا ۔ اس وفد میں مسٹر عبدالمجید ملک ۔ مولوی محمد یعقوب ۔ سید میرک شاہ اور مولانا عبدالرحیم درد شامل تھے ۔ حکومت ہند کے دباؤ کے ضمن میں چوہدری غلام عباس صاحب کی یہ شہادت بڑی اہم ہے ۔

" آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے پیہم اصرار کے باعث حکومت ہند کا معاملات کشمیر میں دخل انداز ہونا ناگزیر ہو گیا ۔ (کشمکش ص ۱۱۱)

سوال: آپ نے زبانی گفتگو میں فرمایا تھا کہ آپ کو رتن باغ لاہور میں ۴۸-۱۹۴۷ء کے دوران میں مرزا صاحب سے متعدد ملاقاتوں کا شرف حاصل ہوا اور یہ کہ

I have yet to see such a great leader

اور پھر یہ کہ آپ کے دل میں ان کی بڑی قدر و منزلت ہے ۔ کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ اتنی گہری قدر و منزلت کی اہم وجوہات کیا ہیں ؟

ڈاکٹر صاحب: ایک تو میں نے بتایا نا! حریت کشمیر کی مہم میں مرزا صاحب کا خاصا Contribution ہے ۔ دوسرے میں نے رتن باغ کی ملاقاتوں میں محسوس کیا ۔ کہ وہ پین اسلام ازم کے بڑے علمبردار اور ایڈووکیٹ تھے ۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ابتداء سے کشمیر کے مسلمانوں کی امداد کرتے آ رہے تھے ۔ اگرچہ ان پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ اپنی جماعت کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے کشمیر کی سیاست میں دخل دیتے تھے ۔ مگر میں اس بات سے

متفق نہیں ہوں ۔

ماجد صاحب! مرزا صاحب سے ملاقات کرنے والا میں اکیلا نہیں تھا ۔ بلکہ ایک وفد ہوتا تھا ۔ اور اس وفد میں سردار گوہر رحمٰن جو مسلم کانفرنس کے بانیوں میں تھے ۔ خان محمد رفیق خاں ریٹائرڈ لائبریرین سری پرتاپ سنگھ لائبریری ۔ میر عبدالمنان ایم اے ۔ ایل ایل بی (جو اب بھی کراچی میں موجود ہیں) چوہدری کریم بخش صاحب جنجوعہ ۔ غلام قادر سوپوری، خواجہ علی محمد بابا، مفتی ضیاء الدین ضیاء، چوہدری محمد اسماعیل ایڈووکیٹ، خواجہ عبدالغفار ڈار ۔ خواجہ غلام نبی گلکار وغیرہ شامل تھے ۔

مرزا صاحب کے بارے میں ان سب کے تاثرات یہی تھے جو میرے ہیں ۔

سوال: ڈاکٹر صاحب! اس قسم کے وفدوں میں اکثریت غیر از جماعت حضرات کی تھی ۔ کیا آپ کو یاد ہے مرزا صاحب نے کسی موقع پر آپ لوگوں کو "تبلیغ احمدیت" کی ہو ۔

ڈاکٹر صاحب: تبلیغ تو دور کی بات ہے انہوں نے تو کبھی تبلیغ احمدیت کے سلسلہ میں اشارتاً یا کنایتاً بھی ایک لفظ تک نہ کہا ۔

ماجد صاحب ۔ اس موقع پر میں آپ کو ایک لطیفہ سناؤں ۔ ایک دن اس موضوع پر بات ہونے لگی ۔ کہ شیخ محمد عبداللہ کی آپ نے ہر طرح امداد کی ۔ اس کے باوجود جب شیخ صاحب پر دباؤ پڑا ۔ تو انہوں نے مرزا صاحب! آپ سے پیچھا چھڑا لیا ۔ اگر ایسا ہی موقعہ ہم پر بھی آن پڑے ۔ اور جمہور المسلمین ہم سے دریافت کریں کہ آپ احمدیوں کو کیا سمجھتے ہیں؟ میں نے مرزا صاحب سے کہا ۔ کہ آپ صاف گوئی سے مجھے بتائیں کہ اگر ہم جمہور سے اتفاق کرتے ہوئے آپ کے متعلق وہی الفاظ استعمال کریں جو شیخ عبداللہ نے کہے تو کیا آپ ہم سے ناراض تو نہیں ہوں گے ؟ اس پر مرزا صاحب نے ازخود فرمایا ۔ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم کافر ہیں ۔ میں نے عرض کیا ۔ بالکل یہی مطلب ہے ۔ اس گفتگو کے دوران مولانا عبدالرحیم درد پیچھے سے میرا کوٹ کھینچ رہے تھے ۔ مدعا ان کا یہ تھا کہ نیاز صاحب! ادب ملحوظ خاطر رکھئے ۔ مرزا صاحب کی بصیرت افروز نظروں نے درد صاحب کو دیکھ لیا ۔ مسکرا کر فرمانے لگے ۔ ڈاکٹر نیاز صاحب کو کہنے دو جو کچھ کہتے ہیں ۔ بہرحال مرزا صاحب نے فرمایا ۔ کہ آپ بھی بے شک ہمیں کافر کہہ لیں ۔ ہمیں اس سے کیا فرق پڑے گا !

ماجد صاحب! اتنی صاف گوئی کے باوجود اگر کوئی یہ کہے کہ تحریک کشمیر کی آڑ میں مرزا

صاحب اپنے عقائد کا پرچار کرنا چاہتے تھے تو میرے پاس اس کا کیا علاج ہے۔

ماجد صاحب! جب مرزا صاحب کے خلاف تبلیغ احمدیت کے الزام کو اچھالا جا رہا تھا۔ ان دنوں جن کشمیری لیڈروں نے اس الزام کی تردید کی۔ میرے نزدیک ان میں سب سے اہم بیان **میر واعظ احمد اللہ ہمدانی** کا ہے۔ جسے آپ نے شاید اپنے مقالہ میں درج نہیں کیا۔ میر واعظ ہمدانی بریلوی مکتب سے منسلک تھے اور ان کا کشمیر میں بہت بڑا مقام تھا۔ انہوں نے مرزا صاحب کو خط بھیجا تھا جو اخبارات میں بھی شائع ہوا کہ میں قادیانیت سے دور ہوں مگر سیاسی مصالح کے لحاظ سے متحدہ محاذ بنانے کے حق میں ہوں۔ کشمیر کمیٹی اور جناب (مرزا صاحب) کی انتھک کوشش ہمارے دلی شکریہ کی مستحق ہے، جس کی ہر وقت کی امداد اور قیمتی مشوروں نے مشکلات کے حل کرنے میں آسانیاں پیدا کیں۔ آپ کے بھجوائے ہوئے وفود ہمارے کاموں میں پوری دلچسپی لے رہے ہیں۔ آپ **ظفر علی خاں** کے پروپیگنڈے سے بددل نہ ہوں۔ ہر کشمیری آپ کا ممنون ہے۔

سوال: ڈاکٹر صاحب! میں نے ۱۹۴۸ء کے سول اینڈ ملٹری گزٹ کے کسی پرچے میں چوہدری غلام عباس کا بیان پڑھا تھا کہ میں مولانا مودودی صاحب کو تین گھنٹے تک قائل کرتا رہا کہ آپ جہاد کشمیر کو حرام قرار دیا جانے والا اپنا فتویٰ واپس لے لیں۔ مگر مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ آپ اس بیان پر روشنی ڈال سکیں گے؟

ڈاکٹر صاحب: مجھے چوہدری صاحب کا یہ بیان تو یاد نہیں مگر یہ یاد ہے کہ مودودی صاحب کے فتویٰ کے خلاف ہم نے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی سے فتویٰ حاصل کیا تھا اور کشمیر لبریشن فرنٹ کی طرف سے اس کو فارسی۔ عربی۔ اردو۔ انگریزی اور فرانسیسی میں شائع کرا کے کثرت سے تقسیم کیا تھا۔

سوال: جن حضرات کا آپ نے ذکر کیا ہے کہ وہ آپ کے ہمراہ رتن باغ لاہور میں مرزا صاحب سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے۔ کیا آپ نے ان کے علاوہ کسی دیگر لیڈر کو بھی وہاں جاتے دیکھا ہے۔

ڈاکٹر صاحب: میرا ذاتی مشاہدہ تو نہیں ہے۔ مگر سننے میں آتا تھا۔ کہ خود یا کسی کے واسطہ سے خان لیاقت علی خان۔ نواب ممدوٹ۔ میاں ممتاز خاں دولتانہ وغیرہ بھی مرزا صاحب سے مشورہ حاصل کرنے والوں میں شامل تھے۔

سوال: کوئی اور قابل ذکر بات؟

ڈاکٹر صاحب: مرزا صاحب اکثر کہا کرتے تھے کہ **شیخ عبداللہ** کو اب بھی رام کیا جا سکتا ہے۔ اسے اب بھی اپنی مٹھی میں بند کر سکتا ہوں۔ میری اس سے ایک دفعہ ملاقات کروا دی جائے۔

سوال: پھر اس ملاقات میں کیا امر مانع تھا؟

ڈاکٹر صاحب: یہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اندازہ تھا کہ "مرزا صاحب۔ عبداللہ" ملاقات کو انگریز سخت ناپسند کرتا تھا۔ انڈیا کو بھی یہی خطرہ تھا کہ سابقہ دور میں مرزا صاحب کے چونکہ اس لیڈر پر ذاتی و قومی احسانات ہیں۔ اس لئے اگر ان کی ملاقات ہو گئی تو شاید وہ رام ہو جائے اور پاکستان کا حامی ہو جائے۔ اور ہماری ساری سکیم ناکام ہو جائے۔

بہرحال مرزا صاحب کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ شیخ صاحب کے خیالات کا دھارا پلٹ سکتے ہیں۔ بس دو ایک ملاقاتوں کے مواقع حاصل ہونے کی دیر ہے۔

سوال: انجمن مہاجرین میں آپ کا خاصا کردار رہا ہے۔ اس انجمن کا تعارف اور مرزا صاحب کا اس سے تعاون! اس پہلو پر کچھ روشنی ڈالنا پسند فرمائیں گے۔

ڈاکٹر صاحب: انجمن مہاجرین اکتوبر ۱۹۴۸ء میں قائم ہوئی تھی۔ کشمیر سے کشمیری محنت مزدوری کرنے کے لئے بارڈر کراس کر کے آیا کرتے تھے۔ فیروز پور۔ امرتسر وغیرہ بارڈروں پر تین تین چار چار سو کشمیریوں کو گرفتار کر لیا جاتا۔ ابھی ویزا اور پاسپورٹ کا سسٹم جاری نہیں ہوا تھا۔

البتہ پرمٹ سے انڈیا آنا جانا تھا۔ میں مہاجرین کو ضمانت پر لے آیا کرتا تھا۔ چیف منسٹر مسٹر دولتانہ سے گفتگو میں یہ فیصلہ ہوا کہ قانون کے تقاضے پورا کرنے کے بعد ان لوگوں کو رہا کر دیا جائے۔ تاکہ محنت مزدوری کر کے پیٹ پال سکیں۔ ادھر صوبہ جموں کے مسلمان۔ جن کو جموں سے زبردستی نکالا گیا تھا۔ ان کا زبردست ریلا آیا۔ ان کی آباد کاری کا مسئلہ بھی زیر نظر تھا۔ ان دنوں سیٹلمنٹ کے کام میں ایم۔ ایم احمد صاحب کا خاصا دخل تھا۔ کشمیریوں کی یہ ہجرت زیادہ تر گجرات۔ گوجرانوالہ۔ جہلم۔ سیالکوٹ۔ لاہور کے بارڈروں سے ہوتی تھی۔ اس لئے انجمن مہاجرین نے اپنے تمام ذرائع اختیار کر کے ان کی آباد کاری کے لئے ایک کمیٹی بنائی۔ جس کے صدر خان محمد رفیق خان مرحوم تھے۔ اور میں جنرل سیکرٹری مقرر ہوا۔

مجلس منتظمہ میں وہ لوگ تھے جن کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ جب ہم سیٹلمنٹ کی کوششیں کرنے لگے تو مناسب سمجھا گیا کہ مرزا صاحب سے ملاقات کر لی جائے۔ اس پر سردار گوہر رحمٰن نے اپنی پرانی واقفیت کی بناء پر مرزا صاحب سے سلسلہ جنبانی شروع کی۔ یوں انجمن مہاجرین کے مرزا صاحب سے مراسم ہو گئے۔ اس کے بعد مرزا صاحب نے قدمے۔ سخنے۔ درمے۔ دامے مہاجرین کی امداد کی۔ اس ضمن میں بھی ایک لطیفہ بیان کر دوں۔ ایک دن "سول" میں ایک خبر چھپی کہ کشمیر تقسیم ہو رہا ہے۔ شام کو مولانا درد۔ سید ولی اللہ شاہ۔ شیخ بشیر احمد دھڑا دھڑ میرے مکان پر آئے۔ معلوم کرنے پر انہوں نے بتایا کہ مرزا صاحب نے آپ کو صبح ۹ بجے یاد فرمایا ہے۔ میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ آپ نے "سول" کی خبر پڑھی ہے؟ میں نے عرض کی کہ ہاں! میری نظر سے گزری ہے۔ آپ نے میرے تاثرات پوچھے تو میں نے کہا کہ کشمیر کی تقسیم کا سوچنا ہی غلط ہے۔ جو شکست تسلیم کرنے کے مترادف ہو گا۔ اور اگر یہ ناگزیر ہے تو صوبہ کشمیر کا ضلع لداخ، پاکستان سے ہرگز علیحدہ نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس کے فوجی۔ سیاسی اور اقتصادی پہلو ایسے ہیں جو پاکستان کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ لداخ کے بارڈر چین، روس، افغانستان، پاکستان اور ہندوستان سے ملتے ہیں اور اگر خدانخواستہ لداخ کشمیر سے کٹ جائے۔ تو پاکستان چار مملکتوں کے درمیان گھر جائے گا۔

سیاسی پہلو یہ ہے کہ ضلع لداخ جس میں گلگت اور بلتستان شامل ہے، میں بودھ اور دیگر اقلیتیں، اقلیت میں ہیں اور مسلمان غالب اکثریت میں ---- اقتصادی پہلو یہ ہے کہ کشمیر کی سب سے بڑی اور قیمتی دستکاری، صنعت و حرفت میں پشمینہ اور شال دوشالے ہیں۔ جن کے لئے اون صرف لداخ سے آتی ہے اور کہیں سے دستیاب نہیں ہوتی کیونکہ پشمینہ کی بکری صرف لداخ میں ہے اگر لداخ کٹ گیا۔ تو کشمیری دستکار بھوکے مرجائیں گے۔

مرزا صاحب نے مجھے فرمایا کہ یہ باتیں آپ کو سر ظفر اللہ خاں تک پہنچانا چاہئیں۔ جو اس وقت فارن منسٹر تھے۔ اور کشمیر کیس کے سلسلہ میں یو این او جانے والے تھے۔ میں نے عرض کیا۔ میں دو آدمیوں سے نہیں ملوں گا۔ ایک سر ظفر اللہ خاں سے اور دوسرے شیخ دین محمد سے۔ کیونکہ ان دونوں سے گفتگو کرتے ہوئے میں گھبرا جاتا ہوں۔ ان کی مخاطب پر گرفت بڑی سخت ہوتی ہے۔

مرزا صاحب نے مجھے نصیحتاً فرمایا کہ یہ قوم اور ملک کا مسئلہ ہے کسی کی ذات کا

نہیں۔ سر ظفر اللہ ناراض ہوں یا کرخت لہجے میں گفتگو کریں۔ اس کی پروا کیے بغیر آپ اپنا مافی الضمیر ان تک پہنچا دیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا۔ آپ فوری کراچی جائیں اور چوہدری صاحب سے مل لیں۔ چنانچہ میں کراچی گیا تو خلاف معمول ممتاز صاحب (جو سر ظفر اللہ خاں کے P.A رہ چکے تھے اسٹیشن پر لینے آئے ہوئے تھے۔ اور سر ظفر اللہ خاں نے بھی دروازے پر آکر میرا استقبال کیا۔ چنانچہ میں نے اس ملاقات میں یہ تمام باتیں چوہدری صاحب تک پہنچا دیں۔

ماجد صاحب! مرزا صاحب کے متعلق آپ کو کیا بتاؤں!!

He was a great man‘ Great litrary genious‘ Theologist Historian‘and Great Economist

(حضور کے علوم ظاہری و باطنی سے پر ہونے کے متعلق مزید شہادتوں کے لئے دیکھئے ص ۵۰۲،۵۰۴، ۵ (شیخ عبدالماجد)۔

ان سے کسی بھی موضوع پر گفتگو کی جائے۔ طرز تکلم و تحریر و تقریر کے۔ He was a Master کشمیر کے اسیروں کی رستگاری کے لئے جو کام انہوں نے کیا ہے۔ میری نظروں میں وہ ایک کام ہی ان کی قدر و منزلت کرنے کے لئے کافی ہے۔

سوال: مرزا صاحب نے کشمیریوں کی بہبودی کے کام کے سلسلہ میں سید ولی اللہ شاہ صاحب اور مولانا عبدالرحیم صاحب درد کو خاص طور پر لگایا۔ کیا آپ کو ان سے ملاقات کا بھی موقع ملا۔ آپ ان کے بارے میں کیا تاثرات رکھتے ہیں۔ مختصرا

ڈاکٹر صاحب: جہاں تک سید ولی اللہ شاہ صاحب کا تعلق ہے۔ میں نے ان کو رتن باغ میں دیکھا ہے۔ وہ مرزا صاحب کے خاص کارندوں میں سے تھے۔ سرخ و سفید خوبصورت وجود سوٹڈ بوٹڈ۔ باریش۔ کوئک ان ایکشن۔ ساؤنڈ او پنین۔ پرامٹ ان ٹاکنگ

تاریخ کشمیر کے معاملات پر شاہ صاحب بہت عبور رکھتے تھے۔ مرزا صاحب نے انہیں راجہ پونچھ سے مذاکرات کے لئے بھیجا تھا۔ شاہ صاحب نے انتہائی قابلیت سے مذاکرات کئے اور متعدد امور پر اسے قائل کر کے مسلم کانفرنس کے جلسہ میں یہ کارگزاری بیان کی۔ میں نے جلسہ میں آپ کی تقریر سنی تھی۔ گو مجھے اس وقت احمدی، غیر احمدی تنازعہ کا شعور نہیں تھا۔

جہاں تک درد صاحب کا تعلق ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے۔ جنہوں نے تاریخ حریت کشمیر کو اپنے ہاتھوں سے رقم کیا ہے۔ مسلم حقوق کے لئے جتنے میمورنڈم حکومت

کشمیر یا برطانوی حکومت کو پیش ہوئے ان کے ڈرافٹ میں درد صاحب کا خاصا حصہ تھا۔ اس کارگزاری میں شیخ دین محمد (بعد میں گورنر سندھ) اور سید محسن شاہ ان کے ممد و معاون ہوتے تھے۔ درد صاحب کے ذہن کی کاوش ان میں کسی نہ کسی مرحلہ پر شامل تھی۔ بعد میں کشمیری لیڈر ان میں اپنی پسند' ناپسند کے مطابق تبدیلیاں کر لیتے۔ درد صاحب بڑے سادہ انسان تھے۔ انگریزی زبان پر انہیں بڑا عبور حاصل تھا۔

آپ بھی مرزا صاحب کے معتمد کارندوں میں سے تھے۔

سوال: خواجہ غلام نبی گلکار' شیخ محمد عبداللہ اور مجلس احرار کے لیڈر مولانا مظہر علی اظہر سبھی کے آپ سے مراسم تھے۔ ان کے متعلق آپ کے تاثرات کیا ہیں۔

ڈاکٹر صاحب: ماجد صاحب! مجلس احرار اور اس کے لیڈروں کو تو چھوڑیئے! یہ تو کشمیر کیس کو Kill کرنے والے تھے۔ چوہدری غلام عباس مرحوم اگرچہ قائداعظم کے ہم پلہ نہ تھے تو ان سے کسی صورت کم بھی نہیں تھے۔ قائداعظم نے خود ۱۹۴۴ء میں جامع مسجد سری نگر کے جلسہ میں انہیں "رئیس الاحرار" کا خطاب دیا تھا۔ ان کی سوانح حیات "کشمکش" احرار کے کردار پر سند ہے۔ اس سے زیادہ آپ اور کیا چاہتے ہیں؟

جہاں تک خواجہ غلام نبی گلکار کا تعلق ہے۔ میں شروع سے انہیں جانتا ہوں۔ سٹوڈنٹ کیریئر سے کام کرنے والا مخلص نوجوان تھا۔ اچھا ورکر تھا۔ آدمی ہونے کے ناطے سے بڑا اچھا جنٹلمین تھا۔ مرنجا رنج قسم کا آدمی تھا۔

اور شیخ عبداللہ ۔ یہ شخص فی الحقیقت Great Leader کہلانے کا مستحق ہے۔ کشمیر میں جو کچھ ہے۔ کشمیری مسلمانوں کو ذہنی۔ سیاسی۔ اقتصادی دولت کے ملنے میں اس شخص کی قربانیوں کا بڑا دخل ہے۔ البتہ انسانی کمزوری کے باعث بعد میں اس لیڈر نے نہ صرف کشمیریوں سے غداری کی بلکہ میرے نزدیک عالم اسلام سے بھی غداری کی۔ اگر یہ شخص پاکستان کا حامی بنتا تو نہ تو پنجاب تقسیم ہوتا نہ مجیب الرحمن کو بنگلہ دیش بنانے کا راستہ ملتا۔ میرے نزدیک ان تمام گناہوں کا سزاوار شیخ عبداللہ ہے۔ وہ بہت بڑا تخریب کار ثابت ہوا۔ اسے ذاتی اقتدار کی ہوس نے قوم کا مجرم بنا دیا۔ اسے خدشہ تھا کہ اگر میں پاکستان سے مل گیا تو شاید مجھے اقتدار اعلیٰ میں وہ عالی مقام نہ مل سکے۔ جس کا پاکستان میں چوہدری غلام عباس کو مستحق سمجھا جاتا تھا۔ اس شخص نے کشمیر کو ہندوستان کے حوالے کر کے اپنے لئے تو وقتی
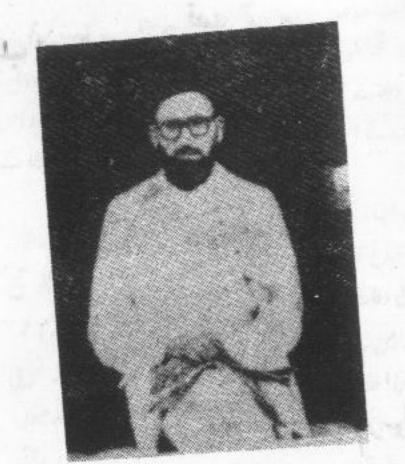
چوہدری ظفراللہ خان۔ چوہدری محمد علی۔

"کشمیر کا مسئلہ کشمیر میں حل ہو گا"

چوہدری ظفراللہ خان پریس کانفرنس نیویارک ۱۹۴۸ء

شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ

حکومت آزاد کشمیر کے دورے کے موقع پر

وزیر خارجہ جناب شیخ منظور قادر۔ وزیر قانون حکومت آزاد کشمیر ڈاکٹر [illegible]ام الدین صاحب نیاز۔ جناب محمود علی صاحب قصوری (و دیگر چند ذمہ دار عہدیداران۔)

طور پر وزیراعظم کا منصب حاصل کر لیا۔ مگر پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرا کے مسلم مستقبل کو تاریکیوں میں ڈبو دیا۔

سوال: ڈاکٹر صاحب! علامہ اقبال کے دور صدارت میں کوئی خاص کام نہ ہو سکا۔ اس کی آپ کے نزدیک کیا وجوہ تھیں؟

ڈاکٹر صاحب: میں اپنے ایک مضمون میں لکھ چکا ہوں۔ کہ جس یک سوئی سے مرزا صاحب والی کشمیر کمیٹی کام کر رہی تھی، جدید کشمیر کمیٹی کام نہ چلا سکی۔ بے چینی پھیلی، خاطر خواہ مالی، قانونی امداد نہ پہنچنے کے باعث پکڑ دھکڑ کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ عہدیدار، کارکنوں کے لئے مناسب انتظامات نہ کر سکے۔ چنانچہ تحریک بہت جلد افراتفری کا شکار ہو گئی۔

ڈاکٹر سلام الدین نیاز

مولانا عبدالرحیم صاحب درد

سید ولی اللہ شاہ صاحب

شیخ محمد احمد صاحب مظہر

وکلاء

آل انڈیا کشمیر کمیٹی

شیخ بشیر احمد صاحب

چوہدری اسداللہ خاں صاحب

مولانا غلام رسول مہر کی بیٹھک میں

(۱)

بارعب آواز - پرجلال چہرہ - مدلل اور رواں زبان میں ایک جوان دل بڈھا - اپنی بیٹھک میں بیٹھا -- گذشتہ نصف صدی کے واقعات و تحریکات پر رواں کمنٹری کر رہا تھا - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہر تحریک کا پس منظر - ہر شخصیت کا تعارف اور سلسلہ وار سرگرمیاں اس کی نوک زبان پر ہیں - گفتگو سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ برصغیر پاک و ہند کی تقریباً تمام ہی نامور سیاسی اور مذہبی ہستیوں کو اس نے انتہائی قریب سے دیکھا ہے - کئی ہفت روزے - ماہنامے بہترین ادبی تخلیقات گردوپیش اور الماریوں میں رکھی ہوئی نظر آ رہی تھیں - اور ان کے درمیان ایک سادہ سی کرسی پر تحقیق و تخلیق کا دلہا براجمان تھا - جس کے بغیر اب اردو ادب کا کوئی تذکرہ مکمل نہ ہو پائے گا - **مولانا غلام رسول مہر**' مختصر مگر جامع تبصرہ کے ساتھ ساتھ مختلف تحریکات' شخصیات پر بڑی ہی وزنی رائے قائم کرتے جاتے -

مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کے ناظم اشاعت ہونے کی حیثیت سے مصور مجلہ "فاروق" سوو ینئر ۱۹۶۵ء' ۱۹۶۶ء اور ۱۹۶۷ء کی ادارت میرے سپرد رہی ہے - اس سلسلہ میں مجھے گذشتہ جماعتی سرگرمیوں کے نقوش کی تلاش تھی - میں اخویم برادرم محمود احمد صاحب (ابن محترم عبدالجلیل صاحب عشرت) کے ہمراہ ۲۰ اور ۲۵ دسمبر ۱۹۶۶ء آپ کی خدمت میں حاضر ہوا - پتہ چلا تھا کہ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ (اللہ آپ سے راضی ہو) کے چند خطوط آپ کے پاس محفوظ ہیں جو جماعت کی ملی سرگرمیوں پر روشنی ڈال سکتے ہیں -

فرمانے لگے - **مولوی محمد اسماعیل پانی پتی** میرے محترم ہیں وہ بھی متعدد مرتبہ خطوط کے متعلق کہہ چکے ہیں - مجھے ندامت محسوس ہوتی ہے - یہ مطالبہ ابھی تک پورا نہیں کر سکا - لاچار ہوں - سردست اتنا وقت نہیں نکال سکتا - پرانے مسودات مختلف صندوقوں میں بند پڑے ہیں -

میرے ہاتھ میں **تاریخ احمدیت** جلد ششم مولفہ **محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد** تھی - جس میں مربوط اور مبسوط طور پر - "آزادی کشمیر اور جماعت احمدیہ" کا تذکرہ - حضرت امام جماعت احمدیہ کی زیر ہدایت وکلاء کی قربانیاں' فرقان فورس وغیرہ امور کا تذکرہ - تقریباً تین صد صفحات پر محیط ہے - یہ کتاب مولانا کی خدمت میں پیش کی - خوش ہوئے - سرسری طور پر کہیں کہیں سے پڑھنے لگے - کچھ دیر خاموشی رہی - پھر فرمایا -

آپ لوگوں کی کسی کتاب میں اس **عظیم الشان انسان** کے کارناموں کی **مکمل عکاسی** نہیں ملتی - ہم نے انہیں قریب سے دیکھا ہے - کئی ملاقاتیں کی ہیں - پرائیویٹ تبادلہ خیالات کیا ہے - مسلم قوم کے لئے تو ان کا وجود **سراپا قربانی** تھا -

فرمایا - مجھے ایک دفعہ راتوں رات قادیان جا کر حضرت صاحب سے مشورہ کرنا پڑا - وہ منظر اب بھی آنکھوں کے سامنے ہے - انسانیت کے لئے ان کے دل میں بڑا درد تھا اور جہاں کہیں **مسلم قوم** کی بہتری اور بہبودی کا مسئلہ درپیش ہوتا - ان کی قابل عمل تجاویز' ہمارا حوصلہ بڑھانے کا موجب بنتیں - ایسے مواقع پر آپ کا رواں رواں **قومی درد** سے تڑپ اٹھتا تھا - فرقہ بازی کا تعصب میں نے اس وجود میں نام کو نہیں دیکھا - مرزا صاحب بلا کے ذہین تھے -

فرمایا -- میں نے پاک و ہند میں سیاسی نہ مذہبی لیڈر ایسا دیکھا ہے جس کا دماغ پریکٹیکل پالیٹکس (Practical Politics) میں ایسا کام کرتا ہو - جیسا مرزا صاحب کا دماغ کام کرتا تھا - بے لوث مشورہ واضح تجویز اور پھر صحیح خطوط پر لائحہ عمل - یہ ان کی خصوصیت تھی - مجھے ان کی وفات پر بڑا صدمہ ہوا - کہنے لگے - میں نے محترم محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی کو تعزیت کا خط لکھا ہے اور اس خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ حضرت صاحب سے متعلقہ تعزیتی فقرات کو شائع بھی کرا سکتے ہیں - افسوس! مسلمانوں نے مرزا صاحب کی **قدر** نہیں کی - مخالفت کی سخت آندھیوں کے باوجود میں نے مرزا صاحب کو کبھی افسردہ اور سرد مہر نہیں دیکھا - مرزا صاحب کے دل کی شمع ہمیشہ **روشن** رہتی - ہم یاس و افسردگی کی تصویر بنے ان سے ملاقات کے لئے جاتے اور جب ان کے کمرہ سے باہر آتے تو یوں معلوم ہوتا کہ ناامیدی کے بادل چھٹ چکے ہیں - اور مقصد میں **کامیابی سامنے نظر آ رہی ہے - وزنی دلیل دیتے - قابل عمل بات کرتے اور پھر اسی پر بس نہیں - ہر نوع کی قربانی اور تعاون کی پیشکش بھی ساتھ ہوتی - جس سے ہم میں جرات اور حوصلہ کے جذبات پیدا ہوتے -**

۲۰ اور ۲۵ دسمبر کی ان دو ملاقاتوں میں مولانا مہر نے بعض اور معاملات پر بھی رائے زنی کی - جو راقم نے ماہنامہ "خالد" ربوہ ماہ نومبر' دسمبر ۱۹۷۸ء میں شائع کرا دی تھی -

شیخ عبدالماجد

مصنف کتاب ہذا

- ۲ -

امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد روٹری کلب کی میٹنگ میں - بطور چیف گیسٹ

" - جس زمانہ میں جناب **سکندر مرزا** صاحب پاکستان کے صدر تھے - " سعید - کے - حق " لاہور روٹری کلب کے پریذیڈنٹ تھے - سعید - کے - حق صاحب نے بیان کیا کہ اس زمانہ میں انہوں نے حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد (امام جماعت احمدیہ) کو روٹری کلب کی -- ڈنر میٹنگ میں چیف گیسٹ (مہمان خصوصی) کے طور پر ایڈریس کرنے کی دعوت دی اور ساتھ ہی کہا - ایک شرط بھی ہے - حضور نے پوچھا ! وہ کیا ؟ سعید صاحب نے کہا کہ روٹری کلب کے رواج کے مطابق آپ کو **انگریزی زبان** میں لیکچر دینا ہو گا - حضور نے جواب دیا - کہ ہاں - میں انگلش میں ہی لیکچر دوں گا اور مسکرا کر فرمایا - کہ میری بھی ایک شرط ہے - سعید صاحب کے استفسار پر بتایا کہ میں وہاں "لیڈیز" (مستورات) سے ہاتھ نہیں ملاؤں گا - سعید صاحب نے کہا - مجھے منظور ہے - میں اس کا انتظام کر دوں گا -

سعید صاحب بیان کرتے ہیں کہ میرے ذہن میں تھا کہ حضرت صاحب **اردو** میں ہی لیکچر دیتے ہیں - اس لئے میں نے انگریزی میں خطاب کرنے کی بات قدرتی حجاب اور معذرت کے ساتھ کی - ادھر مجبوری یہ تھی کہ روٹری کلب کے رسم و رواج کے مطابق **انگریزی** زبان میں ہی ایڈریس کیا جاتا تھا - اکثر غیر ملکی ممبران اور مہمان بھی ہوتے تھے - جب حضرت صاحب نے فرمایا کہ میں انگریزی میں ایڈریس کروں گا تو مجھے تعجب بھی ہوا اور خوشی بھی -

سعید صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں نے روٹری کلب میں اس لیکچر کا ذکر کیا - تو اکثر ممبران نے **مخالفت** شروع کر دی - اور متعدد ممبران نے کہا - کہ یہاں (تبلیغ احمدیت کا) مذہبی اکھاڑہ بن جائے گا - مرزا صاحب آئیں گے - **قادیانیت** کی **تبلیغ** شروع ہو جائے گی - غرض جتنے منہ - اتنی باتیں - سعید صاحب کہتے ہیں میں نے ان کی تشفی کرائی کہ مرزا صاحب ایسے انسان نہیں ہیں کہ وہ اپنے موضوع سے ہٹ کر تبلیغ شروع کر دیں -

وقت مقررہ پر حضرت صاحب تشریف لائے - لیکچر کا موضوع تھا " Service Above Self " اور یہی تمام دنیا کی روٹری کلبوں کا ماٹو " Motto " بھی ہے -

حضرت صاحب نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ کچھ یوں تھا :

دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر نے پولینڈ پر حملہ کیا اور کہا کہ میں نے سروس (Service) کی ہے - مسولینی نے حملہ کیا تو کہا کہ میں نے سروس کی ہے - ہٹلر نے یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور کہا میں نے سروس کی ہے -

حضرت صاحب نے فرمایا - کہ اسلام میں " Service Above Self " کیا ہے ؟ مکہ میں جب خانہ کعبہ از سر نو تعمیر کیا جانے لگا - تو **حجر اسود** کے نصب کرتے وقت ہر قبیلہ کی یہ خواہش تھی کہ یہ مقدس پتھر نصب کرنے کی سعادت اسے ہی حاصل ہو - قبیلہ کے سرداروں میں تلواریں کھنچ گئیں تو سب کی نظریں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اٹھیں - حضور سے درخواست کی گئی - حضور نے خداداد فراست سے " Service Above Self " کی کہ تلواریں ' نیاموں میں چلی گئیں - کشیدگی دور ہو گئی بلکہ خوشگوار ماحول پیدا ہو گیا - حضور نے فرمایا - ایک چادر لاؤ - اسے بچھا دیا گیا - آپ نے حجر اسود اٹھا کر اس چادر پر رکھ دیا - اور فرمایا - ہر قبیلہ کا سردار چادر کا کنارہ تھام لے - اسے اٹھائے اور وہاں تک پہنچائے جہاں اسے نصب کرنا تھا - جب پتھر وہاں پہنچ گیا تو آپ نے اسے اٹھا کر مقررہ جگہ پر رکھ دیا اور یوں تمام جھگڑے ختم ہو گئے -

اسی طرح حضرت صاحب نے قرآن مجید سے اور اسلامک ہسٹری سے متعدد مثالیں دے کر اس موضوع کو مزید اجاگر کیا -

سعید صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت صاحب نے قریبا ایک گھنٹہ تک اس موضوع پر دلکش پیرایہ میں ' فاضلانہ اور پر اثر انگریزی زبان میں ایڈریس کیا جس کو تمام ممبران نے بہت سراہا - لیکچر ختم ہونے کے بعد کئی ایک ملکی و غیر ملکی ممبران ' ممبرات اور خاص الخاص مہمانوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ حضرت صاحب ولایت یا امریکہ کی کونسی یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہیں جن ممبران نے حضور کو مدعو کرنے کی مخالفت کی تھی - ان پر بھی اتنا اثر ہوا - کہ وہ مجھے کہہ رہے تھے کہ حضرت صاحب کو پھر بھی بلائیں ---- اسی جوش و خروش میں مس میکوئن (Miss. Maquine) جو کہ گورنر پنجاب سر فرانس موڈی کی بھتیجی تھیں ' نے آگے بڑھ کر حضرت صاحب سے **مصافحہ** کرنا چاہا - تو میں نے اسے **منع** کر دیا ---- آخر غیر ملکی مہمانوں نے حضرت صاحب سے پوچھ ہی لیا - کہ جناب ! آپ کس یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہیں - حضرت صاحب نے جواب دیا کہ

میں قرآن کی یونیورسٹی سے پڑھا ہوں - اور تمام علوم قرآن سے ہی حاصل کئے ہیں - کسی کالج یا یونیورسٹی کا پڑھا ہوا نہیں ہوں -

اس طرح سے یہ ناقابل فراموش خوشگوار تقریب اختتام پذیر ہوئی -

(مرسلہ - ذکاء - اے - ملک
۴۲ - نکلسن روڈ - لاہور -)

نوٹ : مسٹر سعید - کے - حق صاحب رشتہ میں ذکاء - اے - ملک صاحب کے ماموں ہیں - احمدی نہیں تھے -

سعید - کے حق صاحب کی اہلیہ محترمہ کا نوٹ :-

" - یہ لیکچر میری موجودگی میں ہوا تھا اور حق صاحب اس وقت روٹری کلب لاہور کے پریذیڈنٹ تھے - مجھے تاریخ و مہینہ یاد نہیں رہا - حضرت مرزا صاحب نے یہ لیکچر انگریزی زبان میں دیا تھا جو بہت فاضلانہ اور اعلیٰ درجہ کا کامیاب لیکچر تھا - جس کو وہاں کی سب جنٹری جس میں بہت سارے غیر ملکی معززین بھی شامل تھے ' نے بہت سراہا تھا -

مسز سعید کے حق
E - 16 گلبرگ III لاہور
۱۳ - ۳ - ۱۹۸۹

شیخ عبدالماجد اور والد محترم مولانا شیخ عبدالقادر صاحب مولوی فاضل سابق سوداگر مل۔ مرحوم
مصنف سیرت سید الانبیاءؐ

شکریہ

جو دوست اور بزرگان، کتاب کی تیاری و اشاعت کے سلسلہ میں کسی نہ کسی رنگ میں دلچسپی کا اظہار فرماتے رہے۔ مثلاً — مولنا بشارت احمد صاحب بشیر ربوہ — مکرم محمد سعید احمد صاحب، مکرم مبشر احمد صاحب دہلوی، مولنا بشیر الدین احمد صاحب، عزیز خالد محمود صاحب، سردار عبدالسمیع صاحب مکرم عبدالمالک صاحب، عزیزہ امتہ الاعلیٰ، محترمہ سارہ بیگم صاحبہ لاہور — شیخ عبدالمجید صاحب راولپنڈی — شیخ عبدالمالک صاحب کراچی — شیخ عبدالسلام صاحب رحیم یار خاں — شیخ عبدالہادی صاحب رانا محمد یوسف صاحب کینیڈا وغیرہ — بندہ ان سب کا تہ دل سے ممنون ہے — مصنف

باب نمبر ۱۵

اخبار "زمیندار" کے نظریات اور علامہ اقبال

علامہ اقبال کی بعض سوانح عمریوں کے مطالعہ سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ علامہ، احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے تخیل کے خالق تھے۔ یہ تاثر درست نہیں۔ البتہ یہ درست ہے کہ احرار کے اس "لایعنی مطالبے" (اقبال کے آخری دو سال۔ ص ۳۲۶) کی مہم میں آ شریک ہو جانے پر تعلیم یافتہ طبقے کا ایک حصہ متاثر ہوا۔

تحریک آزادی کشمیر کے سلسلہ میں حضرت امام جماعت احمدیہ کی صدارت میں علامہ اقبال سمیت جو ممبران۔ "آل انڈیا کشمیر کمیٹی"۔ میں کام کر رہے تھے۔ احرار اور مولانا ظفر علی خاں کے اخبار "زمیندار" نے ان کے خلاف مخالفت کا ایک طوفان کھڑا کر رکھا تھا۔۔ بقول مولانا عبدالمجید سالک "۔۔ احمدیت کے خلاف ایک عام تحریک کے ضمن میں.... "زمیندار" نے اپنے صفحوں کے صفحے احمدیت کی مخالفت میں سیاہ کر دیئے (ذکر اقبال صفحہ ۲۱۰)

مخالفت کے اس طوفان میں جماعت احمدیہ کو "خارج از اسلام"، "مرتد"، "واجب القتل" قرار دیا جاتا تھا اور کشمیر کمیٹی کے غیر احمدی ممبروں کو (جن کی کمیٹی میں اکثریت تھی) مسلسل لعن طعن کا نشانہ بنایا جاتا تھا کہ وہ کیوں امام جماعت احمدیہ کی زیر سرکردگی کام کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے اس پروپیگنڈا کی زد میں سب سے زیادہ علامہ اقبال آتے تھے۔ "زمیندار" میں شائع شدہ بیانات کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔ غیر از جماعت ممبران کمیٹی کو مخاطب کرتے ہوئے "زمیندار" رقمطراز ہے:۔

"وہ بھی مسلمان تھے جنہوں نے "کشمیر کمیٹی" بنائی اور اس کی عنان پاپائے قادیان کے سپرد کر دی۔ گویا ان (یعنی علامہ اقبال سمیت غیر از جماعت ممبران کشمیر کمیٹی۔ ناقل) کے نزدیک غلامان محمدؐ میں سے کوئی بھی مسلمانوں کی رہنمائی نہیں کر سکتا۔ معنوی طور پر کہا جا سکتا ہے۔ کہ محمد رسول اللہؐ کے غلاموں کو "مسلمہ کذاب" کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ لوگ حضور رسول مقبولؐ کے عہد مبارک میں ہوتے تو یقیناً آنحضورؐ سے غداری کر کے مسلمہ کذاب سے جا ملتے۔ ...... یہ لوگ ... قادیانی کذاب کے سامنے دست بدستہ غلاموں کی طرح کھڑے ہیں اور اس کو اپنا قائد سمجھتے ہیں۔" (زمیندار۔ لاہور ۲۶ فروری ۱۹۳۳ء)

علامہ اقبال کافی عرصہ تک اپنے اصولی موقف پر ڈٹے رہے کہ کلمہ گو جماعت کو غیر مسلم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مگر بالاخر آپ نے اس پراپیگنڈا کے سامنے (بعض دیگر محرکات کے ساتھ) ہتھیار ڈال دیئے۔ اور آہستہ آہستہ امام جماعت احمدیہ کا ساتھ چھوڑتے گئے۔۔۔

حضور کے کشمیر کمیٹی سے استعفیٰ کے بعد حالات نے علامہ کو مولانا ظفر علی خاں کے قریب کر دیا۔ چنانچہ ۳۶-۱۹۳۵ء میں علامہ ہمیں وہی کچھ کہتے ' دکھائی دیتے ہیں۔ جو عام طور پر ۱۹۳۴ء کے " احرار " اور " زمیندار " کے پرچوں میں چھپتا رہا۔ بقول شورش کاشمیری " زمیندار " ۱۹۳۸ء تک کانگریس کا حامی رہا (پس دیوار زنداں صفحہ ۱۵۳)

نمو تہ" دو ایک نکات ملاحظہ ہوں:۔

"زمیندار"

انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

"۔ جس نے مرزا صاحب کی بیعت کی۔ اس کے ایمان کا جزو یہ ہے کہ وہ گورنمنٹ کا وفادار ہو۔ مرزا صاحب ' غلامی اور محکومی کا پیدا کردہ نبی ہے۔ قادیانیت کی بنا مرزا صاحب نے ہندوستان میں ایسے وقت میں رکھی جبکہ یہاں کے مسلمانوں کی **محکومی** ان کے حد درجہ کی مذہبی اور سیاسی پستی میں مبتلا ہو چکی تھی (پرچہ ۳۰ر نومبر ۱۹۳۴ء)

"۔ مرزا صاحب کی نبوت اس لئے قائم ہو گئی کہ (مذہب کے معاملہ میں عدم مداخلت کی پالیسی کی وجہ سے۔ ناقل) اس پر مسلمان گرفت نہیں کر سکتے تھے۔ انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ (ایضاً)

"علامہ اقبال"

انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

"۔ ہندوستان میں کوئی مذہبی سٹے باز اپنی اغراض کی خاطر ایک نئی جماعت کھڑی کر سکتا ہے..... بشرطیکہ یہ مدعی گورنمنٹ کو اپنی اطاعت اور وفاداری کا یقین دلائے۔

گورنمنٹ کی خیر مناؤ یارو۔ انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ (مضمون ۱۴ر مئی ۱۹۳۵ء)

"۔۔ اقوام کی تاریخ خیالات بتاتی ہے۔ کہ جب کسی قوم کی زندگی میں **انحطاط** شروع ہو جاتا ہے تو انحطاط ہی الہام کا ماخذ بن جاتا ہے" (۲۲ر جون ۳۶ء)

"۔۔ یہاں جو قوم حکمران ہے۔ اس کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ مذہب کے معاملہ میں عدم مخالفت سے کام لے (مضمون ۱۴ر مئی ۱۹۳۵ء)

باہمی تکفیر بازی

اخبار زمیندار نے مسلمانوں کی باہمی تکفیر بازی کو " محض جزئی یا فروعی " اختلاف قرار دیا۔ علامہ نے اس نظریہ کی نہ صرف تائید کی بلکہ لکھا۔ " فروعی مسائل کا اختلاف ' انتشار پیدا کرنے کی بجائے ہمارے دینیاتی تفکر کو **متحد** کرنے کا ذریعہ بن گیا ہے (علامہ کا مضمون ۲۲ جنوری ۱۹۳۶ء) یا للعجب!

علیحدہ جماعت

" زمیندار نے لکھا۔ حکومت ' قادیانیوں کو ایک علیحدہ جماعت قرار دے۔ (پرچہ ۹ر ستمبر ۱۹۳۴ء) ---- علامہ کے مضمون ۱۴ر مئی ۱۹۳۵ء کے (ضمیمہ کے) الفاظ یہ ہیں --" حکومت کے لئے بہترین طریق کار یہ ہو گا کہ وہ قادیانیوں کو ایک علیحدہ جماعت تسلیم کر لے۔"

مولوی ظفر علی خاں نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔ "مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ" میں جب تک ایک مرزائی بھی رہا۔ ہم انہیں اپنا نمائندہ تسلیم نہیں کریں گے۔ (زمیندار ۹ ستمبر ۱۹۳۴ء) جناب عاشق حسین بٹالوی لکھتے ہیں۔ کہ اسمبلی میں جانے والے مسلم لیگی امیدواروں کے لئے جب مرزائیوں کو علیحدہ اقلیت قرار دینے سے متعلقہ (لایعنی مطالبہ) کی شق علامہ کو دکھائی گئی تو علامہ نے اس۔ "نئی شق بڑھائی جانے پر کسی تعجب کا اظہار نہ فرمایا اور نہ کوئی اعتراض کیا" (اقبال کے آخری دو سال ص ۳۲۶)

علامہ نیاز فتحپوری کا بیان

احراری دباؤ کے متعلق علامہ نیاز فتحپوری لکھتے ہیں کہ " ۱۹۳۳ء کے بعد علامہ اقبال ' احرار کی شورش سے مرعوب ہو کر احمدیت کے خلاف بیان دینے پر مجبور ہو گئے۔ ورنہ اس سے قبل وہ احمدیت کے بڑے مداح تھے۔" (ماہنامہ نگار ستمبر ۱۹۶۱ء)

تحفظ ختم نبوت کی تحاریک

دل کی بات

قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء میں "تحفظ ختم نبوت" کے نام سے تحاریک چلیں یا چلوائی گئیں۔ مصنف زندہ رود' ذوالفقار علی بھٹو کے دور کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "اس دور حکومت کے دوران ۱۹۷۴ء میں احمدیوں کو غیر مسلم فرقہ قرار دے دیا گیا۔" (ص ۷۰۴) مگر مصنف نے اس امر پر روشنی نہیں ڈالی کہ اس اقدام کے پیچھے مسئلہ ختم نبوت سے وابستگی تھی؟ کوئی مذہبی جذبہ کارفرما تھا؟ یا اسلام کو بطور سیاسی حربے کے استعمال کر کے سیاستدانوں نے اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے یہ تحاریک چلائی تھیں۔ تاہم اپنی ایک اور تازہ کتاب "یادیں" میں انہوں نے دل کی بات کھول کر بیان کر دی ہے۔ یہ حق گوئی یقیناً قابل ستائش ہے۔ فرماتے ہیں۔

"۔ ۱۹۵۳ء میں (تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوران میں۔ ناقل) علماء نے ایک مرتبہ پھر سیاسی طور پر قوت یا اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کی تو وہ اینٹی احمدیہ موومنٹ تھی۔ اس کے پیچھے بعض سیاسی عناصر تھے جن کا مقصد یہ تھا کہ کسی نہ کسی طریقے سے خواجہ ناظم الدین کی وزارت عظمیٰ کو ختم کیا جائے۔ پنجاب میں ایسے سیاست دان تھے جو اس کوشش میں تھے کہ مولویوں کو اکسا کر خواجہ ناظم الدین کو ختم کیا جائے۔..... اس موقعہ پر پہلی مرتبہ ہم نے اسلام کو بطور سیاسی حربے کے استعمال کیا (ص ۱۴۲)

نوٹ: مصنف لکھتے ہیں۔ "نظام مصطفیٰ کی تحریک کا بھی اصل مقصد اسلامی نظام کا نفاذ نہیں۔ بھٹو کی حکومت کو گرانا تھا (ایضاً)

۱۹۷۴ء کی تحریک کا ذکر کرتے ہوئے جناب جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال "یادیں" میں

REPORT

SUBMITTED TO THE

COMMITTEE ON FOREIGN RELATIONS
U.S. SENATE

PAKISTAN

FEBRUARY 1990

convicted, and received prison sentences. Police removed the profession of faith from Ahmadi places of worship, which cannot be called mosques under Pakistani law. Several places of worship have been closed down. In March the Government forbade public celebration of the Ahmadis' 100th anniversary. Ahmadis charge that fundamentalist Muslim leaders have been effective in keeping Ahmadis in a position of second-class citizens. In April, during anti-Ahmadi riots in Nankana Sahib in Punjab, 15 Ahmadis were injured, and 50 houses and 3 places of worship were burned. In July Ahmadi-Orthodox tension turned violent in Chak Sikander in Punjab, leaving 4 dead, including 3 Ahmadis, and dozens of homes destroyed.

In 1990 Ahmadis were detained for displaying the Islamic profession of faith (Kalima) and other Koranic verses. Most were released, but several were tried, convicted, and received prison sentences. The press reported that during one trial, the Punjab Advocate General noted that the death penalty was applicable for Ahmadis displaying the Kalima. There have been reports of the forced conversion of female members of the Ahmadi sect. In December 1989, the entire population of Rabwah, the Ahmadis' headquarters city, was charged with violating the ordinance that establishes as criminal certain acts of the Muslim faith when performed by Ahmadis, including the declaration of faith. Police continued to close down Ahmadi places of worship, which cannot be called mosques under Pakistani law. A number of attacks on individual congregations were reported.

In January local religious leaders protested the burial of an Ahmadi woman in an Attock graveyard. The Lahore High Court ruled that no legal grounds existed for exhuming the woman's body. However, the Ahmadis who presided over the woman's burial were later arrested. Also in January, Ahmadi leaders in Abbottabad were arrested after a prayer meeting in a private home. In May, 10 Ahmadi students were attacked and evicted from their hostel at a Lahore Medical College. They were beaten and robbed, their possessions were burned, and they were unable to return to school. In November the Government of Punjab cancelled two scheduled gatherings of 20,000 Ahmadis in Rabwah. Also in November, in Nawabshah

لکھتے ہیں۔

"ساری اپوزیشن نے بھٹو کو ہٹانے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ اسلام کو خطرے میں ڈال دیا۔ حالانکہ آج تک اسلام خطرے میں نہیں ہوا..... آپ کو یاد ہو گا کہ بھٹو نے گھوڑ دوڑ اور شراب بند کر دی۔ احمدیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا۔ سوانہوں نے اپنی طرف سے یوں اسلام نافذ کیا۔ وہ اپنے اقتدار کو بچانے کی خاطر سب کچھ کرتے چلے گئے۔ ..... آپ دیکھ لیں کہ اسلام کو کیونکر حربے کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ (ایضاً ص ۱۴۶)

علامہ اقبال کا فتویٰ

"وہ شخص جو دین کو سیاسی پروپیگنڈے کا پردہ بناتا ہے۔ میرے نزدیک لعنتی ہے۔"

زندہ رود ص ۶۴۹ - تحریر ۱۸ فروری ۱۹۳۸ء خط بنام طالوت

راقم عرض کرتا ہے کہ حیات اقبال میں ۱۹۳۵ء کی تحریک کے محرکات بھی ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء کی تحاریک سے مختلف نہیں تھے۔

جناب جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب کی مذکورہ "یادیں" پڑھ کر راقم کو جناب حمید نظامی ایڈیٹر "نوائے وقت" لاہور کا وہ اداریہ یاد آ رہا ہے۔ جو آپ نے تحریک تحفظ ختم نبوت کے ضمن میں گورنر جنرل پاکستان کی تقریر کے حوالے سے علمائے سوء کے کردار کا تجزیہ کرتے ہوئے پاکستانی قوم کے نام گویا ایک پیغام کے طور پر رقم فرمایا تھا۔ گورنر جنرل نے اپنی تقریر میں کہا تھا:

"۔ صدیوں سے اسلامی تاریخ علمائے سوء کی بداعمالیوں کا ریکارڈ ہے۔ ..... لاہور اور پنجاب کے دوسرے حصوں میں جو کچھ ہوا ہے اس سے ہماری گردنیں شرم سے جھک جانی چاہئیں۔ (نوائے وقت ۱۵ مئی ۱۹۵۳ء)

جناب حمید نظامی اس پر لکھتے ہیں:

"۔۔عزت مآب گورنر جنرل نے مسلمانان پاکستان کو جو تنبیہ کی ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ قوم گوش ہوش سے سنے۔ یہ قوم دھوکے پہ دھوکہ کھاتی ہے اور پھر نیا دھوکہ کھانے کے لئے آمادہ ہو جاتی ہے۔ گورنر جنرل نے بڑی اخلاقی جرات سے کام لیا ہے کہ واشگاف الفاظ

میں قوم کو خبردار کیا ہے کہ وہ علماء سوء سے بچے کیونکہ علمائے سوء نے ہی ماضی میں اسلام اور مسلمانوں کو سب سے بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ اسلام کی پوری تاریخ علمائے سوء کے کارہائے شفیع سے داغدار ہے۔ یہ وہ علماء ہیں۔ جنہوں نے دنیا کو دین پر ترجیح دی۔ ان میں ایسے بھی تھے جن کا خطاب "شیخ الاسلام" تھا۔ ان میں ایسے بھی تھے جو مسند ارشاد پر فائز تھے۔ ان میں ایسے بھی تھے۔ جو "قدوۃ السالکین" اور "زبدۃ العارفین" کہلانا پسند کرتے تھے۔ مگر انہوں نے اسلام کے نام پر فتنے برپا کر کے اسلام کی جڑیں کھوکھلی کیں۔ انہوں نے ملت کے نام پر بظاہر معصوم تحریکیں چلائیں۔ مگر ملت ہی کو برباد کیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ عجم میں بعض ایسے علمبرداران اسلام جنہوں نے مسلمانوں کو اللہ اور رسولؐ اور اسلام کے نام پر لڑایا۔ فی الحقیقت مسلمان بھی نہ تھے وہ دراصل یہودی یا مجوسی تھے۔

خدا پاکستان کو اپنی حفاظت میں رکھے۔" (اداریہ نوائے وقت ۲۱ مئی ۱۹۵۳ء)

ہمایوں

آہ ہمایوں زندگی تیری سراپا سوز تھی — تیری چنگاری چراغِ انجمن افروز تھی

گرچہ تھا تیرا تنِ خاکی نزار و دردمند — تھی ستارے کی طرح روشن تری طبعِ بلند

کس قدر بے باک دل اس ناتواں پیکر میں تھا — شعلۂ گردوں نورد اک مشتِ خاکستر میں تھا

موت کی لیکن دلِ دانا کو کچھ پروا نہیں — شب کی خاموشی میں جز ہنگامۂ فردا نہیں

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی

ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

عکس تحریر علامہ اقبال

اقبال

لفظ "مسلم" کی تعریف

جناب جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال اپنی کتاب "یادیں" میں تحقیقاتی عدالت مقرر کردہ زیر پنجاب ایکٹ ۲۔ ۱۹۵۴ء کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اس عدالتی کمیٹی میں چیف جسٹس منیر اور جسٹس کیانی بھی بیٹھے تھے۔ علماء ان کے سامنے گواہوں کے طور پر پیش ہوئے۔ علماء کا لفظ "مسلم" کی تشریح پر آپس میں اختلاف تھا۔ (ص ۱۴۲)

راقم عرض کرتا ہے کہ علماء کی تعریفیں سن کر عدالت نے لکھا تھا۔ "دین کے کوئی دو عالم بھی اس بنیادی امر (یعنی لفظ مسلم کی تعریف) پر متفق نہیں ہیں۔ اگر ہم علماء میں سے کسی ایک کی تعریف کو اختیار کریں۔ تو ہم اس عالم کے نزدیک تو مسلمان رہیں گے مگر دوسرے تمام علماء کی تعریف کی رو سے کافر ہو جائیں گے (رپورٹ ص ۲۳۶)

علماء میں سے جناب مودودی صاحب نے عدالت کے سامنے لفظ "مسلم" کی جو تعریف پیش کی وہ البتہ مدلل بھی تھی اور سند بھی رکھتی تھی۔

مولانا نے بیان کیا کہ "مسلم" وہ ہے۔ جو

(۱) توحید پر (۲) تمام انبیاء پر (۳) تمام الہامی کتابوں پر

(۴) ملائکہ پر (۵) یوم آخرت پر۔۔۔۔ ایمان رکھتا ہو۔

عدالتی ریکارڈ کے مطابق مودودی صاحب نے یہ بھی فرمایا:۔

"۔ جو پانچ شرائط میں نے بیان کی ہیں وہ بنیادی ہیں۔ جو شخص ان شرائط میں سے کسی شرط میں تبدیلی کرے گا۔ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔" (تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ ص ۲۳۳)

یہاں دو امور غور طلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ ۱۹۵۴ء کے بعد ۱۹۷۴ء تک کے درمیانی عرصہ میں وہ کون سی نئی شریعت نازل ہوئی تھی۔ جس کی رو سے ان شرائط میں تبدیلی کر کے لفظ "مسلم" کی ایک نئی تعریف وضع کر لی گئی۔ دوسرے یہ کہ نئی تعریف بنانے والے یا اس سے متفق حضرات کیا دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں؟

محافظین ختم نبوت کا طرز تبلیغ

احمدی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "خاتم النبیین" مانتے ہیں۔ مگر جس ختم نبوت کا تصور محافظین ختم نبوت کے پاس ہے۔ اس کا قائل کرنے کے لئے احمدیوں کو جس انداز اور جس طرز پر "تبلیغ" کی گئی۔ اس کا ذکر تحقیقاتی عدالت کے ججوں نے اپنی رپورٹ میں متعدد جگہ کیا ہے۔ وہاں سے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی ظلم و ستم، قتل و غارت اور لوٹ مار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گورنر جنرل نے کہا تھا۔ "لاہور اور پنجاب کے دوسرے حصوں میں جو کچھ ہوا ہے۔ اس سے ہماری گردنیں شرم کے ساتھ جھک جانی چاہئیں۔۔"

افسوس ہے۔ مولوی طبقہ اس نوع کی طرز تبلیغ پر شرمسار ہونے کی بجائے اس کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتا ہے چنانچہ

ترجمان اہل سنت (کراچی)، تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

(۱) "جون ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی...... کا اپنا کام جاری رہا اور اسی دوران ایک وقت آیا کہ جب مسلمانوں نے احمدیوں کا ایسا زبردست سوشل بائیکاٹ کیا کہ بعض مقامات پر کئی کئی دن تک ان کو ضروریات زندگی تک سے محروم رکھا گیا۔ تحریک کی اس کیفیت کا خاصا اثر رہا۔" (پرچہ اکتوبر ۷۴، ص ۷)

اس قابل فخر اقدام کی ترجمانی کرتے ہوئے جناب شورش کاشمیری لکھتے ہیں:۔

"۔ ربوہ کی ناکہ بندی ہو چکی ہے۔ مسلمان، کسی قادیانی کے ہاتھ کوئی چیز فروخت نہیں کرتے اور نہ ان سے کوئی چیز لیتے ہیں۔" (روزنامہ ۲۹ جولائی ۱۹۷۴ء بحوالہ چٹان ۷ر ستمبر ۱۹۷۱ء)

نیز لکھتے ہیں:۔

"تحفظ ختم نبوت کی مجلس عمل نے (احمدیوں کے خلاف) تحریک میں توانائی پیدا کر دی ہے۔ (یعنی ایسا ماحول پیدا کر دیا ہے) کہ کوئی سرکاری یا غیر سرکاری شخص، مرزائیت کی بلاواسطہ تو کیا بالواسطہ حمایت کا تصور بھی نہیں کر سکتا کراچی سے پشاور تک (ان کے خلاف۔ ناقل) جلسہ ہائے عام منعقد کئے جا رہے ہیں۔ (ایضاً روزنامچہ یکم جولائی ۱۹۷۴ء)

گویا احمدیوں کے خلاف قومی اسمبلی کا فیصلہ کسی آزاد ماحول میں نہیں، شدید دباؤ کے تحت کیا گیا نیز اسلام کو سیاسی حربے کے طور پر استعمال کیا گیا۔

۔۔ اس فیصلے کے متعلق بیرون ملک کیا تاثرات ہیں؟ ایشین انسائیکلوپیڈیا رقمطراز ہے:۔

ENCYCLOPEDIA
OF
ASIAN HISTORY

AHMADIYYA. Founded by Ghulam Ahmad of Qadian (1839-1908). . . . at the urging of their Saudi financial patrons, the government of Pakistan declared them a "religious minority" and revoked its previous classification of them as Muslims. 'Despite that Ahmadis remain some of Islam's most effective missionaries, especially in Europe and East Africa. (vol,1-page 31).

اسمبلی کا اپنا کام جاری رہا اور علماء اور عوام تحریک چلاتے رہے اور اسی دوران ایک وقت آگیا جب مسلمانوں نے احمدیوں کا ایسا زبردست سوشل بائیکاٹ کیا کہ بعض مقامات پر کئی کئی دن تک ان کو ضروریات زندگی تک سے محروم رکھا گیا۔ تحریک کی اس کیفیت کا اظہار

ترجمان اہلسنت کراچی — ۷ — اکتوبر ۱۹۷۴

_"For some time back the Pakistan Prime Minister Mr. Bhutto, had been under great pressure from the Arab leaders, especially King Faisal, to declare Ahmadis heretics but he was ultimately forced to amend the Constitution by an outbreak of serious riots throughout Punjab in June" (1974).

اخبار گارڈین۔ یو۔ کے۔ ۹ ستمبر ۱۹۷۴ء

_"By a constitutional amendment the National Assembly has stripped half a million members of the Ahmadiya Community of their religious status as Muslims.

The excommunication of such a large number claiming to be Muslims by a political institution is a unique event in the 1400 years of the history of Islam.

اگر اقبال کچھ عرصہ اور زندہ رہتے!

۳۸-۱۹۳۷ء میں قائداعظم کی پالیسی یہ تھی کہ یونی نسٹوں کو "پنجاب مسلم لیگ" میں داخل کر کے ان کو لیگ پر بالا دستی دی جائے۔ مورخ پاکستان جناب عاشق حسین بٹالوی لکھتے ہیں۔

اقبال و جناح متضاد پالیسی

"محمد علی جناح کی پالیسی پر اقبال کو اعتراض تھا اور اگر اقبال زندہ رہتے تو عین ممکن ہے کہ ان کے 'محمد علی جناح کے ساتھ اختلافات' زیادہ نمایاں صورت اختیار کر جاتے"

راقم گزارش کرتا ہے کہ اگر اقبال کچھ عرصہ اور زندہ رہتے اور جماعت احمدیہ کے خلاف اپنے نظریات میں تبدیلی پیدا نہ کرتے تو اقبال و جناح اختلافات نہایت سنگین صورت اختیار کر جاتے۔ ا س

قائداعظم بیت فضل لندن میں

قائداعظم ---'مسلم اتحاد' یک جہتی اور سالمیت پر ایمان رکھتے تھے۔ آپ کو امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد (۱۸۸۹ - ۱۹۶۶) کے ساتھ مل کر کام کرنے کا موقع مل چکا تھا۔ ۱۹۳۳ء میں انگلستان میں احمدی مبلغ مولانا عبد الرحیم صاحب درد سے بھی آپ کی طویل ملاقات ہو چکی تھی۔ آپ احمدیہ بیت الذکر ا۔ انگلستان میں آزادی ہند کے موضوع پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کر چکے تھے۔ غرضیکہ آپ جماعت احمدیہ کی ملکی و ملی خدمات سے بخوبی آگاہ تھے ---- ادھر آپ علماء کی طرف سے جماعت احمدیہ کی مخالفت سے بھی بے خبر نہ تھے۔

قائداعظم نے کبھی بھی جماعت احمدیہ پر کفر کے تیر چلانے کے شغل کو بنظر استحسان نہیں دیکھا۔ بلکہ جس کسی نے بھی آپ کے سامنے اس قسم کی حرکت کی آپ نے اس فعل کو ملت اسلامیہ میں انتشار کا موجب سمجھتے ہوئے ڈٹ کر اس کی مخالفت کی۔

اقبال بنام پنڈت نہرو

اپنے خط مورخہ ۲۱ جون ۱۹۳۶ء بنام پنڈت جواہر لال نہرو میں اقبال نے اعتراف کیا ہے کہ مجھے دینیات سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں ہے مگر احمدیوں سے خود انہی کے دائرہ فکر میں نپٹنے کے لئے مجھے بھی "دینیات" سے کسی قدر جی بہلانا پڑا۔۲؎

"دینیات سے جی بہلانا پڑا"! علامہ کا اشارہ اپنے اس طویل مضمون کی طرف ہے جو ۲۲ جنوری ۱۹۳۶ء کے رسالہ "اسلام" میں شائع ہوا۔ اور جسے "اسلام اور احمدیت" کے عنوان سے بعد میں بھی کئی بار شائع کیا گیا۔

اس مضمون میں علامہ نے واضح کیا ہے: کہ

"یہ سوال کہ آیا کوئی شخص یا جماعت، اسلام سے خارج ہو گئی۔ مسلمانوں کے نقطہ نظر سے ایک سراسر فقہی سوال ہے۔"

مگر احرار نے کچھ ایسا سبق پڑھایا تھا کہ علامہ نے اسی مضمون میں جماعت احمدیہ کو "خارج از اسلام" قرار دینے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا اور آپ کو یہ خیال نہ رہا کہ آپ خود کوئی فقیہ نہیں آپ کو تو دینیات تک سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں کہ اس مسئلہ پر رائے زنی کر سکیں۔ ظاہر ہے یہ سب کاوش، تعصب کا شاخسانہ تھی۔

قائداعظم کا سنٹرل اسمبلی میں اعلان

علامہ ۱۹۳۸ء میں وفات پا گئے۔ اگلے سال قائداعظم نے سنٹرل اسمبلی دہلی کے اجلاس عام میں جس میں ہندو۔ مسلمان سکھ اور عیسائی نمائندگان موجود تھے ایک پوائنٹ پر اظہار خیال کے ضمن میں احمدیہ جماعت کے ممتاز رکن چودھری محمد ظفر اللہ خاں کے متعلق فرمایا۔

"میں اپنی اور اپنی پارٹی کی طرف سے سر ظفر اللہ خاں کو ہدیہ تبریک پیش کرنا چاہتا ہوں۔ وہ مسلمان ہیں اور یوں کہنا چاہئے کہ میں گویا اپنے بیٹے کی تعریف کر رہا ہوں"۳؎

ظاہر ہے ایک ممتاز احمدی کے بارے میں قائداعظم کا سنٹرل اسمبلی میں یہ اعلان اور علامہ اقبال کا احمدیوں کے بارے میں غیر مسلم ہونے کا فتویٰ باہم متصادم ہیں۔ اگر اقبال سال بھر اور زندہ رہتے تو لازماً ان کے اور قائداعظم کے نظریات میں اختلافات نمایاں صورت اختیار کر جاتے۔ یا تو انہیں قائداعظم کی فوج کے "ایک معمولی سپاہی" (زندہ رود صفحہ ۶۴۷) کی طرح

ان کے نقش قدم پر مسلم یک جہتی اور سالمیت کو پارہ پارہ کرنے سے رجوع کرنا پڑتا یا "قائداعظم اور اقبال" کے راستے جدا جدا ہو جاتے۔

اور اگر علامہ کو کچھ زندگی اور مل جاتی اور آپ ۱۹۴۴ء تک زندہ رہتے تو آپ کی نظروں سے قائداعظم کی پریس کانفرنس منعقدہ کشمیر ضرور ی گزرتی جس میں قائداعظم نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا۔

کشمیر پریس کانفرنس

1ST JUNE 1944

کر دیا ہے۔ مجھ سے ایک پریشان کن سوال پوچھا گیا۔ کہ مسلمانوں میں سے مسلم کانفرنس کا ممبر کون بن سکتا ہے" یہ سوال خاص طور پر قادیانیوں کے سلسلے میں پوچھا گیا۔ میرا جواب یہ ہے۔ کہ جہاں تک آل انڈیا مسلم لیگ کے آئین کا تعلق ہے۔ اس میں درج ہے۔ کہ ہر مسلمان بلا تمیز عقیدہ و فرقہ مسلم لیگ کا ممبر بن سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ مسلم لیگ کے عقیدہ، پالیسی اور پروگرام کو تسلیم کرلے۔ رکنیت کے فارم پر دستخط کرے۔ اور دو آنے چندہ ادا کرے۔ میں جموں و کشمیر کے مسلمانوں سے اپیل کرونگا۔ کہ وہ فرقہ وارانہ سوالات

قائداعظم کی پریس کانفرنس

روزنامہ انقلاب یکم جون ۱۹۴۴ء

قائداعظم کا جواب

"۔ مجھ سے ایک پریشان کن سوال پوچھا گیا ہے کہ مسلمانوں میں سے مسلم لیگ کا ممبر کون بن سکتا ہے۔ یہ سوال خاص طور پر قادیانیوں کے بارہ میں پوچھا گیا ہے۔۔۔ میرا جواب یہ ہے کہ جہاں تک "آل انڈیا مسلم لیگ" کے آئین کا تعلق ہے اس میں درج ہے کہ ہر مسلمان بلاتمیز عقیدہ و فرقہ، مسلم لیگ کا ممبر بن سکتا ہے۔۔۔۔ میں جموں و کشمیر کے مسلمانوں سے اپیل کروں گا کہ وہ فرقہ وارانہ سوالات نہ اٹھائیں بلکہ ایک ہی پلیٹ فارم پر اور ایک ہی جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ اسی میں مسلمانوں کی بھلائی ہے۔"۴؎

اقبال کو تو بقول ان کے۔ "دینیات سے کچھ زیادہ دلچسپی نہ تھی"۔ جن مسلمہ علماء کا اوڑھنا بچھونا ہی دینیات تھا۔ قائداعظم مسلم یک جہتی کے مسئلہ میں، ان کو بھی خاطر میں نہ

لاتے تھے۔ اسی سال مولانا عبدالحامد بدایونی نے بھی احمدیوں کے خلاف ایک قرارداد پیش کرنے کی کوشش کی مگر قائداعظم کے جذبہ یک جہتی کے سامنے ان کی پیش نہ گئی۔

اس ضمن "انقلاب" کا اداریہ ملاحظہ ہو۔ انقلاب لکھتا ہے:۔

"مسٹر جناح نے بے حد دانش و تدبر سے کام لیا ہے کہ مولوی عبدالحامد بدایونی کی اس قرارداد کو پیش کرنے کی اجازت نہ دی جس کا منشاء یہ تھا کہ احمدیوں کو مسلم لیگ کا ممبر نہ بنایا جائے۔ ہمیں اس کے متعلق مسٹر جناح کے مسلک کی نسبت کچھ شبہ نہیں۔ انہوں نے کشمیر کی پریس کانفرنس میں صاف صاف فرما دیا تھا کہ فرقوں کی بحث نہ اٹھاؤ۔ ہر مسلمان، مسلم لیگ کا ممبر بن سکتا ہے۔ اس کے بعد جب ناظر صاحب امور خارجہ قادیان نے استفسار کیا تو مسٹر جناح نے ان کو بھی لکھ بھیجا کہ لیگ کے آئین کے مطابق ہر بالغ مسلمان جو دو آنے کا ممبری کا چندہ دے اور لیگ کے نصب العین کی تائید کرے۔ مسلم لیگ کا ممبر ہو سکتا ہے۔" ۵

اور اگر علامہ قیام پاکستان تک زندہ رہتے تو وہ یہ منظر بھی دیکھتے کہ قائداعظم باونڈری کمشن کے روبرو، مسلم لیگ کے کیس کی ترجمانی کیلئے جس وجود کا انتخاب کرتے ہیں۔ پھر جس وجود کو مملکت خداداد پاکستان کا وزیر خارجہ بناتے ہیں اور کابینہ میں وزیراعظم کے بعد سب سے اعلیٰ مرتبہ دیتے ہیں۔ وہ احمدیہ جماعت کا وہی ممتاز فرد ہے جسے اقبال کبھی یونی نسٹوں کا آلہ کار۔ کبھی سر فضل حسین کا خوشامدی کبھی انگریز کا غلام کبھی غیر مسلم اور کبھی ادنیٰ درجے کا آدمی کہہ کر اس کی مخالفت کرتے رہے۔

---- اقبال یہ منظر بھی دیکھتے کہ قائداعظم، مملکت خداداد کی کابینہ میں مجلس احرار۔ جمعیتہ العلماء۔ خاکسار یا جناب مودودی صاحب کے کسی رفیق کو بھی نہیں لے رہے کیونکہ یہ سب جماعتیں تحریک پاکستان کی شدید مخالف تھیں۔ اس صورت حال سے یہی باور کرنا پڑتا ہے کہ اگر اقبال کچھ عرصہ اور زندہ رہتے تو آپ معمار ملک و قوم (قائداعظم) کے اس مسلسل طرز فکر و عمل کو دیکھتے ہوئے احرار کے زیر اثر حاصل کردہ نظریات کو خیرباد کہہ کر قائد کے وسیع تر اسلامی اصولوں کے ہمنوا ہو جاتے۔ اور اگر یہ صورت پیدا نہ ہو سکی تو "اقبال و جناح تعلقات" میں ایک ناقابل عبور خلیج حائل ہو جاتی۔

باب نمبر ۱۸

— حواشی —

۱۔ اقبال کے آخری دو سال ص ۶۴۵

۲۔ کچھ پرانے خطوط از پنڈت جواہر لال نہرو ص ۲۹۳

۳۔ بحوالہ ہماری قومی جدوجہد ۱۹۳۹ء از عاشق حسین بٹالوی ص ۷۶

۴۔ روزنامہ انقلاب۔ لاہور یکم جون ۱۹۴۴ء صفحہ آخر

۵ روزنامہ انقلاب۔ لاہور ۳ر اگست ۱۹۴۴ء

JESUS DIED IN KASHMIR

In 1938-9, the Lahore weekly *The Sunrise* published in serial form the book *Masih Hindustan mein* (originally published in 1908) by Hazrat Mirza Ghulam Ahmad, founder of the Ahmadiyya movement. This work introduced the question of whether Jesus had really died on the cross, and was found so convincing by the rector of Al-Azhar University in Cairo that he dictated a *fatwa* (verdict) declaring that, in accordance with the holy Koran, Jesus had died a natural death.

حضرت امام جماعت احمدیہ (اللہ آپ سے راضی ہو) کے ارشاد پر انسداد شدھی کی مہم کے دوران مولانا محمد علی جوہر اور دیگر خلافتی لیڈروں کے نام تاریخی تار
(دیکھئے کتاب محمد علی ان انڈین پالٹکس جلد ۳ ص ۲۸۲)

Qadian
Batala
18 September 1923

[Telegram]

We have come to know from the papers that an understanding is being arrived at with Mahashai Shraddhanand that the present *shuddhi* movement carried on by the Hindus and the anti-propaganda of the Mussalmans should be stopped [Illegible], all the non-local Hindu preachers as well as similar Mussalman speakers should leave the territory and Malkans be left [Illegible]. We look upon such a decision as most unreasonable and against the interest of Islam. Hindu preachers have long been working in the affected area and have succeeded in perverting thousands of Mussalmans, so if we now withdraw it would mean that the perverted Malkans should be left to their perverted state. Such a settlement would not in the least affect the position of Hindus, but it would be highly detrimental to the interest of Islam [*sic*] who are now trying to bring back Malkans to Islam.

No true Mussalman can tolerate to see his brethren perverted [*sic*] to Hinduism and yet withold from [Illegible] his best to save them. Moreover, the Hindus has [*sic*] a large number of preachers from among local residents, but Mussalman preachers are all from outside because local Mussalmans are either unfit or unwilling [Illegible].

We cannot understand how there should be any danger of breach of peace between the two communities making peaceful efforts to propagate their religion. Danger exists only when one or both of the two communities be inclined to outstep [the] peaceful limits of law. Consequently, we strongly protest against such a settlement and are in no case willing to leave territory until we have done all in our power to save perverted Malkans and we want to make it clear that we will not call for any understanding when the honour of Islam is at stake.

We hope that keeping in view your responsibility to Islam and Mussalmans in the matter, you will desist from entering into any understanding which may be at variance with the missionary spirit of Islam.

Mirza Bashir Ahmed

باب نمبر ۱۹

اقبال اور احمدیت

عہد حاضر کو ایک "نئے مسیح" یا "پیغمبر" کی ضرورت ہے۔ (اقبال)

مصنف زندہ رود کے مطابق۔

"۔ کئی احمدی، علامہ کے قریبی دوست رہے۔ علامہ ان کے ساتھ جلسوں میں شریک ہوتے۔ اور ان کے ساتھ مل جل کر علمی یا ملکی مسائل پر اپنے خیالات کا اظہار بھی کرتے تھے ۔ علاوہ اس کے علامہ نے بعض فقہی معاملات میں مولانا حکیم نور الدین (سلسلہ احمدیہ کے جانشین اول) کی رائے بھی لی۔ ا۔

راقم اس سلسلہ میں یہ اضافہ کرنا چاہتا ہے کہ اس قربت کے علاوہ علامہ، جماعت احمدیہ کے مخصوص عقائد سے بھی گہرے متاثر تھے۔ اس ضمن میں درج ذیل امور پیش خدمت ہیں

وفات مسیح

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ (وفات ۱۹۰۸ء) نے قرآن مجید کی متعدد آیات خصوصا آیت یا عیسیٰ انی متوفیک (اے عیسیٰ میں تجھے طبعی موت دونگا) .... الخ اور آیت فلما توفیتنی .... الخ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کی۔ تو ملک بھر میں آپ کی مخالفت کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ برصغیر کے علماء نے کفر کے فتووں کی بھرمار کر دی بلکہ بلاد اسلامیہ سے بھی فتاویٰ کفر منگوائے گئے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں۔

قرآن مجید میں (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ۔ ناقل) وعدہ تھا کہ یا عیسیٰ انی متوفیک و رافعک الی .... اور توفی، طبعی موت دینے کو کہتے ہیں "۔۲۔

آپ فرماتے ہیں۔

"۔ میرے دعویٰ کی جڑ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہے۔" ۳ ۔

علامہ اقبالؒ (وفات ۱۹۳۸ء) کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ کہ انی متوفیک ... سے طبعی موت

مراد ہے چنانچہ "ذکر اقبال" مصنف مولانا عبدالمجید صاحب سالک کے مطابق

"سرسید کی وفات کی خبر سن کر علامہ نے اسی آیت شریفہ یا عیسیٰ انی متوفیک ..... سے ان کی وفات کی تاریخ نکالی۔ ذکی شاہ نے یہ تاریخ شاہ صاحب (علامہ کے استاد مولانا میر حسن۔ ناقل) کو جا کر سنائی۔ تو انہوں نے فرمایا۔ بہت خوب ہے۔" ۴ ے

گویا آپ کے استاد محترم کا بھی یہی عقیدہ تھا اپنی وفات سے تین سال قبل ۱۹۳۵ء میں بھی علامہ نے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ ملفوظات اقبال میں ہے۔

ایک مرتبہ سید جمال الدین افغانی اور سرسید" کا تذکرہ چل پڑا۔ تو اقبال نے فرمایا ۔۔۔ "میں نے (سر) سید احمد کی وفات پر تاریخ کہی تھی جو ان کی قبر پر کندہ ہے۔ **انی متوفیک و رافعک الی و مطھر ک.... الخ۔**" ۵ ے

مسیح کی آمد ثانی

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ "مسیح کی آمد ثانی" کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"یہ گمان بداہت باطل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔" ۶ ے

ڈاکٹر سعید اللہ ایم اے پی ایچ ڈی، اس ضمن میں علامہ کا عقیدہ بیان کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں

"۔ میں نے علامہ سے کہا۔ مسلمان عام طور پر مسیح کی آمد ثانی کے منتظر ہیں۔۔
علامہ نے فرمایا۔ میں اس کا قائل نہیں۔" ۷ ے

حضرت عیسیٰ کا رفع سماوی

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں۔

قرآن شریف میں کہیں نہیں لکھا کہ حضرت عیسیٰ کو مع جسم عنصری دوسرے آسمان پر بٹھایا گیا۔ ۸

علامہ اقبال کا عقیدہ ملاحظہ ہو۔

"۱۴ر اپریل ۳۵ء کی ملاقات میں حضرت مسیح علیہ السلام کی معجزانہ ولادت ا۔ اور رفع سماوی (آسمان پر اٹھایا جانا) کا ذکر ہوا۔ تو (علامہ نے) فرمایا۔ یہ دو چیزیں نو مسلم عیسائیوں کی بدولت اسلامی عقائد میں داخل ہوئیں۔" ۹ ے

نومسلموں کے خیالات اجزاء اسلام بن گئے

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں

"۔ تیسری صدی کے بعد حیات مسیح کا اعتقاد، مسلمانوں میں شامل ہوا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ نئے نئے عیسائی، مسلمان ہو کر، ان میں ملتے گئے اور یہ قائدہ کی بات ہے کہ جب ایک نئی قوم، کسی مذہب میں داخل ہو تو اپنے مذہب کی رسوم اور بدعات جو وہ ہمراہ لاتی ہے۔ اس کا کچھ حصہ نئے مذہب میں بھی جاتا ہے۔ ایسے ہی عیسائی جب مسلمان ہوئے تو یہ خیال ہمراہ لائے اور رفتہ رفتہ وہ مسلمانوں میں پختہ ہو گیا۔" ۱۰ ے

اس ضمن میں محمد حسین عرشی، علامہ اقبال کا مسلک یوں بیان کرتے ہیں۔

"۔ ۱۴ر اپریل ۳۵ حاضر خدمت ہوا۔ میرے ساتھ حکیم طالب علی تھے... حکیم طالب علی کے سوال پر مسیح کی معجزات سے بھری ہوئی زندگی۔ ولادت ۲ ۔ وفات کے متعلق فرمایا کہ نومسلم عیسائیوں نے اپنے غیر معقول اور خرافیاتی عقائد، مسلمانوں میں شائع کر دیئے۔ سادہ لوح مسلمانوں نے ان کو اجزائے اسلام سمجھ کر سر آنکھوں پر اٹھا لیا۔" ۱۱ ے

مسئلہ جہاد

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں۔

"۔ اس حکم (یعنی حکم جہاد۔ ناقل) کی اصل عبارت جو قرآن شریف میں اب تک موجود ہے یہ ہے ... یعنی خدا تعالیٰ نے ان مظلوم لوگوں کو جو قتل کئے جاتے ہیں اور ناحق اپنے وطن سے نکالے گئے۔ فریاد سن لی اور ان کو مقابلہ کی اجازت دی گئی۔" ۱۲ ے

"۔ اسلامی جنگوں میں اول سے آخر تک دفاعی رنگ مقصود ہے" ۱۳ ے

علامہ فرماتے ہیں:۔

"۔ قرآن کی تعلیم کی رو سے جہاد یا جنگ کی صرف دو صورتیں ہیں۔ محافظانہ اور مصلحانہ۔ پہلی صورت میں یعنی اس صورت میں جبکہ مسلمانوں پر ظلم کیا جائے اور ان کو گھروں سے نکالا جائے۔ مسلمان کو تلوار اٹھانے کی اجازت ہے (نہ حکم) دوسری صورت جس

(ص ۵۲۹۔)

آسمان روحانیت کے طائر

علامہ اقبال اپنے طویل تجربہ اور مشاہدہ کی بناء پر ۱۹۳۲ء میں فرماتے ہیں کہ

" اشاعت اسلام کا جوش ' جو احمدیت کے اکثر افراد میں پایا جاتا ہے قابل قدر ہے۔"

جماعت احمدیہ کے ذریعہ دنیا کے کناروں تک قرآن حکیم اور سیرت طیبہ " کا زندگی بخش پیغام پہنچانے کو جو انتظام کیا گیا ہے وہ ان واقفین زندگی کا مرہون منت ہے جنہوں نے خود کو مامور وقت اور اس کے خلفاء کی تربیت کے نیچے دے دیا جب وہ روحانی تربیت پا کر ' آسمان روحانیت کے طائر بن گئے ۔ تو انہیں مختلف اطراف کی طرف اڑا دیا گیا۔ ان میں کوئی یورپ کے ظلم کدوں کی طرف نکل گیا۔ کوئی امریکہ کی سرزمین پر جا اترا۔کوئی جزائر شرق الہند چلا گیا اور کوئی صحرائے اعظم عبور کو کے مغربی افریقہ میں اپنی منزل تک جا پہنچا۔

واقفین زندگی کی تعلیم و تربیت اور ان کی اکناف عالم تک اڑان کا سلسلہ آج بھی پوری شان سے جاری و ساری ہے۔

ہم آئندہ صفحات میں ان روحانی طائروں کے چند فوٹوز پیش کر رہے ہیں۔

احمدی مبلغین (فوٹو ربوہ)

احمدی مبلغین (فوٹو قادیان)

سلسلہ احمدیہ کے چند مبلغین اور ذمہ دار عہدیداران

حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب ایم اے کے ہمراہ

برطانیہ میں متعین مبلغین حضرت امام جماعت احمدیہ مرزا طاہر احمد صاحب کے ہمراہ

میں جہاد کا حکم ہے ۹-۴۹ میں بیان ہوئی ہے .... جنگ کی مذکورہ بالا دو صورتوں کے سوائے میں کسی اور جنگ کو نہیں جانتا" ۱۲؎

جبراً اشاعت اسلام حرام ہے

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں۔

"اس زمانہ میں جنگ اور جہاد سے دین اسلام کو پھیلانا ہمارا عقیدہ نہیں ہے"۔۱۵؎

علامہ کا عقیدہ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں۔

"۔ جوع الارض کی تسکین کے لئے جنگ کرنا۔ دین اسلام میں حرام ہے۔ علی ھذالقیاس۔ دین کی اشاعت کے لئے تلوار اٹھانا بھی حرام ہے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروزی ظہور

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا ارشاد:۔

"۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت نے جوش مارا اور اس کی رحمت اور وعدہ حفاظت نے تقاضا کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بروز کو پھر نازل کرے۔"۱۷؎

بروزی ظہور کے متعلق علامہ اپنے عقیدہ کا یوں اظہار کرتے ہیں۔

"۔ حال کے ہیئت دان کہتے ہیں کہ بعض سیاروں میں انسان یا انسانوں سے اعلیٰ تر مخلوق کی آبادی ممکن ہے۔ اگر ایسا ہو تو رحمتہ اللعالمین کا ظہور وہاں بھی ضروری ہے۔ اس صورت میں کم ازکم محمدیت کے لئے .... بروز لازم آتا ہے۔"۱۸؎

خروج یاجوج وماجوج

جماعت احمدیہ کے نزدیک یاجوج وماجوج سے مراد روس اور انگریز وامریکن اقوام ہیں۔

بانی سلسلہ نے فرمایا۔

"۔ یاجوج ماجوج من کل حدب ینسلون کا نظارہ دکھا رہے ہیں" (الحکم ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

ان دونوں قوموں پر وہ تمام علامات صادق آتی ہیں جو یاجوج وماجوج کے بارہ میں قرآن مجید اور احادیث میں وارد ہیں۔ اس لحاظ سے یہی زمانہ مسیح موعود کی بعثت کا زمانہ متعین ہو جاتا ہے۔

علامہ اقبال ________________ کا مشہور شعر ہے

۔ کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام۔ چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرف ینسلون۔

سب سے بڑا دینی مفکر

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں۔

میں قرآن شریف کے حقائق و معارف بیان کرنے کا نشان دیا گیا ہوں۔

کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔" ۱۹ ؎

علامہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

"۔۔ موجودہ ہندی مسلمانوں میں مرزا غلام احمد قادیانی سب سے بڑے دینی مفکر ہیں"۔ ۲۰ ؎

اسلامی سیرت کا نمونہ

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی طرف سے اعلان کردہ دس شرائط بیعت میں سے ششم شق یہ ہے کہ بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے:۔

"۔ یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آ جائے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے اوپر قبول کرے گا۔ اور قال اللہ وقال الرسولؐ کو اپنی ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔" ۲۱ ؎

گویا ہر احمدی "اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ" ہونا چاہئے۔

علامہ 'احمدیوں کے متعلق اپنے تجربہ کی بنیاد پر فرماتے ہیں:۔

"۔۔ پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس شکل میں ظاہر ہوا ہے جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں۔" ۲۲ ؎

اشاعت اسلام کا جوش

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ "حکومتی مذہب عیسائیت" کا مقابلہ کرنے اور اشاعت اسلام کے لئے مساعی کرنے کے ضمن میں اپنے عقیدت مندوں سے فرماتے ہیں:۔

"۔ عیسائیوں کی تعلیم بھی سچائی اور ایمانداری کے اڑانے کے کئی قسم کی سرنگیں طیار کر رہی ہے اور عیسائی لوگ اسلام کے مٹا دینے کے لئے جھوٹ اور بناوٹ کی تمام باریک باتوں کو نہایت درجہ جانکاہی سے پیدا کر کے ہر ایک رہزنی کے موقع اور محل پر کام میں لا رہے ہیں او بہکانے کے نئے نئے نسخے اور گمراہ کرنے کی جدید جدید صورتیں تراشی جاتی ہیں اور اس انسا

ربوہ میں روحانی طائروں کا ایک اور اجتماع۔

جامعہ احمدیہ ربوہ کے سالانہ تقریری مقابلوں کے سامعین

کامل کی سخت توہین کر رہے ہیں جو تمام مقدسوں کا فخر اور تمام مقربوں کا سرتاج اور تمام بزرگ رسولوں کا سردار تھا۔" ۴۳ ؎

(اب) ہر ایک حق پوش دجال دنیا پرست یک چشم جو دین کی آنکھ نہیں رکھتا حجت قاطعہ کی تلوار سے قتل کیا جائے گا او۔ سچائی کی فتح ہو گی اور اسلام کیلئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آ چکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا ۔ جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے۔ لیکن ابھی ایسا نہیں۔ ضرور ہے آسمان اسے چڑھنے سے روکے رکھے جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں۔" ۴۴ ؎

اس نوع کی تعلیم آپ اکثر افراد جماعت کو دیتے رہے۔ جس کے نتیجہ میں آپ سے وابستہ ہونے والوں میں عیسائیت کی تردید اور اشاعت اسلام کی تبلیغ کا جوش موجزن ہو گیا۔ اس جوش کا اعتراف علامہ اقبال کی زبانی سننے کے لائق ہے۔ ایک صاحب کو اپنے جوابی مکتوب میں لکھتے ہیں۔

" باقی رہی تحریک احمدیت۔ سو میرے نزدیک لاہور کی جماعت میں بہت سے ایسے افراد ہیں۔ جن کو میں غیرت مند مسلمان جانتا ہوں اور ان کی اشاعت اسلام کی مساعی میں ان کا ہمدرد ہوں۔

" ..... اشاعت اسلام کا جوش جو ان (حضرت بانی سلسلہ احمدیہ۔ ناقل) کی جماعت کے اکثر افراد میں پایا جاتا ہے۔ قابل قدر ہے۔" ۴۵ ؎

مسیح و مہدی ۔۔ کا ظہور

" علامہ اقبال کے عقیدے کے مطابق مہدی کی آمد۔ مسیح کے دوبارہ ظہور اور مجددیت کے جو متعلق جو احادیث ہیں وہ ایرانی اور عجمی تخیلات کا نتیجہ ہیں۔ عربی تخیلات اور قرآن کریم کی صحیح سپرٹ سے ان کا کوئی سروکار نہیں

احمدیت کے خلاف اپنے مضمون Qadianis and orthodox muslims میں بھی اسی عقیدے کا اظہار کیا ہے اور مسلمانوں میں انتظار مسیح موعود و مہدی کے عقیدے کو پھیلانے کا ذمہ دار Ambitious and ignorant Mullaism کو قرار دیا ہے۔
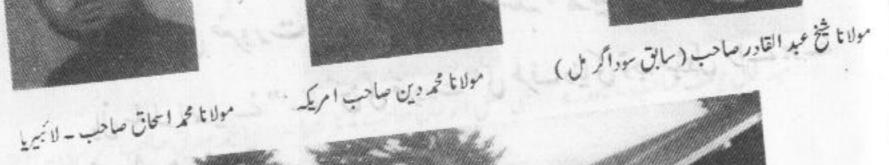
فرقہ قادیان خالصتاً مسلم طرز کے کردار کا طاقت ور مظہر ہے ۔ اقبال ۔

A Power full expression of the essentially muslim type of chracter

مولانا نذیر احمد علی صاحب سیرالیون

مولانا عبد الرحیم نیر صاحب ۔ برطانیہ

مولانا عبد الرحیم درد صاحب برطانیہ

مولانا نذیر احمد مبشر صاحب غانا

مولانا جلال الدین شمس صاحب فلسطین

مولانا ابو العطاء صاحب عرب

سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب

مولانا غلام حسین ایاز صاحب

دنیا کے مختلف مقامات سے آئے ہوئے احمدی مبلغین اپنے پیارے آقا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کے ساتھ۔

.... لیکن ان کی بعض تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود کسی روحانی مصلح کی آمد کے منتظر نہ سہی لیکن اس کی ضرورت ضرور محسوس کرتے تھے۔ اور ایسے مصلح کے آنے کی خواہش کرتے تھے۔ .... عقل، مسیح و مہدی کے آنے کی احادیث کو عجمی تخیلات کا نتیجہ قرار دیتی لیکن ان کا دل ... جب دیکھتا کہ "وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود" یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود" .... تو پکار اٹھتا۔

"کاش کہ مولانا نظامی کی دعا اس زمانے میں مقبول ہو اور رسول اللہ صلعم پھر تشریف لائیں اور ہندی مسلمانوں پر اپنا دین بے نقاب کریں۔" ۲۶ ؎

جب وہ دیکھتے کہ "موجودہ زمانہ روحانیت کے اعتبار سے بالکل تہی دست ہے۔ اسی واسطے اخلاص، محبت، مروت و یک جہتی کا نام و نشان باقی نہیں رہا۔ آدمی، آدمی کا خون پینے والا اور قوم، قوم کی دشمن ہے۔ یہ زمانہ انتہائے تاریکی کا ہے۔" "۔ تو فرماتے۔" --- "لیکن تاریکی کا انجام سفید ہے۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ جلد اپنا فضل کرے اور بنی نوع انسان کو پھر ایک دفعہ نور محمدی عطا کرے۔ بغیر کسی بڑی شخصیت کے اس بدنصیب دنیا کی نجات نظر نہیں آتی۔" ۲۷ ؎

عہد حاضر کو ایک نئے مسیح یا پیغمبر کی ضرورت ہے۔

ایک مغربی دانشور پروفیسر میکنزی نے اپنی کتاب "انٹروڈکشن ٹو سوشیالوجی" کے آخری دو پیراگرافس میں درج ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے۔:-

"۔ کامل انسانوں کے بغیر سوسائٹی معراج کمال پر نہیں پہنچ سکتی اور اس غرض کے لئے محض عرفان اور حقیقت آگاہی کافی نہیں بلکہ ہیجان اور تحریک کی قوت بھی ضروری ہے ..... ہمیں معلم بھی چاہئیں اور پیغمبر بھی ..... غالباً ہمیں ایک نئے مسیح ا۔ "A New Christ" کی ضرورت ہے ..... اس عہد کے پیغمبر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس ہنگامہ زار میں وعظ تبلیغ کرے .....

علامہ اقبال نے اپنے خط محررہ ۲۴ جنوری ۱۹۲۱ء بنام ڈاکٹر نکلسن (جس نے اسرار خودی انگریزی میں ترجمہ کیا تھا) میں پروفیسر میکنزی کے مذکورہ بالا دو پیراگرافس کو لفظ بہ لفظ نقل کے لکھا ہے۔

مولانا عبد الغفور صاحب جاپان

مولانا کرم الٰہی صاحب ظفر۔ سپین

مولانا اے۔ پی۔ ابراہیم صاحب۔ سری لنکا

مولانا احمد خان نسیم صاحب برما

مولانا مبارک علی صاحب، جرمنی

مولانا شیخ عبد القادر صاحب (سابق سوداگر مل)

مولانا محمد دین صاحب امریکہ

مولانا محمد اسحاق صاحب۔ لائبیریا

امراء مختلف اضلاع جماعت ہائے احمدیہ۔ پاکستان، حضرت امام جماعت احمدیہ کے ہمراہ بمقام لندن۔ (۱۹۷۶ء)

How very true are the last two paragraphs of professor Mackenzie's Introduction to Social Philosophy

پروفیسر میکنزی کی کتاب " انٹروڈکشن ٹو سوشیالوجی " کے یہ دو آخری پیراگرافس کس قدر صحیح ہیں۔

اس خط میں یہ بھی لکھتے ہیں۔

" ہمارے عہد نامے، ہماری لیگیں، ہماری پنچائتیں اور کانفرنسیں، جنگ و پیکار کو صفحہ حیات سے ختم نہیں کر سکتیں۔ کوئی بلند مرتبہ شخصیت (یعنی نئے مسیح یا پیغمبر کی شخصیت۔ ناقل) ہی ان مصائب کا خاتمہ کر سکتی ہے۔ اور اس شعر میں میں نے اسی کو مخاطب کیا ہے۔

باز در عالم بیار ایام صلح
جنگ جویاں را بدہ پیغام صلح ۲۸ ے

علماء کا کہنا ہے کہ قرآنی ہدایت موجود ہے۔ اب ہم خود ہی دنیا کی بگڑی سنوار لیں گے۔ مگر علامہ کے نزدیک بحر و بر میں اتنا عظیم فساد برپا ہے کہ اسے رفع کرنے کی خاطر غائت درجہ بلند مرتبہ روحانی شخصیت کی ضرورت ہے۔

" نئے مسیح " کی ضرورت اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ

بانی سلسلہ احمدیہ نے " نئے مسیح کی ضرورت " کی طرف دنیا کی توجہ مبذول کراتے ہوئے اپنے ایک شعر میں فرمایا تھا۔

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

باقی ص ۵۳۸

مولانا رحمت علی صاحب - انڈونیشیا

مولانا محمد صادق سماٹری صاحب - انڈونیشیا

حافظ قدرت اللہ صاحب - ہالینڈ

مولانا ظہور حسین صاحب - بخارا

سید میر مسعود احمد صاحب ڈنمارک

سید کمال یوسف صاحب - ناروے

مفتی فضل الرحمان صاحب - نائیجیریا

مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری - افریقہ

احمدیہ مبلغین کا ایک گروپ - بمقام جکارتہ (۱۹۷۷ء)

گوتم بدھ

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے نزدیک "گوتم بدھ مختلف قوموں کے جوشوں کو ٹھنڈا کر کے ان کے درمیان صلح کراتا ۔ گویا اس کا پیغام ، صلح کا پیغام تھا ..... (مگر) ہندو لوگ بدھ مذہب اور اس کی کامیابی کو بڑی نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں" (پیغام صلح ص ۲۳ ۱۹۰۸ء)

اقبال کا کہنا ہے

قوم نے پیغام گوتم کی ذرا پروانہ کی ۔ قدر پہچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی

بنی اسرائیل ۔ یہود

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی تحقیق کے مطابق کشمیریوں کی ، شکل و صورت اور **خد و خال** ، عادات خصائل متفقہ طور پر یہودیوں کے مشابہ ہیں ۔ نیز کشمیر بھی عبرانی نام ہے ۔

تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو کتاب " مسیح ہندوستان میں "

محمد عبد اللہ قریشی اقبال کے عقیدہ کو یوں اظہار کرتے ہیں

" اقبال ، کشمیریوں کو یہود تصور کرتے تھے ۔ اور کہتے تھے کہ ان کے عادات خصائل اور شکل و شمائل افغانوں سے ملتے جلتے ہیں ۔ جو بنی اسرائیل ہیں ۔ اور اس معاملے میں ان کو یہاں تک غلو تھا کہ ایک مرتبہ انہوں نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند کے پاس ایک یاداشت بھیجنی چاہئے جس کا مضمون یہ ہو کہ تم بھی بنی اسرائیل ہو اور کشمیر کے لوگ بھی ۔ ان کو دہری غلامی سے نجات دلا کر نیکی اور بھلائی کی مستقل یادگار چھوڑ جائے "

(ادبی دنیا ص ۲۰۹ ۔ اقبال نمبر ۔ کشمیر نمبر جلد ششم شمارہ ۲۴)

دیکھئے ص ۵۴۲

الفضل اخبار قادیان نے ۱۹۳۹ء میں ایک ضخیم اور شاندار " خاتم النبین " نمبر شائع کیا اس نمبر میں علامہ نے اپنا نعتیہ کلام بھجوایا ۔ جس کا ایک شعر یہ ہے =

بہر دلبیز از ہندوستان آوردہ ام   سجدہ شوقے کہ خوں گردید در سیمائے من

قادیانی فرقہ ۔ خالصتاً "مسلم طرز کے کردار کا طاقتور مظہر ہے" (اقبال)

دین کی خاطر زندگیاں وقف کرنے والے مربیان سلسلہ ۔ ناظر صاحب اصلاح و ارشاد ربوہ کے ہمراہ

3-4-09

دین کی خاطر زندگیاں وقف کرنے والے مبلغین سلسلہ ۔ ڈاکٹر صاحب اصلاح و ارشاد ونگ کے ہمراہ

باب نمبر۱۹

۔حواشی۔

۱۔ زندہ رود ص ۔ ۵۷۵
۲۔ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۷۷
۳۔ لیکچر سیالکوٹ ص ۔ ۶۷
۴۔ ص ۔ ۱۹
۵۔ ملفوظات اقبال ص ۷۵
۶۔ ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۲۳۱
۷۔ ملفوظات اقبال ص ۱۴۱
۸۔ براہین احمدیہ ص ۵۵
۹۔ ملفوظات اقبال ص ۷۰
۱۰۔ روحانی خزائن نمبر ۲ ص ۳۶۶
۱۱۔ ملفوظات اقبال ص ۷۲
۱۲۔ رسالہ جہاد ص ۴
۱۳۔ روحانی خزائن نمبر ۲ ص ۱۰۱
۱۴۔ اقبال نامہ حصہ اول ص ۲۰۱ ۔ مکتوب ۱۲ر دسمبر ۱۹۳۶ء
۱۵۔ روحانی خزائن جلد نمبر ۸ ص ۳۰۷
۱۶۔ مکاتیب اقبال حصہ اول ص ۲۰۳
۱۷۔ روحانی خزائن جلد نمبر ۲ ص ۹۲ (۱۹۰۲ء)
۱۸۔ مکاتیب اقبال حصہ اول ص ۱۱۷

۱۹۔ ضرورت الامام مطبوعہ ۱۸۹۸ء ص ۴۰

۲۰۔ رسالہ انڈین اینٹی کوئیری ستمبر ۱۹۰۰ جلد نمبر ۲۹ ص ۲۳۹

۲۱۔ ازالہ ادہام ص ۸۵۴۔ شرائط بیعت ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء

۲۲۔ ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر۔ (لیکچر ۱۹۱۰ء)

۲۳۔ فتح اسلام ص ۶

۲۴۔ ایضاً ص ۱۵

۲۵۔ مکاتیب اقبال حصہ نمبر ۲ ص ۲۳۲ خط ۷ر اپریل ۱۹۳۲ء

۲۶۔ اقبال نامہ حصہ اول ص ۴۱

۲۷۔ علامہ کا خط اپنے والد محترم کے نام "مظلوم اقبال ص ۲۹۳)

We need prophets as well as teachers .... perhapes we want a new Christ (Thoughts and Reflections of Iqbal P.95) ؎

۲۸۔ مظلوم اقبال ص ۱۹۱

حضرت بابا نانک" بہ سلسلہ ص ۵۳۸

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے بابا نانک" کو توحید پرست ' نیک مرد اور صاحب الہام ' لکھا ہے۔ (ست بچن ص ۴۵-۴۱ مطبوعہ ۱۸۹۵ء) ؎ اقبالؔ . پھر اٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے

ہند کو اک مردِ کامل نے جگایا خواب سے

شری کرشن

بانیٔ تحریک احمدیہ کے مطابق :۔

"--- شری کرشن ' اپنے وقت کا نبی اور اوتار تھا۔" (پیغام صلح ۱۹۰۸ء ص۔ ۶)

شاید اسی نظریہ کے زیر اثر ' علامہ اقبال کو

"--اس عظیم ہستی سے نہ صرف عقیدت تھی بلکہ ایک طرح کی محبت تھی --" (زندہ رود ص ۴۰۹)

جلالی اور جمالی شان کا ظہور

سلسلہ احمدیہ کے بانی کے نزدیک جہاں صحابہ اور بعد کے مسلمان ' جلالی شان کی بناء پر اسم محمدؐ کے مظہر تھے وہاں آنے والے مسیح موعود کو اسم احمد کا مظہر بنایا گیا اور اسے جمالی صفات کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا (تفصیل کے لئے دیکھئے اعجاز المسیح ص ۸۷ تا ۱۴۴)

اقبال کا بھی یہی کہنا ہے کہ :۔

ہو چکا گو قوم کی شانِ جلالی کا ظہور ۔ ہے مگر باقی ابھی شانِ جمالی کا ظہور

علامہ اقبال کا روحانی مقام و مرتبہ

دو نظریات

(۱)

ہمارے ہاں علامہ اقبال کے روحانی مقام و مرتبہ کے بارے میں دو مکاتیب فکر ہیں۔ پہلے مکتب فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امیر تنظیم اسلامی لکھتے ہیں : حدیث نبویؐ ہے **ان اللہ یبعث لهذه الامة علی راس کل مائته... الخ** یعنی --"۔ خدا تعالیٰ اس امت میں ہر صدی کے سر پر ایسے لوگوں کو مبعوث کرتا رہے گا جو اس کے دین کو از سر نو تازہ کرتے رہیں گے۔" اس حدیث کے حوالے سے گزشتہ تیرہ صدیوں کے مجددین کے ذکر کے بعد چودھویں صدی کے بارہ میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ :۔

"۔ جتنے عظیم ارباب ہمت و عزیمت اور شہسواران میدان تجدید و اصلاح برصغیر پاک و ہند میں پیدا ہوئے ان کی مثال پورا عالم اسلام نہ کمیت کے اعتبار سے دے سکتا ہے نہ کیفیت کے اعتبار سے .... دینی تعلیم و تربیت کے قدیم نظام سے فیض یاب ہونے والوں میں سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن ایسی عظیم اور جامع شخصیت بھی یہیں سے پیدا ہوئی اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کے جدید نظام تعلیم سے مستفید ہونے والوں میں سے علامہ اقبال مرحوم جیسا نا[illegible]ت اور رومی ثانی بھی اسی خاک سے اٹھا۔"

(روزنامہ "جنگ" کراچی۔ ۲۱ فروری ۱۹۸۶ء)

مصنف "زندہ رود" کے نزدیک۔ "اقبال مظاہر الٰہی میں سے تھے۔ ایسے نوابغ روزگار خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہدیہ کے طور پر ہی انسانوں میں نمودار ہوتے ہیں اور وہ آرڈر دے کر نہیں .نوائے جا سکتے۔ (ص ۶۵۶)

"اقبال --- "مجدد عصر" کے مصنف کا کہنا ہے کہ۔ "اقبال کی شخصیت میں مجدد کا جذب و اثر اور اقبال کی کوششوں میں مجدد کے نقش پا ملتے ہیں (ص ۱۴۷) پھر لکھتے ہیں۔ "نبی

کی طرح اقبال بھی اپنی قوم کی فلاح نظر میں رکھتا ہے۔" (ص ۱۲۱) مصنف ڈاکٹر سہیل بخاری ۔اقبال اکادمی پاکستان

(۲)

علامہ اقبال کے مقام و مرتبہ کے بارے میں دوسرے طبقے کی نمائندگی کے لئے ہم نے علامہ کے بچپن کے بے تکلف دوست مرزا جلال الدین صاحب ایڈووکیٹ اور صدر حکومت آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم کو منتخب کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کچھ جھلکیاں مصنف "زندہ رود" کی تحقیق کی بھی پیش کریں گے۔

مرزا جلال الدین صاحب کے مشاہدات

رقص و سرود کی محفلیں

مرزا صاحب فرماتے ہیں:۔

"اقبال ہر شام بلاناغہ میرے ہاں تشریف لاتے۔ ان کو راگ رنگ کا بہت شوق تھا۔ میرے مکان پر چونکہ رقص و سرود کی محفلیں اکثر جما کرتیں۔ اس لئے وہ ان مجالس میں بڑی رغبت سے شمولیت فرماتے۔ (ملفوظات اقبال ص ۹۴)

چہرے پر تقدس کا ہالہ

پھر لکھتے ہیں:۔

"اقبال آخر انسان تھے۔ پیغمبرانہ اعجاز رکھنے کے باوجود پیغمبر نہ تھے۔ اس لئے ان کو ایسی باتوں سے معرا سمجھنا جو بشریت کا لازمہ اور انسانیت کا خاصہ ہیں۔ ایک ایسا تمسخر انگیز دعویٰ ہے جس میں نہ تو حقیقت کو دخل ہے نہ خود ڈاکٹر صاحب کی روح کے لئے مسرت کا سامان موجود ہے..... ان کے چہرے پر تقدس کا جو ہالہ ہروقت نظر آتا تھا۔ اس سے یہ کسی طور پر لازم نہیں آتا کہ انہیں ان کے اصلی مرتبے سے محروم کر کے صوفیائے عظام اور اولیائے کرام کے زمرے میں شامل کرلیا جائے۔ (ایضاً ص ۱۱۳)

اب بڑھاپے کے ایام کی ایک ملاقات کا حال سنئے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں:۔

ذرا اپنی مار دھاڑ کو بھی یاد فرمالیجئے

"میں ستمبر ۱۹۳۷ء میں (علامہ کی وفات سے قریباً چھ ماہ قبل۔ ناقل) یورپ کے سفر کے بعد لاہور واپس آیا تو میں نے سنا۔ اقبال عرصہ سے صاحب فراش ہیں۔ اس خبر سے میرا دل بیقرار ہو گیا اور ان سے ملنے گیا۔ اتفاق سے وہ اکیلے تھے۔ اس تنہائی میں ان کے دل پر پھر وہی جوش و حرارت پیدا ہوئی اور وہ مجھ سے پوچھنے لگے کہ سال بھر کے بعد وطن واپس آئے ہو۔ استاد! سچ سچ کہو۔ اب کے جال میں کیا لگا؟ میں نے کہا۔ یہاں جو کچھ لگا۔ وہ آپ کے راؤنڈ ٹیبل والے سفر (۳۲۔۱۹۳۱ء) سے کم ہی ہو گا۔ ذرا اپنی مار دھاڑ کو بھی یاد فرمالیجئے۔ اس پر اقبال ہنس پڑے۔ بولے۔ راؤنڈ ٹیبل والے سفر میں رکھا ہی کیا تھا۔ رفقاء سفر، منکر نکیر کی طرح ہروقت دائیں بائیں موجود رہتے تھے....

میں نے کہا۔ آپ کے دل میں حج کی بہت پرانی خواہش ہے۔ اس لئے اب کے میرے ساتھ یورپ چلئے تاکہ حج سے قبل چوہوں کی تعداد پوری نو سو ہو جائے اور گھر لوٹتے ہوئے راستے میں گناہ بخشواتے آئیں۔" (ایضاً ص ۱۲۰)

مصنف زندہ رود کے مطابق اقبال کی طبیعت میں حاضر جوابی۔ بذلہ سنجی اور ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ قیام انگلستان کے دوران پروفیسر آرنلڈ نے اقبال سے کہا کہ علی گڑھ کے ایک مولوی صاحب یورپ کی سیاحت کرتے ہوئے لندن پہنچے ہیں۔ انہیں قابل دید مقامات کی سیر کرا دیں۔ اقبال نے مولوی صاحب کو جگہ جگہ پھرایا اور شام کے قریب کسی قہوہ خانہ میں جا بٹھایا۔ اس جگہ چند ستم پیشہ لڑکیاں بھی موجود تھیں۔ اقبال کے اشارے پر یا خود اپنی جولانی طبع سے وہ مولوی صاحب کے گرد جمع ہو گئیں۔ کوئی ان کو قہوہ پلانے لگی، کسی نے ان کی نورانی داڑھی کو چھوا اور ایک نے تو ان کے رخساروں پر عقیدت کی چند مہریں بھی جڑ دیں۔ مولوی صاحب سخت پریشان ہوئے اور جب اس مصیبت سے نجات ملی تو غصہ سے بھرے ہوئے آرنلڈ کے پاس پہنچے اور اقبال کی شکایت کی۔ آرنلڈ سخت نادم ہوئے..... اور خفگی کے لہجے میں اقبال سے کہا کہ ایسے بزرگ کو قہوہ خانے میں لے جاتے ہوئے تمہیں شرم نہ آئی (زندہ رود جلد ۲ ص ۱۷۴)

مصنف زندہ رود کی تحقیق ہے:۔

اقبال کو بچپن سے گانے کا بہت شوق تھا اور راگوں کے الاپ سے شناسا تھے ...
لوگ کہتے ہیں مجھے راگ کو چھوڑو اقبال ۔ راگ ہے دین میرا ۔ راگ ہے ایمان میرا
۔ اس زمانے میں راگ رنگ ان کا دین اور ایمان تھا ۔ یہ ان کے جوانی کے ایام تھا ....

اقبال ، نسوانی حسن سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے تھے ۔ ۱۹۰۳ء میں ان کے بچپن کے دوست سید تقی شاہ کے نام ایک خط میں " امیر نامی " (طوائف) کا ذکر ملتا ہے ۔ علامہ لکھتے ہیں

" ۔ امیر کہاں ہے ؟ خدا کے لئے وہاں ضرور جایا کریں ۔ مجھے بہت اضطراب ہے ۔ خدا جانے اس میں کیا راز ہے ۔ جتنا دور ہو رہا ہوں ۔ اتنا ہی اس سے قریب ہو رہا ہوں ۔ (ص ۱۷۵)

نوٹ : اقبال کی وفات پر تقی صاحب نے اس قسم کے بہت سے خطوط جلا دیئے تھے تاکہ اس مواد پر پردہ پڑا رہے ۔ (کتاب شمس العلماء مولانا میر حسن ص ۲۲۶)

مصنف " زندہ رود " لکھتے ہیں : ۔

راقم کی تحقیق کے مطابق امیر بیگم کا تعلق گو طوائفوں کے ایک گھرانے سے تھا ۔ لیکن وہ اور اس کے خاندان کی دیگر خواتین تائب ہو چکی تھیں ۔ (ص ۱۷۵)

علامہ اقبال اور سنت نبویؐ

پابندی نماز

علامہ اپنے خط بنام نذیر نیازی (محررہ ۱۹ر جولائی ۱۹۳۴ء) میں فرماتے ہیں ۔

ڈیئر نیازی صاحب ! حکیم (نابینا) صاحب کی خدمت میں عرض کیجئے گا کہ مجھے نماز کا پورا پابند کرنے ..... کی عادت ڈالنے کے لئے آپ کے روحانی اثر کی ضرورت ہے ۔ " (مکتوبات اقبال مرتبہ نذیر نیازی ۔ اقبال اکیڈمی کراچی (۱۹۵۷ء) ص ۱۷۱

البتہ صبح کی نماز کے متعلق زندہ رود ہمیں بتاتے ہیں کہ

" علامہ صبح کی نماز بہت کم چھوڑتے تھے " (ص ۔ ۶۱۹)

مسجد میں حاضری

" ۔ نظر آجاتا ہے مسجد میں بھی تو عید کے دن ۔ کے مصداق البتہ : ۔

" اقبال ، مسجد میں عیدین کی نماز پڑھنے ضرور جاتے تھے ۔ ورنہ نماز پڑھتے تو تخلیہ میں ۔ "
(زندہ رود جلد دوم ص ۱۷۲)

روزہ

۔ " روزہ کبھی کبھار رکھتے تھے اور جب رکھتے تو ہر گھنٹے دو گھنٹے بعد علی بخش کو بلوا کر پوچھتے کہ افطاری میں کتنا وقت باقی ہے ۔ " (ایضاً ص ۱۷۲)

سابق صدر حکومت آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم کا کہنا ہے : ۔

" عشق (رسالت ۔ ناقل) کے باوجود اقبال ، ظاہری طور پر (باطن کا معاملہ اللہ کو پتہ ہے) سنت رسول اللہؐ پر نہیں تھے ۔ سنت رسول اللہؐ کے پابند نہیں تھے ۔ .... ظاہری سنت کی پیروی نہ کرنا ----- نماز باقاعدگی سے نہ پڑھنا ----- اور جو دوسرے لوازمات ہیں ان پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر کے کلمات میں ہدایت کا اثر ہی سلب کر دیا ۔

سردار عبدالقیوم خان صدر حکومت آزاد کشمیر ، کابینہ کے اجلاس کی صدارت ۔

وہ شعر جن کو ہم رسول اللہ کی حمایت میں بیان کرتے ہیں ۔ ان سے تو لوگوں کی بات سمجھ میں آتی ہے لیکن مجرد کر کے

جو ڈاکٹر کا کلام پڑھے گا ۔ وہی گمراہ ہو گا آپ تلاش کر کے دیکھ لیں ۔ جہاں مرضی جا کے دیکھ لیں میں نے ڈاکٹر کے دوستوں کو ۔ رفیقوں کو ۔ اس کی مجلس میں بیٹھنے والوں کو دیکھا ہے کہ وہ گمراہی کی باتیں کرتے ہیں ۔ روزے نہیں رکھتے ۔ کہتے ہیں ڈاکٹر روزہ نہیں رکھتا تھا ۔ یہ بھی کہتے ہیں ۔ جی ڈاکٹر نماز شماز نہیں پڑھتا تھا ۔ نماز شماز ذرا ملاحظہ کریں ۔
(جنگ لاہور ۔ ۲ جنوری ۱۹۸۸ء)

سردار قیوم صاحب ہی کا کہنا ہے :۔

" ان (اقبال) کو دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی صورت کوئی سند کی حیثیت حاصل ہے نہ اس کی بے مقصد کوشش کرنی چاہئے ۔ اس سے ان کا مرتبہ کو بڑھانے کی بجائے دراصل گھٹایا جا رہا ہے ۔ جس طرح کسی سپاہی سے کہا جائے کہ آیئے ! جناب جرنیل صاحب ! تو یہ اس کی عزت نہیں ہے بلکہ محض بے عزتی ہے ۔ " (جنگ لاہور ۱۰ مارچ ۱۹۸۸ء)

قارئین کرام ! ہم نے علامہ اقبال کے بارے میں دونوں طبقوں کے نظریات درج کر دیئے ہیں ۔ قارئین ! خود اندازہ فرمالیں کہ علامہ کا اسلام میں روحانی مقام کیا ہے اور مسلمان ' مذہبی معاملات میں علامہ کے عملی نمونہ سے کس حد تک رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں ؟

یہ حدیث موضوع ہے

آخر میں ہم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امیر تنظیم اسلامی کی اطلاع کے لئے یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ جس حدیث نبوی (**ان اللہ یبعث لھذہ ۔ الامتہ....**) کے مطابق علامہ اقبال کو " میدان تجدید و اصلاح کا شہسوار " قرار دے رہے ہیں ۔ علامہ اسے صحیح حدیث تسلیم ہی نہیں کرتے بلکہ فرماتے ہیں ۔ " یہ حدیث موضوع ہے " (ملفوظات اقبال صفحہ ۶۵)

(احمدیہ وفد ۱۹۵۲ء)

سیدنا حضرت امام جماعت احمدیہ (اللہ آپ سے راضی ہو) کی ہدایت پر اس وفد نے ۱۷ر جولائی ۱۹۵۲ء کو کراچی میں وزیراعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین صاحب سے ملاقات کی اور انہیں ختم نبوت کی تحریک کی حقیقت حال سے آگاہ کیا ۔

دائیں سے بائیں ۔ مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری مبلغ بلاد عربیہ ۔ ملک عبدالرحمن صاحب خادم ایڈووکیٹ ۔ شیخ بشیر احمد صاحب سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ (زاں بعد جج ہائی کورٹ) ۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس مجاہد بلاد عربیہ و انگلستان ۔ مولانا عبدالرحیم درد ایم اے سابق مبلغ انگلستان و ناظر امور خارجہ ربوہ ۔ (جنہوں نے ۱۹۳۳ء) میں قائداعظم کو انگلستان سے ہندوستان واپس جا کر مسلمانوں کی قیادت کرنے پر رضامند کیا تھا)

کار تجدید

قارئین کرام! جس پاک وجود کو اللہ تعالیٰ کار تجدید کے لئے مبعوث فرماتا ہے وہ صدی کے درمیانی وقفہ میں پیدا ہونے والے عقائد و نظریات کے اختلافات میں بطور حکم فیصلہ دیتا ہے ----- اسے قبولیت دعا کا نشان عطا کیا جاتا ہے ----- اسے قرآنی حقائق و معارف عطا کئے جاتے ہیں ----- مکاشفات کا دروازہ اس پر کھولا جاتا ہے ----- اسے ظلی طور پر نور نبوت عطا کیا جاتا ہے ----- وہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تصویر بن کر دکھلاتا ہے ----- وہ اپنے نفس میں ایک تاثیر اور قوت قدسیہ رکھتا ہے ----- وہ اپنے پیروکاروں کو اپنے پرفیض پروں کے نیچے لے کر ان میں برکت۔ نور اور روحانی معرفت پیدا کرتا ہے اور منقولات کو مشہودات کے پیرایہ میں دکھلاتا ہے۔

قارئین کرام! مندرجہ بالا پیرا میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی ایک تحریر کا خلاصہ ہے۔ حضور کا دعویٰ تھا کہ حضور کی ذات میں وہ قوت قدسیہ جو "کار تجدید" کے لئے ضروری ہے موجود ہے۔

علامہ اقبال کا یہ اعلان کہ "مرزا غلام احمد قادیانی غالباً سب سے بڑے دینی مفکر ہیں" اور جماعت احمدیہ "اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ" ہے قابل غور ہے۔

قومی اسمبلی میں پیش ہونے والا احمدیہ وفد ۱۹۷۴ء :

(درمیان میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے تیسرے جانشین حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب ایم اے

ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ حکومت میں احمدیوں کو "غیر مسلم" قرار دے دیا گیا۔ (۷ر ستمبر ۱۹۷۴ء)

امام جماعت احمدیہ نے اسمبلی کے سوال جواب کی کارروائی شائع کرنے کا متعدد بار مطالبہ کیا مگر حکومت آج تک اس کی اشاعت سے خائف ہے۔

جناب الطاف حسین قریشی مدیر "اردو ڈائجسٹ" نے صورت حال کو یوں واضح کیا ہے کہ :-

ذوالفقار علی بھٹو نے یہ اقدام سیاسی فوائد حاصل کرنے کے لئے اٹھایا تھا۔ کچھ باخبر حلقے تو یہاں تک کہتے ہیں کہ قادیانیوں کے خلاف ہنگامہ آرائی کے مواقع مسٹر بھٹو نے ہی فراہم کئے تھے (پرچہ مارچ ۱۹۷۶ء)